مکتبِ امامت و خلافت

دوم

محققِ وحید آیت اللہ سید مرتضیٰ العسکری رحمۃ اللہ علیہ

محققِ وحید ثقۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حسن جعفری مدظلہ العالی

مکتب امامت وخلافت

(حصہ دوم)

تالیف

آیت اللہ علامہ سید مرتضٰی العسکری مدظلہ العالی

ترجمہ

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن جعفری

ناشر:

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاز بیگ لاہور۔فون: 5425372

کتاب ـــــــــــ مکتب امامت و خلافت (حصہ دوم)

تالیف ـــــــــــ آیت اللہ مرتضیٰ العسکری

ترجمہ ـــــــــــ مولانا محمد حسن جعفر

پروف ریڈنگ ـــــــــــ شیخ خادم حسین

ناشر ـــــــــــ ادارہ منہاج الصالحین

اشاعت ـــــــــــ اکتوبر 200ء

ہدیہ ـــــــــــ [redacted] روپے

ملنے کا پتہ:

ادارہ منہاج الصالحین

فرسٹ فلور دکان نمبر 20 الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور۔ فون: 7225252

فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُوْلٰئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔

(الزمر: ۱۷، ۱۸)

"آپ میرے ان بندوں کو بشارت دیدیجئے، جو باتوں کو سنتے ہیں اور جو بات اچھی ہوتی ہے اس کی اتباع کرتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صاحبان عقل ہیں۔"

مقدمہ طبع پنجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ رب لعالمین والصلاۃ والسلام علی محمد وآلہ الطاھرین والسلام علی ازواجہ الطاھرات امہات المومنین وعلی اصحابہ البررۃ المیامین۔

ہماری اس کتاب کا انداز بھی ہماری دوسری کتابوں "عبداللہ بن سبا" اور "ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی" جیسا ہے۔ اسی لیے ہر ایڈیشن کے وقت اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اور یوں معالم المدرستین کی پہلی جلد کے صفحات کچھ اس طرح بنتے رہے۔

پہلا ایڈیشن	۱۴۰۵ھ	۲۱۵	صفحات
دوسرا ایڈیشن	۱۴۰۶	۳۷۱	"
تیسرا ایڈیشن	۱۴۰۹	۵۱۹	"
چوتھا ایڈیشن	۱۴۱۲	۶۱۶	"
پانچواں ایڈیشن	۱۴۱۵	۵۹۲	"

جلد دوم مختلف اوقات میں یوں تشکیل پاتی رہی۔

پہلا ایڈیشن	۱۴۰۵	۳۷۸	صفحات
تیسرا ایڈیشن	۱۴۱۲	۴۰۵	"
موجودہ پانچواں ایڈیشن	۱۴۱۵	۴۷۲	"

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مزید زندگی عطا فرمائی اور اگر اس کی مشیت میں کتاب ہذا میں اضافہ کا فیصلہ ہوا تو میں موجودہ ترتیب کو تبدیل نہیں کروں گا اور تمام الحاقی مباحث کو کتاب کے آخر میں درج کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

مرتضیٰ العسکری فرزند السید محمد الحسینی فرزند

سید اسماعیل شیخ الاسلام

بحث سوم

دونوں مکاتب فکر کے ہاں شریعت اسلامیہ کے مصادر

- آغاز : پانچ اسلامی اصطلاحات
- فصل اول : قرآن مجید کے متعلق فریقین کے نظریات
- فصل دوم : سنت رسول کے متعلق فریقین کے نظریات
- فصل سوم : فقہ واجتہاد کے متعلق فریقین کے نظریات
- فصل چہارم : مکتب اہل بیت میں قرآن وسنت ہی شریعت اسلامی کے سرچشمے ہیں
- فصل پنجم : شریعت اسلامیہ کے مصادر کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آراء کا جامع خلاصہ

تمہید

"دونوں مکاتب فکر کے ہاں شریعت اسلامیہ کے مصادر کے ذکر سے پہلے ہم قرآن' سنت' بدعت' فقہ اور اجتہاد کی پانچ اصطلاحات کی تشریح کریں گے۔ اور اس ضمن میں فریقین کا موقف واضح کریں گے اور پھر بحث کے دوران ہم کچھ مزید ایسی اصطلاحات کی تشریح کریں گے جن کا تعلق اس بحث سے ہوگا۔"

(۱) قرآن مجید

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جسے اس نے وقتاً فوقتاً اپنے آخری نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا: اور قرآن کا متضاد شعرو نثر ہے۔ اور عربی کلام کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) قرآن۔ (۲) نثر۔ (۳) شعر۔(۱)

جس طرح سے کسی شاعر کے پورے دیوان کو "شعر" کہا جاتا ہے اور دیوان کے ایک قصیدہ کو بھی "شعر" کہا جاسکتا ہے اور قصیدہ کے ایک بیت کو بھی "شعر" کہا جاتا ہے اور ایک مصرع کو بھی "شعر" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح سے پورے قرآن کو "قرآن" ایک سورت کو "قرآن" اور ایک آیت کو "قرآن" بلکہ آیت کے کچھ حصہ مثلاً "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ" کو بھی "قرآن" کہا جاتا ہے۔

قرآن کے چند دوسرے نام

علماء نے قرآن مجید کی آیات سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن مجید کے کچھ اور ناموں کا استخراج کیا ہے' اور مذکورہ نام دراصل قرآن کے صفاتی نام ہیں اور ان سے قرآن مجید کی مختلف صفات کا اظہار ہوتا ہے' اور ان ناموں سے لفظ "الکتاب" کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ. (البقرہ : ۲)

۱۔ دنیا کی تمام موجودہ زبانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے کیونکہ گفتگو شعر میں ہوگی یا نثر میں ہوگی۔ جب کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہی نازل ہوا مگر اس کے باوجود اسے شعر یا نثر نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے اول و آخر قرآن مجید' قرآن مبین اور کلام اللہ المجید کہا جاسکتا ہے۔ قرآن کلام انسان نہیں ہے۔ (حمل وجاور علامات حقیقت ہوتی ہیں۔ جیسا کہ علماء نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔)

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔"

یہاں لفظ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے جو کہ اس وقت تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے' اور جس طرح سے یہود کی مذہبی کتاب تورات اور نصاریٰ کی مذہبی کتاب انجیل ہے' اسی طرح سے امت اسلامیہ کی مذہبی کتاب قرآن مجید ہے۔ سورہ البقرہ کی اس آیت میں لفظ الکتاب کا اشارہ قرآن مجید کی طرف ہے' کیونکہ اس کی ابتداء میں الف لام ہے اور اس کا اشارہ "عہد" کی طرف ہے۔

قرآن مجید میں لفظ کتاب کا اطلاق تورات پر بھی ہوا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰى اِمَامًا وَّرَحْمَةً.

"اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب گواہی دے رہی ہے جو قوم کے لیے پیشوا اور رحمت تھی۔" (ھود:۱۷)

آیت مذکورہ بالا میں لفظ کتاب کی "موسیٰ" کی طرف نسبت نے اسے تورات سے مخصوص کر دیا ہے۔

علمائے نحو "سیبویہ" کی کتاب کو "الکتاب" سے تعبیر کرتے ہیں۔

چنانچہ کشف الظنون میں کتاب سیبویہ کے متعلق مرقوم ہے۔

یہ کتاب اپنی شہرت اور علمیت کی وجہ سے علمائے نحو کے لیے ایک بلند بالا چوٹی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب بصرہ میں یہ کہا جاتا ہے "قرا فلان الکتاب" فلاں نے کتاب پڑھی۔ تو اس سے سیبویہ کی کتاب مراد لی جاتی تھی۔ اسی طرح سے اگر یہ کہا جاتا "فلاں قرأ نصف الکتاب" فلاں نے آدھی کتاب پڑھی تو اس سے بھی سیبویہ کی کتاب مراد لی جاتی تھی۔

اندلس کے مشہور نحوی ابو الحسن علی بن محمد المعروف ابن خروف نحوی اشبیلی المتوفی ۶۰۹ نے کتاب سیبویہ کی شرح لکھی تھی جس کا نام اس نے "تنقیح الالباب فی شرح غوامض الکتاب" رکھا تھا۔

اس نام میں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ لفظ کتاب سے مراد سیبویہ کی کتاب ہے۔

ابو البقاء عبداللہ بن حسین عکبری بغدادی حنبلی المتوفی ۶۱۶ھ نے کتاب سیبویہ کے اشعار کی تشریح میں کتاب لکھی تھی جس کا نام "لباب الکتاب" رکھا تھا۔

اس طرح سے ابو بکر محمد حسن زبیدی اندلسی اشبیلی المتوفی ۳۸۰ھ نے کتاب سیبویہ کی شرح لکھی تھی جس کا اس نے نام "ابنیۃ الکتاب" رکھا تھا۔

مذکورہ تینوں شرح کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے نحو کے ہاں لفظ "کتاب" سے سیبویہ کی کتاب مراد لی جاتی ہے۔

لفظ "الکتاب" کو قرآن مجید کا مخصوص نام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خود قرآن مجید نے اس لفظ کو اپنا مخصوص نام قرار نہیں دیا اور عرف مسلمین میں بھی یہ لفظ قرآن مجید کے لیے مخصوص نہیں ہے۔

قرآن کریم کا ایک صفاتی نام "نور" بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا.

"ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا۔" (النساء: ۴:۱۷۴)

قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "الموعظۃ" بھی ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ. (یونس: ۵۷)

"تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی ہے۔"

قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "کریم" (۱) بھی ہے جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے:

اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ. "یہ بڑا محترم قرآن ہے۔" (الواقعہ: ۷۷)

مگر واضح ہو کہ مذکورہ قسم کے نام قرآن حکیم کی بعض صفات کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں مگر یہ قرآن مجید کے نام نہیں ہیں۔

---

(۱) البرہان فی علوم القرآن زرکشی المتوفی ۷۹۴ھ طبع قاہرہ (النوع الخامس عرفی معرفۃ اسماءہ) ج ۱۔ ۲۷۳۔ ۲۷۶

مکتب خلافت میں قرآن مجید کو لفظ ''مصحف'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ لفظ نہ تو قرآن مجید میں وارد ہوا ہے اور نہ ہی پیغمبر اکرم کی کسی حدیث میں یہ لفظ قرآن مجید کے نام کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

زرکشی اور دوسرے علماء لکھتے ہیں:

جب حضرت ابوبکر نے قرآن مجید جمع کیا تو لوگوں سے کہا کہ اس کا نام رکھو۔ بعض نے کہا۔ اس کا نام انجیل رکھو۔ لیکن لوگوں کو یہ نام پسند نہ آیا۔ بعض نے کہا اس کا نام ''السفر'' رکھو۔ مسلمانوں کو یہ نام بھی اچھا نہ لگا' کیونکہ اس سے یہودیوں کی کتاب تورات کے سفر سے مشابہت دکھائی دیتی تھی۔ ابن مسعود نے کہا۔ میں نے حبشہ میں ایک کتاب کو دیکھا ہے اہل حبشہ مصحف کے نام سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ لوگوں کو یہ نام پسند آیا اور قرآن مجید کا نام مصحف رکھ دیا گیا۔ (۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت شرعیہ اور اسلامی اصطلاح کے تحت قرآن مجید کا نام ''مصحف'' نہیں ہے۔ البتہ اسے مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف سے اصطلاح کہا جا سکتا ہے' اور اس کی مثال یوں سمجھیں کہ خوارج کے نزدیک ان کا جو فدائی مسلمانوں سے جنگ کے لیے آمادہ ہو' اسے لفظ ''شاری'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مگر یہ صرف خوارج کی اصطلاح تک ہی محدود ہے' جب کہ عام مفہوم ''شاری'' سودا لینے والے گاہک کو کہا جاتا ہے۔

لہذا جب کوئی خارجی لفظ ''شاری'' استعمال کرے گا تو اس سے مراد ان کا فدائی فرد ہوگا اور جب کوئی عام شخص یہ لفظ استعمال کرے گا تو اس سے مراد سودا لینے والا گاہک ہوگا۔

اس مفہوم کی مزید وضاحت کے لیے ہم ایک اور مثال پیش کرتے ہیں۔

(۱) البرہان فی علوم القرآن زرکشی ج ۱ص۲۸۲۔ الاتقان سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ طبع قاہرہ ۱۳۶۸ھ ص ۶۳

لفظ ''المبسوط'' کا مفہوم اہل شام کے نزدیک اور ہے اور اسی لفظ کا مفہوم اہل عراق کے ہاں کچھ اور ہے' اہل عراق کے ہاں ''مضروب'' یعنی ضرب خوردہ کو مبسوط کہا جاتا ہے اور اہل شام کے ہاں خوش اور مسرور شخص کو ''مبسوط'' کہا جاتا ہے۔

اس لیے ہم جب بھی لفظ ''مبسوط'' سنیں گے تو اس کا معنی متعین کرنے کے لیے پہلے یہ دیکھیں گے کہ اس لفظ کے ادا کرنے والے کا تعلق عراق سے ہے یا شام سے ہے۔

اگر یہ لفظ کسی عراقی کی زبان سے ادا ہوگا تو ہم اس کا معنی مضروب کریں گے اور اگر یہ لفظ کسی شامی کی زبان سے ادا ہوگا تو ہم اس کا معنی مسرور کریں گے۔

اس طرح سے اگر مکتب خلافت سے وابستہ شخص لفظ ''مصحف'' استعمال کرے تو اس کا معنی قرآن مجید کیا جائے گا۔ جب کہ مکتب خلافت کے علاوہ مکتب اہل بیت میں یہ لفظ قرآن مجید سے مخصوص نہیں ہے کیونکہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی کتاب کو ''مصحف فاطمہ'' اور حضرت علی زین العابدینؑ کی دعاؤں کے مجموعہ کو ''صحیفہ سجادیہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۴،۲) سنت و بدعت

سنت و بدعت دو اسلامی اصطلاحات ہیں اور دونوں کا مفہوم ایک دوسرے سے متضاد ہے۔ اسی لیے ایک کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے دوسرے کے مفہوم کو سمجھنا ضروری ہے' اور کسی بھی امر کے لیے سنت و بدعت کی تشخیص دینے کے لیے ان کا تقابل ضروری ہے اور ان اصطلاحات کی تشریح کچھ یوں ہے۔

(الف) سنت

لغت میں روش اور طریقہ کو سنت کہا جاتا ہے' خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا ہو۔
(المعجم الوسیط مادہ "سنن و بدع")

اور شریعت اسلامی میں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کا قرآن مجید کے الفاظ میں تذکرہ نہ ہو۔ (۱) مگر رسول خدا نے اپنے قول و فعل اور تقریر سے اس کا حکم دیا ہو یا کسی چیز سے منع کیا ہو یا کسی چیز کی ترغیب دی ہو۔ (نہایۃ اللغۃ ابن اثیر مادہ "سنن")

"تقریر" سے مراد یہ ہے کہ رسول خدا نے کسی مسلمان کو کوئی کام کرتا ہوا دیکھا ہوا اور اسے منع نہ کیا ہو' اور آپ کی خاموشی سے اس عمل کو صحیح سمجھا جائے گا۔ اس لیے ادلہ شرعیہ میں کتاب و سنت کے الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ جس سے مراد قرآن و حدیث ہے۔
(نہایۃ اللغۃ ابن اثیر مادہ "سنن")

(ب) بدعت

لغت میں بدعت نئے شروع ہونے والے کام کو کہا جاتا ہے۔
(المعجم الوسیط مادہ "سنن و بدع")

---

(۱) صحابی سہل بن سعد نے کہا۔ ما منع عند النبی سنۃ۔ "جو کچھ رسول کے پاس کیا گیا وہ سنت ہے۔"
(سنن ابی داؤد ۲/ ۲۷۴، ۲۷۵)

دین میں بدعت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے قول وفعل کو جاری کرے جو رسول خداؐ سے منقول نہ ہو۔ (مفردات راغب مادہ (بدع)

سنت شریعت کا اہم سرچشمہ ہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اسلامی شریعت کے سرچشموں میں سے ایک اہم سرچشمہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔

(الحشر:۷)

"جو کچھ تمہیں رسول دے وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تم رک جاؤ۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

"وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا۔ اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔" (النجم۔۳،۴)

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو اہل ایمان کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُو اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا۔ (الاحزاب۔۲۱)

"مسلمانو! تم میں سے اس کے لیے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل موجود ہے جو شخص بھی اللہ اور آخرت سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہے اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی اتباع کو اپنی محبوبیت کا معیار قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ

ذُنُوبَكُمْ...... (آل عمران۔۳۱)

"اے پیغمبر! کہہ دیجئے اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اتباع کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

...... فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوْهُ. (الاعراف۔۱۵۸)

"پس تم اللہ اور پیغمبر امّی پر ایمان لے آؤ جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو کہ شاید اسی طرح ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔"

ان کے علاوہ بھی اتباع رسول کے متعلق بیسیوں آیات موجود ہیں۔

آنحضرتؐ نے اپنی بہت سی احادیث میں مسلمانوں کو اپنی سنت کی ترغیب دی اور اپنی مخالفت سے باز رہنے کی دعوت دی۔ آپ کی ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ.

"جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں ہے۔"(۱)

اس بحث سے معلوم ہوا کہ لفظ سنت ایک اسلامی اصطلاح اور حقیقت شرعی ہے اور سنت رسول یعنی سیرت' حدیث اور تقریر کے لیے ہمیں کتب حدیث و سیرت اور تفسیر پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ حسب ذیل احادیث میں لفظ سنت منقول ہے:

ام المومنین عائشہ نے رسول خدا سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا:

النكاح سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني. (۲)

"نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

---

(۱) معجم احادیث میں لفظ "سنت" کے مادہ کی طرف رجوع فرمائیں

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۵۹۲۔ کتاب النکاح۔ باب ماجاء فی فضل النکاح حدیث ۱۸۳۵

عمرو المزنی کا بیان ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

من احیا سنة من سنتی فعمل بها الناس کان له مثل اجر من عمل بها ' لاینقص (اللّٰه) من اجورهم شینا ومن ابتدع بدعة فعمل بها کان علیه اوزار من عمل بها لاینقص (اللّٰه) من اوزار عمل بها شینا.

"جس نے میری (مردہ) سنت کو زندہ کیا اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو تمام عمل کرنے والوں کے ثواب کے برابر اللہ تعالیٰ اسے ثواب عطا کرے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی' اور جس نے بدعت ایجاد کی اور لوگوں نے اس پر اعمال کیا۔ تو تمام عمل کرنے والوں کے گناہ کے برابر اس کے نامہ عمل میں گناہ لکھا جائے گا۔ جب کہ عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کسی طرح کی اللہ کمی نہیں کرے گا۔"

دوسری حدیث میں یہ حدیث ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

من احیاسنة سنتی امیتت بعدی .... الحدیث (۱)

"جس نے میری ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مردہ ہو چکی ہو"

جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

اما بعد' فان خیر الامور کتاب اللّٰه وخیر الهدی هدی محمد وشر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة

"حمد وثنا کے بعد واضح ہو کہ تمام امور سے اللہ کی کتاب بہتر ہے اور تمام ہدایتوں میں سے محمد کی ہدایت بہتر ہے' اور تمام امور سے بدترین امور نئے ایجاد شدہ ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

اِنَّ اَفضَلَ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ. (ص)...... الحدیث (۲)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۷۶۔ المقدمہ' باب من احیاسنة۔ حدیث ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ سنن ترمذی ۱/ ۱۴۷۔ ۱۴۸

(۲) سنن ابی ماجہ ص ۱۷ المقدمہ' باب اجتناب البدع حدیث ۴۵۔

دوسری حدیث سنن داری ۱/ ۶۹۔ المقدمہ باب اجتناب البدع حدیث ۴۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

بلاشبہ سب سے افضل ہدایت، محمدؐ کی ہدایت ہے۔

ابن مسعود کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سیلی امورکم بعدی رجال یطفئون السنة ویعملون بالبدعة ویؤخرون الصلاة عن مواقیتها. فقلت: یا رسول اللّٰہ ان ادرکتهم کیف افعل؟ قال: تسالنی یا ابن ام عبد کیف تفعل! لاطاعة لمن عصی اللّٰہ. (۱)

"عنقریب تمہارے امور پر ایسے لوگ مسلط ہوں گے جو سنت (کے چراغ کو) بجھائیں گے اور بدعت پر عمل کریں گے اور اوقات نماز سے تاخیر کرکے نماز پڑھیں گے۔"

میں (راوی) نے کہا:

"یارسول اللہ! اگر میں انہیں پاؤں تو میں کیا کروں؟"

آپؐ نے فرمایا:

"ام عبد کے فرزند! مجھ سے پوچھتے ہو کہ تجھے کیا کرنا ہے؟"

"اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔"

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

ابی اللّٰہ یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعته (۲)

"اللہ کو بدعتی کے عمل قبول کرنے سے انکار ہے یہاں تک کہ وہ اپنی بدعت کو چھوڑ دے۔"

حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

لایقبل اللّٰہ لصاحب بدعة صوما ولا صلاة ولاصدقة ولاحجًا ولاعمرة ولاجهادًا ولاصرفًا ولا عدلًا. یخرج عن الاسلام کما تخرج الشعرة من العجین. (۳)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۹۵۶۔ کتاب الجہاد، باب طاعة فی معصیة اللہ حدیث ۲۸۶۵۔ ومسند احمد ۱/۴۰۰

(۲، ۳) سنن ابن ماجہ ص ۱۹ المقدمہ باب ۷ احدیث ۴۹-۵۰

''اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کا روزہ' نماز' صدقہ' حج' عمرہ' جہاد' نافلہ اور فریضہ قبول نہیں کرتا۔ بدعتی کو اسلام سے ایسے نکال دیا جائے گا جیسا کہ گوندھے ہوئے آٹے سے بال کو نکال لیا جاتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کو بدعت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

...... وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (الحدید ۲۷)

''اور رہبانیت کو ان لوگوں نے خود ایجاد کر لیا تھا اسے ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔''

نتیجہ:

شریعت اسلامی:

کتاب وسنت اور ان سے استنباط ہونے والے امور کا نام ہے۔

بدعت:

ایسا کام جو کسی انسان کی رائے سے دین میں داخل کیا جائے اور قرآن و سنت سے استنباط شدہ مسائل میں اس کا کہیں وجود نہ ہو۔

بدعت' بدعت ہی رہے گی خواہ اسے اجتہاد' مصالح مرسلہ یا دور حاضر کی اصطلاح کے مطابق جدید ترقی یافتہ اسلام جیسے ناموں سے بھی کیوں نہ یاد کیا جائے' اور بدعت خواہ کسی بھی نام سے موسوم اور کسی بھی لباس میں ملبوس کیوں نہ ہو پھر بھی بدعت کے متعلق مروی پیغمبر اکرم کی احادیث اس پر صادق آئیں گی۔

(۴) فقہ

فقہ کے لغوی معانی سمجھ بوجھ کے ہیں۔ اس لفظ اور اس سے مشتقات کا تذکرہ قرآن وسنت میں موجود ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ. (التوبہ۔۱۲۲)

"ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتی ہے کہ دین کا علم حاصل کرے اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اسے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ شاید وہ اس طرح ڈرنے لگیں۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

نضر الله عبدا سمع مقالتی هذه فبلغها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه. (۱)

"اللہ اس بندہ کو شاداب رکھے جو میری اس گفتگو کو سن کر اس کی تبلیغ کرے، بہت سے غیر فقیہ افراد فقہ کے حامل ہوتے ہیں اور بہت سے فقہ کے حامل اس تک اسے پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

فقيه اشدّ على الشيطان من الف عابد (۲)

---

(۱) ابن ماجہ، مقدمہ باب ۱۸ "من بلغ علما" حدیث ۲۳۱۔۲۳۶، ۳۰۵۶، کتاب المناسک باب الخطبۃ یوم النحر۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم باب فضل نشر العلم حدیث ۳۶۶۰، باب ۱۰۔ سنن ترمذی، کتاب العلم باب ۷ "ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع" ۱۰/ ۱۳۶۔۱۳۴ سنن دارمی ۱/ ۷۴۔ المقدمہ باب ۲۴۔ مسند احمد ۳/ ۲۲۵، ۴/ ۸۰۔۸۲، ۵/ ۱۸۳

(۲) سنن ترمذی کتاب العلم، ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ ۱۰/ ۱۵۴۔

''ایک فقیہ ہزار عابد سے بھی زیادہ شیطان پر سخت ہوتا ہے۔''

آپؐ نے ایک اور حدیث میں فرمایا:

خیارکم احاسنکم اخلاقا اذا فقهوا

''تم میں سے بہتر وہ ہیں جن کا اخلاق بہتر ہو جب وہ دین کی سمجھ رکھتے ہیں۔'' (مسند احمد ۲/۲۶۷۔۲۶۹۔۴۸۱)

آپؐ کا فرمان ہے:

خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا (۱)

''دور جاہلیت کے بہتر افراد اگر دین کی سمجھ حاصل کرلیں تو وہ اسلام میں بہترین افراد متصور کیے جائیں گے۔''

حضورؐ اکرم نے فرمایا:

خصلتان لاتجمعان منافق: حسن سمت ولافقه فی الدین.

(سنن ترمذی کتاب العلم باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ ۱۰/۱۵۷)

''منافق میں دو باتیں جمع نہ ہوں گی۔ خوش منظر ہونا اور دین کی سمجھ حاصل کرنا۔''

آپؐ نے فرمایا:

من یُرد اللّٰهُ به خیر ایفقهه فی الدین.

(صحیح بخاری ۱/۱۶۔۴/۵۷/۔ سنن دارمی ۱/۷۴۔ مسند احمد ۱/۳۰۶)

خدا کو جس کی بھلائی مطلوب ہوتی ہے تو وہ اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

رسول خدا نے فرمایا:

وان رجالا یاتونکم من اقطار الارضین یتفقهون فی الدین

فاذا اتوکم فاستوصوابهم خیرا

(سنن ترمذی ۱۰/۱۱۹۔ سنن ابن ماجہ مقدمہ باب ۲۲)

---

(۱) صحیح بخاری ۲/۱۷۵۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل۔ ۱۹۹ باب خیار الناس۔ سنن دارمی مقدمہ ص ۷۳ باب ۲۴ مسند احمد ۲/۲۵۷۔۲۶۰۔۳۹۱۔۴۳۱۔۴۸۵۔۴۹۸۔۵۲۵۔۵۳۹۔

"زمین کے دور دراز اطراف سے لوگ تمہارے پاس دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لیے آئیں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے بھلائی کرنا۔"

رسول خدا نے ابن عباس کے لیے یہ دعا فرمائی تھی:

اللهم فقهه فی الدین .

(صحیح بخاری ۲۸/۱ ۔ مسند احمد ۲۶۶/۱ ۔ ۳۱۴ ۔ ۳۲۸ ۔ ۳۳۵)

"خدایا اس یدین کی فہم وفراست عطا فرما۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اہل بیت طاہرین اور صحابہ کی گفتگو میں فقہ اور فقیہ کے متعلق ہمیں یہ روایات دکھائی دیتی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

الااخبر کم بالفقیه حق الفقیه ؟ قالوا بلی یا امیر المومنین قال من لم یقنط الناس من رحمة الله ولم یؤمنهم من عذاب الله ولم یرخص لهم فی معاصی الله (۲)

"کیا میں تمہیں فقیہ کے متعلق خبر نہ دوں؟ لوگوں نے کہا: امیر المومنین! کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: مکمل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور انہیں اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ کرے اور انہیں خدا کی نافرمانیوں کی رخصت نہ دے۔"

یحییٰ بن سعید انصاری نے کہا:

مادرکت فقهاء ارضنا الا یسلّمون فی کل اشنتین من النهار . (صحیح بخاری ۱۴۱/۱ کتاب التہجد باب ۲۵)

"میں نے اپنے علاقہ کے فقہاء کو دیکھا کہ وہ دن کے نوافل دو دو کر کے پڑھتے ہیں۔"

حضرت عمر کا قول ہے:

---

(۲) سنن دارمی ۸۹/۱ ۔ الکافی ۳۶/۱ ۔ تحف العقول باب ماروی عن امیر المومنین ۔ معانی الاخبار شیخ صدوق باب معنی الفقیہ حقا ص ۲۷۴ وغیرہ۔

تفقهوا قبل ان تسوّدوا. (صحیح بخاری کتاب العلم ۱/۱۶ـ)

''لوگوں کی قیادت اور سیادت حاصل کرنے سے پہلے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرو۔''

سنن دارمی میں ان کے مذکور بالا جملہ کے بعد یہ الفاظ مذکور ہیں:

فمن سوّده قومه علی فقه كان حياة له ولهم ومن سوّده قومه علی غير فقه كان هلاكاله ولهم ۔(سنن دارمی ۱/۷۹)

''جس کی قوم نے سمجھ بوجھ دیکھ کر کسی کو سردار بنایا تو وہ سرداری اس کے لیے اور قوم کے لیے زندگی کا سبب ہوگی اور جسے قوم نے فہم وفراست کے بغیر سردار منتخب کرلیا تو وہ سرداری خود اس کے لیے اور اس کی قوم کے افراد کے لیے ہلاکت کا باعث ہوگی۔''

ابن عبدالرحمٰن نے ابن عباس کی تعریف میں یہ جملے کہے تھے:

انه قاری لكتاب الله فقيه فی دين الله (مسند احمد ۱/۳۳۹)

''وہ کتاب خدا کا قاری اور دین خداوندی میں فقیہ ہے''

سنن دارمی کے باب اختلاف الفقہاء میں مرقوم ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک سرکاری فرمان جاری کیا تھا جس میں یہ جملے تحریر تھے:

ليقضی كل قوم بما اجتمع عليه فقهاؤهم.

(سنن دارمی ۱/۱۵۱)

''ہر قوم کو فقہاء کے متفقہ فیصلہ کے تحت فیصلہ کرنا چاہیے۔''

سنن دارمی میں یہ عبارات بھی مرقوم ہیں:

واذاجلسوا العشاء. الاخرة. جلسوا فی الفقه. ولاباس بالسمر فی الفقه " كانوا يتجالسون بالليل ويذكرون الفقه.

(سنن دارمی ۱/۴۹' سنن دارمی ۱/۱۵۰)

''اور وہ نماز عشاء کے بعد فقہی مسائل کے لیے بیٹھے تھے۔ فقہ کے لیے رات کو جاگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ رات کو بیٹھ کر

فقہ یاد کرتے تھے۔"

صحیح بخاری میں ایک باب کا عنوان "باب السمر فی الفقہ" ہے۔

(صحیح بخاری ۱/۹۷، کتاب المواقیت باب ۴۰)

شعبی نے کہا:

لما قدم عدی بن حاتم الکوفة اتیناہ فی نفر من فقهاء اهل الکوفة ۔ (سنن ابن ماجہ حدیث ۸۷)

"جب عدی بن حاتم کوفہ آئے تو ہم اہل کوفہ کے فقہاء کے گروہ کو ساتھ لے کر اس کے پاس گئے۔"

عمران منقری کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن حسن بصری سے ایک مسئلہ سن کر اس سے کہا: ابوسعید! فقہاء تو اس طرح سے نہیں کہتے!

حسن نے جواب میں مجھے کہا:

ویحک ورأیت انت فقیهاً قط. انما الفقیه الزاهد فی الدنیا الراغب فی الآخرة البصیر بامر دینه المداوم علی عبادة ربه . (سنن دارمی ۱/۸۹)

"تجھ پر افسوس کبھی تو نے فقیہ کو دیکھا بھی ہے۔ فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کا خواہش مند ہو اور اپنے دین میں بصیرت رکھتا ہو اور اپنے رب کی تسلسل سے عبادت کرتا ہو۔"

درج بالا روایات کتب خلافت کی کتب میں مذکور ہیں۔ اب کتب امامت کی چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الفقهاء اُمناء الرسل مالم یدخلوا فی الدنیا .

(بحار الانوار ۲/۱۱۰)

"فقہاء انبیاء کے امین ہیں جب تک وہ دنیا میں داخل نہ ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا:

من حفظ علی امتی اربعین حدیثا من امردینها ینتفعون بها فی امردینهم، بعثه اللّٰه یوم القیامة فقیهًا عالمًا. (۱)

"جس نے میری امامت کو دین سے متعلق چالیس باتیں یاد کرائیں جس سے وہ اپنے امر دین میں استفادہ کریں تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن فقیہ اور عالم کی حیثیت سے محشور کرے گا۔"

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

من اتّجر بغیر فقه فقد ارتطم فی الرباء (۲)

وربیعا لقلوب الفقها (۳)

تفقه فی الدین (۴)

"جو شخص احکام فقہ جانے بغیر تجارت کرے گا وہ ربا میں مبتلا ہو جائے گا۔"

"اللہ نے اسے (قرآن) فقیہوں کے دلوں کے لیے بہار بنایا۔"

"دین میں سمجھ بوجھ حاصل کر۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لیت اسیاط علی رؤوس اصحابی حتی یتفقهوا فی الحلال و الحرام (محاسن برقی حدیث ۱۶۱۔ بحار طبع امین الضرب ۶۶/۱)

"اس وقت تک کوئی شخص فقیہ نہیں بن سکتا، جب تک وہ ہمارے کلام کے تمام پہلوؤں کو نہ سمجھ لے۔"

من کان من الفقها صائنًا لنفسه حافظا لدینه مخالفا علی هواه مطیعا. لامر مولاه فللعوام ان یقلّدوه.

---

(۱) بحار الانوار ۱۵۶/۲ حدیث ۱۰ اور نویں حدیث بھی اس سے ملتی جلتی ہے۔

(۲، ۳، ۴) نہج البلاغہ باب الحکم نمبر شمار ۴۴۷۔ خطبہ ۱۹۶۔ ج ۲۔ باب الکاتیب امام حسن مجتبیٰ کے نام وصیت سے ایک اقتباس

''فقہاء میں سے جو اپنے نفس کو محفوظ رکھنے والا' اپنے دین کا محافظ' اپنی خواہشات کا مخالف اور اپنے آقا کے حکم کا اطاعت گزار ہو تو عوام کو اس کی تقلید کرنی چاہیے۔''

(سفینۃ البحار ۲/ ۳۸۱ (در مادہ فقہ)

کتاب وسنت میں فقہ دین کی فہم وفراست اور فقیہ دین کی فہم وفراست رکھنے والے کے معانی میں استعمال ہوا ہے' اور مکتب اہل بیت سے وابستہ علماء نے لفظ فقہ کے مفہوم کو تخصیص دی ہے اور فقہ کی تعریف یہ قرار دی ہے:

هو العلم بالاحكام الشرعية عن ادلتها التفصيلية.

''فقہ' تفصیلی دلائل کے تحت احکام شرعیہ کو جاننے کا نام ہے۔''

جمال الدین حسن بن زین الدین المتوفی سنہ ۱۰۱۱ھ اپنی کتاب معالم الدین؛ میں جو کہ معالم الاصول کے نام سے مشہور ہے۔ تحریر کرتے ہیں:

الفقه في اللغة . الفهم وفي الاصطلاح هو العلم بالاحكام الشرعية عن ادلتها التفصيلية

(معالم الدین تصحیح عبدالحسین محمد علی البقال ص ۲۶)

''فقہ کے لغوی معنی فہم وفراست کے ہیں اور اصطلاح میں تفصیلی ادلہ سے احکام شرعیہ کو جاننے کا نام فقہ ہے۔''

یہاں اصطلاح سے مراد مکتب اہل بیت سے وابستہ علماء کی اصطلاح ہے۔

(۵) اجتہاد

(الف) اجتہاد در لغت

ابن اثیر لکھتے ہیں:

الاجتہاد بذل الجہد فی طلب الامروھو افتعال من الجہد الطاقۃ (نہایۃ اللغۃ ابن اثیر (در مادہ جہد)

"کسی کام کے سرانجام دینے کے لیے پوری محنت صرف کرنے کو اجتہاد کہا جاتا ہے، اور یہ لفظ جہد جس کے معنی طاقت کے ہیں، باب افتعال ہے۔"

چنانچہ عہد نبوی اور عہد صحابہ سے لے کر پہلی صدی ہجری کے آخر تک یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوتا رہا۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسب ذیل احادیث مبارکہ میں یہ لفظ اپنے مشتقات کے ساتھ استعمال ہے۔

(ا) **اما السجود فاجتہدوا فی الدعاء......**

"سجدہ میں دل کھول کر دعا طلب کرو۔"

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ ۲۰۷۔ مسند احمد ۱/۲۱۹)

(ب) **صلّوا علَیّ واجتہدو فی الدعاء**

"مجھ پر درود پڑھو اور پوری جانفشانی سے دعا مانگو"

(سنن نسائی ۱/۱۹۰ باب الامر بالصلاۃ علی النبی۔ مسند احمد ۱۹۹۱)

(ج) **فضل العالم علی المجتہد مائۃ درجۃ**

"ایک عالم جانفشانی سے عبادت بجا لانے والے سے سوگنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔" (مقدمہ سنن دارمی ۱/۱۰۰)

محمد القرظی سے منقول ہے:

کان فی بنی اسرائیل رجل فقیہ عالم عابد مجتھد .

(موطا مالک کتاب الجنائز ح ۴۳)

''بنی اسرائیل میں ایک فقیہ' عالم' عابد اور جانفشانی سے عبادت کرنے والا رہتا تھا۔''

ام المومنین بی بی عائشہ کا بیان ہے:

کان رسول اللہ یجتھد فی العشر الاواخر مالایجتھد فی غیرہ (۱)

''رسول خدا ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں زیادہ محنت کرتے تھے' اور آپ اتنی محنت باقی ایام میں نہیں کرتے تھے۔''

طلحہ نے عہد نبوی کے دو افراد کی داستان بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

کان احدھا اشدّ اجتھادًا من الاخر فغزالمجتھد منھما فاشتھد (۲)

''ان میں سے ایک دوسرے کی بہ نسبت زیادہ محنت کرنے والا تھا' چنانچہ زیادہ محنت سے عبادت بجالانے والا جنگ میں شریک ہوا اور شہید ہو گیا۔''

ابوسعید بیان کرتے ہیں:

کان رسول اللہ اذا حلف واجتھد فی الیمین

''جب رسول خدا کسی سے حلف لیتے تو پوری طاقت سے قسم اٹھواتے تھے۔''

(مسند احمد ۳/۳۳_۱۴۸)

غزوہ بنی مصطلق کے متعلق عبداللہ بن ابی کے کردار کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا:

فاجتھد بیمینہ مافعل. (۳)

''اس نے پوری کوشش کر کے اپنے ہاتھ سے کام سرانجام دیا۔''

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الاعتکاف حدیث ۸_ سنن ابن ماجہ کتاب الصیام حدیث ۱۷۶۷

(۲) سنن ابن ماجہ کتاب الرؤیا حدیث ۳۹۲۵_ مسند احمد ۱/۱۶۳' ۲/۳۳۳ وغیرہ

(۳) صحیح بخاری ۳/۱۳۶ کتاب التفسیر سورۃ المنافقون_ صحیح مسلم کتاب المنافقین ح ۱ مسند احمد ۴/۳۷۳_

اُم حارثہ صحابیہ نے اپنے فرزند حارثہ کے متعلق رسول خدا سے ان الفاظ کے ساتھ سوال کیا تھا:

ان کان فی الجنة ‘صبرت وان کان غیر ذلک فاجتهدت علیه بالبکاء (صحیح بخاری ۹۲/۲ کتاب الجہاد۔ مسند احمد ۲۶۰/۳۔۲۸۳)

”اگر یہ میرا بیٹا جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور اگر وہ جنت میں نہیں ہے تو میں دل کھول کر روؤں گی۔“

درج بالا مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرن اول میں لفظ ”اجتہاد“ پوری محنت ومشقت کرنے کے معانی میں استعمال ہوتا تھا۔ پھر مسلمانوں نے اجتہاد کا ایک مخصوص مفہوم قرار دیا اور ان کی اصطلاح میں احکام شریعت کو ان کے ادلہ تفصیلیہ سے استنباط کرنے کو اجتہاد کہا جائے گا۔

(ب) اجتہاد در اصطلاح مسلمین

اجتہاد کی تعریف کرتے ہوئے غزالی لکھتے ہیں:

اجتہاد کسی کام کے لیے بھرپور کوشش کرنے کو کہا جاتا ہے‘ اور یہ لفظ ہمیشہ ایسے امور کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کے بجالانے میں مشقت ومحنت کی ضرورت ہو...... لیکن لفظ اجتہاد عرف علماء میں ایک خصوصی مفہوم کا حامل ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ مجتہد احکام شرعیہ کے طلب علم کے لیے پوری کوشش بجالائے۔(۱)

عبدالرحیم دہلوی المعروف شاہ ولی اللہ بیان کرتے ہیں:

”ادلہ تفصیلیہ سے شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے بھرپور محنت کو اجتہاد کہا جاتا ہے‘ اور ادلہ شرعیہ یہ ہیں: کتاب‘ سنت‘ اجماع اور قیاس۔“(۲)

محمد امین نے تیسیر التحریر میں بھی یہی ادلہ شرعیہ بیان کی ہیں۔(۳)

---

(۱) کتاب المستصفی فی اصول الفقہ۔ کشف الظنون ۱۶۷۳/۲۔ احکام آمدی ۱۴۱/۳

(۲) فرید وجدی نے شاہ ولی اللہ کا یہ قول ان کے رسالہ الانصاف سے نقل کر کے اپنے انسائیکلوپیڈیا لکھا ہے۔

(۳) کتاب کا اصل نام التحریر فی اصول الفقہ ہے اور یہ علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف ابن ہمام کی تالیف ہے۔ اس کتاب کی شرح ان کے فاضل شاگرد محمد بن محمد بن امیر الحاج حلبی نے لکھی۔ پھر شرح کی تشریح محقق محمد امین المعروف امیر بادشاہ بخاری نے لکھی اور اس کا نام تیسیر التحریر رکھا۔

لفظ اجتہاد اور مجتہد نے دوسری صدی ہجری میں اصطلاحی انداز حاصل کیا۔ لیکن یہ اصطلاح ایک طویل عرصہ تک مکتب خلافت تک محدود رہی۔ مکتب اہل بیت میں یہ اصطلاح پانچویں صدی ہجری کے بعد رائج ہوئی۔ جیسا کہ علامہ حلی المتوفی ۷۲۶ھ نے اپنی کتاب مبادی الوصول کی بارہویں بحث اول میں تحریر کیا۔

اجتہاد' شریعت کے ظنی مسائل پر مخصوص ادلہ کے تحت سخت محنت و مشقت کرنے کا نام ہے۔

لفظ اجتہاد کا اطلاق رسول خدا کے لیے جائز نہیں ہے' کیونکہ اجتہاد کا تعلق ظنیات سے ہوتا ہے' جب کہ رسول خدا کا ہر قول وحی الٰہی پر مبنی تھا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔ (النجم:۳'۴)

"وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا' اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔"

اور آنحضرتؐ کی زندگی میں ہمیں بہت سے ایسے مواقع دکھائی دیتے ہیں جب آپ سے کوئی سوال پوچھا گیا تو آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا' یہاں تک کہ وحی نازل ہوتی تھی تو آپ سائل کو بلا کر جواب سنایا کرتے تھے۔ آپ کی اس روش سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے لیے اجتہاد حرام تھا۔ اگر آپ کے لیے اجتہاد جائز ہوتا تو کئی کئی دن وحی کا انتظار نہ کرتے۔

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ آپؐ کے لیے اجتہاد جائز تھا تو پھر جبرئیل علیہ السلام کے لیے بھی اجتہاد جائز ماننا پڑے گا اور اگر ہم حضرت رسول خدا اور جبریل کے لیے اجتہاد کو تسلیم کرلیں تو پھر شریعت کے متعلق یقین ختم ہو جائے گا اور انسان یہ سوچنے لگے گا کہ کیا شریعت اسلامیہ خدا کی نازل کردہ ہے یا جبرئیل و مصطفیٰ علیہما السلام کے اجتہاد کا مجموعہ ہے۔

علاوہ ازیں اجتہاد میں صحت و خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول خدا اجتہاد سے پاک و پاکیزہ تھے اور اگر بالغرض آنحضرتؐ اجتہاد سے کام لیتے تو آپ کے فرمان سے اعتماد رخصت ہو جاتا۔

ہم ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کو بھی اجتہاد سے بلند و بالا مانتے ہیں' کیونکہ وہ معصوم ہیں' انہوں نے سر چشمہ رسالت سے علم حاصل کیا تھا۔

علماء کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے۔ انہیں قرآن و سنت کے عمومی احکام اور ادلہ متعارضہ کی ترجیح سے احکام کے استنباط کا حق حاصل ہے۔ لیکن قیاس اور استحسان سے احکام استنباط کرنا جائز نہیں ہے۔ (مبادی الوصول الی علم الاصول ص ۲۴۰' ۲۴۱)

مکتب امامت سے وابستہ علماء نے لفظ اجتہاد و مجتہد کو اگرچہ استعمال کیا ہے مگر انہوں نے فقہ اور فقیہ کی اصطلاحات کو بھی ترک نہیں کیا۔ انہوں نے دونوں اصطلاحات کو یکجا کیا ہے جیسا کہ صاحب معالم جمال الدین کا اقتباس ہم پیش کر چکے ہیں۔ انہوں نے معالم میں لکھا:

الفقه فی اللغة الفهم وفی الاصطلاح هو العلم بالاحکام الشرعیه الفرعیة عن ادلتها التفصیلیة.

"فقہ کے لغوی معنی فہم و فراست کے ہیں اور اصطلاح میں تفصیلی دلائل کو مد نظر رکھ کر احکام شرعیہ فرعیہ کے علم کو فقہ کہا جاتا ہے۔"

اس کے بعد مولف نے اجتہاد کی تعریف کے لیے ایک الگ فصل قائم کی اور ایک فصل میں کہا:

الاجتهاد فی اللغة تحمل الجهد...... واما فی الاصطلاح فهو استفراغ الفقیه وسعه فی تحصیل الظن بحکم شرعی ...... (مبادی الوصول الی علم الاصول ص ۲۴۰۔ ۲۴۱)

"اجتہاد لغت میں محنت کرنے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں حکم شرعی کے متعلق ظن حاصل کرنے کے لیے فقیہ کی جدوجہد کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔"

دونوں مکاتب فکر میں اگرچہ لفظ اجتہاد اور مجتہد رائج ہیں لیکن ادلہ شرعیہ میں سے کچھ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس کی ہم عنقریب وضاحت کریں گے۔ انشاء اللہ

پانچ اصطلاحات پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد اب ہم ترتیب وار ان کے متعلق فریقین کا نقطہ نظر بیان کریں گے۔

فصل اول

قرآن مجید کے متعلق فریقین کے نظریات

- رسول اکرمؐ اور صحابہ کا قرآن کی جمع وتدوین کے لیے اہتمام
- مُصحفِ فاطمہؑ کے متعلق ناجائز واویلا

قرآن مجید کی جمع و تدوین کا اہتمام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضرین کے سامنے قرآن مجید کی نازل ہونے والی آیات تلاوت فرماتے تھے اور لوگوں کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر تفسیر کیا کرتے تھے۔ آپ تمام مسلمانوں کو بالعموم اور حضرت علیؑ کو بالخصوص تنزیل و تفسیر سے باخبر فرماتے تھے اور آپ حضرت علیؑ کو قرآن مجید کی آیات لکھنے کا حکم دیتے تھے۔ اسی کتاب کے مباحث میں ہم اس مسئلہ کی تفصیلی بحث کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جب آپؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو مسلمانوں کو لکھنے کی ترغیب دی اور انہیں قرآن مجید کی کتابت اور حفظ کی طرف توجہ دلائی۔ صحابہ نے آپ کے فرمان پر عمل کیا اور وہ آیات قرآنی کو جانوروں کی کھالوں اور پتوں پر لکھتے تھے۔

آپؐ ہر آیت کے متعلق یہ وضاحت کرتے تھے کہ اس کا تعلق فلاں سورہ سے ہے اور اس آیت کو فلاں آیت کے بعد لکھا جائے۔ آپ کے اس غیر معمولی اہتمام کی وجہ سے بیسیوں افراد نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور بہت سے صحابہ کے پاس قرآن مجید کامل صورت میں موجود تھا۔ لیکن ان کے پاس قرآن مجید آج کی طرح مدون شکل میں موجود نہیں تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؑ نے قرآن مجید کو ایک کتابی صورت میں مدون کیا۔ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ ابن مسعود کے پاس بھی قرآن مجید کا مدون نسخہ موجود تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر نے ان نسخوں سے بوجوہ استفادہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے قرآن مجید کی تدوین کے لیے صحابہ کی ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جب کچھ عرصہ بعد قرآن مجید کا نسخہ مکمل ہو گیا تو انہوں نے اس نسخہ کو ام المومنین حفصہ کے پاس رکھوا دیا۔

حضرت عثمان کے عہد حکومت میں جب فتوحات کا دائرہ پھیل گیا اور غیر عرب اقوام دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں تو حضرت عثمان نے ام المومنین کے ہاں سے وہ نسخہ منگوایا اور اس کی متعدد نقول تیار کرا کے تمام اہم شہروں میں روانہ کیں۔ پھر مسلمانوں نے ان نقول سے اور نقول تیار کیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کے پاس ایک ہی قرآن ہے' اور تمام مذاہب اسلامیہ کے پاس ایک ہی قرآن ہے۔

آج تمام سنی' شیعہ' اشعری' معتزلی' حنفی' شافعی' حنبلی' مالکی' زیدی' وھابی' اور خوارج کے پاس ایک ہی قرآن ہے اور اس میں کسی بھی لفظ کا کوئی اختلاف نہیں ہے' اور پوری دنیا میں قرآن مجید کے نسخوں میں کسی لفظ کی کمی بیشی دکھائی نہیں دیتی اور قرآن کے تمام نسخوں کی سورتوں اور آیات کی ترتیب بھی یکساں ہے۔

کتب حدیث میں اس طرح کی روایات ضرور دکھائی دیتی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں کچھ کمی ہوئی ہے۔ مگر وہ روایات صرف کتابوں کی حد تک محدود ہیں' اور قرآن مجید کے نسخوں میں ان کا کہیں نام ونشان تک دکھائی نہیں دیتا۔

تحریف قرآن کی چند روایات

صحاح ستہ یعنی بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ ونسائی اور دارمی کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب وحدیث میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے قرآن مجید کے متعلق یہ تاثر ابھرتا ہے کہ موجودہ قرآن میں بہت سی احادیث کی کمی ہے۔ ایسی ہی روایات کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

> حضرت عمر نے ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہا:
>
> ان اللہ بعث محمدًا بالحق وانزل علیه الکتاب فکان مما انزل اللّٰہ (آیة الرجم) فقرأنا ھا وعقلناھا ووعیناھا. رجم رسول اللہ ورجمنا بعده فاخشیٰ ان طال بالناس زمان ان یقول قائل واللہ مانجد ایة الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضة انزلھا اللہ . والرجم فی

كتاب الله حق على من زنیٰ اذا حصن. (ا)

"اللہ نے محمد مصطفیٰ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اور ان پر کتاب نازل فرمائی' اور ان نازل کردہ آیات میں آیت رجم بھی موجود تھی۔ جسے ہم نے پڑھا اور سمجھا تھا اور اچھی طرح سے یاد کیا تھا۔ رسول خدا نے (شادی شدہ زانی کو) سنگسار کیا اور ان کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ایک عرصہ گزرنے کے بعد کوئی یہ کہہ دے گا۔ خدا کی قسم ! ہمیں اللہ کی کتاب میں آیت رجم کہیں دکھائی نہیں دیتی' اور یوں ایک فریضہ چھوڑنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ شادی شدہ زانی کو اللہ کے قانون کے مطابق سنگسار کرنا حق ہے۔"

حضرت عمر نے جس آیت رجم کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ابن ماجہ نے اس مزعومہ آیت کو ان کی زبانی نقل کرتے ہوئے لکھا کہ آیت رجم کے الفاظ تھے:

الشيخ و الشيخة اذا زنيا فارجموها البتة

"جب بوڑھا اور بڑھیا زنا کریں تو ان دونوں کو ضرور سنگسار کرو۔"

موطا مالک میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ ہم نے "الشيخ والشيخة فارجموها البتة" کی آیت پڑھی تھی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ہم قرآن مجید کی یہ آیت پڑھا کرتے تھے:

ان لاترغبوا عن ابائكم فانه كفر بكم ان ترغبوا عن آبائكم

"اپنے آباء سے منہ نہ موڑو' تمہارا اپنے آباء سے منہ موڑنا کفر ہے۔"

(الف) صحیح بخاری ۴/۱۲۰ باب رجم الحبلیٰ من الزنا' کتاب الحدود

(ب) صحیح مسلم ۵/۱۱۶۔

(ج) سنن ابی داؤد ۲/۲۲۹ کتاب الحدود الرجم۔

(د) سنن ترمذی ۶/۲۰۴ باب ماجاء فی تحقیق الرجم من کتاب الحدود

(ہ) ابن ماجہ باب الرجم من کتاب الحدود حدیث ۲۵۵۳۔

(و) سنن دارمی ج ۲/۱۷۹ باب فی حد المحصنین بالزنا من کتاب الحدود

(ز) موطا مالک ۳/۴۲ کتاب الحدود

مگر موجودہ قرآن مجید میں نہ تو آیت رجم موجود ہے اور نہ ہی آباء سے منہ نہ موڑنے کی آیت موجود ہے۔

ام المومنین عائشہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں "عشر رضعات معلومات" کے الفاظ موجود تھے اور وفات رسول تک یہ الفاظ قرآن مجید میں پڑھے جاتے تھے (ا)

سنن ابن ماجہ میں ام المومنین بی بی عائشہ سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا:

نزلت اية الرجم ورضاعة الكبير عشرًا ولقد كان فى صحيفة تحت سريرى فلما مات رسول الله تشاغلنا بموته فدخل داجن فاكلها

"آیت رجم اور بڑے شخص کو دس بار دودھ پلانے کے متعلق آیت نازل ہوئی۔ وہ آیت ایک صحیفہ میں لکھی گئی اور وہ صحیفہ میری چارپائی کے نیچے تھا۔ جب رسول خدا کی وفات ہوئی تو ہم ان کی موت میں مصروف ہو گئے۔ اس اثنا میں پالتو بکری آئی اور اسے کھا گئی۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے اہل بصرہ کے قاریوں کی جماعت کو طلب کیا۔ ان کی تعداد تین سو افراد پر مشتمل تھی۔ ابوموسیٰ نے اپنی تقریر میں یہ الفاظ کہے:

انا كنا نقرأ سورة كنا نشبهها فى الطول والشدة ببراءة فانسيتها غيرانى قد حفظت منها

"لو كان لابن آدم واديان من مال لابتغى واديا ثالثاً ولايملأ جوف ابن ادم الاالتراب"

(الف) صحیح مسلم ۱۰۷۶/۲ باب التحریم بخمس رضعات من کتاب الرضاع

(ب) ابوداؤد ۲۷۹/۱ باب هل يحرم مادون خمس رضعات من کتاب النکاح

(ج) نسائی ۸۲/۲ باب القدر الذی یحرم من الرضاع من کتاب النکاح

(د) ابن ماجہ ۶۲۶/۱ باب الرضاع الكبير من کتاب النکاح حدیث ۱۹۴۴

(ہ) دارمی ۱۵۷/۱ باب کم رضعة تحرم من کتاب النکاح

(و) موطا مالک ۱۱۸/۲ باب جامع ماجاء فی الرضاع۔ من کتاب الرضاع

وكنا نقرأ سورة نشبهها باحدى المسبحات فأنسيتها
غير اني حفظت منها
"يا ايها الذين آمنوا لم تقولون مالا تفعلون فتكتب شهادة
في اعناقكم فتسألون عنها يوم القيامة ."
(صحیح مسلم ۳ر۱۰۰ا باب لوان لابن ادم وادیین لابتغی وآدیا ثالثا۔ کتاب الزکوۃ)

"ہم ایک سورت پڑھا کرتے تھے جو طول اور سختی میں سورہ توبہ
کے مشابہ تھی ۔ وہ سورت مجھے بھلا دی گئی اور اس میں سے مجھے
صرف یہ ٹکڑا یاد رہ گیا۔"
"لو کان لابن ادم.......... "اگر ابن آدم کے پاس دولت کی دو
وادیاں بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا۔ فرزند
آدم کے شکم کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔"

اسی طرح سے ہم ایک سورت پڑھا کرتے تھے جسے ہم "مسبحات" کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے۔ وہ سورت مجھے بھلا دی گئی اور اس میں سے مجھے یہ ٹکڑا زبانی یاد رہ گیا۔

یا ایھاالذین امنوا.......... اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے
ہو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔ اس کی گواہی تمہاری گردنوں میں لکھ
دی جائے گی اور قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا۔"

تحریف کی ان دسیوں روایات کے باوجود مکتب احادیث سے وابستہ افراد مکتب خلافت کے متعلق یہ پروپیگنڈہ نہیں کرتے کہ مکتب خلافت کا قرآن پر ایمان نہیں ہے، اور یہ قرآن مجید میں کمی کے قائل ہیں، اور یہ اپنی طرف سے قرآن میں کئی سورتوں اور جملوں کا اضافہ کرتے ہیں۔

ہم یہ تمام روایات جاننے کے باوجود صرف عظمت قرآن کے تحفظ کے لیے

برادران تسنن پر تحریف قرآن کا الزام نہیں لگاتے۔ مگر اس شرافت مندانہ موقف کے جواب میں برادران تسنن کا رویہ انتہائی منفی ہے۔ وہ کتب احادیث کی چند کتابوں سے اس طرح کی ضعیف روایات دکھا کر دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ شیعوں کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے اور وہ قرآن کو ناقص تصور کرتے ہیں اور وہ اپنی طرف سے بہت سے جملوں اور سورتوں کا الحاق کرتے ہیں۔

جی ہاں' یہ سچ ہے کہ ہماری چند کتابوں میں اس طرح کی روایات موجود ہیں' اور اسی طرح سے یہ بھی سچ ہے کہ ایسی روایات اہل سنت کی کتابوں میں بھی درجنوں کے حساب سے موجود ہیں اور پھر روایات کی صحت وضعف کا بھی کافی فرق ہے کیونکہ ہم صرف کتاب اللہ کے ہر لفظ کو شک وشبہ سے بالاتر سمجھتے ہیں اور قرآن مجید کے علاوہ کسی بھی کتاب کو تنقید سے مبرا قرار نہیں دیتے' جب کہ برادران تسنن کی نظر میں بخاری ومسلم کی تمام روایات صحیح ہیں اور وہ ہر شک وشبہ سے بالا ہیں۔ پھر جب برادران تسنن صحیحین کی یہ روایات ملاحظہ کرتے ہیں تو یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ احادیث میں جن آیات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ آیات منسوخ التلاوت ہیں(۱) ■

(۱) صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی من الزنا حدیث ا۔ صحیح مسلم کتاب الحدود باب رجم الثیب فی الزنا حدیث ۲۵

مصحف فاطمہؑ کے خلاف ناجائز واویلا

مکتب خلافت سے وابستہ کچھ ناعاقبت اندیش افراد نے مکتب اہل بیت کے خلاف ناجائز پروپیگنڈہ کرتے ہوئے لکھا:

"شیعوں کا قرآن دوسرا ہے جس کا نام مصحف فاطمہؑ ہے۔"

اور ان ناعاقبت اندیشوں نے اپنے دعویٰ کی دلیل یہ پیش کی کہ قرآن مجید کو مصحف کہا جاتا ہے' اور شیعہ بھی کتاب فاطمہؑ کو لفظ مصحف سے ہی تعبیر کرتے ہیں۔

ان لوگوں کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہے۔ کیونکہ مصحف فاطمہؑ کے متعلق کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ اس میں قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں ہے۔ اس مصحف میں حضرت سیدہؑ نے اپنے والد اور جبرئیل کی زبانی سن کر مستقبل کے حکمرانوں کے نام لکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد امام حسن میں سے محمد و ابراہیم نے عباسی فرمانروا منصور کے خلاف بغاوت کی تھی' تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہا تھا۔

"ان کی والدہ فاطمہ زہراءؑ کی کتاب میں ان دونوں کا نام بحیثیت حکمران موجود نہیں ہے۔"(۱)

اصول یہ ہے کہ لفظ کی یکسانیت کی وجہ سے حقیقت میں یکسانیت پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً قرآن مجید بیسیوں آیات میں لفظ "کتاب" سے تعبیر کیا گیا مثلاً۔

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔(البقرہ:۲)

"اس کتاب میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔"

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۔ (البقرہ ۸۵)

"کیا تم کتاب کے کچھ حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو؟"

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ.

(البقرہ ۸۹)

"اور جب اللہ کی طرف سے ان کے پاس وہ کتاب آئی جو ان کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔"

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (البقرہ۔۱۲۹)

"اور وہ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (البقرہ۔۱۵۱)

"اور وہ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔"

مذکورہ بالا آیات میں قرآن مجید کو لفظ "کتاب" سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان آیات کے علاوہ بہت سی دوسری روایات میں بھی قرآن مجید کو لفظ "کتاب" سے یاد کیا گیا ہے۔

جب کہ علمائے نحو سیبویہ کی تالیف کو بھی "کتاب" کہتے ہیں۔ تو کیا اس کا یہی مقصد لیا جائے کہ علمائے نحو قرآن کے منکر ہیں اور انہوں نے حقیقی قرآن کی بجائے سیبویہ کی کتاب کو قرآن کا متبادل تسلیم کیا ہوا ہے؟

اگر اس روش سے علمائے کرام قرآن کے منکر ثابت نہیں ہوتے تو پھر کتب اہل بیت سے وابستہ افراد بھی کتاب فاطمہ ؑ کو مصحف فاطمہ ؑ کہہ کر قرآن کے منکر نہیں کہلا سکتے۔ اور اگر آج کوئی شخص یہ کہے کہ سیبویہ کی کتاب قرآن مجید سے دگنی ہے تو اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ اس پر منکر قرآن کا فتویٰ لگا دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اس کی نظر میں سیبویہ کی کتاب کو قرآن مجید سے بڑا مقام حاصل ہے۔

مکتب اہل بیت سے وابستہ افراد انتہائی سنجیدہ قسم کے لوگ ہیں وہ ان باتوں کی وجہ سے کسی پر منکر قرآن ہونے کا فتویٰ صادر نہیں کرتے۔

اس بحث کے آخر میں ہم تمام مسلمانوں سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ خدارا ایک دوسرے کو بدنام کرنے کے لیے قرآن مجید کو تختہ مشق نہ بنائیں۔ کیونکہ دشمنان اسلام ان جیسی تحریروں کو بنیاد بنا کر قرآن مجید کو مشکوک بنانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ عظمت قرآن کے تحفظ کے لیے ان ہذیانات کا سلسلہ بند ہونا چاہیے۔

قرآن مجید کے متعلق تمام مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ جو قرآن اس وقت مسلمانوں کے پاس موجود ہے یہ خدا کی سچی اور کامل کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حیات پیغمبر کے آخری دنوں میں اس کے نزول کا سلسلہ مکمل کر دیا تھا' اور رسول خدا کی وفات کے بعد صحابہ نے اسے مدون کیا اور اس کی بہت سی نقول تیار کر کے مسلمانوں میں تقسیم کیں اور قرآن مجید کی ابتدا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ رب العالمین'' سے ہوتی ہے اور اس کا اختتام ''من الجنۃ والناس'' پر ہوتا ہے۔

اور تدوین قرآن سے لے کر آج تک کسی مسلمان کے پاس اس کے علاوہ کوئی ایسا نسخہ نہیں رہا جس میں کچھ الفاظ کم یا زیادہ ہوں۔ قرآن کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ قرآن کی تفسیر و تاویل اور محکم و متشابہ میں اختلاف ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق حدیث سے ہے اور حدیث کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس کی وضاحت آپ اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

فصل دوم

سنت رسولؐ کے بارے فریقین کے نظریات

(۱) رسول خداؐ سے روایت کرنے والوں کے متعلق فریقین کے نظریات

(۲) پہلی صدی میں حدیث رسولؐ نشر کرنے کے متعلق فریقین کے نظریات

(۳) پہلی صدی ہجری میں کتابت حدیث سے ممانعت

(الف) عہد شیخین

(ب) عہد عثمان

(ج) عہد معاویہ

(د) اسرائیلی روایات کی دراندازی

(ہ) عہد عمر بن عبد العزیز

(ر) دو متضاد احادیث کی وجہ

"دونوں مکاتب فکر سنت رسولؐ کو شریعت اسلامیہ کا سرچشمہ ماننے پر متفق ہیں۔ اور دونوں سنت پر عمل کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔"

"سنت رسولؐ (سیرت، حدیث اور تقریر) ہم تک راویوں کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ اسی لئے دونوں مکاتب فکر کا بعض رواۃ کے متعلق اختلاف ہے۔"

"اور دونوں مکاتب فکر کا پہلی صدی ہجری میں نشر حدیث کے متعلق اختلاف رہا ہے اور ہم ان امور پر سیر حاصل بحث کریں گے۔"

ان شاء اللہ تعالیٰ

رسولؐ خداؐ سے روایت کرنے والوں کے متعلق فریقین کا موقف

کتاب ہذا کے باب صحابہ اور امامت،، کے ضمن میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ مکتب امامت سے وابستہ افراد عہد رسول کے بعد اپنے دین کے اصول و نظریات کو اہل بیت طاہرین کے بارہ ائمہ سے حاصل کرتے ہیں' جب کہ مکتب خلافت سے وابستہ افراد دین کے اصول و نظریات صحابہ سے حاصل کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ صحابہ میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے' ان کی نظر میں تمام صحابی عادل ہیں۔

مکتب امامت سے وابستہ افراد طلحہ [۱] اور عبداللہ بن زبیر [۲] کی طرف رجوع نہیں کرتے' کیونکہ ان دونوں نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ جمل لڑی تھی۔ اسی طرح

---

(۱) ابو محمد طلحہ بن عبداللہ القرشی التیمی کی والدہ کا نام صعبہ تھا اور وہ علاء حضرمی کی بہن تھی۔ رسول خدا نے اس کے اور زبیر کے درمیان مواخات قائم کی تھی وہ حضرت عثمان کا شدید مخالف تھا اور ان کی وفات کے بعد اس نے سب سے پہلے امیر المومنین کی بیعت کی تھی۔ پھر موقع پاتے ہی حضرت علی کی مخالفت شروع کر دی اور خون عثمان کے بدلہ کا مطالبہ کیا۔ جنگ جمل میں مروان نے تیر مار کر اس کا قصہ تمام کر دیا تھا۔ اصحاب صحاح نے اس سے ۳۸ احادیث نقل کی ہیں۔

(۲) ابو خبیب عبداللہ بن زبیر قرشی الاسدی کی والدہ حضرت ابو بکر کی بیٹی اسماء تھیں۔ یہ حضرت عائشہ کا سگا بھانجا تھا۔ وہ اس سے بے حد محبت کرتی تھیں اور یہ اہل بیت سے دشمنی رکھتا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ زبیر ہم اہل بیت کا ہی فرد تھا' یہاں تک کہ اس کا بیٹا عبداللہ جوان ہو گیا۔

یہ جنگ جمل کے محرکین میں سے تھا' امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اسی نے مکہ اور حجاز پر اپنی حکومت قائم کی تھی۔ آخر کار ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف نے اسے قتل کیا۔ اصحاب صحاح نے اس سے ۳۳ احادیث نقل کی ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے اسد الغابہ اور احادیث ام المومنین میں جنگ جمل کے باب اور جوامع السیرۃ کا مطالعہ فرمائیں۔

سے معاویہ (۱) اور عمرو بن العاص (۲) سے بھی حدیث روایت نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے حضرت علی سے جنگ صفین لڑی تھی۔

اسی طرح سے ذی الخویصرہ (۳) اور عبداللہ بن وہب (۴) سے بھی احادیث نقل کرنا جائز نہیں سمجھتے' کیونکہ انہوں نے حضرت علی سے جنگ نہروان لڑی تھی۔

---

(۱) ابو عبدالرحمن معاویہ بن ابی سفیان قرشی الاموی کی والدہ کا نام ہند بنت عتبہ تھا اور یہ وہی ہے جس نے جنگ احد میں امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ اس کے بھائی یزید بن ابو سفیان نے ۱۸ھ میں "طاعون عمواس" میں اسے اپنی جگہ شام کا حاکم مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر نے اسے اس کے عہدہ پر بحال رکھا۔ اور حضرت عثمان نے اس کے حدود سلطنت میں توسیع کی تھی۔ قتل عثمان کے بعد معاویہ نے حضرت علیؑ کی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی اور صفین کے مقام پر آپ سے خونریز جنگ لڑی' اور تحکیم کی وجہ سے جنگ کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ ۴۱ھ میں امام حسنؑ نے اس سے صلح کر لی تھی اس کے بعد وہ پوری مملکت اسلامیہ کا بادشاہ بن گیا۔ ماہ رجب ۶۰ھ ہجری میں اس نے وفات پائی۔ اصحاب صحاح نے اس سے ۱۶۳ احادیث نقل کی ہیں۔

(۲) ابو عبداللہ عمرو بن العاص القرشی السہمی کی والدہ کا نام نابغہ تھا اور دور جاہلیت میں بدکاری میں بڑی شہرت رکھتی تھی۔ خیبر کے سال مسلمان ہوا' اور دور اس نے عمر میں مصر کو فتح کیا اور عہد عمر میں وہاں کا حاکم رہا۔ جب حضرت عثمان نے اسے حکومت مصر سے معزول کیا تو اس نے ان کی شدید مخالفت کی۔ قتل عثمان کے بعد معاویہ نے اسے اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا تو اس نے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ کامیابی کے بعد اسے مصر کا حاکم مقرر کرے گا۔ معاویہ نے اس کی شرط قبول کی۔ اس نے معاویہ سے الحاق کر لیا اور وہ معاویہ کا دست راست تھا اور جنگ صفین میں قرآن بلند کرنے کی تجویز اس نے دی تھی اور اس نے مذکرات میں ابوموسیٰ اشعری سے دھوکہ کیا تھا۔ پھر اس نے مصر کے عامل محمد بن ابی بکر کو شہید کر کے مصر پر اپنا تسلط قائم کیا۔ ۴۳ھ کے بعد مصر میں ہی مر گیا۔ اصحاب صحاح نے اس سے ۳۹ احادیث نقل کی ہیں۔

(۳) ذی الخویصرہ تمیمی۔ اس کا نام حرقوص تھا۔ ایک مرتبہ رسول خدا مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو اس نے آپ سے کہا تھا۔ محمد! عدل کرو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تیرے لیئے ہلاکت ہو اگر میں نے عدل نہ کیا تو اور کون عدل کرے گا؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خروج اور اس کے قتل کی خبر دی تھی۔ اور آپ کی پیشین گوئی جنگ نہروان میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ جنگ نہروان میں اس کی لاش تلاش کی گئی تو آنحضرت کی بتائی ہوئی علامات اس میں موجود تھیں۔ (اسد الغابہ)

(۴) عبداللہ بن وہب راسبی السبائی۔ ۳۷ھ میں خوارج نے اسے اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اور اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تھی اور وہ جنگ نہروان میں قتل ہوا۔

مزید تفصیلات کے لیئے ہماری کتاب عبداللہ بن سبا ۲/۲۳۵ ' ۲۳۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

مکتب اہل بیت سے وابستہ افراد دشمنانِ علی سے حدیث روایت نہیں کرتے۔ خواہ دشمنانِ علی کا تعلق صحابہ سے ہو یا تابعین و تبع تابعین سے ہو یا رواۃ کے دوسرے طبقات سے ہو بہر نوع جو بھی حضرت علی کا دشمن ہو اس سے حدیث روایت نہیں کرتے۔ (۱)

مکتب خلافت کے امام المحدثین بخاری کی یہ حالت ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں امام جعفر صادق (۲) سے جو کہ ائمہ اہل بیت میں سے چھٹے امام ہیں، ایک بھی حدیث روایت نہیں کی۔ جب کہ مکتب امامت سے وابستہ ہزاروں افراد نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔ اور اس کے برعکس بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے خوارج کے مشہور شاعر عمران بن حطان (۳) سے روایت نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ عمران بن حطان وہ خبیث تھا جس نے حضرت علی کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کے کارنامہ کو سراہتے ہوئے یہ شعر کہے تھے:

یا ضربة من تقی ما اراد بها　　الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا

انی لأذکر یومًا واحسبه　　اوفی البریة عند الله میزانا

"اس پرہیزگار کی ضربت کے کیا ہی کہنے! جس کے ذریعہ سے اس نے صاحب عرش خدا کی رضا حاصل کرنے کا مقصد کیا تھا۔"

"میں جب بھی اسے یاد کرتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ خدا کے ہاں تمام مخلوقات کی بہ نسبت اس کی نیکی کا پلڑا زیادہ وزنی ہوگا۔"

نسائی نے امام حسین علیہ السلام کے قاتل (۴) عمر بن سعد سے بھی روایت کی ہے اور علمائے رجال نے اس کے متعلق یہ الفاظ لکھے:

---

(۱) البتہ اگر بھی دشمن حق کی گواہی دے تو اس سے وہ روایت ضرور نقل کرتے ہیں۔

(۲) ابو عبداللہ جعفر بن محمد الصادق کے متعلق شیخ مفید رقم طراز ہیں کہ امام عالی مقام سے مختلف آراء ومقالات کے حامل چار ہزار ثقہ افراد نے احادیث روایت کی تھیں۔ آپ نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

(۳) عمران بن حطان البکر قم الشیبانی السدوسی کا تعلق خوارج کے شعراء سے تھا مزید تفصیل کے لیے الاغانی طبع ساسی ج ۱۶ ر ۱۴۷۔ ۱۵۲ کا مطالعہ فرمائیں۔

(۴) ابو حفص عمر بن سعد قرشی الزہری کو امیر مختار رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں قتل کیا تھا۔

مزید تفصیل کے لیے تقریب التہذیب ج ۷ ص ۴۵۱ کا مطالعہ فرمائیں۔

صدوق لکن مقتہ الناس لکونہ امیراًعلی الجیش الذین قتلو الحسین بن علی

"عمر بن سعد سچا تھا' لیکن لوگوں نے اس کو اس لیئے ناپسند کیا کہ وہ امام حسین کو قتل کرنے والے لشکر کا سپہ سالار تھا۔"

مکتب خلافت کے محدثین عمران بن حطان خارجی اور قاتل حسین عمر بن سعد سے احادیث نقل کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے جب کہ مکتب اہل بیت سے وابستہ افراد ان دونوں پر لعنت کرتے ہیں۔

چنانچہ راویان حدیث کی وجہ سے دونوں مکاتب فکر میں نظریاتی اختلافات نے نشوو نما پائی۔

۲۔ پہلی صدی ہجری میں حدیث نشر کرنے کے متعلق فریقین کے نظریات

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خلفاء نے لوگوں کو حدیث رسول لکھنے سے روک دیا تھا جب کہ مکتب اہل بیت نے پوری قوت و طاقت سے لوگوں تک احادیث پہنچائیں اور اس سلسلہ میں حکومتی احکام کی کبھی پرواہ نہ کی۔

حدیث کی کتابت سے روکنے کا مرحلہ آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی شروع ہو گیا تھا رسول اکرمؐ کی زندگی کے آخری ایام تھے اور آپ کی زندگی کے لمحات لحظہ بہ لحظہ کم ہوتے جا رہے تھے اور موت لحظہ بہ لحظہ آپ کے قریب آ رہی تھی اور اس وقت آنحضرتؐ کے گھر میں بہت سے افراد موجود تھے۔اس عالم میں آپ نے حاضرین سے فرمایا:

آتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده ابداً فقالوا: یهجر رسول اللّٰه (ص) (۱)

"میرے پاس کاغذ لے آؤ میں تمہیں ایسا وثیقہ لکھ کر دیتا ہوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے' لوگ کہنے لگے کہ رسول خدا (نعوذ باللہ) ہذیان کہہ رہے ہیں۔"

بخاری نے دوسری حدیث میں اس شخص کی نشان دہی کی ہے کہ جس نے آنحضرتؐ پر ہذیان کا الزام عائد کیا تھا۔ابن عباس کا بیان ہے:

ولما حضرالنبی (ص) وفی البیت رجال فیهم عمر بن الخطاب قال هلمّ اکتب لکم کتابالن تضلّوا بعدهٗ قال عمر:

---

(۱) صحیح بخاری باب جوائز الوفد من کتاب الجهاد ۲/ ۱۲۰۔ باب اخراج الیهود من جزیرۃ العرب من کتاب الجزیۃ ۲/ ۱۳۶۔ صحیح مسلم باب ترک الوصیۃ۔ مسلم نے سات اسناد سے روایت نقل کی ہے۔ مسند احمد ۱/ ۲۲۲ تحقیق محمد شاکر حدیث ۱۹۳۵۔ طبقات ابن سعد طبع بیروت ۲/ ۲۴۲۔ تاریخ طبری ۳/ ۱۹۳۔ اور وہاں یہ الفاظ ہیں ماشانہ؟ اہجر؟ کہیں یہ ہذیان میں تو یہ نہیں کہہ رہے؟ راوی نے کہا کہ انہیں ہذیان ہو گیا۔ دوسرے حاضرین نے بھی تصدیق کے لئے یہی الفاظ کہے تو رسول خدا نے فرمایا۔ تم مجھے رہنے دو۔۔۔۔ الحدیث۔ صحیح مسلم ۵/ ۷۶۔ تاریخ طبری ۳/ ۱۹۳۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۲۴۲ میں واضح الفاظ پر موجود ہیں: انما یهجر رسول اللّٰه۔ "رسول خدا ہذیان کہہ رہے ہیں۔"

ان النبی غلبه الوجع و عندکم کتاب الله فحسبنا کتاب الله واختلف اهل البیت واختصمو افمتهم من یقول ما قال عمر فلما اکثر واللغط والاختلاف قوموعنی ولا ینبغی عندی التنازع. (صحیح بخاری کتاب العلم، باب العلم ۲۲/۱)

"جب آنحضرتؐ کا آخری وقت ہوا اس وقت گھر میں بہت سے افراد موجود تھے جن میں عمر بن خطاب بھی شامل تھے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: آؤ میں تمہیں ایسا وثیقہ لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (یہ سن کر) عمر نے کہا۔ نبی پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ گھر میں بیٹھے ہوئے افراد میں اختلاف پیدا ہوا اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو عمر کی بات دہرا رہے تھے اور جب جھگڑا اور شور بڑھا تو رسول خداؐ نے فرمایا: میرے یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ اور میرے پاس جھگڑنا مناسب نہیں ہے۔"

حضرت عمر نے اپنی زبانی یوں بیان کیا:

کنا عندالنبی وبیننا وبین النساء حجاب' فقال رسول الله اغسلونی بسبع قرب' واتو نی بصحیفة و دواة اکتب لکم کتابالن تضلوا بعده. فقالت النسوة ائتوا رسول الله بحاجة فقال عمر فقلت اسکتن فانکن صواحبه اذامرض عصر تن اعینکن وان صحّ اخلتّن بعنقه فقال رسول الله هن خیر منکم. (۱)

"ہم نبی کریمؐ کے پاس بیٹھے تھے اور ہمارے اور عورتوں کے درمیان ایک حجاب تھا۔ رسول خداؐ نے فرمایا: مجھے سات مشکوں سے غسل دینا اور تم میرے پاس کاغذ اور دوات لے آؤ' میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوسکو گے۔ عورتوں نے کہا: رسول خدا کے فرمان کو پورا کرو۔"

(۱) امتاع الاسماع ص ۵۴۶۔ وہاں "فقالت النسوة" کی بجائے "فقالت زینب بنت جحش وصواحبها" کے الفاظ ہیں۔ یعنی زینب اور اس کی ہمخیال دوسری ازواج رسول نے کہا۔ طبقات ابن سعد طبع بیروت ۲/۲۴۳۔۲۴۴ باب الکتاب الذی ارادان یکتبه الرسول لامة نہایة الارب ۸/۳۵۷۔ کنز العمال اول ۳/۱۳۸۔۴/۵۲۔

حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: تم خاموش رہو تم اس کی صواحب ہو جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو رو رو کر تم اپنی آنکھیں نچوڑنے لگ جاتی ہو اور جب وہ تندرست ہوتے ہیں تو تم ان کی گردن پکڑ لیتی ہو۔

"رسول خدا نے فرمایا: وہ تم سے بہتر ہیں۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ ام المومنین زینب نے وہاں موجود حاضرین سے کہا:

"کیا تمہیں سنائی نہیں دیتا کہ رسول اپنی وصیت لکھانا چاہتے ہیں؟"

مگر حاضرین جھگڑنے لگے۔ رسول خدا نے فرمایا: اٹھ کر چلے جاؤ۔

اس کے تھوڑی دیر بعد رسول خدا کی وفات ہو گئی۔ (طبقات ابن سعد ۲/۲۴۴)

کتاب حدیث سے صرف مرض موت میں ہی رکاوٹ نہیں ڈالی گئی بلکہ آنحضرت کی صحت و تندرستی کے زمانہ میں بھی چند افراد نے اپنی طرف سے کوشش کی کہ آپ کی حدیث کی کتاب نہ ہو۔(۱)

عبداللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے۔

میری عادت تھی کہ میں رسول خدا کی ہر بات لکھ لیا کرتا تھا۔ مجھے قریش نے منع کا اور مجھ سے کہا: تو رسول خداؐ کی زبان سے نکلنے والی ہر بات لکھتا ہے جب کہ رسول بھی انسان ہیں' کبھی غصہ میں بات کرتے ہیں کبھی رضا مندی میں بات کرتے ہیں۔

قریش کی یہ بات سن کر میں نے لکھنا چھوڑا اور میں نے رسول خدا کے سامنے یہ بات عرض کی تو آپ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۲) سنن دارمی ۱/۱۲۵ باب فی رخص فی الکتابۃ من المقدمۃ۔ سنن ابی داؤد ۲/۱۲۶ باب کتابۃ العلم۔ مسند احمد ۲/۱۶۲۔ ۱۹۲۔ ۲۰۷۔ ۲۱۵۔ مستدرک حکم ۱/۱۰۵۔ ۱۰۶۔ جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبداللہ ۱/۸۵ طبع دوم طبع العاصمہ قاہرہ ۱۳۸۸

اکتب فو الذی نفسی بیدہ ماخرج منہ الاحق :(۱)
"لکھتے رہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے'
اس (منہ) سے حق کے علاوہ اور کچھ نہیں نکلتا۔"
عبداللہ بن عمرو کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ قریش کو آنحضرت سے دو باتوں کا اندیشہ تھا:

(۱) کہیں رسول خدا غصہ کی وجہ سے ان کی مذمت میں کوئی حدیث بیان نہ کریں۔
(۲) کہیں رسول خدا اہل بیت اور بالخصوص حضرت علیؑ کی محبت میں کوئی فیصلہ کن حدیث بیان نہ کریں۔

انہیں دو اسباب کی وجہ سے قریش نے عبداللہ بن عمرو کو حدیث لکھنے سے منع کیا تھا اور وقت آخر انہوں نے محسوس کیا کہ اب رسول خدا فیصلہ کن تحریر لکھانا ہی چاہتے ہیں اور انہیں یقین تھا کہ اگر رسول خدا نے وہ تحریر لکھ دی تو ان کے تمام تر منصوبے خاک میں مل جائیں گے اور ان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا' اس لیے انہوں نے آنحضرت سے قلم' دوات اور کاغذ کا سن کر بے تحاشہ شور مچایا تھا تا کہ حضور کچھ لکھنے نہ پائیں اور پھر حضور اکرمؐ کے دماغ پر حملہ کیا کہ آپ نعوذ باللہ ہذیان کہہ رہے ہیں۔ اگر رسول خدا زبردستی کوئی تحریر لکھ بھی دیتے تو قریش یہ کہہ کر اس کو مسترد کر دیتے کہ یہ تحریر ہذیان میں لکھی گئی تھی' لہٰذا اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

گروہ قریش کتابت حدیث کا اتنا مخالف تھا کہ اپنے دو اقتدار میں بھی حدیث لکھنے کی اجازت نہ دیتا تھا' اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اگر احادیث کتابی شکل میں مدون ہو کر آ گئیں تو بہت سی کتب حدیث حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کی احادیث لوگوں کو دکھائی دیں گی۔

---

(۱) عبداللہ بن عمرو بن العاص قرشی السہمی کی والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ السہمی تھا۔ وہ عمر میں اپنے والد سے گیارہ بارہ سال چھوٹا تھا۔ اس کی جائے وفات کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مورخین مصر بتاتے ہیں۔ بعض طائف اور بعض مکہ بتاتے ہیں اور اس کا سال وفات ۶۳ھ بیان کیا جاتا ہے۔
ملاحظہ فرمائیں اسد الغابہ ۳/۲۳۳۔ حلیہ ۱/۲۸۳۔ ۵۶/۳۔ تہذیب التہذیب ۳۳۷/۵

(۳) پہلی صدی ہجری کے آخر تک سنت رسول کی کتابت ممنوع تھی

عہد ابوبکر

ذہبی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے وفات پیغمبر کے بعد لوگوں کو جمع کر کے کہا' تم رسول خدا سے بہت سی ایسی احادیث بیان کرتے ہو جن میں تمہارا اختلاف ہوتا ہے۔ تمہارے بعد والے لوگ اور زیادہ اختلاف کریں گے۔ لہٰذا تم رسول خدا سے کوئی حدیث بیان نہ کرو' اور اگر کوئی تم سے کچھ سوال کرے تو اس سے کہو: ہمارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے' تم اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو۔

(تذکرہ الحفاظ ذہبی در حالات حضرت ابوبکر ۱/۲۔۳)

عہد عمر

طبقات ابن سعد میں منقول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے عہد حکومت میں احادیث کی کثرت ہوگئی۔ حضرت عمر نے لوگوں سے کہا کہ وہ احادیث کے مجموعے لے کر آئیں۔ جب لوگ احادیث کے مجموعے لے کر آئے تو انہوں نے انہیں جلانے کا حکم جاری کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ۱۴۰/۵ در حالات قاسم بن محمد بن ابی بکر)

مکتب خلفاء کی طرف سے پہلی صدی ہجری کے آخر تک کتابِ حدیث ممنوع تھی۔ کاش حکام اسی پر ہی اکتفا کرتے لیکن انہوں نے لوگوں کو حدیث رسول بیان کرنے سے بھی منع کر دیا تھا۔

قرظہ بن کعب (۱) سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

"جب حضرت عمر نے ہمیں عراق کی طرف روانہ کیا تو وہ ہمارے ساتھ چلتے

(۱) جامع بیان العلم ابن عبداللہ ۱۴۷/۲۔ شرف اصحاب الحدیث خطیب بغدادی ص ۸۸۔ تذکرہ الحفاظ ذہبی ۱/۴۔۵۔ قرظہ بن کعب جنگ احد اور باقی غزوات میں شریک ہوا تھا۔ حضرت عمر نے اسے عمار کے ساتھ دس افراد کے وفد میں کوفہ بھیجا تھا۔ جنگ جمل کے وقت امیر المومنین نے اسے کوفہ کا والی مقرر کیا تھا۔ (اسد الغابہ ۴/۲۰۳)

ہوئے مقام ''صرار'' تک آئے۔ پھر انہوں نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہاری مشایعت کیوں کی؟

ہم نے کہا: آپ نے ہماری عزت افزائی کے لیے ہماری مشایعت کی۔

انہوں نے کہا: مگر اس سے میرا ایک اور مقصد بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے پاس جا رہے ہو جن کی تلاوت قرآن کی آواز میں ہر وقت شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح سے سنائی دیتی ہیں۔ تم احادیث رسول بیان کر کے انہیں قرآن سے نہ روک دینا اور اس کام میں میں بھی تمہارا شریک ہوں''

قرظہ نے کہا۔ اس کے بعد میں نے رسول خدا کی کبھی کوئی حدیث بیان نہیں کی۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا: ہمیں حدیث سناؤ۔ اس نے کہا۔ عمر نے ہمیں روکا ہے۔

قرظہ کی طرح سے عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص نے بھی احادیث بیان کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ جیسا کہ دارمی نے اپنی سنن کے کتاب العلم' باب من حاب الفتیا ۱/۸۴۔۸۵ پر لکھا۔

شعبی بیان کرتے ہیں:

میں پورا سال ابن عمر کے ساتھ بیٹھتا رہا۔ اس دوران میں نے اسے رسول خدا کی حدیث بیان کرتے ہوئے کبھی نہ سنا۔

دوسری روایت میں شعبی سے یہ الفاظ منقول ہیں:

میں دو سال یا ڈیڑھ سال کا عرصہ ابن عمر کے ساتھ بیٹھتا رہا' اس پورے عرصہ میں اس حدیث کے علاوہ میں نے اس سے رسول خدا کی کوئی حدیث نہ سنی۔

سائب بن یزید سے روایت ہے' اس نے کہا:

میں نے سعد بن ابی وقاص کے ساتھ مکہ کا سفر کیا' اس پورے سفر میں میں

نے سعد کو رسول خدا کی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آ گئے۔

حکام کے فرمان پر جہاں بہت سے صحابہ نے احادیث رسول بیان کرنا چھوڑ دی تھیں وہاں کچھ ایسے دلیر صحابی بھی موجود تھے جنہوں نے تمام دنیاوی مصلحتوں کو پس پشت ڈال کر رسول خدا کی احادیث کی نشر و اشاعت کی' جن میں سے چند مثالیں یہ ہیں۔

کنزل العمال میں عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے اپنی موت سے قبل دور دراز مقامات پر پھیلے ہوئے صحابہ کو اپنے پاس جمع ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن حذیفہ' ابوالدرداء' ابوذر اور عقبہ بن عامر دور دراز مقامات سے ان کے پاس آئے۔

حضرت عمر نے ان سے کہا:

تم نے اطراف و آفاق میں یہ کیسی احادیث پھیلا رکھی ہیں؟

انہوں نے کہا: کیا تو ہمیں روکنا چاہتا ہے؟

حضرت عمر نے کہا: نہیں۔ تم میرے پاس یہاں قیام کرو اور جب تک میں زندہ ہوں تم یہاں سے مت جاؤ' کیونکہ ہم بہتر جانتے ہیں کہ تم سے حدیث لیں یا تمہاری تردید کریں۔

حضرت عمر کی وفات تک مذکورہ لوگ اس سے جدا نہ ہوئے (۱)

---

(۱) کنزالعمال حدیث ۴۸۶۵ طبع اول ۵/۲۳۹۔ طبع دوم ۱۰/۱۸۰ حدیث ۱۳۹۸۔ منتخب کنز ۴/۶۲۔

عبدالرحمٰن بن عوف قرشی الزہری۔ رسول خدا نے اسے حضرت عثمان کا بھائی بنایا تھا۔ اور حضرت عمر نے شوریٰ کی تشکیل کے وقت اسے فیصلہ کن اختیارات دیئے تھے' اور اس نے ان اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے حضرت عثمان کو منصب خلافت پر فائز کیا تھا۔ اصحاب حدیث نے اس سے ۶۵ احادیث نقل کی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب عبداللہ بن سبا جلد اول اور جوامع السیرۃ کا مطالعہ فرمائیں۔

ذہبی لکھتے ہیں:

عمر نے تین افراد یعنی ابن مسعودؓ ابوالدرداء اور ابومسعود انصاری کو قید کر دیا تھا اور کہا تم نے رسول خدا کی زیادہ احادیث بیان کی ہیں (۱)

(گزشتہ سے پیوستہ)

عبداللہ بن حذیفہ کے واقعات مجھے کہیں دکھائی نہیں دیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نام لکھنے میں تصحیف ہوتی ہے اور اس سے مراد عبداللہ بن حذافہ قرشی السہمی ہے۔ اور وہ قدماء مہاجرین میں سے تھے۔ عہد عثمان میں انہوں نے مصر میں وفات پائی۔ (تقریب التہذیب ۱/۴۰۹۔)

ابوالدرداء کا نام عویمر یا عامر بن مالک انصاری الخزرجی تھا۔ ان کی والدہ محبت بنت واقد بن اطنابہ تھیں۔ دیر سے اسلام لائے تھے۔ اسی لیے اسلام کی ابتدائی جنگوں میں شریک نہیں تھے اور جنگ خندق سے لیکر عہد نبوی کی باقی لڑائیوں میں شریک تھے۔ رسول خدا نے اسے سلمان فارسی کا بھائی بنایا تھا۔ عہد عثمان میں دمشق کے قاضی مقرر ہوئے، اور ۳۲ یا ۳۳ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ اصحاب صحاح نے ان سے ۱۷۹ احادیث نقل کی ہیں۔ (اسد الغابہ ۵/۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ جوامع السیرۃ ص ۲۷۷۔)

عقبہ بن عامر نام کے دو شخص ہیں ان میں سے ایک کا تعلق قبیلہ جہینہ سے تھا۔ اصحاب صحاح نے اس سے ۵۵ احادیث نقل کی ہیں۔

دوسری عقبہ بن عامر انصاری سلمی تھا۔ اسد الغابہ ۳/۴۱۷۔ جوامع السیرۃ ص ۱۷۹

(۱) تذکرۃ الحفاظ ذہبی ۱/۷ در حالات عمر۔

ابن مسعود کا پورا نام ابوعبدالرحمن عبداللہ بن مسعود الھذلی تھا۔ ان کی والدہ کا نام عبد بنت عبدود الھذلی تھا۔ ان کے والد بنی زہرہ کے حلیف تھے۔ ابن مسعود سابقین میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مکہ میں زور سے قرآن پڑھا تو مشرکین نے ان پر حملہ کر دیا تھا اور انہیں زخمی کر دیا تھا۔

ابن مسعود نے حبشہ اور مدینہ ہجرت کی تھی اور جنگ بدر سمیت تمام اسلامی غزوات میں شریک تھے۔ جب حضرت عثمان نے اپنے بھائی ولید (جسے قرآن میں فاسق کہا گیا ہے) کو کوفہ کا والی مقرر کیا تو ابن مسعود کا اس سے اختلاف ہوا جس کی وجہ سے حضرت عثمان نے دو سال تک انکا وظیفہ بند کر دیا۔ انہوں نے

حضرت عمر صحابہ سے کہا کرتے تھے:

اقلّوا الروایة عن رسول الله الافی مایعمل به (تاریخ ابن کثیر ۸۔۱۰۷)

"رسول خدا کی کم سے کم احادیث بیان کرو۔ سوائے ایسی احادیث کے جو عمل کے لیے ضروری ہیں"

اس روایت کا مقصد و مفہوم عبداللہ بن العاص کی روایت سے بالکل ہم آہنگ ہے کہ قریش نے اسے رسول خدا کی ہر حدیث لکھنے سے منع کیا تھا۔

عہد عثمان

حدیث کی نشر و اشاعت کے متعلق حضرت عثمان نے شیخین کی پالیسی پر عمل کیا اور انہوں نے اس پالیسی پر کاربند رہنے کا اعلان کرتے ہوئے برسر منبر کہا:

لایحلّ لاحد یروی حدیثاً یسمع به علی عهدابی بکر ولا علی عهد عمر (منتخب الکنز برحاشیہ مسند احمد ۴/۶۴)

"جو حدیث ابوبکر و عمر کے عہد میں بیان نہیں ہوئی اس کا بیان کرنا کسی کے لیے حلال نہیں ہے۔"

دارمی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوذر غفاری حج کے ایام میں جمرہ وسطیٰ (پتھر کا وہ ستون جس پر مجسم شیطان کی علامت کے طور پر حاجی کنکریاں مارتے ہیں) میں بیٹھے تھے اور کچھ افراد ان کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے تھے اور ان سے سوالات پوچھ رہے تھے۔ اس گفتگو کے دوران ایک شخص ان کے پاس آ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

کیا تمہیں فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا گیا؟

(گذشتہ سے پیوستہ)

۳۲ھ میں وفات پائی اور مرنے سے قبل وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ میں عثمان شامل نہ ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (اسد الغابہ ۳/۲۵۶۔۲۶۰۔ مستدرک حاکم ۳/۳۱۵۔۳۲۰۔ احادیث عائشہ ۶۲۔۶۵۔)

ابومسعود انصاری کا نام عقبہ بن عمرو البدری تھا۔ اس کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ (اسد الغابہ ۵/۲۹۲۔)

ابوذر نے سر اٹھایا اور اس پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا:

کیا تمہیں مجھ پر مامور کیا گیا ہے؟ اگر تم اپنی تلوار یہاں رکھ دو (پھر اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا) اور یہ چاہو کہ میرا سر کاٹ ڈالو اور مجھے بھی معلوم ہو کہ میرا سر حدیث بیان کرنے کی وجہ سے کاٹا جا رہا ہے تب بھی اگر تمہاری تلوار کے میرے گلے تک پہنچنے میں اتنا فاصلہ ہو کہ میں فرمودات پیغمبر میں سے ایک لفظ اپنے منہ سے ادا کرسکوں تو وہ لفظ ضرور ادا کروں گا۔(۱)

اس روایت کا تعلق بھی عہد عثمان سے ہے؟

بنی تمیم کا رئیس احنف بن قیس تمیمی کہتا ہے:

میں شام میں نماز جمعہ پڑھنے گیا' نماز کے بعد میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مسجد کے جس گوشے میں جاتا تھا لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ وہ بہت خشوع وخضوع سے نماز پڑھ رہا تھا۔ میں اس کے پاس پہنچا اور بیٹھ گیا (اور میں یہ سوچنے لگا کہ آخر اس بوڑھے شخص کا قصور کیا ہے؟ دیکھ کر لوگ راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں) میں نے پوچھا: بندہ خدا! آپ کون ہیں؟

اس شخص نے کہا: تو کون ہے؟

میں نے جواب دیا: میں احنف بن قیس ہوں۔

تب وہ شخص کہنے لگا: فوراً اٹھو اور میرے پاس سے چلو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بدبختی تم تک پہنچ جائے۔

میں نے کہا:

---

(۱) سنن دارمی ج ۱/۱۳۲۔ طبقات ابن سعد ۲/۳۵۴۔ (درحالات ابوذر) بخاری نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے لیکن جیسا کہ اس کا طریقہ ہے اس نے اس کے حساس نکات کو اس انداز میں حذف کیا ہے کہ خلفاء و امراء کے طبقہ میں سے کسی پر آنچ نہ آئے۔

تمہاری بدبختی مجھ تک پہنچے گی' کیا تمہیں کوئی متعدی مرض ہے جو مجھے لگ جائے گا؟

اس نے جواب دیا: اس شخص (معاویہ) نے حکم دے رکھا ہے کہ کوئی شخص میرے پاس نہ بیٹھے(۱)۔

جب حکومت وقت ابوذر کو اپنے سامنے جھکانے میں ناکام رہی تو انہیں ربذہ کے لق ودق صحرا کی طرف جلاوطن کر دیا گیا' جہاں ۳۱ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

جب تک حضرت عثمان کی حکومت مضبوط رہی تو اس وقت تک کسی کو احادیث بیان کرنے کی جرأت نہیں تھی اور جب حکومت کے آخری دنوں میں ان کی حکومت میں کمزوری پیدا ہوئی اور ام المومنین بی بی عائشہ اور طلحہ و زبیر اور عمرو بن العاص جیسے موثر افراد نے ان کی کھل کر مخالفت کی تو لوگوں میں حدیث بیان کرنے کی جرأت پیدا ہوئی۔ پھر ان کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے عہد حکومت میں احادیث بیان کرنے کی کھلی اجازت ملی۔ چنانچہ اس دور میں احادیث بڑی تعداد میں منظر عام پر آئیں اور جب احادیث نبوی منظر عام پر آئیں تو لوگوں کو خلفائے ثلاثہ کے بہت سے اجتہاد غیر اسلامی دکھائی دینے لگے۔

ان اجتہادات کے متعلق ہم کتاب ہذا کی چوتھی فصل میں تفصیلی بحث کریں گے۔

عہد معاویہ

عہد معاویہ کو خلفائے ثلاثہ کی حکومت کا تسلسل سمجھنا چاہیے۔ اور اس نے بھی سابقہ خلفاء کی پالیسی کو من وعن جاری رکھا۔ جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے۔

(۱) طبقات ابن سعد ۱۶۸/۴۔ ابو بحر احنف بن قیس رسول خدا کے زمانہ کے فرد تھے لیکن انہیں زیارت پیغمبر نصیب نہیں ہوتی تھی۔ جنگ جمل میں شریک نہیں تھا البتہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے شریک تھا۔ ۶۷ھ کو کوفہ میں وفات پائی۔

تمام اصحاب صحاح نے اس سے روایات نقل کی ہیں۔ اس کے حالات کی مزید وضاحت کے لیے اسد الغابہ اور تقریب التہذیب کا مطالعہ فرمائیں۔

عبداللہ بن عامر یَحْصُبِیْ کا بیان ہے کہ میں نے سنا اور وہ منبر پر کہہ رہا تھا:
لوگو! تم رسول خدا کی صرف وہی حدیث بیان کرو جو عہد عمر میں بیان کی جاتی تھیں۔
کیونکہ عمر لوگوں کو خدا سے خوب ڈرایا کرتے تھے۔(۱)

رجاء بن ابی سلمہ نے کہا۔ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ معاویہ کہتا تھا:
تمہیں رسول خدا کی صرف ایسی احادیث بیان کرنی چاہئیں جو عہد عمر میں
بیان کی جاتی تھیں' کیونکہ عمر نے لوگوں کو رسول خدا کی احادیث بیان کرنے سے خوفزدہ
کیا تھا۔ (تذکرہ الحفاظ ذہبی ۱/۷)۔

طبری رقم طراز ہیں:
جب معاویہ نے مغیرہ[۲] بن شعبہ کو ۴۱ھ میں کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو اسے بلا
کر کہا' میں تجھے بہت سی باتوں کی وصیت کرنا چاہتا تھا لیکن تیری فہم و فراست پر بھروسہ
کرتے ہوئے تجھ سے دو باتیں نہیں کہوں گا' البتہ تجھے ایک بات کی ضرور نصیحت کروں
گا اور وہ یہ ہے کہ علی پر ہمیشہ سب و شتم کرتے رہنا اور اس کی مذمت کرتے رہنا'
اور عثمان کے لیے ہمیشہ دعائے خیر کرنا اور اس کی مدح و ثنا کرنا۔ علی کے دوستوں کے
عیوب بیان کرنا اور انہیں اپنے سے دور رکھنا۔

---

(۱) تاریخ مدینہ دمشق ابن عساکر قلمی با تصویر نسخہ ۹ ورق ۲/۲۳۶ ب و ۲۳۷ ب شرف اصحاب الحدیث ص ۹۱

(۲) مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر ثقفی کی ماں کا نام امامہ بنت افقم تھا۔ جنگ خندق کے سال مسلمان ہوا۔ اس
کے اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے واقدی نے اپنی کتاب مغازی ۲/۵۹۵۔۵۹۸ میں لکھا:
مغیرہ چودہ افراد کے ساتھ والی مصر مقوقس کے پاس گیا تھا۔ مقوقس نے ان افراد کو اس پر ترجیح
دی جس کا اس نے برا منایا۔ وہاں سے واپسی پر خیبر اور مدینہ کے درمیان انہوں نے خوب شراب پی۔ مغیرہ
نے شراب نوشی میں ان کے ساتھ شرکت نہ کی۔ اور جب وہ شراب کے نشہ میں دھت ہو گئے تو مغیرہ نے تلوار
اٹھا کر ان میں سے تیرہ افراد کو قتل کر دیا اور چودھواں شخص بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔
تیرہ افراد کو قتل کرنے کے بعد مغیرہ خدمت میں نبی میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔
رسول خدا نے فرمایا:

اور عثمان کے پیروکاروں سے بھلائی کرنا اور انہیں اپنے قریب جگہ دینا۔

مغیرہ نے کہا: تو بھی تجربہ کار ہے اور میں بھی تجرکار ہوں۔ میں نے تجھ سے پہلے حکام کے ساتھ بھی کام کیا ہے' اور آج تک کسی نے میرا گلہ نہیں کیا۔ تو بھی مجھے آزما لے' اس کے بعد تیری مرضی چاہے تو تعریف کرنا اور چاہے تو شکوہ کرنا۔

معاویہ نے کہا: ایسا نہیں ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو ہم تیری تعریف کریں گے۔(۱)

مدائنی کتاب الاحدث میں لکھتے ہیں:

معاویہ نے سال جماعت کے بعد اپنے تمام عمال کے نام سرکاری فرمان جاری کیا جس میں تحریر تھا:

''جو ابوتراب اور اس کے اہل بیت کی فضیلت کی کوئی روایت بیان کرے تو میں اس سے بری الذمہ ہوں''(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

میں اس کے اسلام کو قبول نہیں کرتا' کیونکہ اس نے دھوکہ دہی کی ہے۔ اس کے چچا عروہ بن سعود نے تیرہ افراد کی دیت ادا کی تو آپؐ نے اس کے اسلام کو قبول کیا۔

حضرت عمر کے عہد حکومت میں وہ بصرہ کا گورنر مقرر ہوا' وہاں یہ زنا میں ملوث پایا گیا۔ حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ چلا گواہوں نے اپنی گواہی پیش کی۔ ایک گواہ کو حضرت عمر نے منحرف کر دیا' جس نے اپنی گواہی کے الفاظ میں تھوڑی سی ہیر پھیر کر لی۔ جس کی وجہ سے حضرت عمر نے اسے بری کر دیا۔ مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب عبداللہ بن سبا جلد اول کا مطالعہ فرمائیں۔

دور معاویہ میں یہ کوفہ کا گورنر مقرر ہوا' اور ۵۰ ھ کو کوفہ میں وفات پائی۔ اصحاب صحاح نے اس سے ۱۳۶ احادیث نقل کی ہیں۔

مزید تفصیلات کے لیے اسد الغابہ اور جوامع السیرۃ ص ۲۷۸ کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱) تاریخ طبری ۱۱۲/۶ ـ ۱۱۳' ۳۸/۲ ـ تاریخ ابن اثیر ۱۰۲/۳ (درحالات ۵۱ ھ)

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۵/۳ ـ ۱۶ ـ طبع البابی الحلبی۔ ''سال جماعت'' کی وضاحت آئندہ مناسب مقام پر بیان کی جائے گی۔

اس وقت اہل کوفہ سخت آزمائش میں پڑ گئے۔

حضرت علیؑ اور ان کے اہل بیت کے فضائل بیان کرنے کے جرم میں حضرت حجر بن [1] عدی اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا گیا اور رشید [2] ہجری اور میثم [3] تمار کو صلیب پر لٹکایا گیا۔

---

(۱) حضرت حجر بن عدی نے رسول خدا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اور جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ جمل وصفین میں شریک رہے اور دونوں غزوات میں قبیلہ کندہ کا پرچم ان کے پاس تھا اور جنگ نہروان میں میسرہ کے سالار تھے۔ آپ ہمیشہ مغیرہ بن شعبہ کو سب علیؑ پر ٹوکا کرتے تھے۔ مغیرہ کے بعد زیاد بن ابیہ کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو وہ بھی خطبہ جمعہ میں حضرت علیؑ پر سب وشتم کیا کرتا تھا۔ حضرت حجر اور ان کے ساتھی اس کے منہ پر اس کی تکذیب کرتے تھے۔ آخر کار زیاد نے حجر کو ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے معاویہ کے پاس شام روانہ کیا۔ جہاں انہیں شام سے باہر "مرج عذرا" نامی جگہ پر قید میں رکھا گیا اور معاویہ نے حکم جاری کیا کہ اگر وہ حضرت علیؑ پر سب وشتم کریں تو بہتر ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ جب معاویہ کی یہ شرط انہیں سنائی گئی تو انہوں نے حضرت پر سب وشتم سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے وہ اپنے بیٹے سمیت پانچ اور ساتھیوں کے ہمراہ شہید کیے گئے۔ ان کا مزار شام سے باہر مرج عذرا میں موجود ہے جو کہ اس وقت زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ ان کی شہادت کا واقعہ ۵۱ ھ میں پیش آیا۔

اس واقعہ کی مزید وضاحت کے لیے ہماری کتاب عبداللہ بن سبا جلد دوم کا مطالعہ فرمائیں۔

(۲) رشید ہجری یمن کے شہر ہجر کی طرف منسوب ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کے خالص شیعہ تھے حضرت علی علیہ السلام نے انہیں "علم المنایا والبلایا" کی تعلیم دی تھی اور ان سے کہا تھا کہ آپ کی محبت میں اس کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹے جائیں گے۔

انہیں ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا۔ اپنے مولا کے کچھ جھوٹ ہمیں بھی سناؤ۔

رشید نے کہا۔ خدا کی قسم نہ میں جھوٹا ہوں اور نہ میرے مولا جھوٹے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ تو میرے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالے گا۔

ابن زیاد نے کہا: اگر یہ بات ہے تو خدا کی قسم میں اس کو جھوٹ ثابت کروں گا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر باہر پھینک دو۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

جب رشید کو اس حالت زار میں ان کے گھر لے جایا گیا تو ان کی بیٹی نے پوچھا۔ کیا آپ کو درد محسوس ہوا؟

انہوں نے جواب دیا:

نہیں' جان پدر! صرف اتنی تکلیف ہوئی جتنی اس شخص کو ہوتی ہے جو ہجوم میں پھنس جائے اور وہ ہجوم دھکم پیل سے اسے دبا دے۔

پھر ان کے ہمسائے اور ملنے والے آئے اور رشید کی مظلومیت دیکھ کر رونے لگے۔

رشید نے کہا

روؤ نہیں بلکہ کاغذ اور قلم لاؤ تا کہ جو کچھ میرے مولا نے مجھے سکھایا ہے وہ تمہیں لکھوا دوں۔ پھر انہوں نے امیر المومنین کی احادیث بیان کرنی شروع کیں۔ اس واقعہ کی خبر ابن زیاد تک پہنچی اس نے اپنے کارندے حجام کو بھیجا۔ اس نے ان کی زبان کاٹ دی۔ پھر اسی رات رشید نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۳) میثم تمار بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے۔ حضرت علیؑ نے انہیں خرید کر آزاد کیا تھا۔ اور وہ آپ کے ممتاز شاگرد ثابت ہوئے اور انہوں نے آپؑ سے احادیث روایت کی ہیں اور انہوں نے قرآن کی تفسیر و تاویل آپ سے حاصل کی تھیں۔

ایک دفعہ میثم حضرت ام سلمہ سے ملاقات کے لیے مدینہ آئے' وہاں ان کی ابن عباس سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ابن عباس سے کہا: کاغذ اور قلم لایئے اور بیٹھیے تا کہ میں آپ کے لیے قرآن مجید کی وہ تفسیر بیان کروں جو میں نے اپنے مولا سے حاصل کی ہے۔

گفتگو کے دوران انہوں نے ابن عباس سے کہا۔ اگر آپ مجھے سولی پر دیکھیں تو کیسا محسوس کریں گے؟ جن نو آدمیوں کو سولی پر لٹکایا جائے گا ان میں سے نواں میں ہوں گا۔ میری سولی کی لکڑی سب سے چھوٹی ہوگی اور زمین سے زیادہ نزدیک ہوگی۔

ابن عباس نے کہا: کیا تم کاہن ہو گئے ہو اور کہانت کرنے لگے ہو اور غیب کی باتیں بتانے لگے ہو؟

یہ کہہ کر ابن عباس نے چاہا کہ ان کی لکھائی ہوئی تفسیر کے اوراق کو پھاڑ ڈالیں۔

میثم کوفہ آئے۔ ابن زیاد کا دور حکومت تھا۔ دو دن بعد ابن زیاد کے کارندوں نے میثم کو گرفتار کر

(گذشتہ سے پیوستہ)

لیا اور انہیں حاکم کے پاس لے گئے۔ ان دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

ابن زیاد۔ کیا تم میثم ہو؟

میثم: ہاں میں میثم ہوں۔

ابن زیاد: کیا تم ابوتراب سے برأت اور بیزاری چاہتے ہو؟

میثم: میں ابوتراب کو نہیں جانتا۔

ابن زیاد: کیا تم علی بن ابی طالب سے بے زاری چاہتے ہو؟

میثم: اگر میں یہ کام نہ کروں تو کیا ہوگا؟

ابن زیاد: میں تمہیں قتل کردوں گا۔

میثم: امیر المومنینؑ نے مجھے کہا ... جلدی ہی سولی پر لٹکا دے گا او ... ڈالے گا اور میری زبان بھی کاٹ دے گا۔

ابن زیاد: میں علی ... وٹی کا جھوٹا پن ثابت کروں گا۔ میں تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور تجھے ... پر لٹکا دوں گا لیکن تیری زبان باقی رہنے دوں گا۔

پھر اس نے حکم دیا کہ میثم کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور انہیں سولی پر لٹکایا جائے۔

میثم جیسے ہی سولی پر لٹکے تو انہوں نے پکار کر کہا:

لوگو! تم میں سے جو شخص ایسی احادیث سننا چاہتا ہو جو ابھی تک علی بن ابن طالب سے نقل نہ کی گئی ہوں تو وہ آئے اور حدیث سنے۔

لوگ جمع ہو گئے اور میثم نے صلیب پر لٹکے ہوئے تعجب انگیز احادیث بیان کرنی شروع کر دیں۔

لوگوں نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ اگر اس شخص کی زبان نہ کاٹی گئی تو وہ کوفہ کے لوگوں کو تیرے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دے گا۔

ابن زیاد نے جلاد بھیجا اور اس نے آ کر کہا۔ اپنی زبان باہر نکالو۔ امیر نے مجھے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

میثم نے جواب دیا:

مکتب خلفاء نے صحابہ و تابعین کے لیے نقل حدیث کو مشکل بنا دیا اور جس نے ان کی مخالفت کی اس کو سخت سزائیں دی گئیں۔ یہ تصویر کا ایک پہلو تھا کہ کسی طرح سے رسول خدا کے فرامین مسلمانوں کے کانوں تک نہ پہنچنے پائیں اور اس تصویر کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ اسرائیلی روایات کے دروازے کھول دیے گئے اور انہیں یہ کھلی اجازت دے دی گئی کہ وہ جسے اور جب چاہیں دل کھول کر اسرائیلی روایات کو پھیلائیں۔

اسرائیلی روایات کی حوصلہ افزائی

مکتب خلفاء نے مسلمانوں کے لیے حدیث رسول کے دروازے اور دریچے اچھی طرح سے بند کرنے کے بعد اسرائیلی روایات کے لیے دروازے کھول دیے اور اسرائیلی روایات کے پرچار کے لیے تمیم الداری (۱) نصرانی اور کعب الاحبار (۲) یہودی کی خوب حوصلہ افزائی کی گئی۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہ بدکار لونڈی کا بیٹا چاہتا تھا کہ مجھے اور میرے مولا کو جھوٹا ثابت کرے۔ آؤ یہ رہی میری زبان کارندے نے ان کی زبان کاٹ لی۔ میثم اپنے خون میں لتھڑے ہوئے کچھ دیر تڑپے اور پھر اپنی جان' جان آفرین کے حوالے کر دی۔

عجب رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(۱) تمیم داری

ا۔ تمیم داری یعنی تمیم بن اوس بن خارجہ جس کی کنیت ابو رقیہ تھی۔ کان نصرانیا و قدم المدینۃ فاسلم۔ نصرانی تھا اور مدینہ آیا اور اسلام قبول کیا۔"

(صحیح مسلم ج ۸/ ۲۰۳۔ الاصابہ ۱/ ۱۸۶ شمارہ ۸۳۷۔ اسد الغابہ ۱/ ۲۸۶ شمارہ ۵۳۷)

یہ ہجرت کے نویں سال میں یعنی رسول خدا کی زندگی کے آخری سال میں مدینہ آیا اور مسلمان ہوا' اور وہ اہل فلسطین کا راہب اور وہاں کے لوگوں کا عابد شمار کیا جاتا تھا۔

بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا کہ تمیم داری اور عدی بن بداء قبیلہ سہم کے ایک آدمی کے ساتھ تجارتی سفر پر

(گذشتہ سے پیوستہ)

گئے۔ وہ شخص راستے میں ایک ایسے مقام پر فوت ہو گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا اور اس کا مال تمیم اور عدی کے ہاتھ آیا۔ انہوں نے وہ مال واپسی پر اس کے پس ماندگان کو دیدیا۔ مرنے والے نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی چیزوں کی تفصیل لکھ کر اپنے سامان میں رکھ دی تھی لیکن ان کے دونوں ساتھیوں کو اس بات کا علم نہیں تھا۔

اس کے پاس چاندی کا ایک پیالہ تھا' جس پر طلا کاری کی ہوئی تھی اور یہ پیالہ اس کی چیزوں میں سب سے زیادہ قیمتی تھا اور اس کی تحریر میں اس پیالے کا ذکر بھی موجود تھا۔

تمیم اور عدی نے وہ پیالہ بیچ ڈالا اور اس کی پانچ سو درہم قیمت وصول ہوئی۔ وہ انہوں نے آپس میں آدھی آدھی بانٹ لی اور اپنے متوفی مسلمان شریک سفر کا باقی ماندہ مال تجارت اس کے گھر والوں کو لوٹا دیا۔

ان لوگوں کو اپنے باپ کی چیزوں میں اس کی کل ملکیت کی فہرست مل گئی اور اس میں مطلا پیالے اور اس کی قیمت کا ذکر بھی موجود تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے باپ کے دونوں ہم سفر ساتھیوں سے رجوع کیا اور ان سے پیالے کا مطالبہ کیا۔ ان دونوں نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ہمیں ایسی کسی چیز کا علم نہیں ہے۔

معاملہ رسول اکرم کے پاس لے جایا گیا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ نماز کے بعد دونوں اشخاص مسجد میں منبر کے نزدیک خدا کی قسم کھائیں کہ ہم نے خیانت نہیں کی اور جو کچھ تھا وہ لے آئے ہیں۔

ان دونوں نے قسم کھالی۔ بعد میں پیالہ کسی اور شخص کے پاس سے برآمد ہوا اور اس نے کہا کہ میں نے یہ پیالہ تمیم داری سے خریدا ہے۔

تمیم داری سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: ہاں یہ درست ہے لیکن ہم نے وہ پیالہ مرنے والے ساتھی سے خرید لیا تھا اور اس وقت میں یہ بات آپ کو بتانا بھول گیا تھا۔ اس موقع پر سورہ مائدہ کی آیات ۱۰۶ اور ۱۰۷ نازل ہوئیں۔

یاایھاالذین امنو شھادۃ بینکم .... انا اذالمن الظالمین

ان آیات میں دیئے گئے حکم کے مطابق سہمی مرد کے پس ماندگان نے رسول اکرم کے منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ ہم درست کہہ رہے ہیں' یہ پیالہ میراث میں شامل تھا۔ اور یہ دونوں آدمی جھوٹ بول رہے ہیں۔

پھر رسول خدا نے حکم دیا کہ پیالہ یا اس کی قیمت مرنے والے کے ورثا کو دی جائے۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس کے بعد آنحضرت نے تمیم الداری سے جو کہ نصرانی تھا فرمایا:

اسلام قبول کرلو کیونکہ اسلام پہلے گناہوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔

تمیم الداری اس موقع پر اسلام لے آیا اور اسلام کے بعد یہ شخص مدینہ میں رہنے لگا۔ حضرت عمر اس کا بہت احترام کرتے تھے اور اسے "خیر اہل المدینہ" (مدینہ کا بہترین شخص) کہا کرتے تھے اور جب وظائف کے لیے لوگوں کے طبقات کی تقسیم بندی ہوئی تو اسے بدری صحابہ کے دستے میں شامل کیا گیا۔

علاوہ ازیں جب ۱۴ ہجری میں نماز تراویح کی نماز جماعت قائم ہوئی تو حضرت عمر نے آدمیوں کو امامت کے لیے مقرر کیا۔ ایک ابی بن کعب تھے اور دوسرا تمیم الداری تھا۔

اور یہ شخص حضرت عثمان کی خلافت اور حکومت کے خاتمہ تک مدینہ میں رہا اور جب وہ قتل ہوئے تو وہ بھاگ کر معاویہ کے پاس شام چلا گیا اور ۴۰ھ میں اس کی موت واقع ہوئی۔

(۲) کعب الاحبار

اس شخص کا نام کعب بن ماتع کنیت ابو اسحاق اور لقب کعب الاحبار تھا۔

مورخین نے کعب کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اہل کتاب کے علماء میں شامل تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ یمن کے یہودیوں کے احبار میں سے تھا۔ خلیفہ عمر کے عہد حکومت میں مدینہ آیا اور اسلام قبول کیا اور حضرت عمر کے اصرار پر مدینہ میں قیام کیا۔

عہد عثمانی میں جب اس نے حالات میں تبدیلی محسوس کی تو اس نے مدینہ کو چھوڑ دیا اور بہتر مستقبل کے لیے معاویہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ جہاں اس کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ اس نے ۱۰۴ سال کی عمر میں حمص میں وفات پائی اور مورخین نے اس کی وفات کا سال ۳۵ھ لکھا ہے۔

کعب نے اسرائیلی روایات کو عالم اسلام میں خوب پھیلایا اور اسلامی کتابوں میں جتنی بھی اسرائیلی روایات پائی جاتی ہیں ان میں سے اکثر اسی کی بیان کردہ ہیں۔ یہودی نظریات کو کعب الاحبار نے حکمرانوں کی آشیرباد سے مسلمانوں میں رائج کیا جب کہ آج کے برادران تسنن ایک فرضی شخص عبداللہ بن سبا کی طرف اس کی نسبت دیتے ہیں۔

اسرائیلی روایات تمیم الداری، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی کتابوں میں داخل ہوئیں۔ اور ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص کعب الاحبار کے خاص شاگرد تھے۔

مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب عبداللہ بن سبا کا مطالعہ فرمائیں۔

☆

چنانچہ تمیم الداری حضرت عمر کے عہد حکومت میں ایک دن خطیب اور مقرر کی حیثیت سے نماز جمعہ سے پہلے مسجد نبوی میں مدینہ کے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کرتا تھا اور مسلمان حکم شاہی کی وجہ سے بیٹھ کر اس نو مسلم کی باتیں سنتے تھے اور خلیفہ عثمان کے عہد میں اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ یہ کام ہفتے میں دو مرتبہ انجام دیا کرے۔

(تاریخ ابن عساکر ۳/۳۶۰۔ ذہبی۔ سیر اعلام نسبلہ ۲/۴۴۸ مطبوعہ لبنان)

دربار خلافت میں یہودی عالم کعب الاحبار کو اتنی اہمیت دی گئی کہ حضرت عمر اور عثمان اور معاویہ اس سے آغاز پیدائش' آخرت کے امور اور تفسیر قرآن دریافت کیا کرتے تھے۔

اور اہل کتاب کے ان دونوں عالموں کو اس درجہ مقام دیا گیا کہ انس بن مالک' ابوہریرہ' عبداللہ بن عمر بن الخطاب' عبداللہ بن زبیر' معاویہ کے علاوہ بہت سے صحابہ و تابعین نے ان سے روایات نقل کیں۔

تمیم الداری جیسے افراد جو مسجد میں کھڑے ہو کر قصے کہانیاں بیان کرتے تھے۔ انہیں ''قصاص'' یعنی داستان گو کا نام دیا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے مساجد میں سے داستان گو افراد کو ہٹا دیا تھا۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد داستان گو دوبارہ مساجد میں در آئے اور اہل کتاب کی عجیب روایات لوگوں کے ذہن نشین کرنے لگ گئے' اور انہی کی بدولت اسرائیلی روایات اسلام میں داخل ہوئیں اور اسلام میں خدا کی جسمانیت اور انبیاء سے گناہوں کے صدور کے عقائد داخل ہوئے اور مبداومعاد کے بنیادی مسائل بھی اسرائیلی رنگ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور اموی حکومت میں اہل کتاب کو بڑا اثر ورسوخ حاصل تھا۔ معاویہ بن ابی سفیان نے جہاں اہل بیت کی دشمنی کو مرزجان بنایا ہوا تھا وہاں اس نے نصاریٰ دوستی کو اپنا جزو بدن قرار دیا تھا۔ معاویہ کا کاتب سرجون (۱) اور اس کا طبیب ابن اثال (۲) اور اس کا درباری شاعر اخطل (۳) سب کے سب عیسائی تھے۔ اور ہم اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں۔

---

(۱) سرجون بن منصور رومی کے متعلق تاریخ طبری ۲/۲۰۵ اور تاریخ کامل ۴/۷ پر مذکور ہے کہ وہ معاویہ کا کاتب

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور اس کا رازدان تھا۔ معاویہ کے بعد وہ یزید کا بھی کاتب رہا۔

الاغانی ۱۶/۶۸ پر مرقوم ہے کہ یزید' سرجون نصرانی کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتا تھا اور جب یزید کو مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے کی اطلاع ملی تو اس نے سرجون سے مشورہ کیا۔ سرجون نے کہا کہ آپ کوفہ کے موجودہ گورنر کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ گورنر مقرر کریں۔ (طبری ۲/۲۲۸۔ ۲۳۹۔ ابن اثیر ۴/۱۷۱۔) اسی سرجون کا بیٹا عبدالملک بن مروان کا کاتب مقرر ہوا تھا۔ (التنبیہ والاشراف مسعودی ص ۱۶۱۔ الخطط مقریزی ۱۔۱۵۹)

(۲) ابن اثال معاویہ کا طبیب تھا اور وہ مذہبا نصرانی تھا۔ جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تو اسے محسوس ہوا کہ اہل شام خالد بن ولید کے بیٹے عبدالرحمٰن کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ معاویہ نے اپنے اسی طبیب کو بلا کر اسے حکم دیا کہ وہ عبدالرحمٰن کو زہر دے کر اس کا کام تمام کر دے اور ایسا کرنے کی صورت میں اس سے ایک سال کا خراج نہیں لیا جائے گا اور حمص کے اخراج کا اسے حاکم مقرر کیا جائے گا۔

اس نے معاویہ کے حکم پر عمل کیا اور عبدالرحمٰن کو زہر دے کر اسے ابدی نیند سلانے میں کامیاب ہو گیا اور معاویہ نے اپنے وعدے پر عمل کرتے ہوئے اسے خراج حمص کا عامل مقرر کیا یعقوبی اپنی تاریخ کی جلد دوم کے صفحہ ۲۲۳ پر لکھتے ہیں کہ اس سے قبل کسی خلیفہ نے کسی عیسائی کو عامل مقرر نہیں کیا تھا۔

ابن اثال کے ساتھ معاویہ نے وفا کی لیکن تقدیر نے اس سے وفا نہ کی۔ مقتول عبدالرحمٰن کے بیٹے خالد نے اسے قتل کر دیا اور بعض مورخین لکھتے ہیں کہ مقتول کے بھتیجے "مہاجر" نے اسے قتل کیا تھا۔

(۳) اخطل کا نام ابو مالک غیاث بن غوث تھا۔ اس کا تعلق نصاری تغلب سے تھا۔ خلافت عمر کے اوائل میں پیدا ہوا اور ۹۵ ھ میں مرا

جاحظ نے اس کے تقرب کا سبب یوں بیان کیا ہے:

معاویہ چاہتا تھا کہ کسی سے انصار کی ہجو میں اشعار کہے جائیں' کیونکہ انصار کی اکثریت حضرت علیؑ کے خیر خواہوں پر مشتمل تھی اور وہ معاویہ کو کوئی حیثیت دینے پر آمادہ نہیں تھے۔ معاویہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

نے اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے بیٹے یزید سے کیا۔ یزید نے اپنے دوست کعب بن جعیل سے انصار کی ہجو لکھنے کی فرمائش کی۔ اس نے انصار کی ہجو لکھنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا:

اس کام کے لیے میں تجھے اپنے نصرانی غلام کا پتہ دیتا ہوں جس کے منہ میں بیل کی سی زبان ہے اور وہ کسی بھی شریف کی ہجو سے ذرا نہیں گھبراتا۔

چنانچہ اس نے اسے اخطل کی نشان دہی کی۔ (البیان والتبیین ۸۶/۱)

ابو الفرج نے الاغانی ۱۴۲/۱۳ پر کعب بن جعیل کا یہ بیان نقل کیا کہ ایک دن یزید بن معاویہ نے مجھ سے کہا کہ حسان بن ثابت کے بیٹے نے عبدالرحمٰن بن الحکم کی ہجو کر کے اسے خوب رسوا کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہم سب کو رسوا کیا ہے۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ تو انصار کی ہجو کر کے انہیں رسوا کر۔

میں (کعب بن جعیل) نے کہا: کیا آپ مجھ سے یہ کام کر کے مجھے دوبارہ شرک میں داخل کرنا چاہتے ہیں؟ میں بھلا اس قوم کی خدمت کیسے کر سکتا ہوں۔ جنہوں نے رسول خدا کی مدد کی اور اسلام کی حمایت کی تھی؟ البتہ میں تجھے اپنے نصرانی غلام کی نشان دہی کرتا ہوں۔

روایت میں مذکور ہے کہ کعب نے اخطل کی نشان دہی کی تو اخطل نے انصار کی ہجو میں ایک طویل نظم پڑھی جس کا ایک مصرع یہ تھا۔

ذهبت قريش بالمكارم والعلا   واللوم تحت عمائم الانصار

"قریش تمام تر عظمت و بلندی لے گئے اور تمام تر ملامت انصار کے عماموں کے نیچے چھپی رہی۔"

انصار نے جب اپنی ہجو سنی وہ بہت غصے ہوئے اور معاویہ کے پاس شکایت لے کر آئے۔

معاویہ نے انصار سے کہا: میری طرف سے تمہیں اس کی زبان قطع کرنے کی اجازت ہے لیکن میرا بیٹا یزید اسے پناہ دے چکا ہے۔ (لہٰذا تم اس مسئلہ کے لیے یزید سے رجوع کرو) پھر معاویہ نے چپکے سے یزید کو یہ پیغام کہلا بھیجا کہ میں انصار سے یہ باتیں کر چکا ہوں مگر تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو اخطل کی حفاظت کر اور اسے ہر طرح کے گزند سے محفوظ رکھ۔ الاغانی ۱۴۷/۱۳۔ اخطل نے مسجد کوفہ کے دروازہ پر بھی شعر کہے تھے اور وہ جنسی ہجو گو تھا۔

اور وہ یزید کا مقرب اور ندیم تھا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر مے نوشی کیا کرتا تھا اور ایک مرتبہ جب

کہ عیسائی افراد جب اموی دربار سے وابستہ ہوئے تو انہوں نے اپنے آبائی عقائد کو خیر باد نہیں کہا تھا۔ وہ بدستور عیسائی رہے تھے اور ویسے بھی دمشق شہر بزنطینی رومی سلطنت کا طویل عرصہ تک دارالحکومت رہا تھا۔ اسی لیے دمشق کے درو دیوار پر عیسائیت کے گہرے نقوش موجود تھے' اور ادھر معاویہ بھی کوئی راسخ العقیدہ قسم کا مسلمان نہیں تھا۔ اس نے اسلام کے بدترین دشمن گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اور اسلام دشمنی اسے والدین کی طرف سے میراث میں ملی تھی اور جب اسلام دشمنی اس کے دل و دماغ پر پوری طرح چھا گئی تو اسے حالات سے مجبور ہو کر اسلام قبول کرنا پڑا تھا اور اسے زیادہ عرصہ تک صحبت نبوی بھی میسر نہیں آئی تھی ۔ اور اس کے دل سے اسلام دشمنی کا زنگ پوری طرح سے نہیں اترا تھا کہ وہ شام آگیا اور شام عیسائی تہذیب و ثقافت کا مدتوں سے مرکز چلا آ رہا تھا۔ یہاں آ کر معاویہ ان کی تہذیب و ثقافت کو متاثر نہ کر سکا' بلکہ وہ خود ان سے متاثر ہوا' اور رسول خدا کے جلیل القدر صحابہ جو حقیقی اسلامی روح سے سرشار تھے اور جو معاویہ کو بزنطینی تہذیب سے باہر نکال سکتے تھے' انہیں معاویہ نے ہمیشہ اپنے سے دور رکھا' اس سلسلہ میں حضرت ابوذر غفاری' ابو الدرداء اور کوفی قراء کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔(۱)

(گذشتہ سے پیوستہ)

یزید حج کرنے آیا تو اخطل بھی اس کے ہمراہ تھا۔

وہ ایک طویل عرصہ تک سلاطین بنی امیہ کا مقرب خاص رہا اور عبدالملک کے پاس جانے کے لیے اسے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ اس کی یہ عزت افزائی دیکھ کر کسی دل جلے مسلمان نے کہا تھا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کی ہجو کرنے والا ایک نصرانی کافر قریشی ملبوسات پہن کر اور گلے میں سونے کی زنجیر لٹکا کر جس میں سونے کی صلیب بنی ہوئی ہے وہ اس حالت میں باہر آتا ہے کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرات ٹپک رہے ہوتے ہیں اور وہ اجازت لیے بغیر عبدالملک بن مروان کے پاس چلا جاتا ہے۔ (الاغانی ۱۸/۲۹۹۔)

(۱) اس کی مزید وضاحت کے لیے ہماری کتاب "احادیث ام المومنین عائشہ" کے باب "معاویہ کے ساتھ" کا مطالعہ فرمائیں۔

دور معاویہ میں مکتب خلفاء میں عیسائی اثرات کا بہت زیادہ عمل دخل رہا اور مکتب خلفاء اہل کتاب کی ثقافت سے متاثر ہوا' لیکن ابھی تک کسی محقق کو ان اثرات کا جائزہ لینے کی توفیق نہیں ہوئی۔

معاویہ کی پرورش تعصب زدہ ماحول میں ہوئی۔ جس میں قبائلی تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اور معاویہ فطری طور پر دور جاہلیت کے آثار کو زندہ (۲) کرنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے علاوہ وہ یہ چاہتا تھا کہ حکومت کو اپنی اولاد میں جاری رکھ سکے۔

۲۔ اس کے لیے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ ابو الفرج اپنی کتاب الاغانی طبع دار الکتب جلد دوم صفحہ ۲۳۱۔ ۲۵۲ پر لکھتے ہیں: جس دور میں مروان معاویہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا اس نے عبدالرحمن بن ارطاۃ پر شراب نوشی کی حد شرعی جاری کی۔ وہ زمانہ جاہلیت میں معاویہ کے دادا حرب کا حلیف تھا۔ جب معاویہ نے اپنے دادا کے دوست کا یہ حشر سنا تو اسے سخت صدمہ پہنچا اور اس نے مروان کو خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا:

اگر وہ تیرے باپ حکم کا دوست ہوتا تو تو اسے یوں رسوا نہ کرتا۔ اب تیرے سامنے دو راستے ہیں:

- اپنی حد شرعی کے نفاذ کے لیے اس سے معذرت طلب کرو اور اپنی غلطی کا اعلان کرکے اس پر لوگوں کا اعتماد بحال کرو۔
- یا پھر میں تیری حد کو باطل کر کے تجھے قصاص میں اسی (۸۰) کوڑے مارنے کا حکم دوں گا.......... جب مروان کو معاویہ کا یہ خط ملا تو اس نے عبدالرحمن بن ارطاۃ سے کھلے عام معذرت طلب کی۔

معاویہ نے رسم جاہلیت کو زندہ کرتے ہوئے زیاد کو اپنا بھائی بنایا جب کہ رسول خدا کی واضح حدیث ہے کہ "بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں"۔

مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب "احادیث ام المومنین عائشہؓ" اور "عبداللہ بن سبا" کی جلد اول کا مطالعہ فرمائیں۔

عبد ابن ربہ اپنی کتاب العقد العزیز ۳/۴۱۳ پر رقم طراز ہیں:

معاویہ نے احنف بن قیس اور سمرہ بن جندب کو بلا کر کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں غیر عرب

اور اسے اپنے مقاصد کے لیے دین سے وابستہ افراد سنگ راہ دکھائی دیتے تھے' اور اس کا اس نے یہ علاج کیا کہ چند کمزور عقیدہ رکھنے والے افراد کو زر دولت کے ذریعہ سے اپنے ساتھ ملایا اور ان سے اپنے حق میں حدیث سازی کرائی' اور اس کے لیے عمرو ابن العاص' سمرہ بن (۱) جندب اور ابو ہریرہ کے نام سر فہرست ہیں۔

فن حدیث سازی

مدائنی کتاب الاحداث میں لکھتے ہیں:

سال جماعت کے بعد معاویہ نے ایک سرکاری فرمان جاری کیا جس میں تحریر تھا:

جس نے بھی ابو تراب اور اس کے اہل بیت کی فضیلت میں کوئی روایت بیان کی تو میں اس سے بری الذمہ ہوں گا۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

افراد کی کثرت ہو گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ ہماری قدیمی روایات کو ختم کر دیں گے اور عرب دنیا پر قبضہ کر لیں گے اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کے ایک حصہ کو قتل کرا دوں اور کچھ حصہ کو دکانداری اور شاہراہوں کی آبادی کے لیے زندہ رہنے دوں.........

احنف نے اس تجویز کی مخالفت کی اور سمرہ نے کہا: آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں وہ کچھ بجالاؤں گا جس سے آپ خوش ہو جائیں گے۔" آخر میں معاویہ نے ان کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

۱۔ سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری بچپنے میں یتیم ہو گیا تھا۔ اس کی ماں اسے ساتھ لے کر مدینہ آئی اور شیبان بن ثعلبہ انصاری سے شادی کر لی۔ سمرہ انصار کا حلیف تھا۔ ایک بار چند صحابی جمع تھے۔ رسول خدا نے ان سے فرمایا: جو تم میں سے سب سے آخر میں مرے گا وہ دوزخی ہو گا۔"

سمرہ آخر میں مرا۔ اس کی موت ۵۹ ھ کو بصرہ میں واقع ہوئی۔ اس کے حالات اسد الغابہ اور اعلام النبلاء میں دیکھے جا سکتے ہیں' اور اس کی معاویہ نوازی اور حدیث سازی کی بحث کے لیے ہماری کتاب احادیث ام المومنین عائشہ ص ۲۹۷۔ ۲۹۸ کا مطالعہ فرمائیں۔

پھر اس نے اپنے عمال کو تحریر کیا:

تم عثمان کے شیعوں اور اس سے محبت رکھنے والوں اور اس کی دوستی کا دم بھرنے والوں اور اس کے فضائل و مناقب بیان کرنے والوں کو تلاش کرو اور انہیں اپنے پاس قریبی مقام دو اور ان کا احترام کرو اور ان میں سے جو بھی فضیلت عثمان کی کوئی روایت بیان کرے تو اس کی بیان کردہ روایت کے ساتھ اس کا اور اس کے والد اور اس کے خاندان کا نام لکھ کر میرے پاس روانہ کرو۔

حکام نے معاویہ کے فرمان پر پورا عمل کیا۔ فضائل عثمان بیان کرنے والوں کے لیے معاویہ کی طرف سے گرانقدر عطیات اور اعلیٰ ترین پوشاکیں بھیجی جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے لوگوں نے دھڑا دھڑ فضائل عثمان کی احادیث بنانی شروع کر دیں کیونکہ اس سے لوگوں کی قدر و منزلت بڑھتی تھی اور انہیں دنیاوی فوائد حاصل ہوتے تھے اور حالت یہ ہو گئی کہ کائنات کا اگر ردی ترین شخص بھی معاویہ کے مقرر کردہ حکام میں سے کسی حکام کے پاس جا کر عثمان کی فضیلت کی کوئی روایت بیان کرتا تو اس کا نام رجسٹر میں لکھ لیا جاتا اور اسے دربار میں مقرب بنایا جاتا تھا اور اس کی سفارش قبول کی جاتی تھی۔ ایک عرصہ تک یہی حالت قائم رہی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد معاویہ نے اپنے عمال کو لکھا۔

"عثمان کے فضائل کی روایات بہت زیادہ ہو چکی ہیں اور ہر شہر اور ہر مقام پر پھیل چکی ہیں اور جیسے ہی تمہیں میرا یہ خط موصول ہو تو اس کے بعد لوگوں کو صحابہ اور بالخصوص خلفائے اولین کے فضائل بیان کرنے کی دعوت دو اور ابو تراب کے متعلق جو بھی حدیث دکھائی دے اس جیسی حدیث دوسرے صحابہ کے لیے تیار کراؤ۔ یہ چیز مجھے زیادہ پسند ہے اور اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ چیز ابو تراب اور اس کے شیعوں کی حجت کو توڑنے والی ہے اور ان کے لیے مناقب عثمان سے بھی یہ زیادہ گراں ہے"۔

لوگوں کو معاویہ کا یہ خط پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے بعد لوگوں نے صحابہ کے حق

میں دھڑا دھڑ حدیث سازی کی' جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ اور پھر یہ مصنوعی احادیث منبروں پر پڑھی گئیں اور مدارس کے معلمین کے پاس مذکورہ احادیث بھیجی گئیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی طرح سے بچوں کو ان روایات کی تعلیم دی اور یہ تعلیم صرف لڑکوں تک محدود نہ تھی' بلکہ لوگوں نے اپنی بیویوں' بیٹیوں اور نوکروں تک کو ان روایات کی تعلیم دی۔ اور جب تک خدا نے چاہا لوگوں کی یہی حالت قائم رہی۔

..........اس کی وجہ سے جھوٹی احادیث اور بہتانات کی کثرت ہوئی اور فقہا' حکام اور قاضی انہیں بیان کرنے میں مصروف رہے' اور اس سلسلہ میں ریاکار قاریوں اور خشوع و خضوع کا اظہار کرنے والے عابدوں نے بھر پور حصہ لیا۔ یہ لوگ جھوٹی احادیث بنا کر حکام کے سامنے پیش کرتے تھے اور اس ذریعہ سے حکام کی قربت اور دولت و جائیدادیں حاصل کرتے تھے۔ اور پھر زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جھوٹی روایات نے حق اور سچ کا درجہ حاصل کر لیا اور دین دار لوگوں نے انہیں فرمان رسول سمجھ کر قبول کیا اور اگر انہیں پتہ چل جاتا کہ یہ غلط روایات ہیں تو وہ انہیں کبھی قبول نہ کرتے اور لوگوں سے بیان نہ کرتے اور ان پر اپنے اعتماد کا اظہار بھی نہ کرتے۔ (۱)

ابن ابی الحدید نے ان صحابہ و تابعین کی فہرست پیش کی ہے جو حکم معاویہ کے تحت حدیث سازی کیا کرتے تھے۔ (۲)

ہم نے اپنی "احادیث ام المومنین عائشہ" میں فن حدیث سازی کے ماہروں کے نام تحریر کیے ہیں (۳)

حکام کے پروردہ فقہاء علماء نے مذکورہ خود ساختہ روایات کو سنت نبوی قرار دیا اور ان روایات کے منکر کو کافر و زندیق کہا (۴)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی در شرح "وقد سالہ عن احادیث البدع"
(خطبہ ۲۰۳ ج ۳/۱۵/۱۶' احمد امین مصری' در فجر الاسلام ص ۲۷۵۔)

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید در شرح ومن کلام له لاصحابه "اما انه سیظهر علیکم بعدی رجل" (ج ۱: ص ۳۵۸)

(۳) احادیث ام المومنین عائشہ فصل نتائج البحث من باب مع معاویہ ص ۲۹۵۔ ۲۹۷

عہد عمر بن بن عبدالعزیز

عمر بن عبدالعزیز نے کتابت حدیث پر لگی ہوئی پابندی کو ختم کیا اور اہل مدینہ کو لکھا احادیث رسول تلاش کر کے لکھو کیونکہ میں علم اور علماء کے ختم ہونے سے ڈرتا ہوں۔

عمر بن عبدالعزیز کے فرمان پر ابن شہاب زہری نے پہلی صدی کے آخر میں حدیث کی تدوین کی تھی (۱)

عمر بن عبدالعزیز کی جلد وفات کی وجہ سے ان کا کام پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا اور جو کچھ تدوین حدیث ان کے عہد میں ہوئی تھی وہ ناپید ہوگئی۔

ابن حجر نے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے حالات میں تحریر کیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

روایات پرستی مسلمانوں کے اذہان میں اس حد تک رچ بس گئی کہ وہ کسی بھی جھوٹی حدیث پر تنقید کرنے کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ خطیب نے تاریخ بغداد ۱۴/۷ پر لکھا:

ہارون الرشید کا دربار لگا ہوا تھا اور ایک قریشی سردار بھی وہاں موجود تھا۔ دربار میں کسی نے ابوہریرہ کی بیان کردہ یہ روایت پڑھی کہ "موسیٰ" نے آدمؑ سے ملاقات کی اور اس سے کہا: تو نے ہمیں جنت سے نکلوایا تھا"

قریشی سردار نے جیسے ہی یہ سنا تو کہا کہ آدمؑ موسیٰؑ کی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟

یہ سن کر ہارون کو غصہ آ گیا اور کہا تلوار اور کھال لائی جائے۔ اس زندیق کو قتل کر دیا جائے۔ یہ حدیث رسول پر اعتراض کرتا ہے۔

راوی ابو معاویہ نے بڑی مشکل سے ہارون کا غصہ دور کیا اور قریشی کو قتل سے بچایا

حاشیہ صفحہ ہذا

(۱) ابو حفص عمر بن عبدالعزیز ۹۹ ھ کو برسر اقتدار آئے۔ انہوں نے اقتدار میں آکر بہت سے اچھے کام کیے۔ انہوں نے ایک فرمان کے ذریعہ سے خطبات جمعہ میں حضرت علی پر سب وشتم کی رسم بد کا خاتمہ کیا۔ اور اولاد زہرا کو فدک واپس کیا اور کتابت پر عائد ممانعت کو ختم کیا۔ ان کا عرصہ اقتدار انتہائی قلیل تھا ۱۰۱ ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں (تاریخ الخلفاء سیوطی۔ تقریب التہذیب ابن حجر، مقدمہ سنن دارمی ص ۱۲۶۔ طبقات ابن سعد طبع بیروت ۷/۳۴۷ مصنف عبدالرزاق طبع ہند ۱۹۸۰۔ ۱۱/۳۷۹۔ اخبار اصفہان ابو نعیم جلد ۱/۳۱۲۔)

عمر بن عبدالعزیز نے اسے لکھا کہ وہ اس کے لیے علم لکھے۔ اس کے بیٹے نے اس کی وفات کے بعد کہا تھا۔ میرے والد کی کتابیں ضائع ہو گئیں (۱)

(تہذیب التہذیب ۲/۳۹)

عمر بن عبدالعزیز کے عہد کی باقی کتابیں بھی ضائع ہو گئیں۔ یہاں تک ابو جعفر منصور کا عہد حکومت آیا تو اس نے علماء کو تدوین کی ترغیب دی۔ چنانچہ ذہبی نے ۱۴۳ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھا:

اس دور میں علمائے اسلام نے حدیث' فقہ اور تفسیر کو مدون کیا۔ ابن جریج نے مکہ میں بیٹھ کر تصانیف مکمل کیں اور سعید بن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ نے بصرہ میں اور اوزاعی نے شام میں اور مالک نے مدینہ میں بیٹھ کر موطا کی تدوین کی۔

اسی دور میں ابن اسحاق نے مغازی کو مرتب کیا۔ اور معمر نے یمن اور ابو حنیفہ نے کوفہ میں فقہ و رائے کو مدون کیا اور اسی زمانہ میں سفیان ثوری نے کتاب الجامع لکھی۔ اس کے چند دن بعد ہشیم نے اپنی کتابیں مرتب کیں۔ اسی دور میں ہی لیث' ابن لھیعہ' ابن مبارک' ابو یوسف اور ابن وہب نے کتابیں مرتب کیں۔ غرضیکہ اسی زمانہ میں حدیث کی تدوین و تبویب عمل میں لائی گئی (۲)

---

(۱) ابن جریج کا پورا نام عبدالملک بن عبدالعزیز جریج مکی تھا۔ اس نے بہت سے علماء سے حدیث سنی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے کتابی تصانیف کیں۔ احمد بن حنبل اس کے متعلق کہتے تھے کہ ابن جریج علم کے برتنوں میں سے ایک برتن تھے۔ انہوں نے ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

(تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۶۰۔ ابن خلکان ۱/۲۸۶۔ تاریخ ۱۰/۴۰۰۔ دول الاسلام ذہبی ۱/۷۹۔)

حماد بن سلمہ بن دینار بصری ابو مسلمہ بصرہ کے مفتی اور مشہور محدث تھے اور اس نے بہت عمدہ کتابیں لکھیں (تہذیب التہذیب ۳/۱۱۔ میزان الاعتدال ۱/۲۷۷۔ حلیۃ الاولیاء ۶/۲۴۹۔ اعلام زرکلی۔)

اوزاعی۔ ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد یکیرم اہل شام کے امام تھے اور شام میں ان سے کوئی بڑا عالم نہیں تھا اور وہ بیروت میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے ۱۵۷ھ میں وفات پائی' اور انہیں اوزاعی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ ہمدان کی شاخ اوزاع سے تھا۔ بعض افراد کا خیال ہے کہ دمشق کے قریب باب

(گذشتہ سے پیوستہ)

اندلس سے باہر اوزاع نامی ایک گاؤں تھا جس کی نسبت سے انہیں اوزاعی کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ الفہرست ابن ندیم ۱/۲۲۷۔ وفیات ۱/۲۷۵۔ حلیۃ الاولیاء ۶/۱۳۵۔ تہذیب الاسماء واللغات حصہ اول از جلد اول ص ۲۹۸۔

معمر بن راشد بن ابی عمرو ازدی الولاء ان کی کنیت ابوعروہ تھی۔ مشہور حافظ حدیث تھے۔ بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں شہرت حاصل کی پھر ہجرت کر کے یمن میں رہائش اختیار کی۔ رجال حدیث کے مورخین کہتے ہیں کہ یمن میں انہوں نے ہی سب سے پہلے تصنیف کی تھی۔

(تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۷۸۔ تہذیب التہذیب ۱۰/۲۴۳۔ میزان الاعتدال ۳/۱۸۸)

سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ اسے "امیر المومنین فی الحدیث" کہا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش و پرورش کوفہ میں ہوئی' اس نے الجامع الکبیر نامی کتاب تالیف کی۔ اور اس نے ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

(تہذیب التہذیب ۴/۱۱۱۔ ۱۱۵۔ ابن سعد ۶/۲۵۷۔ ابن الندیم ۱/۲۲۵۔ دول الاسلام ۱/۸۴۔ حلیۃ الاولیاء ۶/۳۵۶۔ ابن خلکان ۱/۲۱۰۔)

ابو الحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی الولاء وہ فقہ حدیث کے اپنے دور میں امام مانے جاتے تھے۔ وہ مملکت مصر کا سربراہ تھا اور تمام قاضی اور نائب اس کے ماتحت تھے۔ اس کا اصلی وطن خراسان تھا اور اس کی وفات قاہرہ میں واقع ہوئی۔ اور اس نے بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ ۱۷۵ھ۔ میں۔ تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۰۷۔ تہذیب التہذیب ۸/۴۵۹۔ وفیات الاعیان ۱/۴۳۸ ابن الھیعہ۔ بروزن سفینہ۔ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن لھیعہ الحضرمی المصری۔ اس نے بہت سی احادیث و اخبار کی روایت کی۔ ۱۵۵ھ میں منصور دوانقی کی طرف سے مصر کا قاضی مقرر ہوا اور ۱۶۴ھ میں عہدہ سے معزول ہوا۔ اس کی حدیث سنن ترمذی و ابوداؤد میں مذکور ہے۔ اس نے ۱۷۴ھ کو مصر میں وفات پائی۔ میزان الاعتدال ۲/۶۴۔ وفیات الاعیان ۱/۲۳۹ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک مروزی مشہور عالم زاہد اور عارف و محدث تھے اس کا تعلق تبع تابعین کی جماعت سے تھا۔ انہیں کے متعلق ابو اسامہ نے کہا تھا۔ اصحاب حدیث میں ابن مبارک کو وہی مقام حاصل ہے جو لوگوں میں امیر المومنین کو حاصل ہے۔ تاریخ بغداد ۱۰/۱۵۲۔ الکنیٰ والالقاب ۱/۳۰۱ ض۔

اور اسی دور میں عربی' لغت اور تاریخ اور لوگوں کے واقعات کی کتابیں مرتب ہوئیں۔ اس سے قبل ائمہ اپنے حافظہ سے یا اپنے غیر مرتب مجموعوں پر انحصار کر کے گفتگو کرتے تھے اور تدوین کے بعد حصول علم میں انتہائی آسانی پیدا ہو گئی۔ یقیناً تمام امور خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ (تاریخ اسلام ذہبی ۶/۶)

سیوطی نے ذہبی کے اس بیان کو تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۲۶۱ پر نقل کیا ہے۔

موسوعہ فقہ اسلامی میں مذکور ہے:

جب ۱۴۳ ھ میں منصور دوانیقی نے حج کیا تو اس نے مالک کو تالیف کی ترغیب دی اور اس نے اور اس کے حکام نے تدوین کے لیے دوسرے علماء کی حوصلہ افزائی کی۔ چنانچہ ابن جریج' ابن عروبہ' ابن عیینہ اور دوسرے شہروں کے علماء تدوین و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔

قول مولف

اس مقام پر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ دور تدوین سے قبل بھی لوگوں کے پاس حدیث کے مرتب مجموعے موجود تھے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پاس احادیث نبویہ کا ایک مجموعہ موجود تھا جسے وہ "صحیفہ صادقہ" کہا کرتا تھا۔ اور ابن شہاب زہری کے پاس بھی احادیث مدون شکل میں موجود تھیں۔

اگر ان مثالوں کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی صحیح معنوں میں دور تدوین کا آغاز عہد منصور سے ہی ہوا کیونکہ احادیث کے مذکورہ مجموعوں کا کتابوں میں ہمیں صرف نام ہی دکھائی دیتا ہے اور مذکورہ مجموعے آج تک علماء کی نظروں سے نہیں گزرے۔ اور کسی محدث نے ان سے اقتباسات نقل نہیں کیے۔

گذشتہ سے پیوستہ

ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم مصری الولاء کا تعلق مصر سے تھا' فقہ کے امام تھے۔ ان کا تعلق اصحاب مالک سے تھا' فقہ و حدیث کے ماہر تھے' انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے "الجامع" کو شہرت حاصل ہوئی۔ (تذکرہ الحفاظ ۱/۲۷۹۔ وفیات الاعیان ۱/۲۴۹)

دوسرے علماء کا تعارف پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

عہد منصور میں جیسے ہی تدوین حدیث شروع ہوئی تو مکتب خلفاء سے وابستہ محدثین نے ان احادیث کو بھی مرتب کیا جو کہ ان حافظوں میں موجود تھیں۔

اور اس مکتب کے کچھ علماء نے ایسی کتابیں بھی لکھیں جن میں سنت رسول کے مقابلہ میں خلفاء کے اجتہادات کی تائید کی گئی۔

اس موضوع پر ہم آئندہ مباحث میں گفتگو کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور دور تدوین کے شروع ہوتے ہیں اسرائیل (۱) روایات بھی کتب حدیث میں پوری قوت وشوکت کے ساتھ داخل ہو گئیں۔

دور تالیف میں مکتب خلفاء سے وابستہ علماء نے سنت رسول کو چھپانے کی بھی پوری کوشش کی اور اس سلسلہ میں دس کے دس اصولوں پر عمل کیا گیا جنہیں ہم نے کتاب ہذا کی جلد اول میں بحث وصیت کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اور اگر خدا نے چاہا تو ہم کتاب ہذا کی جلد سوم میں احادیث کے بڑے بڑے مجموعوں کے متعلق بھی تفصیلی بحث کریں گے۔

دور تدوین سے قبل عوام مسلمین کو حکام کی طرف سے یہ تبلیغ کی جاتی تھی کہ کتابت حدیث شرعی طور پر جرم ہے اور ناقابل معافی گناہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کتاب حدیث کے متعلق بھی رویہ صرف اس لیے اپنایا گیا کہ انہیں چاہتے تھے کہ سنت رسول لوگوں کے سامنے کتابی شکل میں آئے۔

کتابت حدیث کے متعلق دو متضاد روایات

عہد معاویہ میں سرکاری سرپرستی کے تحت بننے والی ہزاروں احادیث سے جنہیں بدنصیبی سے سنت رسول سمجھا گیا ہے' درج ذیل روایات بھی شامل ہیں۔

صحیح مسلم' سنن دارمی اور مسند احمد میں مرقوم ہے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) اس کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب "احیائے دین میں اہل بیت کا کردار" کی گیارہویں اور بارہویں بحث کا مطالعہ فرمائیں۔ (خوش قسمتی سے کتاب ہذا کا اردو زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے)۔

لاتکتبوا عنّی و من کتب عنّی غیر القرآن فلیمحه (۱)

"میری طرف سے (کچھ) نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا، ہو تو وہ اسے مٹا ڈالے اس طرح کی ایک اور روایت کچھ یوں ہے"

انهم استاذنوالنبی (ص) فی ان یکتسبوا عنه فلم یاذن لهم. (سنن داری مقدمہ ۱/۱۱۹)

"لوگوں نے رسول خدا سے ان کی احادیث لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اجازت نہ دی۔"

مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں زید بن ثابت سے یہ روایت مروی ہے اور یہ روایت مسند احمد میں ان الفاظ سے مرقوم ہے:

ان رسول اللهؐ نهی ان نکتب شیئا من حدیثه فمحاه.

(مسند احمد ۵/۱۸۲۔ سنن ابی داؤد کتاب العلم ۳/۳۱۹)

"رسول خدا نے ہمیں اپنی احادیث لکھنے سے منع فرمایا اور (لکھی ہوئی احادیث کو) مٹا دیا۔"

مسند احمد میں ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ کہ اس نے کہا:

ہم بیٹھ کر رسول خدا کی احادیث لکھ رہے تھے اور اسی اثنا میں آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم کیا لکھ رہے ہو؟

ہم نے عرض کیا: جو کچھ آپ سے سنتے ہیں (وہی لکھ رہے ہیں)

آپؐ نے فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کوئی اور بھی کتاب ہے؟

ہم نے کہا:

---

(۱) صحیح مسلم ۴/۲۹۷ کتاب الزهد باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابة العلم حدیث ۷۲۔ سنن دارمی ۱/۱۱۹ مقدمہ باب ۴۲۔ مسند احمد ۳/۱۲، ۳۹، ۵۶

ہم جو کچھ سنتے ہیں:

آپ نے فرمایا:

اکتبوا کتاب اللہ محضوا کتاب اللہ. اکتاب غیر کتاب اللہ ؟ امحضوا کتاب اللہ

''تم اللہ کی کتاب لکھو تم کتاب خدا کو خالص رکھو۔ کیا کتاب اللہ کے علاوہ کوئی کتاب ہے؟''

ابو ہریرہ نے کہا: جو کچھ ہم نے لکھا تھا اسے ایک جگہ پر جمع کیا پھر ہم نے اسے آگ میں جلا دیا۔ (مسند احمد ۳/۱۲۔۱۳)

اگر خدانخواستہ یہ احادیث صحیح ہیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام احادیث کی کتابوں اور بالخصوص صحاح وسنن ومسانید وسیر وتفاسیر کی کتابوں کو جمع کر کے نذر آتش کر دیں یا انہیں سمندر میں ڈبو دیں۔

اور اگر خدانخواستہ اگر ہم نے ایسا کیا تو پھر ہمارے پاس شریعت اسلام کا کون سا ذخیرہ باقی بچے گا؟

نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ رسول خدا نے اس طرح کی احادیث ہرگز ارشاد نہیں فرمائی تھیں۔

آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

نضر اللہ عبدً اسمع مقالتی فوعاھا وبلغھا من لم یسمعھا فکم من حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ

''اللہ اس بندے کو خوش رکھے جو ہماری بات سنے، یاد کرے اور پھر ان لوگوں تک پہنچائے جنہوں نے اسے نہ سنا ہو اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ علم و دانش کا حامل اسے اپنے سے زیادہ سمجھ دار شخص تک پہنچا دیتا ہے۔ یعنی اس امانت کو اس شخص تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ استفادہ کر سکے۔''

دوسری حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں:

فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه

"یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص علم و دانش کا حامل ہوتا ہے لیکن اسے سمجھ نہیں پاتا اور اکثر علم و دانش کا حامل اسے اپنے سے زیادہ سمجھ دار شخص تک پہنچا دیتا ہے۔"

آپؐ نے اپنی ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

نضّر اللّٰه امرأ سمع منّا حديثًا فأدّاه كما يسمع فرب مبلغ أوعى من سامع.

اللہ اس بندے کو شاداب و تروتازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور اسے ایسے پہنچایا جیسے سنا، کیونکہ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ جس تک حدیث پہنچائی جاتی ہے وہ سننے والے سے اس کو زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔(۱)

حضور اکرم نے اپنی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسىٰ اَن يُبَلِّغَ مَن هُوَ اوعىٰ لَهُ مِنهُ(۲)

"جو لوگ موجود ہیں اور ہماری باتیں سن رہے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ بات سننے والا اسے اپنے سے زیادہ دانا شخص تک پہنچا دے۔"

رسول خداؐ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ ارحَم خُلَفَائی، اَللّٰهُمَّ ارحَم خُلَفَائی، اَللّٰهُمَّ ارحَم خُلَفَائی، قِيلَ لَهُ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَنْ خُلَفَاؤُكَ؟ قَالَ اَلَّذِينَ يَاتُونَ مِن بَعدِی

---

(۱) مذکورہ تینوں احادیث باب اصطلاحات میں گزر چکی ہیں اور ان کے مصادر بھی بیان کیے جا چکے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری ۱/۲۴ طبع بولاق کتاب العلم باب قول النبی رب مبلغ...... کنز العمال طبع دوم ۱۰/۱۳۲ حدیث ۱۱۴۔ سنن ابن ماجہ ۱/۸۵ حدیث ۲۳۳ بحار الانوار ۱/۱۵۲ حدیث ۳۲۔

يَرْوُوْنَ حَدِيثِي وَسُنَّتِي (۱)

"خداوند میرے جانشینوں پر رحم فرما۔ آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا۔"

لوگوں نے عرض کیا۔ آپ کے خلفاء کون ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: "وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث اور سنت کی روایت کریں گے۔"

صحیح بخاری باب کتابۃ العلم میں مذکور ہے کہ یمن کے ایک شخص نے رسول خدا کی زبان مبارک سے آپ کی حدیث سنی تو اس نے آپ سے وہ احادیث لکھنے کی درخواست کی۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ابوفلاں کو لکھ دو۔ (۲)

روایات میں مذکور ہے کہ ایک انصاری شخص رسول خدا کی احادیث سنتا تھا اور اسے بہت پسند آتی تھیں مگر اسے احادیث یاد نہ ہوتی تھیں۔ اس نے اس بات کا رسول خدا سے شکوہ کیا تو آپ نے اس سے فرمایا۔

استعن بیمینک "اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو۔" یعنی لکھ لیا کرو۔

(سنن ترمذی کتاب العلم باب ماجاء فی الرخصۃ فیہ ۱۰/۱۳۴)

عمرو بن شعیب نے اپنے والدؑ اس نے اپنے دادا سے روایت کی کہ اس نے

---

(۱) یہ حدیث کتب اہل بیت کی حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے۔ معانی الاخبار ۳۷۴۔۳۷۵ عیون اخبار الرضا ج ۲/۳۶ مطبوعہ نجف اشرف۔ من لا یحضرہ الفقیہ ۴/۴۲۰ تحقیق علی اکبر غفاری بحار الانوار ۲/۱۴۵ حدیث ۷۔ علاوہ ازیں یہ حدیث کتب خلفاء کی حسب ذیل کتابوں میں مذکور ہے۔ محدث فاضل رامہر مذی باب فضل الناقل عن رسول اللہ ص ۱۶۳۔ قواعد التحدیث قاسمی باب فضل راوی الحدیث طبع دوم ص ۴۸۔ شرف اصحاب الحدیث خطیب بغدادی باب کون اصحاب الحدیث خلفاء الرسول ص ۳۰۔ جامع بیان العلم ابن عبد البر ۲/۵۵۔ اخبار اصفہان ابی نعیم ۲/۸۱۔ الفتح الکبیر سیوطی عن ابی سعید ۱/۲۳۳۔ کنز العمال متقی کتاب العلم باب آداب العلم فصل روایۃ الحدیث و آداب الکتابۃ بروایت حضرت علی و ابن عباس طبع دوم ۱۰/۱۲۸۔۱۳۳ حدیث ۱۰۸۶۔۱۱۲۷ ج ۱۰/۱۸۱ حدیث ۱۳۰۷ الالماع قاضی عیاض باب شرف علم الحدیث و شرف اہلہ ص ۱۱

(۲) صحیح بخاری ۱/۳۲۔ ابوفلاں سے مراد ابوشاۃ ہے جیسا کہ ترمذی ۱۰/۱۳۵ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

کہا: میں نے رسول کریمؐ سے پوچھا۔ میں جو کچھ بھی آپ سے سنوں اسے لکھ لوں؟

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

میں نے عرض کی: رضا وغضب کی حالت میں بھی لکھ لوں؟

آپ نے فرمایا: **نعم فانی لااقول فی ذلک کله الا حقاً۔**

''میں ان تمام حالات میں حق کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتا لہٰذا تم لکھا کرو۔''

دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

انی اسمع منک اشیاء فاکتبها قال نعم (مسند احمد ۲/ ۲۰۷۔۲۱۵)

''میں آپ سے بہت سی چیزیں سنتا ہوں تو کیا ان سب کو لکھ لوں؟''

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے:

میں جو کچھ بھی رسول خدا کی زبانی سنتا تو اسے لکھ لیتا تھا تاکہ اسے یاد رکھ سکوں۔ قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا۔ تو رسول خدا کی زبانی سنی ہوئی ہر بات لکھتا ہے جب کہ رسول خدا بھی ایک انسان ہیں وہ رضا اور غضب میں بھی بات کرتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے اس بات کا ذکر رسول خدا سے کیا تو آپ نے اپنی انگلی سے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اکتب فوالذی نفسی بیده ماخرج منه الاحق

''لکھتے رہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے

اس منہ سے حق کے علاوہ اور کچھ نہیں نکلتا۔'' (۱)

اس کے بعد دوسری روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

کہ وہ رسول خدا کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کی حدیث روایت کرتا ہوں، اور اپنے دل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لیتا ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایسا کرتا رہوں؟

---

(۱) اس حدیث کے مصادر کا تذکرہ کتاب ہذا کے باب ''پہلی صدی ہجری میں حدیث کی اشاعت میں'' کیا جا چکا ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

ان کان حدیثی ثم استعن بیدک مع قلبک .

(سنن دارمی۔ مقدمہ باب رخص کان فی کتابۃ العلم ۱/۱۲۵۔۱۳۶)

"اگر میری حدیث روایت کرنا چاہتے ہو تو اپنے دل کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد حاصل کرو۔"

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے' اس نے اپنے دادا سے روایت کی۔ اس نے کہا:

ہم آپ سے بہت سی احادیث سنتے ہیں جو ہمیں یاد نہیں رہتیں تو کیا ہم لکھ نہ لیں؟

آپؐ نے فرمایا:

بلی فاکتبوھا۔ کیوں نہیں۔ انہیں لکھ لیا کرو۔

ان صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ نے لوگوں کو تدوین اور نشر حدیث کی ترغیب دی تھی۔ بھلا ان روایات کی موجودگی میں سابقہ روایات کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ رسول خداؐ نے کتابت حدیث سے منع کیا تھا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمیں کچھ مہاجر قریش ایسے دکھائی دیتے ہیں جو رسول خدا کی زندگی میں آپ کی احادیث لکھنے سے روکتے تھے اور اسی گروہ نے رسول خدا کی وفات سے کچھ دیر قبل شور و غل مچا کر آپ کو وصیت نہیں لکھنے دی تھی۔

اور اسی گروہ کے نمائندے نے لوگوں کو بڑی شدت سے کتابت احادیث سے منع کیا تھا اور احادیث کے مختلف مجموعوں کو نذر آتش کیا تھا اور لوگوں کو احادیث کی نشر و اشاعت سے روکا تھا اور مشہور صحابہ کو عملی طور پر مدینہ میں نظر بند کر دیا تھا کہ کہیں یہ لوگ رسول خدا کی احادیث بیان نہ کرنے پائیں۔

اس کے بعد جو صاحب اقتدار پر فائز ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے پیش رو کی سیرت پر حرف بحرف عمل کیا اور حکمرانوں کے مزاج کو دیکھ کر بہت سے صحابہ نے

بھی اپنی زبانوں پر تالے لگا لیے تھے۔

اور اس گروہ کے مدمقابل ابوذر جیسے صحابی بھی موجود تھے جو حدیث رسول کی اشاعت کو اپنا مقصد حیات تصور کرتے تھے اس گروہ کی قیادت امیر المومنینؑ کے ہاتھوں میں تھی اور جب امیر المومنین کی حکومت قائم ہوئی تو آپ نے لوگوں کو احادیث پیغمبر کی نشر و اشاعت اور کتابت کی ترغیب دی، جس کی وجہ سے ایک بار پھر فضا میں "وقال رسول اللہ" کی صدائیں بلند ہونے لگ گئی تھیں۔ اور یوں امت اسلامیہ میں احادیث بیان کرنے کی ایک روش سی قائم ہو گئی۔

امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب معاویہ برسر اقتدار آیا تو اس نے سوچا کہ احادیث پیغمبرؐ کے سیلاب کو کیسے روکا جائے، کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اگر احادیث پیغمبرؐ لکھی ہوئی شکل میں عالم اسلام کے سامنے آ گئیں تو اس کی حکومت کا دھڑن تختہ ہو جائے گا۔ اسی لیے اس نے کتابت حدیث کو روکنے کے لیے اپنے زرخرید حدیث ساز افراد سے اس طرح کی حدیثیں بنوائیں کہ رسول خداؐ خود ہی احادیث کی کتابت کو ناپسند کرتے تھے اور آپ نے اس سے اپنی امت کو روکا تھا۔

اور اسی وجہ سے کتاب حدیث کی روایات میں تضاد پیدا ہوا۔ کچھ احادیث میں رسول خداؐ کا یہ فرمان دکھائی دیتا ہے کہ میری احادیث لکھو۔

اور اس کے بالمقابل ایسی روایات بھی منظر عام پر آئیں کہ آپ نے فرمایا:

میری احادیث مت لکھو۔

اور جب حدیثوں میں تضاد ہو تو صحیح حدیث کی پہچان یہ ہے کہ جس حدیث سے حکومتوں کو فائدہ پہنچتا ہو وہ احادیث خود ساختہ اور ضعیف ہیں اور وہ حکومت کے زرخرید ایجنٹوں کی تیار کردہ ہیں۔

ہمیں یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ نشر احادیث سے ممانعت سب سے بڑا مقصد یہی تھا کہ اس سے حضرت علیؑ کے فضائل کی روک تھام کی جاسکے۔

معاویہ حضرت علیؑ کا بدترین دشمن تھا اور وہ ہر جمعہ اور عیدین کے خطبات

حضرت پر سب وشتم کیا کرتا تھا۔ اسی لیے اس کی شدید خواہش تھی کہ احادیث رسول کو نشر ہونے سے روکا جائے۔

سابقہ بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ نے اپنی طرز حکومت اور طرز تفکر کے اجرا کے لیے احادیث کی نشرواشاعت پر پابندی عائد کی تھی۔ علاوہ ازیں وہ یہ سمجھتا تھا کہ اب بھی مسلمانوں میں ایسے افراد موجود ہیں جنہوں نے سرور کائنات کی زیارت کی تھی اور انہوں نے خاتم الانبیاء کی بے داغ زندگی کا مشاہدہ کیا تھا جب کہ معاویہ کا دامن انتہائی داغدار تھا اسی لیے بہت سے افراد معاویہ کو منبر رسول پر بیٹھنے کے لیے نااہل خیال کرتے تھے۔

ان حالات میں معاویہ کے سامنے دو ہی راستے تھے جن میں سے ایک مثبت اور دوسرا منفی تھا۔ مثبت راستہ یہ تھا کہ وہ اپنی اصلاح کر کے اپنے آپ کو سنت نبوی کے قالب میں ڈھالتا اور اپنے کردار سے ثابت کرتا کہ وہ رسول خدا کی جانشینی کے قابل ہے۔ اور دوسرا منفی راستہ یہ تھا کہ شخصیت رسول کو لوگوں کے سامنے اتنا داغدار اور بدنما بنا کر پیش کیا جائے کہ وہ لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ اگر معاویہ کی زندگی میں غلطیاں ہیں تو کیا ہوا' ایسی کئی غلطیاں انبیائے سابقین اور خود رسول اکرم میں بھی نعوذ باللہ پائی جاتی تھیں۔

معاویہ نے اپنی افتاد طبع کے تحت دوسرے منفی راستے کا انتخاب کیا۔ اس نے کچھ امہات المومنین اور کچھ صحابہ کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے اس کے لیے توہین نبوی پر مشتمل روایات وضع کیں۔ (۱)

اور دوسری طرف سے اسرائیلی روایات پہلے سے ہی مسلمانوں میں پھیلائی جا رہی تھیں' جن کے تحت انبیائے کرام کی بے داغ شخصیات پر گناہوں کے داغ اجاگر کیے

(۱) کتاب ہذا کی جلد اول کی تمہیدی مباحث کی طرف رجوع فرمائیں جہاں کتب خلفاء کی طرف سے رسالت مآب کی شخصیت کے خدوخال واضح کیے گئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مذکورہ روایات دور معاویہ میں تراشی گئی ہیں۔

گئے تھے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ احادیث کی کتابت بھی ممنوع تھی۔ اسی لیے اسرائیلی روایات احادیث رسول میں غلط ملط ہو گئیں۔ اور یوں رسول اکرم کی شخصیت کا ایک ایسا خاکہ سا عوام کے سامنے پیش کیا گیا جس کا رسول اکرم کی حقیقی زندگی سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ اور اس خاکہ کو سرکاری اسلام کے نام پر بھی پیش کیا گیا اور اس کے مخالف نظریات کو متروک اور غلط ہو کر رد کر دیا گیا۔ اور دور معاویہ کے اسلام کو آج بھی حقیقی اسلام تصور کیا جا رہا ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے پاک خون کے چھینٹوں سے اسلام کے چہرہ پر سے بدنما داغوں کو صاف کیا اور کربلا کے تپتے ریگزار میں امت اسلامیہ کو بتایا کہ حکمرانوں کی سیرت اور ہے اور سیرت نبوی اور ہے اور سیرت نبوی کے فریم میں معاویہ ویزید کی تصویروں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنی لازوال قربانی سے خلافت کے چہرے پر سے تقدس کے نقاب کو ہٹایا اور لوگوں کو ان کا حقیقی چہرہ دکھایا۔ آپ کی قربانی کے نتیجہ میں امت اسلامیہ کو یہ احساس ہوا کہ خلافت اور ہے اور دینی قیادت اور ہے۔

حدیث رسول کے متعلق یہاں تک آپ نے مکتب خلفاء کے رویہ کا مطالعہ کیا۔ اور فقہ و اجتہاد کی بحث کے اختتام میں پہلی صدی ہجری کے آخر تک احادیث نبوی کی اشاعت پر پابندیاں عائد رہیں جس کی وجہ سے انہیں مجبور ہو کر احکام کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھولنا پڑا اور مجتہدین کی ذاتی آراء پر عمل کرنا پڑا اور یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مجتہدین کی بہت سی آراء سنت رسول کے خلاف تھیں۔ اس کی تفصیل اگلی فصل میں ملاحظہ فرمائیں۔

فصل سوم

فقہ واجتہاد کے متعلق فریقین کے نظریات

- مکتب خلفاء میں اجتہاد کا مفہوم
- اجتہاد کا نام
- قرن اول میں مکتب خلفاء کے مجتہدین اور ان کے موارد اجتہاد
- خلفاء، صحابہ اور تابعین میں سے مجتہد اور ان کے اجتہادی مسائل

(الف) اجتہاد رسول کے مقامات (ب) شیخین کے اجتہادات

- خمس کے متعلق شیخین کے اجتہاد
- متعۃ الحج اور متعۃ النساء کے متعلق خلیفہ ثانی کا اجتہاد
- قرن دوم میں اجتہاد

اجتہاد کی حقیقت اور اسی کی شکل وصورت اور اس پر عمل کے صحیح ہونے کے دلائل

فقہ و اجتہاد ایک دوسرے میں یوں مدغم ہو چکے ہیں کہ ایک مفصل بحث کے بغیر ان میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔ اسی لیے ہم اس بحث کے آغاز میں مکتب خلفاء کے اجتہاد پر سیر حاصل گفتگو کریں گے اور آخر میں فقہ و اجتہاد کے متعلق مکتب اہل بیت کے نظریات بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مکتب خلفاء میں اجتہاد کا مفہوم

صحابہ اور تابعین کے عہد میں اجتہاد اور مجتہد کی اصطلاحات موجود نہ تھیں۔ یہ اصطلاحات ایک عرصہ بعد وجود میں آئیں۔ صحابہ و تابعین کے دور میں احکام کی تبدیلی کے لیے اجتہاد کی بجائے لفظ ''تاویل'' استعمال کیا جاتا تھا۔ ذیل میں ان کی تاویلات کی کچھ مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

(الف) جب خالد بن ولید نے رسول خدا کے مقرر کردہ عامل مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اس کی بیوی پر قبضہ کیا تھا تو اس نے حضرت ابوبکر کے سامنے اپنے فعل کی توجیہ پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے۔

یا خلیفۃ رسول اللّٰہ! انی تاولت واصبت و اخطات.

''اے خلیفہ پیغمبر! میں نے تاویل کی تھی اور میں صحیح نتائج اور غلط نتیجہ پر بھی پہنچا۔''

(ب) خالد کے اس فعل پر حضرت عمر کو شدید غصہ تھا انہوں نے حضرت ابوبکر سے مطالبہ کیا کہ آپ خالد کو سنگسار کریں کیونکہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے خالد کا دفاع کرتے ہوئے حضرت عمر سے یہ جملے کہے تھے:

ماکنت ارجمہ فانہ تاول و اخطاء.

(اس روایت کے مصادر کو ''اجتہاد ابی بکر'' کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔)

میں اسے سنگسار نہیں کروں گا کیونکہ اس نے تاویل کی اور غلط نتیجہ پر پہنچا۔

ج۔ زہری نے عروہ سے اس نے بی بی عائشہ سے روایت کی:

ان الصلاۃ اول مافرضت رکعتین فاقرت الصلاۃ فی السفر واتمت صلاۃ الحضر.

"ابتدا میں نماز دو رکعت ہی فرض کی گئی تھی۔ اور سفر میں وہی دو رکعت باقی رہی اور مقیم کی نماز میں اضافہ کیا گیا۔"

زہری کہتے ہیں یہ سن کر میں نے عروہ سے کہا:

مابال عائشة تتم فی السفر ؟ قال انها تاولت کما تاول عثمان

"پھر بی بی عائشہ سفر میں نماز پوری کیوں پڑھتی ہے؟"

عروہ نے جواب میں کہا۔

اس نے بھی وہی تاویل کی ہے جو عثمان کی ہے۔(۱)

ج۔ ابن حزم نے الفصل میں لکھا:

عمار بن یاسر کو ابو الغادیہ نے قتل کی تھا۔ عمار بیعت رضوان میں شامل تھا اور بیعت رضوان میں شامل افراد کے لیے اللہ نے گواہی دی ہے کہ وہ ان کے دلی جذبات کو جانتا ہے اور اس نے ان پر تسکین نازل کی ہے۔ اور ان سے راضی ہوا ہے۔ (مگر اس کے باوجود ابو الغادیہ بھی خاص مجرم نہیں ہے) اس نے تاویل و اجتہاد سے کام لیا تھا البتہ اس نے اجتہاد میں غلطی کی تھی اور جب کوئی مجتہد اجتہاد میں غلطی کرے پھر بھی وہ ایک اجر کا مستحق ضرور ہوتا ہے۔ لیکن عثمان کے قاتلوں کو یہ رعایت نہیں دی جا سکتی کیونکہ ان کے پاس قتل عثمان کے لیے اجتہاد کا کوئی جواز نہیں تھا۔ (الفصل ۱۶۱/۴۔)

(د) ابن حجر نے عمار کے قاتل ابو الغادیہ کی وکالت کرتے ہوئے لکھا:

ان تمام جنگوں میں صحابہ کے متعلق یہ گمان کرنا چاہیے کہ وہ سب کے سب مجتہد تھے اور غلط کار مجتہد بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ جب عام مجتہد سے غلطی ہو تو وہ تو ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے اور اگر صحابہ سے اجتہاد میں کہیں غلطی ہو بھی گئی تو وہ اس ثواب سے کیسے محروم ہو سکتے ہیں۔ (الاصابہ ۱۵۱/۴)

(۱) صحیح مسلم باب صلاۃ المسافرین وقصرھا حدیث ۳۔ صحیح بخاری ۳۴۳/۱ باب تقصیر الصلاۃ واضح رہے کہ بخاری نے ام المومنین کے مقام کو تحفظ دینے کے لیے زہری کے سوال میں سے "فی السفر" کے الفاظ حذف کر دیے ہیں۔

(ہ) ابن حزم نے "المحلی" اور ابن الترکمانی نے "الجوہر النقی" میں لکھا:

تمام امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی کو اجتہاد کے تحت قتل کیا تھا اور وہ اپنے اجتہاد و تاویل سے اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ وہ صحیح کام کر رہا ہے۔ اسی لیے عمران بن حطان نے اس کی تعریف میں کہا تھا:

یاضربة من تقی ما ارادبها　　الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا

انی لا ذکرة یوما فاحسبه　　اوفی البریة عند الله یزانا

"اس پرہیزگار (عبدالرحمٰن بن ملجم) کی ضربت کے کیا ہی کہنے جس کے ذریعہ سے اس نے صاحب عرش خدا کی رضا مندی کا ارادہ کیا تھا۔ میں کبھی اسے یاد کرتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ خدا کے ہاں میزان عدل میں تمام لوگوں سے اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا(۱)

(چونکہ عبدالرحمٰن مجتہد تھا قتل علیؑ کی وجہ سے اسے گناہگار نہیں سمجھا جائے گا)

(و) صواعق محرقہ کے حاشیہ پر شیخ عبداللطیف نے لکھا:

حضرت علی کے دور میں جتنے بھی صحابی تھے ان میں سے بعض نے حضرت علیؑ کے ساتھ شمولیت اختیار کر کے ان کے دشمنوں سے جنگ کی تھی اور بعض صحابہ نے حضرت علیؑ سے جنگ کی تھی اور کچھ صحابی ایسے تھے جنہوں نے فریقین میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا تھا۔ وہ تمام کے تمام مجتہد تھے اور ان کے افعال کی وجہ سے ان کی عدالت پر کوئی منفی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ (حاشیہ صواعق ص ۲۰۹)

(ز) ابن کثیر نے یزید لعین کا دفاع کرتے ہوئے لکھا:

یزید کی تمام غلطیوں کے متعلق بزرگوں کا فیصلہ یہ ہے کہ اس نے تاویل سے کام لیا تھا اور تاویل کرتے وقت اس سے غلطی ہوئی تھی۔ اور بزرگوں نے کہا کہ وہ اس کے باوجود بھی فاسق امام تھا جسے معزول کرنا درست نہیں تھا' اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں تھا۔

---

(۱) المحلی ابن حزم ۱۰/۴۸۲۔ الجوہر النقی ابن ترکمانی الحنفی المتوفی ۷۵۰ھ برحاشیہ سنن بیہقی ۵۸/۸۔۵۹۔

اور جہاں تک یزید پر اس اعتراض کا تعلق ہے کہ وہ واقعہ حرہ سن کر خوش ہوا تھا تو اس اعتراض میں بھی کوئی وزن نہیں ہے۔ کیونکہ یزید وقت کا امام تھا اور اہل مدینہ نے اس کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اور اس کی جگہ انہوں نے اور امیر مقرر کیا تھا۔ اسی لیے یزید کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے مخالفین سے جنگ کرے یہاں تک کہ وہ دوبارہ اطاعت کریں اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔

(تاریخ ابن کثیر ۲۲۳/۸۔ ہم نے اسے اختصار سے بیان کیا ہے۔)

اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ۔

(۱) خالد بن ولید اور حضرت ابو بکر کی نظر میں مالک بن نویرہ کا قتل اور اس کی بیوی پر تصرف ایک تاویل تھی۔

(۲) بی بی عائشہ کا اپنی روایت سے انحراف کر کے سفر میں پوری نماز پڑھنا بھی تاویل تھی اور حضرت عثمان کے بارے میں بھی یہی فتویٰ ہے۔

(۳) ابن حزم کے نزدیک حضرت عمار بن یاسر کا قاتل ابو الغادیہ بھی مجتہد تھا اور اس کا فعل تاویل پر مبنی تھا۔

(۴) ابن حزم اور ابن الترکمانی کے نزدیک حضرت علی کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم بھی مجتہد تھا اور اس نے تاویل کے تحت حضرت علی کو قتل کیا تھا۔ اور یوں عمار اور حضرت علی کے قاتل ایک اجر کے مستحق ہیں۔

(۵) صحابہ کی باہمی جنگیں تاویل کا شاخسانہ تھیں لہٰذا اگر ان میں سے کسی نے غلطی بھی کی تو وہ بھی اجر کا مستحق ہے۔

(۶) ابن کثیر کے ہاں یزید نے بھی تاویل کی تھی لہٰذا اس نے امام حسین اور اہل مدینہ کے ساتھ جو بھی سلوک کیا وہ تاویل کی رو سے کیا۔ اور اگر اس سے

تاویل میں کہیں غلطی بھی ہوئی تو وہ بھی ایک اجر کا حقدار رہے گا۔

اپنی رائے پر عمل کرنے کو قرن اول میں تاویل کا نام دیا جاتا تھا اور بعد میں اس کا نام بدل کر اجتہاد رکھ دیا گیا۔ بعد ازاں مکتب خلفاء سے وابستہ علماء نے اپنے لیے اس اجتہاد کے دروازہ کو کھول دیا اور انہوں نے عمل بالرائے کے قواعد منضبط کیے اور ان قواعد کے نام بھی تجویز کیے اور علم الاصول میں ان کے لیے ابواب مقرر کیے۔ اور ان خود ساختہ قواعد کی طرف رجوع کرنے اور ان سے احکام کے استنباط کو "اجتہاد" کا نام دیا گیا۔ اور ایسا کرنے والے کو "مجتہد" کے لقب سے یاد کیا گیا۔ جب کہ علم دین میں اس کے لیے اجتہاد اور مجتہد کی بجائے فقہ اور فقیہ کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔

اسی لیے ہم اپنی بحث میں حسب ذیل تین نکات پر گفتگو کریں گے۔

(۱) اجتہاد نام کی وجہ تسمیہ

(۲) قرن اول کے مجتہد اور ان کے اجتہادات

(۳) قرن دوم اور دوسرے قرن کا اجتہاد اور عمل صحابہ سے احکام کا استنباط۔

(۲) اجتہاد کی وجہ تسمیہ

لغت اور شریعت میں تاویل کا مفہوم

ابو العباس احمد بن یحییٰ ثعلب المتوفی ۲۹۱ھ لکھتے ہیں:

"التاویل" "والمعنیٰ" "والتفسیر" بمعنیٰ" (لسان العرب (در مادہ اول)

"لفظ تاویل، معنی اور تفسیر کا ایک ہی مطلب و مفہوم ہے۔"

جوہری المتوفی ۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

"التاویل' تفسیر مایوول الیه الشیء وقد اولته وتاولته تاولاً بمعنی" (الصحاح (در مادہ اوّل)

"تاویل جس کی طرف کسی چیز نے رجوع کرنا ہو' اس کی تفسیر کو کہا جاتا ہے اور" اولته و تاولته تاولا" کا ایک ہی مفہوم ہے۔"

مشہور لغت دان راغب المتوفی ۵۰۲ لکھتے ہیں:

التاویل من الاول ای الرجوع الی الاصل ومنه الموئل للموضع الذی یرجع الیه ومعنی التاویل فی اللغة' ردالشی الی الغاية المرادة منه و قدور فی القرآن الکریم بهذا لمعنی فی:

(۱) وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ (آل عمران:۷)

(۲) هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِىْ تَاوِيْلُهٗ) (الاعراف:۵۳)

ای بیانه الذی هو غایته (۱)

---

(۳) مفردات الراغب (در مادہ اول) میں نے اختصار سے نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں سے کتاب الاذان' باب ۱۳۹ اور سورہ ۱۱۰ کی تفسیر اور صحیح مسلم میں سے کتاب الصلاۃ حدیث ۲۱۷' سنن ابن ماجہ' کتاب الاقامۃ' باب ۲۰ کی طرف رجوع فرمائیں۔

''لفظ ''تاویل'' کا مادہ مجرد ''اول'' ہے جس کے معنی اصل کی طرف رجوع کرنے کے ہیں اور لفظ موئل (اسم ظرف مکان) اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ لغت میں ''تاویل'' کسی چیز کو اس کے اصل مقصود کی طرف پلٹانے کو کہا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید کی ان دو آیات میں لفظ تاویل اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔''

۱۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ)

''اس کے مقصد کو اللہ اور علم میں پختہ افراد کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔''

(آل عمران: ۷)

۲۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاوِيْلُهٗ'

''وہ اس کے بیان کے علاوہ کسی چیز کا انتظار نہیں کر رہے جس دن اس کا بیان آئے گا۔'' (الاعراف: ۵۳)

اس آیت میں لفظ ''تاویل'' سے مراد اس کا وہ بیان ہے جو کہ مقصد و ہدف ہے۔

کتاب وسنت میں لفظ ''تاویل'' سے خوابوں کی تعبیر مراد لی گئی ہے۔ جیسا کہ قصہ یوسف میں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ ''نَبِّئْنَا بِتَاوِيْلِهٖ'' ہمیں اس کی تعبیر بتلاؤ۔

جنگ احد کے واقعات میں رسول کریم کے ایک خواب کا تذکرہ ملتا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا۔

میں نے ایک زرہ کو دیکھا۔ پھر آپؐ نے اس کی تعبیر یوں بیان فرمائی کہ فاولت ان الدرع المدنیه ''میں نے یہ تعبیر لی کہ زرہ سے مراد مدینہ ہے۔''(۱)

آپ نے تاویل کے لغوی معانی اور اس کے موارد استعمال کا ملاحظہ فرمایا۔ پھر صحابہ اور تابعین نے احکام کی تبدیلی کو استعارۃ ''تاویل'' سے تعبیر کیا اور یوں مکتب خلفاء میں لفظ تاویل کا ایک جدید مفہوم پیدا ہوا۔

---

(۱) سنن الدارمی ۲/۱۲۹۔ موطا مالک کتاب اللبس باب ماجاء فی الانتعال حدیث ۱۶۔ دارمی کتاب الرؤیا باب ۱۳۔

ابن اثیر لکھتے ہیں:

التاویل من ال الشی یوول الی کذا ای رجع وصار الیه والمراد بالتاویل نقل ظاهر اللفظ عن وضعه الاصلی الی مایحتاج الی دلیل لولاه ماترک ظاهر اللفظ.

(نہایۃ اللغۃ "در مادہ اول")

"لفظ تاویل "ال یؤول" سے دشتق ہے اور "ال الشی الی کذا" کا معنی ہے ایک چیز نے کسی چیز کی طرف رجوع کیا۔ اور تاویل سے مراد یہ ہے کہ حقیقی اور اصل معنی چھوڑ کر اور معنی مراد لیا جائے۔ تاویل کے لیے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے اور اگر دلیل موجود نہ ہو تو لفظ کے ظاہری معنی کو چھوڑنا صحیح نہیں ہے۔"

اب یہاں پہنچ کر لفظ "تاویل" نے ایک نیا مفہوم حاصل کر لیا اور تاویل کا یہی جدید مفہوم کتب حدیث میں پہنچ گیا۔ بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب الادب میں دو باب قائم کیے جن میں سے پہلے باب کا عنوان ہے۔

باب من اکفر اخاه من غیر تاویل فهو کما قال.

"جو اپنے بھائی کو تاویل کے بغیر کافر کہے تو وہ خود کافر ہے۔"

دوسرے باب کا عنوان یہ ہے:

باب من لم یر اکفار من قال ذالک متاؤلاً وجاهلا

"ان لوگوں کا باب جو تاویل وجہات سے کسی کو کافر کہہ دیں تو وہ انہیں کافر نہیں سمجھتے۔" (صحیح بخاری در متن فتح الباری ۱۳/۱۲۹۔۱۳۰)

ابن حجر نے فتح الباری میں ایک باب قائم کیا جس کا عنوان "باب ماجاء فی المتاولین" ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

جو شخص کسی کو کافر کہے تو اس کے متعلق یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے تاویل

سے کافر کہا یا تاویل کے بغیر کافر کہا اور اگر کسی نے تاویل کے بغیر کسی کو کافر کہا تو وہ مذمت کے قابل ہے بعض اوقات وہ خود ہی اس سے کافر بن جاتا ہے۔

اور اگر کوئی کسی کو تاویل کی وجہ سے کافر کہے تو پھر یہ دیکھیں گے کہ کیا اس نے کسی رائج قسم تاویل سے کافر کہا ہے یا کسی غیر مقبول اور غیر رائج تاویل کا سہارا لیا ہے۔

اگر اس نے غیر رائج قسم کی تاویل کا سہارا لیا ہو تو وہ قابل مذمت ٹھہرے گا لیکن کافر قرار نہ پائے گا' ایسے شخص کے سامنے اس کی تاویل کی غلطی کو واضح کیا جائے گا اور اسے اس کے فعل کے مطابق زجر و توبیخ بھی کی جائے گی۔

اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو رائج قسم کی تاویل سے کافر کہے تو وہ مذمت کا حقدار نہیں ہوگا ایسے شخص کے سامنے دلیل رکھی جائے گی تا کہ وہ صحیح راستہ پر واپس آ جائے۔

علماء کا قول ہے:

ہر تاویل کرنے والا اپنی تاویل کی وجہ سے معذور ہے اور اگر لغت عرب اور حدیث میں اس کی تاویل کی گنجائش ہو تو وہ گناہگار قرار نہیں پائے گا۔(۱)

مکتب خلفاء میں لفظ تاویل کے مفہوم کو تبدیل کیا گیا اور آخر میں موارد تاویل کو "اجتہاد" کا نام دیا گیا۔

آئندہ فصل میں ہم قرن اول کے مجتہدین اور ان کے اجتہادی مسائل کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ فتح الباری ۱۵/۳۳۳۔ اگر فتوئی کا یہی معیار ہے تو مکتب خلفا کے علماء سے ہم یہ پوچھنا چاہیں گے کہ جب خوارج تمام مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں تو وہ انہیں معذور قرار کیوں نہیں دیتے اور انہیں "دین سے خارج ہونے والے افراد" کا لقب کیوں دیتے ہیں؟ البتہ حضرت علی کے قاتل ابن ملجم کی بات کچھ اور ہے کیونکہ مکتب خلفاء کے نزدیک وہ مجتہد تھا اور اپنے غلط اجتہاد کے باوجود بھی ایک اجر کا مستحق تھا!!!

بریں عقل و دانش بباید گریست

قرن اول میں مکتب خلفاء کے مجتہد اوران کے اجتہادی مسائل

(الف) خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ کی سالاری میں ایک لشکر تشکیل دیا تھا جس میں دوسرے صحابہ کے علاوہ شیخین کو بھی اس میں شامل کیا گیا تھا۔ شیخین نے اس کی زیر سرکردگی جانے سے ٹال مٹول کی تھی اور یہ ٹال مٹول حکم رسول کی خلافت ورزی تھی۔ لیکن مکتب خلفاء کے ایک وکیل ابن ابی الحدید معتزلی نے ان کا دفاع کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا۔

انه . ای الرسول کان یبعث السرایا عن اجتهاد لاعن وحی یحرم مخالفته

"رسول خداؐ اپنے اجتہاد سے کام لے کر لشکر روانہ کرتے تھے اس سلسلہ میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی کہ جس کی مخالفت حرام ہو۔"

پھر اس نے اس مسئلہ کے متعلق رسول خدا کے اجتہاد کی ایک طویل بحث کی۔

(مکتب خلفاء سے وابستہ علماء اپنے بزرگوں کی غلطی ماننے کی بجائے رسول خدا کے احکام کو اجتہاد سے تعبیر کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ بزرگوں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی کیونکہ جن احکام میں انہوں نے حکم رسول کی مخالفت کی تھی ان کا تعلق نص کی بجائے اجتہاد سے تھا اور اجتہاد کا تسلیم کرنا واجب نہیں ہے بالفاظ دیگر غلطی نعوذ باللہ! رسول کریم کی ہی تھی کہ انہیں اپنا اجتہاد ماننے پر مجبور کیا تھا)

اور آپ عنقریب اجتہاد عمر میں ایک اور موقع بھی ملاحظہ فرمائیں گے جس کے متعلق مکتب خلفاء سے وابستہ علماء نے کہا ہے کہ پیغمبر کا وہ فرمان بھی اجتہاد پر مبنی تھا۔

اور اس ضمن میں ہم ان کے اجتہاد رسول کے متعلق دلائل کا بھی جائزہ لیں گے۔ مکتب خلفاء کے نظریہ کو مدنظر رکھ کر ہم نے رسول خداؐ نام بھی مجتہدین کی صف میں لکھا ہے' ورنہ ہمارے مذہب کا قطعی فیصلہ ہے کہ رسول خداؐ کا ہر قول وفعل وحی الٰہی پر مبنی تھا اور آپ کا کوئی بھی فرمان اجتہاد پر مبنی نہیں تھا۔

(ب) خلیفہ اول ابو بکر

شیخ طوسی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تجرید الکلام فی شرح عقائد الاسلام میں حضرت ابو بکر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا:

"اس نے فجاءۃ السلمی کو جلایا تھا۔ اسے کلالہ اور دادی کی میراث کا علم نہیں تھا"

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے قوشجی (۱) نے شرح تجرید میں لکھا:

فجاءۃ السلمی کو آگ میں جلانا یہ حضرت ابو بکر کا اجتہاد تھا اور مجتہدین سے ایسی بہت سی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور جہاں تک مسئلہ کلام اور دادی کی میراث سے عدم واقفیت کا تعلق ہے تو یہ کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ مجتہد مدارک احکام کو ہمیشہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے سے بڑے علماء سے مسائل پوچھا کرتے ہیں۔ (۲)

شیخ طوسی نے حضرت ابو بکر پر یہ اعتراض بھی کیا کہ انہوں نے خالد پر حد شرعی جاری نہ کی جب کہ خالد نے مالک بن نویرہ کی بیوی پر تسلط حاصل کیا تھا اور وہ تسلط زنا کے زمرہ میں آتا تھا۔

---

(۱) خواجہ نصیر الدین محمد بن طوسی الجہرودی المتوفی ۶۷۲ھ نے عقائد کے عنوان پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تجرید الکلام فی شرح عقائد الاسلام رکھا تھا۔ الذریعہ ۳/۳۵۱ ایک سنی عالم علاء الدین علی بن قوشجی نے اس کی شرح لکھی جسے عرف عام میں شرح تجرید جاتا ہے۔ واضح رہے کہ قوشجی ان کے والد کا لقب تھا اور باز کے محافظ کو قوشجی کہا جاتا ہے۔ انہیں اس لیے قوشجی کہا گیا کہ وہ ماوراء النھر کے سلطان کے باز کے محافظ تھے۔

(۲) علاء الدین نے سمرقند کی رصدگاہ کی تعمیر میں شرکت کی تھی اور اس نے سلطان بتریز حسن الطویل اور ترکی سلطان کے درمیان مصالحت کے لیے تبریز اور استنبول کے دورے کیے تھے۔ عثمانی سلطان محمد نے اس کا بڑا احترام کیا اور اسے مدرسہ ایا صوفیا کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔ ۸۹۷ھ میں اس نے وفات پائی۔ ہدیۃ العارفین ۱/۳۶۷۔ الکنیٰ والالقاب ۳/۷۷

اس اعتراض کا جواب قوشجی نے یہ دیا:

تزوج امراتة فی دار الحرب لانه من مسائل المجتهدین

"خالد نے دارالحرب میں مالک بن نویرہ کی بیوی پر تسلط قائم کر کے اسے بیوی بنایا تھا۔"

اسی لیے ابو بکر نے اس پر حد جاری نہیں کی تھی کیونکہ یہ مجتہدین کے مسائل میں سے ہے۔

قوشجی نے مزید لکھا:

حضرت عمر کے اعتراض کی وجہ سے حضرت ابو بکر کی امامت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور جس طرح سے ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے فتویٰ سے اختلاف کرتا ہے اسی طرح سے حضرت عمر نے بھی حضرت ابو بکر کے فتویٰ سے اختلاف کیا تھا۔(۱)

(ج) مجتہد صحابی خالد بن ولید

ابن کثیر لکھتے ہیں:

واستمر ابو بکر بخالد علی الامرة وان کان قداجتهد فی قتل مالک بن نویرة واخطاء ۔ (تاریخ ابن کثیر ۶/۳۲۳)

"حضرت ابو بکر نے خالد کو بدستور سالار لشکر کے عہدہ پر باقی رکھا اگرچہ خالد نے مالک بن نویرہ کے متعلق اجتہادی غلطی کی تھی۔"

(د) خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب

ابن ابی الحدید نے حضرت عمر پر وارد ہونے والی پانچویں اعتراض کو اس طرح سے نقل کیا ہے:

حضرت عمر پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ بیت المال سے بعض لوگوں کو ضرورت سے زیادہ وظائف دیتے تھے۔ انہوں نے عائشہ و حفصہ کے لیے دس ہزار درہم کا خطیر وظیفہ مقرر کیا تھا اور دوسری طرف سے اہل بیت کو خمس سے محروم رکھا تھا۔

---

(۱) شرح تجرید قوشجی طبع تبریز ۱۳۰۱ھ ص ۴۰۷۔ شرح نہج البلاغہ معتزلی ۴/۱۸۳ در ذیل طعن سادس

اور اس اعتراض کا جواب ابن ابی الحدید نے یہ دیا:

بیت المال لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہوتا ہے اور حاکم کو کمی بیشی کے متعلق اجتہاد کا حق حاصل ہے اور جہاں تک خمس سے محروم رکھنے کا مسئلہ ہے تو اس کا تعلق اجتہاد سے ہے اور جو شخص حضرت عمر پر اعتراض کرتا ہے وہ صرف ان کی ذات پر ہی اعتراض نہیں کرتا بلکہ وہ اجتہاد پر اعتراض کرتا ہے جو کہ صحابہ کا طریقہ تھا۔(۱)

ابن جوزی سے منقول ہے کہ اس نے مسئلہ خمس کے متعلق کہا تھا۔

انها مسلة اجتهادية . "یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔"

(مصدر سابق ص ۱۵۴)

حضرت عمر پر ساتویں اعتراض کو ابن ابی الحدید نے ان الفاظ سے نقل کیا کہ وہ فیصلہ کرنے میں تلون مزاجی کا شکار رہتے تھے۔ انہوں نے دادا کی میراث کے متعلق ستر (۷۰) قسم کے مختلف فیصلے کیے تھے بلکہ بعض اہل علم یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سو سے زیادہ مختلف فیصلے کیے تھے اور وہ لوگوں کو مساویانہ بنیادوں پر وظائف نہیں دیتے تھے جب کہ خدا نے سب کے لیے یکساں حقوق قرار دیئے ہیں اور وہ شرعی احکام کے لیے اپنی رائے اور گمان پر انحصار کرتے تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں ابن ابی الحدید نے لکھا۔

مسائل اجتہاد میں اختلاف خوشگوار ہوتا ہے اور ایک رائے کو چھوڑ کر دوسری رائے کو اختیار کرنا جائز ہے۔ مجتہد ہمیشہ امارات اور غالب گمان کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے لکھا۔ اصل بحث قیاس اور اجتہاد کے متعلق ہے اور جب قیاس و اجتہاد ثابت ہو جائیں تو پھر کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

(مصدر سابق ص ۱۶۵)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ معتزلی در ذیل "و من کلام لہ (ع) للہ بلاد فلان" اور اس نے ادی الیہ اجتہادہ" کی شرح کرتے ہوئے جلد سوم ۱۸۰ میں بھی یہی جواب دیا۔

تجرید میں محقق طوسی نے حضرت عمر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا:

حضرت عمر نے ازواج رسول کے لیے وظائف جاری کیے جب کہ حضرت فاطمہ اور اہل بیت کو خمس سے محروم رکھا اور انہوں نے دادا کی میراث کے متعلق سو کے قریب مختلف فیصلے کیے اور وظائف میں سے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دے کر طبقاتی نظام قائم کیا جب کہ یہ چیز عہد نبوی میں رائج نہیں تھی۔

اس اعتراض کا جواب قوشجی نے یوں دیا۔

مذکورہ چاروں اعتراضات کا جواب یہ ہے اگر چہ حضرت عمر نے ان مسائل میں رسول خدا سے اختلاف کیا مگر یہ اختلاف اسی نوعیت کا تھا جو ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے کرتا ہے۔ (شرح تجرید ص ۴۰۸)

اگر حضرت عمر کا رسول خدا سے اختلاف ایسے ہی تھا جیسا کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد سے ہوتا ہے تو اس پر کلمہ استرجاع ہی پڑھا جا سکتا ہے۔

فلیبک علی الاسلام من کان باکیا .

(۵) خلیفہ ثالث عثمان بن عفان

حضرت عثمان پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے عبید اللہ بن عمر سے قصاص نہیں لیا تھا اور ان کا قصاص نہ لینا حکم شرعی کی مخالفت ہے۔

اس اعتراض کا جواب قوشجی نے یوں دیا:

حضرت عثمان نے اس مسئلہ میں اجتہاد کیا تھا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ان کے لیے قصاص لینا ضروری نہیں ہے کیونکہ عبید اللہ بن عمر نے ان کی خلافت سے پہلے ناجائز قتل کیے تھے۔ (شرح تجرید ص ۴۰۹۔ شرح نہج البلاغہ ۱/۲۴۳)

ابن تیمیہ نے اس اعتراض کے جواب میں یہ الفاظ لکھے:

مسالة اجتهادية۔

"یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔"

حضرت عثمان پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مروان کے باپ

حکم کو مدینہ واپس بلایا جب کہ رسول خدا نے اسے مدینہ سے جلاوطن کیا تھا۔

مکتب خلفاء کی طرف سے اس اعتراض کا جواب ابن ابی الحدید نے یوں نقل کیا۔ اگر رسول خدا نے اس کی واپسی کی اجازت نہ بھی دی ہوتی تو بھی عثمان کے لیے اس کا واپس بلانا جائز تھا۔ کیونکہ عثمان کے اجتہاد نے اسے اس فیصلہ تک پہنچایا تھا۔ یہ سب کچھ حالات پر منحصر ہے حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔

(شرح نہج البلاغہ معتزلی ۲۳۳/۱)

ابن تیمیہ نے کہا: **هو امر اجتهادی**

"یہ ایک اجتہادی معاملہ ہے۔" (منہاج السنہ ۲۰۳/۳)

حضرت عثمان پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو ان کے عہدہ سے ناحق معزول کیا تھا اور ان سے سخت بدسلوکی کی تھی۔

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ابن تیمیہ نے لکھا۔

عبداللہ بن مسعود اور عثمان چونکہ دونوں مجتہد تھے اسی لیے انہوں نے آپس میں جو کچھ کہا سنا۔ اللہ انہیں ان کی نیکیوں پر ثواب عطا کرے گا اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرے گا۔

یہی ابن تیمیہ مزید لکھتے ہیں:

کبھی سزا کے متعلق امام مجتہد ہوتا ہے اور اسے اپنے اجتہاد کا ثواب ملتا ہے اور امام کی طرح سے کچھ دوسرے افراد بھی مجتہد ہوتے ہیں تو امام کی مخالفت کی وجہ سے انہیں گناہگار نہیں کہا جائے گا بلکہ انہیں اپنے اجتہاد کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ ابوبکر نے حضرت عمر کی عدالت میں مغیرہ بن شعبہ کے خلاف زنا کی گواہی دی تھی۔ ابوبکرہ نیک اور باکردار مسلمان تھے اور انہوں نے جو کچھ گواہی دی یہ سمجھ کر دی کہ گواہی دینا فرض ہے۔ لہٰذا انہیں ان کی گواہی کا اجر ملے گا۔ (۱)

---

(۱) کاش ابن تیمیہ ذرا یہ بھی بتاتے کہ مغیرہ بن شعبہ کے متعلق چار گواہوں نے یہ گواہی دی تھی کہ انہوں نے اسے ام جمیل نامی عورت کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھا دیکھا ہے۔ تو کیا مغیرہ کا یہ فعل بھی اجتہاد پر مبنی تھا اور کیا اسے بھی اسی اجتہاد کا ثواب ملے گا کیونکہ مغیرہ بن شعبہ کا تعلق اصحاب رسول سے تھا؟؟

اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ عثمان' ابن مسعود اور جو کچھ عثمان اور عمار کے درمیان ہوا اس کا تعلق بھی اجتہاد سے ہے۔ جب دو مجتہد آپس میں جنگ کر کے بھی ثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں' تو آپس میں جھگڑنے والے ثواب کے زیادہ حق دار ہیں۔

(منہاج السنۃ ۳/۱۹۳)

مقصد یہ ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود اور عمار یاسر کو زدوکوب کیا اور ان میں سے ایک کی پسلیاں توڑیں تو مارنے والا بھی مجتہد تھا اور مار کھانے والے بھی مجتہد تھے' اسی لیے دونوں کو اللہ تعالیٰ ثواب عطا کرے گا۔

حضرت عثمان پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے جمعہ کے دن دوسری آذان کا اضافہ کیا تھا۔

اس اعتراض کا جواب ابن تیمیہ نے یہ دیا:

انها من مسائل الاجتهاد

"اس کا تعلق مسائل اجتہاد سے ہے۔"

ابن حجر ہیثمی نے صواعق محرقہ میں لکھا:

ابن مسعود حضرت عثمان پر زیادہ تنقید کرتے تھے اسی لیے مصلحت (۱) کا تقاضا تھا کہ اسے عہدہ سے معزول کر دیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ مجتہد پر اس کے اجتہادی امور کے متعلق اعتراض نہیں کرنا چاہیے' لیکن عثمان کی مخالفت کرنے والے ملعون لوگوں کے پاس عقل وفہم نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ (صواعق محرقہ ابن حجر المتوفی ۹۷۴ھ ص ۱۱)

یہی ابن حجر لکھتا ہے:

عثمان نے عبداللہ بن مسعود کا وظیفہ روک دیا تھا اور ابن مسعود کی باتیں سن کر اس سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ (ہمیں ان واقعات پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ) دونوں مجتہد تھے اور انہوں نے جو کچھ ایک دوسرے سے سلوک کیا تھا اس پر

(۱) کاش ابن حجر یہ سمجھاتے کہ معزولی میں کس کی مصلحت تھی' ابن مسعود کی مصلحت تھی' امت اسلامیہ کی اسی میں مصلحت تھی یا بنی امیہ اور حضرت عثمان کی مصلحت اس میں مضمر تھی۔

اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۱۲)

حضرت عثمان پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے "منیٰ" میں نماز پوری پڑھی تھی جب کہ رسول خداؐ اور شیخین نے وہاں قصر نماز پڑھی تھی؟

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ابن حجر نے لکھا

یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور اس پر اعتراض کرنا پرلے درجے کی جہالت اور عداوت ہے کیونکہ علماء کی اکثریت کا فیصلہ ہے کہ قصر کرنا جائز ہے واجب نہیں۔

(صواعق محرقہ ص ۱۱۲)

(و) مجتہدہ ام المومنین عائشہؓ

علامہ ابو منصور جمال الدین حسن بن یوسف بن مطہر حلی نے منہاج الکرامۃ نامی ایک کتاب تالیف فرمائی تھی اور ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ کے نام سے ان کی تردید کی تھی۔

علامہ حلی نے منہاج الکرامۃ میں لکھا:

حضرت عائشہ رسول مناؐ کی بیوی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ازواج پیغمبر کو حکم دیا ہے۔

وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى. (الاحزاب:۳۳)

"(اے ازواج رسول!) تم اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور پہلی جاہلیت جیسا بناؤ سنگار نہ کرو۔"

مگر حضرت عائشہ نے جنگ جمل کے لیے رسول خدا کے گھر کو چھوڑ کر اور میدان قتال میں آکر حکم قرآن کی صریحاً خلاف ورزی کی۔

اس کے جواب میں ابن تیمیہ نے منہاج الکرامہ میں لکھا:

"ام المومنین نے زمانہ جاہلیت کا سا بناؤ سنگار نہیں کیا تھا اور گھروں میں ٹھہرنے کا حکم کسی مصلحت کے لیے باہر نکلنے کے منافی نہیں ہے............"

"جب گھر سے باہر آنے میں کوئی مصلحت ہو تو ازواج پیغمبر کے لیے باہر آنا جائز ہے۔ حضرت عائشہ کا خیال یہ تھا کہ ان کے باہر آنے میں مسلمانوں کی بھلائی

ہے۔ اس مسئلہ میں انہوں نے اجتہاد کیا تھا۔"

"اور خطا کار مجتہد کی خطا معاف ہوتی ہے"

اور جب عام مجتہد کی اجتہادی خطا معاف ہوتی ہے تو ام المومنین نے گھر میں نہ ٹھہر کر جو اجتہاد کیا تھا وہ معاف کیوں نہیں ہے اور وہ مغفرت کی حقدار کیوں نہیں ہیں؟ اور ام المومنین کے خروج کا بھی یہی جواب دیا جائے گا کہ جب مجتہد سے اجتہادی خطا ہو تو وہ معاف ہوتی ہے اسی لیے بی بی کی خطا بھی کتاب وسنت کے تحت معاف ہے۔

(منہاج السنہ ابن تیمیہ ۱۹۰/۳)

☆ قرطبی نے بی بی عائشہ کا دفاع کرتے ہوئے لکھا:

وہ مجتہد تھیں۔ انہوں نے صحیح اجتہاد کیا اور انہوں نے جو تاویل کی تھی اس تاویل کا انہیں اجر ملے گا اور انہوں نے جو کچھ سر انجام دیا تھا اس کا انہیں ثواب نصیب ہو گا کیونکہ ہر مجتہد فی الاحکام کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے۔

(تفسیر قرطبی ۱۸۲/۱۴ در تفسیر "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن")

(ز) مجتہد اعظم معاویہ بن ابی سفیان

ابن حجر نے معاویہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے:

الفقیہ المجتہد الذی لایباری والحبر الذی لایجاری معاویة بن ابی سفیان . (تطہیر اللسان ص ۲۲)

"معاویہ بن ابی سفیان وہ فقیہ مجتہد ہے جس سے سبقت محال اور بے نظیر عالم ہے۔" (الفصل ابن حزم ۱۶۱/۴)

عمرو بن العاص

ابن حزم نے اپنی کتاب "الفصل" میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

معاویہ اور اس کے ساتھی خطا کار مجتہد تھے اور انہیں خطاے اجتہادی پر ایک اجر ملے گا۔

ابن حزم مزید لکھتے ہیں:

معاویة رحمه الله مخطی ماجور مرة لانه مجتهد .

(الفصل ابن حزم ۸۹/۴)

"معاویہ پر خدا رحم کرے ان سے خطا سرزد ہوئی تھی اور انہیں ایک اجر ملے گا کیونکہ وہ مجتہد تھا۔"

ابن حزم نے معاویہ وعمرو بن العاص کی وکالت کرتے ہوئے لکھا:

باقی مفتیان دین کی طرح سے معاویہ اور عمرو بن العاص نے کشت وخون کے مسائل میں اجتہاد کیا تھا۔ بعض مفتی حضرات جادوگر کو قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں اور بعض ناجائز سمجھتے ہیں' آخر مفتیوں کے ان اجتہادات اور معاویہ اور عمرو بن العاص کے اجتہاد میں کون سا فرق ہے۔ ہاں اعتراض کرنے والوں پر جہالت اور اندھے پن کا غلبہ ہے اور یہ لوگ علم کے بغیر مسائل کو خلط ملط کر رہے ہیں۔ (الفصل ابن حزم ۱۶۰/۴)

ابن تیمیہ کی شوخ چشمی ملاحظہ فرمائیں کہ اس نے معاویہ کا دفاع کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے وہ مجتہد تھا اور اجتہاد میں علی بن ابی طالب کی مثال تھا۔ (نعوذ باللہ)

(منہاج السنہ ۲۶۱/۳_۲۷۵_۲۷۶_۲۸۴_۲۸۸_۲۸۹_)

ابن کثیر لکھتا ہے:

معاوية مجتهد ماجور ان شاء الله تعالىٰ. (تاریخ ابن کثیر ۲۷۹/۷)

"معاویہ مجتہد تھا ان شاء اللہ وہ اجر کا حقدار ہوگا۔"

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں تحکیم کے واقعہ کو نقل کیا اور اس میں عمرو بن العاص کی چالاکی کا ذکر کرنے کے بعد اس کا دفاع کرتے ہوئے لکھا۔

عمرو بن العاص نے معاویہ کو خلافت پر قائم رکھا کیونکہ اسے اس میں مصلحت دکھائی دی تھی اور اجتہاد میں صحیح فیصلے بھی ہوتے ہیں اور غلط فیصلے بھی ہوتے ہیں۔

(تاریخ ابن کثیر ۲۸۳/۷)

ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:

اہل سنت والجماعت کے اعتقاد میں یہ بات شامل ہے کہ حضرت علی کے ایام خلافت میں معاویہ خلیفہ نہیں تھا وہ ایک بادشاہ تھا اور اس کے اجتہاد کی وجہ سے ایک اجر

ملے گا اور علی کو اجتہاد پر دو اجر ملیں گے۔ ایک اجر اجتہاد کا ملے گا اور دوسرا اجتہاد کے صحیح ہونے کا اجر ملے گا۔ (صواعق محرقہ ابن حجر ص ۲۱۶)

ابن حجر نے معاویہ کے دفاع میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام "تطہیر الجنان" رکھا تھا۔ اس نے اپنے اس رسالہ میں لکھا:

معاویہ کو اس کے اجتہاد کا اجر ملے گا۔ کیونکہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جب مجتہد صحیح اجتہاد کرے تو اسے دو اجر اور اگر اجتہاد میں غلطی کرے تو اسے ایک اجر ملے گا۔

(تطہیر الجنان ابن حجر ص ۱۵)

پھر اس نے معاویہ کو مجتہد ثابت کرنے کے لیے پوری فصل قائم کی۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار کے متعلق فرمایا تھا:

ویح عمار تقتلک الفئة الباغية تدعوهم الى الجنة ويدعونك الى النار.

"ہائے افسوس عمار پر! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا" تو انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلائیں گے۔"

نبی اکرم کی یہ حدیث صحیح بخاری سمیت تمام کتب حدیث میں موجود ہے۔

حضرت عمار معاویہ کے گروہ کے ہاتھوں جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ اور یوں رسول خدا کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاویہ اور اس کے ساتھی باغی تھے اور ان کی دعوت دوزخ کی دعوت تھی۔

(تطہیر الجنان ص ۱۹۔۲۳)

مگر بے جا تعصب کا برا ہو اس سیدھی سی حدیث کے لیے بھی کتب خلافت کے پیروکاروں نے تاویلیں کر کے معاویہ اور اس کے ساتھیوں کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔ چنانچہ ابن حجر نے صواعق میں "باغی" کے معانی پر کچھ اس طرح سے اپنے نظریات پیش کیے:

ہمارے ائمہ متاخرین میں سے ایک نے کتاب انوار میں لکھا۔

باغی نہ تو فاسق ہوتے ہیں اور نہ ہی کافر ہوتے ہیں زیادہ سے زیادہ انہیں

خطا کار کہا جا سکتا ہے اور معاویہ پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق بزرگ صحابہ کی جماعت سے تھا۔ (صواعق محرقہ ابن حجر ص ۲۲۱)

شیخ عبدالوھاب عبداللطیف نے تطہیر الجنان کے حاشیہ پر علامہ معین سندھی کی کتاب دراسات اللبیب سے یہ اقتباس نقل کیا۔

"معاویہ کی بدعات پر بہت سے صحابہ نے اس پر اعتراض کیے تھے"

پھر اس کے بعد شیخ موصوف نے معاویہ کا دفاع کرتے ہوئے لکھا:

اکثر اوقات مجتہدین کے فتاویٰ میں اختلاف ہوتا رہتا ہے اور اس اختلافات کی وجہ نص سے لاعلمی ہوتی ہے اور اس طرح کے اختلاف صحابہ میں بھی پائے جاتے تھے، مگر اس کی وجہ سے معاویہ کو صف مجتہدین سے باہر نہیں کیا جا سکتا۔ (۱)

(ط) مجتہد ابوالغادیہ (عمار بن یاسر کا قاتل)

ابن حزم اندلسی نے "الفصل" میں لکھا:

عمار بن یاسر کو ابوالغادیہ یسار بن سبع السلمی نے قتل کیا تھا۔ عمار بیعت رضوان میں شامل تھا اور اس کا تعلق اس جماعت سے تھا جن کے اخلاص قلب کی اللہ نے گواہی دی اور ان پر اپنی رضامندی کی مہر ثبت فرمائی اور ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔

ابوالغادیہ نے تاویل واجتہاد سے کام لیا تھا اور اسے ایک اجر ملے گا، لیکن عثمان کے قاتلوں کو مجتہد قرار نہیں دیا جا سکتا اور ان کے پاس قتل عثمان کا کوئی جواز نہیں تھا۔ (الفصل ابن حزم ۴/۱۶۱)

ابن حجر نے بھی اصابہ میں قاتل عمار کا ذکر کیا اور اسے مجتہدین صحابہ کی صف میں شمار کیا۔

---

(۱) شیخ عبدالوھاب قاہرہ میں شریعت کالج کے پروفیسر تھے ہم نے ابن حجر کی تطہیر الجنان کے ص ۱۸ پر سے ان کے حاشیہ کو نقل کیا ہے اور اس نے علامہ معین بن امین سندھی کی کتاب دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب کے درس دوم میں سے مذکورہ اقتباس نقل کیا تھا۔

(ی) صحابہ کی پوری جماعت ہی مجتہد تھی

علامہ حلی نے اپنی کتاب منہاج الکرامہ میں لکھا:

جماعت صحابہ کے متعلق جمہور نے بہت سی قابل اعتراض باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ کلبی[1] نے مطاعن صحابہ کے موضوع پر پوری کتاب لکھی ہے اور اس نے پوری کتاب میں اہل بیت طاہرین کی کسی ایک غلطی کی بھی نشاندہی نہیں کی۔

علامہ حلی کی تردید کرتے ہوئے ابن تیمیہ نے لکھا۔

"اکثر امور کے متعلق صحابہ کے پاس عذر موجود تھے جس کی وجہ سے ان کے غلط افعال کو گناہ قرار نہیں دیا جا سکتا اور ان امور کو ان موارد اجتہاد میں سے سمجھنا چاہیے جن کے متعلق اگر مجتہد صحیح فیصلہ کرے تو اسے دو اجر اور اگر غلط فیصلہ کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ اور خلفائے راشدین کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس کا تعلق اسی صنف سے ہے"

اس کے بعد ابن تیمیہ نے صفحہ ۱۹ سے صفحہ ۳۰ تک اسی کے بعد ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج السنۃ کی جلد سوم کے صفحہ ۱۹ سے صفحہ ۳۰ تک اجتہاد کی بحث کی ہے۔ بعد ازاں اس نے علامہ حلی کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ (منہاج السنہ ۱۹/۳)

شیخ عبدالوھاب عبداللطیف نے صواعق کے حاشیہ میں لکھا:

---

(۱) کلبی کا پورا نام ابو المنذر ہشام بن محمد بن السائب کلبی تھا۔ ذہبی نے العبر ۱/۳۴۶ پر لکھا کہ اس نے ایک سو پچاس کتابیں تالیف کی تھیں جن میں سے اس نے ایک سو اکتالیس کتابوں کے نام لکھے۔ احمد زکی نے بھی اس کی بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ احمد زکی بہ نسبت رجال نجاشی میں اس کی زیادہ کتابوں کے نام مذکور ہیں۔ علمائے اہل سنت اسے رافضی اور غالی شیعہ کہتے تھے۔ اس کی وفات ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے طبقات الحفاظ اور انساب سمعانی کا مطالعہ فرمائیں۔

عہد علیؑ کے تمام صحابی خواہ انہوں نے علیؑ کی حمایت میں جنگ کی یا علیؑ کے خلاف جنگ کی یا علیؑ و معاویہ دونوں سے علیحدہ رہے' جن میں ابن مسعود کے اصحاب' سعد بن ابی وقاص' حذیفہ' ابن مسلمہ' ابوذر' عمران بن حصین اور ابو موسیٰ اشعری شامل تھے' یہ سب کے سب مجتہد تھے اور اپنے افعال کی وجہ سے وہ دائرہ عدالت سے خارج نہیں ہوئے۔(۱)

دوسری صدی سے لے کر آج پندرھویں صدی تک مکتب خلفاء کے پیروکاروں کا اس امر پر اجماع ہے کہ تمام صحابہ مجتہد تھے اور انہوں نے جو خونریزی کی تھی وہ سب اجتہاد کی وجہ سے تھی اور اللہ تعالیٰ ان کی اغلاط اور خون ریزی پر انہیں ثواب عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف مرفوع القلم قرار دیا بلکہ ان کی برائیوں پر بھی انہیں ثواب عظیم عطا فرمائے گا۔

سبحان اللہ! اس عقیدہ کے کیا ہی کہنے اور عدل خداوندی کے بھی کیا ہی کہنے اگر ہم برائی کریں تو وہ ہمیں سزا دے اور اگر صحابہ برائی کریں تو انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

(۱) حاشیہ صواعق ص ۲۰۹

ہمیں شیخ عبدالوہاب پر تعجب ہے کہ اس نے مذکورہ نام کس طرح سے گنوائے ہیں۔

شیخ مذکور نے اصحاب عبداللہ بن مسعود کا نام تو لکھ دیا لیکن وہ یہ واضح نہ کر سکے کہ وہ کون لوگ تھے اور ان کے نام کیا تھے۔ علاوہ ازیں حذیفہ اس وقت مدینہ میں موجود ہی نہیں تھے وہ اس وقت مدائن میں تھے اور انہوں نے مدائن میں وفات پائی اور لوگوں کو حضرت علیؑ کی پیروی کی وصیت کی۔

شیخ مذکور نے ابوذر کا نام غیر جانبدار افراد کی فہرست میں شامل کر دیا۔ شاید شیخ کو یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ ابوذر نے عہد عثمان میں کھل کر اموی ملوکیت کی مذمت کی تھی اور اسی پاداش میں انہیں مدینہ سے شام اور شام سے مدینہ اور پھر مدینہ سے ربذہ کے بے آب و گیاہ صحرا میں جلاوطن کیا گیا' جہاں انہوں نے بڑی کسمپرسی کی حالت میں وفات پائی۔ اور حضرت ابوذر حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں زندہ نہیں تھے سعد بن ابی وقاص حضرت علیؑ کی مدد نہ کرنے پر ہمیشہ حسرت و ندامت کا اظہار کرتا تھا۔ اور ابو موسیٰ اشعری کا تعلق پہلے دن سے ہی دشمنان علیؑ کے ساتھ تھا۔ عمران بن حصین کی پہلے وفات ہو چکی تھی۔

ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

دور معاویہ تک صحابہ کے جملہ اعمال وافعال کے لیے مکتب خلفاء کا یہی نظریہ ہے بلکہ بعض علماء کا خیال ہے۔ دور یزید تک بھی نظریہ رکھنا چاہیے۔ چنانچہ ابن خلدون نے اسی عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

"دور یزید میں کچھ لوگوں نے یزید پر اعتراض کیے اور کچھ لوگوں نے اس سے جنگ کرنے کو جائز کہا۔ (اس کے بعد ابن خلدون نے لکھا) یہ عام مسلمین کی حالت تھی اور وہ سب کے سب مجتہد تھے اور فریقین میں سے کسی پر بھی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ ان سب کا مقصد نیکی اور حق کا اجراء تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی اقتدار کی توفیق عطا فرمائے۔(۱)

خدارا ہمیں یہ بتایا جائے کہ اگر ہزاروں افراد کے قتل کے باوجود صحابہ عادل ہیں اور محبت رسول کے فیض کی وجہ سے مجتہد تھے تو حضرت عثمان کے قاتلوں کا کیا قصور ہے اور انہیں مجتہد کیوں نہیں تسلیم کیا جاتا؟

مکتب خلفاء کے علماء کا تعصب ملاحظہ فرمائیں۔ ابن حزم نے حضرت عمار کے قاتل ابو الغادیہ کو مجتہد قرار دیا اور کہا کہ اس نے عمار کو اجتہاد کی وجہ سے قتل کیا تھا اگر چہ اس سے خطائے اجتہادی صادر ہوئی تھی مگر اس کے باوجود وہ گناہگار قرار نہیں پائے گا اور اجتہاد کی طرف سے ایک اجر کا حقدار قرار پائے گا۔

اس کے بعد اس نے سوچا کہ اس طرح تو عثمان کے قاتل بھی بے گناہ ثابت ہوں گے۔ لہٰذا اس نے مذکورہ بالا جملوں کے بعد لکھا:

---

(۱) مقدمہ ابن خلدون طبع دار الکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ھ ص ۳۸۰۔ ابوزید عبدالرحمٰن بن خلدون ۷۳۲ھ کو پیدا ہوئے اور ۸۰۸ھ کو وفات پائی اور مصر کے مقابر صوفیہ میں دفن ہوئے اور یزید کے مخالفین سے اس کی مراد ابن زبیر اور اہل مدینہ ہیں۔

عثمان کے قاتل مجرم ہی رہیں گے کیونکہ قتل عثمان کے لئے کسی کے پاس اجتہاد کا کوئی جواز نہیں تھا۔ کیونکہ عثمان نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا اور عثمان نے بغاوت نہیں کی تھی۔ عثمان نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور اسلام کے بعد ارتداد میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے عثمان کا قتل ہر لحاظ سے ناجائز تھا قتل عثمان کے لئے کسی کے پاس کوئی تاویل موجود نہیں تھی۔ عثمان کے قاتلوں نے ظلم وستم کا مظاہرہ کرتے ہوئے ناجائز خون بہایا لہذا وہ فاسق اور ملعون ہیں۔ (الفصل ابن حزم ۴؍۱۶۱)

ابن حجر ہیثمی لکھتے ہیں:

علماء کی اکثریت کا خیال ہے کے عثمان باغی نہیں تھے وہ ظالم اور سرکش تھے اور ان کے پاس اجتہاد کی صلاحیت نہیں تھی۔ انہوں نے حق واضح ہونے کے بعد سرکشی کی تھی اور ہر شبہہ رکھنے والا شخص مجتہد نہیں بن جاتا کیونکہ درجہ اجتہاد سے کم حیثیت رکھنے والے افراد مشبہہ کا شکار ہوتے ہیں۔(۲) اس مقام پر ہم مکتب خلفاء کے علماء سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ اگر حضرت عثمان کے قاتل فاسق اور معلون تھے اور انہی کسی صورت میں مجتہد قرار نہیں دیا جا سکتا تو آپ حضرات نے حضرت علیؑ کے قاتل عبد الرحمٰن بن ملجم کو مجتہد کیوں اقرار دیا۔ جب کہ وہ لعین صحابی نہیں تھا؟

(ک) حضرت علیؑ کا قاتل مجتہد تھا

ابن حزم نے المحلیٰ اور ابن الترکمانی نے الجوہر النقی [1] میں لکھا ہے۔ ابن حزم کے الفاظ یہ ہیں: افراد امت میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عبد الرحمٰن بن ملجم نے تاویل و اجتہاد کے تحت حضرت علی کو قتل کیا تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ وہ ایک صحیح کام سرانجام دے رہا ہے۔

اس لئے فرقہ صفریہ کے شاعر عمران بن حطان نے اس کی تعریف میں یہ شعر کہے تھے:

۱۔ ابن حزم در المحلی ۱۰/۴۸۴ الجوہر النقی ابن ترکمانی بر حاشیہ سنن بیہقی ۸؍۵۸۔۵۹ واضح رہے کہ کتاب الجوہر النقی شیخ علاؤ الدین علی بن عثمان المعروف ابن ترکمانی حنفی المتوفی ۷۵۰ھ کی تالیف ہے اس کے متعلق حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا اسلام میں اس جیسی کتاب تالیف نہیں ہوئی کشف الظنون ۲/۱۰۰۷

یا ضربة من تقی ما اراد بها	الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا
انی لا ذکرہ یوما فاحسبه	اوفی البریة عند اللہ میزانا

"اس پرہیزگار کی ضربت کے کیا کہنے جس کے ذریعہ سے اس نے صاحب عرش خدا کی رضامندی کا قصد کیا تھا۔ میں کبھی اسے یاد کرتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ خدا کے ہاں اس کی نیکیوں کا پلڑا سب سے زیادہ وزنی ہوگا۔" (نعوذ باللہ)

ہمیں کتب خلفاء کی اہل بیت دشمنی پر تعجب ہے کہ انہوں نے یزید کو بھی مجتہدین کی صف کا ایک فرد شمار کیا ہے جب کہ یزید لعین تو صحابی نہیں تھا!

(ل) خلیفہ امام یزید بن معاویہ

ابوالخیر شافعی نے یزید کے متعلق کہا:

ذاک امام مجتهد .

"وہ امام مجتہد ھے." (۱)

ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ ابوالفرج (۲) یزید پر لعنت جائز سمجھتا تھا۔

اس کے بعد ابن کثیر نے لکھا:

دوسرے علماء یزید پر لعنت کرنے سے روکتے ہیں اور انہوں نے اس مسئلہ پر کئی کتابیں تحریر کی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اگر لعنت کا دروازہ کھل گیا تو اس کے باپ اور کچھ دیگر صحابہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ علماء نے یزید کے غلط اقدامات کے متعلق کہا ہے کہ اس نے اجتہاد کیا تھا اور اس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ علماء کا یہ موقف ہے کہ وہ فاسق امام تھا۔

---

(۱) تاریخ ابن کثیر ۹/۱۳۔ ابوالخیر کا پورا نام احمد بن اسماعیل بن یوسف الشافعی الاشعری تھا اور وہ مفسر تھا اور مدرسہ نظامیہ بغداد میں وعظ کیا کرتا تھا اس نے ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوالفرج ابن الجوزی کا نام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد البکری تھا۔ مذہب حنبلی سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنے دور کا مشہور واعظ محدث اور مفسر تھا۔ عبدالمغیث بن زہیر حنبلی نے فضائل یزید پر کتاب لکھی تھی اور ابن جوزی نے اسی کتاب کی تردید میں کتاب تحریر کی تھی اس نے ۵۹۷ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

اور علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق امام کو فسق کی بنیاد پر معزول نہیں کیا جا سکتا اور امام فاسق کے خلاف خروج کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے فتنے جنم لیتے ہیں' اور ہرج و مرج واقع ہوتا ہے اور بہت سے بے گناہ قتل ہو جاتے ہیں۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جب یزید نے اہل مدینہ کی تاراجی کی خبر سنی اور مسلم بن عقبہ کے مظالم کی تفصیل سنی تو وہ سن کے بے حد خوش ہوا تھا۔ (اگر اس نے ایسا کیا تو کوئی غلطی نہیں کی) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو امام سمجھتا تھا' اسی وجہ سے یزید کو ان سے جنگ کرنے کا حق پہنچتا تھا' تا کہ اہل مدینہ دوبارہ اطاعت میں داخل ہو جائیں اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔ (تاریخ ابن کثیر ۲۲۳/۸۔۲۲۴)

ابن حجر نے صواعق محرقہ میں غزالی اور متولی[1] کا یہ قول نقل کیا:

لا یجوز لعن یزید ولا تکفیر ہ فا نہ من جملۃ المو منین وامرہ الی مشیئۃ اللہ ان شاء عذبہ وان شاء عفا عنہ .

(صواعق محرقہ ابن حجر ص ۲۲۱)

"یزید پر لعنت بھیجنا اور اسے کافر کہنا جائز نہیں ہے وہ جماعت مومنین کا ایک فرد تھا۔ اس کا معاملہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے' چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو اسے معاف کرے"

سابقہ مجتہدین کے اجتہاد کا جائزہ

ا۔الف۔ رسول اللہ ؐ

مکتب خلفاء میں رسول خدا کو بھی ایک مجتہد کی حیثیت حاصل ہے جیسا کہ آپ نے لشکر اسامہ کے متعلق ابن ابی الحدید کا یہ قول پڑھا۔

---

[1] واضح رہے کہ متولی ابو سعید عبد الرحمن بن ابی محمد مامون بن علی مراد ہے۔ وہ بغداد کے مدرسہ نظامیہ کا متولی تھا اس لئے وہ لفظ متولی سے مشہور ہو گیا۔ وہ علم اصول اور علم فقہ کا ماہر تھا اور اس کا تعلق مذہب شافعی سے تھا۔ اس نے ۴۷۸ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

الکنیٰ والالقاب ۱۱۹/۳ احیاء علوم الدین ابو حامد غزالی المتوفی ۵۰۵ھ ۱۲۵/۳

انه کا ن یبعث السرایا عن اجتهاد ،،

''آپ اپنے اجتہاد سے لشکر روانہ کرتے تھے۔''

آیئے دیکھیں کہ اسامہ کی سالاری کا واقعہ کیا تھا اور شیخین کی طرف سے ٹال مٹول کی حقیقت کیا تھی؟ طبقات ابن سعد، انساب الاشراف اور عیون الاثر میں اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے اور طبقات کے الفاظ یہ ہیں:

ہجرت کے گیارہویں سال ماہ صفر کی چھبیس تاریخ سوموار کا دن تھا۔ اور اس دن رسول خداؐ نے لوگوں کو رومیوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے دن آپؐ نے اسامہ بن زید کو بلا کر فرمایا۔

تو لشکر کو ساتھ لے کر وہاں چلا جا جہاں تیرا باپ قتل ہوا تھا اور ان پر چڑھائی کر' میں نے تجھے اس لشکر کا سالار مقرر کیا ہے۔

بدھ کے دن آپ کو بخار اور درد شروع ہوا۔ پھر آپ نے جمعرات کی صبح اسامہ کے لئے اپنے ہاتھ سے پرچم باندھا...... اسامہ وہ پرچم لے کر مدینہ سے چلا اور جرف (۱) نامی مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

رسول خدا نے ابو بکر و عمر، ابو عبیدہ اور سعید بن زید سمیت تمام سرکردہ مہاجرین و انصار کو اس لشکر میں جانے کا حکم دیا۔ اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: اس نوخیز جوان کو مہاجرین اولین کا سالار مقرر کیا گیا ہے۔ لوگوں کی یہ باتیں سن کر رسول خدا کو سخت غصہ آیا اور آپ گھر سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ نے سر پر پٹی باندھی ہوئی تھی اور اس کے اوپر مخملی چادر تھی۔ آپؐ منبر پر چڑھے اور فرمایا: یہ کیا اعتراضات ہیں جو تم میں بعض لوگوں نے اسامہ کی سالاری پر کئے ہیں۔ اس سے قبل میں نے اس کے باپ کو سالار مقرر کیا تھا تو تم نے اسی وقت بھی یہی اعتراض کئے تھے۔ خدا کی قسم! وہ سالاری کے قابل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی سالاری کے قابل ہے۔

پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اسامہ کے ساتھ روانہ ہونے والے مسلمان آپ کے پاس آکر آپ سے الوداع کرنے لگے اور جرف کی طرف جانے لگے۔

(۱) جرف مدینہ سے شام جانے والی شاہراہ پر واقع ہے اور مدینہ سے تین میل دور ہے۔

پھر رسول خدا کی طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی۔ آپ ناسازی طبع میں بھی فرماتے رہے:

اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو۔

اتوار کے روز آپ کے درد میں شدت پیدا ہوئی۔ اسامہ اپنے فوجی مستقر سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ بے ہوش تھے۔ اسامہ نے سر جھکا کر آپ کے چہرے کا بوسہ لیا۔ رسول خدا نے اس دوران کوئی بات نہ کی۔ پھر اسامہ اپنے مستقر پر چلے گئے۔ سوموار کے دن اسامہ پھر حاضر ہوئے اس وقت آپ کو افاقہ ہو چکا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا: خدا کی برکت کا سہارا لے کر روانہ ہو جاؤ۔

اسامہ نے آپ سے وداع کیا اور اپنی لشکر گاہ میں واپس آئے اور لوگوں کو روانگی کا حکم دیا۔ ابھی لوگ روانگی کی تیاری کر رہے تھے کہ اسامہ کی والدہ ام ایمن کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ رسول خدا کی وفات ہونے والی ہے۔

یہ پیغام سن کر اسامہ، عمر اور ابو عبیدہ رسول خداؐ کے پاس آئے اس وقت آپ آخری سانسیں لے رہے تھے۔ چنانچہ سوموار کے دن سورج ڈھلنے کے وقت ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو آپ نے وفات پائی۔(۱)

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

جب رسول خدا کو افاقہ ہوا تو آپ نے لشکر اسامہ کی روانگی کے متعلق پوچھا آپ کو بتایا گیا کہ وہ لوگ روانگی کی تیاری میں مصروف ہیں۔ یہ سن کر آپ کہتے تھے:

لعن اللہ من تخلف عنہ

"اس سے پیچھے رہنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔"

---

(۱) طبقات ابن سعد طبع بیروت ۲/۱۹۰۔۱۹۲ در ذکر سریہ اسامہ، عیون الاثر ۲/۲۸۱ وہ کتابیں جن میں مذکور ہے کہ شیخین کو اسامہ کی ماتحتی میں دیا گیا تھا ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں کنز العمال طبع اول ۵/۳۱۲۔ منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد ۴/۱۸۰۔ بروایت عروہ۔ حالات اسامہ در انساب الاشراف ۱/۴۷۴ بروایت ابن عباس تہذیب ابن عساکر میں یہ الفاظ مرقوم ہیں" واستعملہ علی جیش فیہ ابو بکر و عمر،، رسول خدا نے اسامہؓ ایک ایسے لشکر کا سالار مقرر کیا جس میں ابو بکر و عمر شامل تھے۔

تاریخ یعقوبی طبع بیروت ۲/۱۱۳ در ذکر وفات رسول تاریخ کامل ۲/۱۲۳

آپ نے کئی بار یہ جملے دہرائے:

اسامہ مدینہ سے اس حال میں برآمد ہوئے کہ اس کے سر پر پرچم لہرا رہا تھا اور صحابہ اس کے آگے آگے تھے اور مقام جرف میں اس لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ اس لشکر میں ابوبکر و عمر کے علاوہ اکثر مہاجرین شامل تھے اور انصار میں سے اسید بن حضیر اور بشیر بن سعد کے علاوہ دیگر افراد شامل تھے۔

اس وقت ان کے پاس ام ایمن کا قاصد آیا جس نے آ کر خبر دی............

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۴۱/۲)

رسول خدا کی زندگی میں لشکر اسامہ کا یہ حال ہوا تھا اور آنحضرت کی وفات کے بعد اس لشکر کی رام کہانی عروہ نے یوں بیان کی ہے:

جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابوبکر نے اسامہ سے کہا: لشکر لے کر وہاں چلے جاؤ جہاں تمہیں رسول خدا نے بھیجا تھا۔ (تاریخ ابن عساکر ۴۳۳/۱)

اسامہ لشکر لے کر چلے گئے اور حضرت ابوبکر و عمر امور خلافت کی وجہ سے اس کے ساتھ نہ جا سکے۔

حضرت عمر اسامہ سے کہا کرتے تھے:

رسول خداؐ کی وفات کے وقت تو میرا حاکم تھا' اور جب حضرت عمر خلیفہ مقرر ہوئے تو وہ جب بھی اسامہ کو دیکھتے تو (اسلام علیک ایھا الامیر) کہہ کر سلام کرتے تھے۔

یہ سن کر اسامہ کہتے: امیر المومنین! خدا تمہاری مغفرت کرے آپ مجھے "امیر" کہہ کر سلام کرتے ہیں!! حضرت عمر کہتے تھے میں جب تک زندہ رہوں گا تجھے امیر کہہ کر سلام کرتا رہوں گا" کیونکہ وفات پیغمبر کے وقت تو میرا امیر تھا۔ (سیرت حلبیہ در ذکر سریہ اسامہ ص ۲۳۷)

قارئین کرام! اسامہ کی سالاری اور شیخین کے تخلف کی یہی وہ داستان ہے جس کے متعلق کتب خلافت کے علماء نے آنحضرت کے متعلق جسارت سے کام لیتے ہوئے کہا کہ آپ اجتہاد سے لشکر روانہ کرتے تھے اور لشکر کشی کے احکام وحی کے تحت نہیں ہوتے تھے کہ آپ کی مخالفت حرام ہو۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۷۳/۳۔۱۷۸)

ہم اس پر زیادہ تبصرہ نہیں کرتے' صرف یہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ اگر رسول خدا نے اپنے اجتہاد سے لشکر اسامہ تشکیل دیا تھا تو پیچھے رہنے والے پر لعنت کیوں کی تھی؟

مکتب خلفاء کی طرف سے شیخین نوازی کی حد یہ ہے کہ انہوں نے غزوات کو نبی کریم کا اجتہاد قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ مجتہدین نے اگر ان غزوات میں احکام رسول کی مخالفت کی تو انہیں اس کا پورا حق حاصل تھا۔

(ب) اجتہاد ابوبکرؓ

جن مسائل میں حضرت ابوبکر نے اجتہاد کیا تھا ان میں فجاءۃ السلمی کو زندہ جلانا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر نے بیان کیا ہے اور طبری کے الفاظ یہ ہیں: عبداللہ بن ابی بکر سے مروی ہے کہ بنی سلیم کا ایک شخص فجاۃ ایاس بن عبد اللہ بن عبد یا لیل بن عمیرہ بن خفاف ابوبکر کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں میں مرتدوں سے جہاد کرنا چاہتا ہوں، آپ سواری اور اسلحہ سے میری مدد کیجئے، ابوبکر نے اس کی درخواست مان لی اسے سواری اور اسلحہ دیا یہ وہاں سے چل کر اب مقصلات میں پہنچا۔ وہاں جو مسلم یا مرتد اس کے سامنے آیا اس نے اس سے مال وصول کرنا شروع کیا۔ جس نے انکار کیا اسے اس نے قتل کر دیا۔ اس کے ہمراہ بنی الشرید کا نجبہ بن ابی المیثاء بھی تھا ابوبکر کو اس کی اطلاع ہوئی' انہوں نے طریقہ بن ماجز کو لکھا کہ دشمن خدا فجاۃ نے مجھے یہ دھوکہ دیا کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے مجھ سے درخواست کی کہ مرتدین سے جہاد کے لئے اس کی مدد کروں، میں نے اسے سواری اور اسلحہ دیا اب مجھے یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ یہ تو اللہ کا دشمن مسلمانوں اور مرتدین سے مال وصول کر رہا ہے' لہٰذا تم اپنے پاس کے مسلمانوں کو ساتھ لے جاؤ اور اسے قتل کر دو یا زندہ گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ طریقہ بن ماجز ان کے مقابلے پر گئے' مقابلہ ہوا مگر پہلے صرف تیروں سے مقابلہ ہوا ایک تیر نجبد کو لگا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ فجاہ نے جب مسلمانوں کی شجاعت، سعی اور ثابت قدمی دیکھی تو

---

(۱) صحابہ کی طرف سے رسول خداؐ کی دوسری نصوص کی مخالفت کی اور مثالیں بھی موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید در شرح خطبہ شقشقیہ ۵۳۱)

وہ سہم گیا' اس نے طریقہ سے کہا کہ اس کام کے تم مجھ سے زیادہ حقدار نہیں ہو۔ تم بھی ابوبکرؓ کے مقرر کردہ امیر ہو اور میں بھی اس کا امیر ہوں۔ طریقہ نے کہا، اگر سچے ہو تو ہتھیار رکھ دو اور میرے ساتھ ابوبکرؓ کے پاس چلو۔ فجاہ طریقہ کے ساتھ مدینہ روانہ ہوا' جب دونوں ابوبکرؓ کے پاس پہنچے تو ابوبکرؓ نے طریقہ بن حاجز کو حکم دیا کہ اسے بقیع میں لے جا کر آگ سے جلا ڈالو' طریقہ اسے عیدگاہ لائے' آگ جلوائی اور اس میں اسے زندہ جلا دیا۔ اس سے پہلی روایت میں طبری نے بیان کیا کہ اس کے لئے مدینہ کی عیدگاہ میں آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کیا گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے اس میں زندہ جھونک دیا گیا۔ (۱)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھے گئے اور اس کے پاؤں باندھ کر آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔

حضرت ابوبکر نے اپنی وفات کے وقت اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا' کاش میں نے تین چیزوں کو چھوڑ دیا ہوتا تو بہتر ہوتا اور وہ یہ ہیں:

کاش میں نے فاطمہؑ کا گھر نہ کھولا ہوتا' اگرچہ وہ لوگ جنگ کے لئے اس کا دروازہ بند کرتے' کاش میں نے فجاءۃ السلمی کو نہ جلایا ہوتا' یا تو اس کو باندھ کر قتل کر دیتا یا آزاد چھوڑ دیتا: کاش سقیفہ کے روز میں اس امارت کو دو میں سے کسی ایک شخص کے گلے میں ڈالا ہوتا (اس سے ان کا اشارہ عمر اور ابوعبیدہ کی طرف تھا) ان میں سے کوئی ایک امیر ہوتا ہے اور میں وزیر ہوتا۔ (۲)

محارب کا شرعی حکم

قارئین کرام! کچھ دیر کے لئے یہیں ٹھہر جائیے اور دیکھئے کہ حضرت ابوبکر کے جس کارنامہ کو اجتہاد کا نام دیا گیا ہے اس کے متعلق قرآن وسنت کا فیصلہ کیا ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

(۱) تاریخ طبری مطبوعہ مصر پہلا ایڈیشن ۲/۲۳۴_۲۳۵
تاریخ ابن اثیر ۲/۱۳۶ تاریخ ابن کثیر ۶/۳۱۹ وجہ ذیل حوادث ۱۱ھ

(۲) تاریخ طبری ۲/۶۱۹ در حالات ۱۳ھ۔ باقی مصادر کے لئے ہماری کتاب عبداللہ بن سبا ۱/۱۰۶ کا مطالعہ فرمائیں

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ . (المائدہ : ۳۳)

”پس خدا اور رسولؑ سے جنگ کرنے والوں اور زمین میں فساد کرنے والوں کی یہی سزا ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا انکے ہاتھ اور پیر مختلف سمت سے قطعہ کئے جائیں یا انہیں ارض وطن سے نکال باہر کیا جائے یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ہے۔“

حضرت رسول اکرمؐ سے بہت سی ایسی روایات مروی ہیں جن میں کسی جاندار کو آگ میں جلانے کی ممانعت کی گئی ہے، چنانچہ صحیح بخاری اور مسند احمد میں آپ کے یہ فرمان دکھائی دیتے ہیں:

” لا یعذب با لنار الا رب النار“ ” ان النار لا یعذب بها الا الله“

” لا یعذب با لنار الا بها “ (۱)

”آگ کا عذاب صرف آگ کا رب ہی دے سکتا ہے، خدا کے علاوہ آگ کا عذاب کوئی نہیں دے سکتا، آگ کے رب کے علاوہ کسی کو آگ کا عذاب دینے کا اختیار نہیں ہے۔“

رسول کریمؐ کا فرمان ہے:

من بدل دینه فاقتلوه (۲)

”جو اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو۔“

آپؐ نے فرمایا:

لا یحل دم امری مسلم یشهدا ن لا اله الا الله و ان محمد

---

(۱) صحیح بخاری ۱۱۵/۲ کتاب الجهاد باب لا یعذب الله مسند احمد ۲ /۳۰۷، ۳/ ۴۹۴ سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی کراهیة حرف العدو بالنار حدیث ۲۶۷۳ ۔ ۲۶۷۵ ج ۳/ ۵۵۵۔۵۶ کتاب الادب باب فی قتل الذر حدیث ۶۲۸ ج ۴/ ۳۶۷ ۔ بیہقی ۷۱/۹ ۷۲

(۲) صحیح بخاری کتاب استتابة المرتدین ۔ سنن ابی داؤد کتاب الحدود، باب الحکم فی من ارتد

رسول الله الا با حدی ثلاث: زنا بعد احصان فا نه یر جمُ و رجل یخرج محار باالله ورسوله فانه یقتل او یصلب او ینفی من الا رض اویقتل نفسا فیقتل بها. (سنن بیہقی ۹/۱۷)

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے والے مسلمان کا خون بہانا تین وجوہات کے علاوہ حلال نہیں ہے۔ شادی کے بعد زنا کرنے کی وجہ سے اسے سنگسار کیا جائے گا۔ اور جو شخص خدا ور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لئے نکلے تو اسے قتل کیا جائے گا یا سولی پر چڑھایا جائے گا یا اسے سر زمین وطن سے نکال باہر کیا جائے گا۔ یا کسی انسان کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔"

قرآن مجید کے صریح حکم اور نبی اکرم کی صریح ہدایات کے بعد بھی مکتب خلفاء اسے وابستہ علماء نے یہ عجیب موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے فجاءۃ السلمی کو آگ میں جلا کر اجتہادی غلطی کی تھی اور مجتہدین سے ایسی بہت سی غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔

(شرح تجرید قوشجی مطبوعہ تبریز ص ۴۰۷)

سیدھی سی بات ہے کہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔ نص کی موجودگی میں اجتہاد حرام ہے۔

مسئلہ کلالہ

حضرت ابوبکر نے "کلالہ" کے متعلق جو فتوئی صادر کیا تھا اس میں بھی قرآن وسنت کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔

"کلالہ" اس مرنے والے کو کہا جاتا ہے جس کی اولاد اور ماں باپ موجود نہ ہوں۔ اسی طرح سے اس میت کے ورثاء کو بھی کلالہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ "يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ" أَوْ أُخْتٌ" فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ

ذٰلِکَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ. (النساء : ۲)

"اور اگر کوئی مرد یا عورت اپنے کلالہ (مادری بھائی یا بہن) کا وارث ہو رہا ہے...... اور ایک بھائی یا ایک بہن ہے تو ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اس کے بعد جو وصیت کی گئی ہے یا قرضہ کے بعد بشرطیکہ وصیت یا قرضہ کی بنیاد ورثہ کو ضرر پہنچانے پر نہ ہو۔ یہ خدا کی طرف سے وصیت ہے اور خدا ہر شے کا جاننے والا اور ہر کام کو حکمت کے مطابق انجام دینے والا ہے۔"

ایک اور آیت میں ارشاد خداوندی ہے:

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. (النساء۔۱۷۶۔آخری آیت)

"پیغمبر! یہ لوگ آپ سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ کلالہ (بھائی بہن) کے بارے میں خدا خود یہ حکم بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو اور صرف بہن وارث ہو تو اسے ترکہ کا نصف ملے گا اور اسی طرح اگر بہن مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔ پھر اگر وارث دو بہنیں ہیں تو انہیں ترکہ کا دوتہائی ملے گا اور اگر بھائی بہن دونوں ہیں تو مرد کے لئے عورت کا دہرا ہوگا۔ خدا یہ سب واضح کر رہا ہے تاکہ تم بہکنے نہ پاؤ اور خدا ہر شے کا خوب جاننے والا ہے۔"

حضرت ابوبکر سے کسی نے "کلالہ" کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا: اس کے جواب

میں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ میری ذاتی رائے پر مبنی ہے اگر جواب صحیح ہو تو خدا کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول کا اس سے بری ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کلالہ باپ اور اولاد کے علاوہ باقی ورثہ کو کہا جاتا ہے۔

اور جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو انہوں نے کہا تھا کہ مجھے ابو بکر کی رائے ٹھکراتے ہوئے خدا سے شرم محسوس ہوتی ہے (۱)

ایک مرتبہ انہوں نے کہا تھا:

الکلالة من لا ولد له:

''جس میت کی اولاد نہ ہو اسے ''کلالہ'' کہا جاتا ہے۔''

(تفسیر قرطبی ۵/۷۷)

دادی کی میراث سے لاعلمی

حضرت ابو بکر دادی کی میراث سے ناواقف تھے اور ایک مرتبہ تو انہوں نے اپنے اجتہاد سے کچھ حصہ دیا تو حاضرین نے انہیں ان کی غلطی کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ اسی سلسلہ کی دو روایات ملاحظہ فرمائیں۔

مؤطا مالک، سنن دارمی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں یہ روایت مذکور ہے یہ روایت مؤطا میں ان الفاظ سے مروی ہے۔

ایک دادی حضرت ابو بکر کے پاس آئی اور ان سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔

حضرت ابو بکر نے کہا:

کتاب اللہ میں تیرے لئے کچھ نہیں ہے اور سنت رسول میں بھی مجھے تیرے کسی حصہ کا علم نہیں ہے تو واپس چلی جا اور میں لوگوں سے پوچھوں گا۔

پھر انہوں نے لوگوں سے پوچھا تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا: میں رسول خدا کی خدمت میں موجود تھا کہ آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا۔

حضرت ابو بکر نے کہا:

---

(۱) سنن دارمی ۲/۳۶۵ اعلام الموقعین ابن قیم الجوزیہ ۱/۲۸ سنن کبریٰ بیہقی ۶/۲۲۳

کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟

مغیرہ نے کہا: جی ہاں اس وقت محمد بن مسلمہ انصاری بھی موجود تھا۔

(اسے بلایا گیا تو) اس نے بھی وہی بات کی جو مغیرہ نے کہی تھی۔ ایک بار حضرت ابوبکر کے پاس دو عورتیں آئیں اور دونوں ایک ہی مردے کی میراث میں سے اپنا حصہ طلب کر رہی تھیں۔ ایک مرنے والی کی دادی تھی اور دوسری مرنے والی کی نانی تھی۔

حضرت ابوبکر نے نانی کو نواسے کی میراث میں سے حصہ دیا ور دادی کو پوتے کی میراث سے محروم کر رکھا۔

(موطا مالک ۵۳/۲ دارمی ۳۵۹/۲ ۔ ابوداؤد ۳۸/۲ ابن ماجہ ۹۱۰ بدایۃ المجتھد ۲۸/۲ ۷)

نبی حارثہ سے تعلق رکھنے والا عبدالرحمٰن بن سھل وہاں موجود تھا اس نے کہا: اے جانشین پیغمبر! آپ نے اسے میراث میں حصہ دیا ہے اگر وہ بالفرض مرجاتی اور مرنے والا زندہ ہوتا تو اسے اس کی میراث میں سے کچھ بھی نہ ملتا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر نے چھٹے حصہ کو دونوں میں مساوی تقسیم کر دیا۔ یعنی ہر ایک کو 1/12 حصہ دیا۔ (۱)

واقعہ مالک میں اجتہاد

مالک بن نویرہ تمیمی یر بوعی کی کنیت ابوحنظلہ اور لقب جھول تھا۔ وہ اپنی قوم کا سردار اور شاعر تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر اسلام لایا۔ اور نبی اکرم نے اسے اس کی قوم پر عامل زکوٰۃ مقرر کیا۔ نبی اکرم کی وفات کے بعد اس نے اپنی قوم سے زکوٰۃ لے کر قوم کے غرباء و مساکین میں تقسیم کر دی اور حضرت ابوبکر کے پاس زکوٰۃ روانہ نہ کی اور اس نے اس وقت یہ شعر کہے ۔

فقلت خذوا اموالکم غیر خائف ولا ناظر فی ما یجئی من الغد

فان قام بالدین المخوف قائم اطعنا وقلنا الدین دین محمد (۲)

۱۔ استیعاب برحاشیہ اصابہ ۴۴۱/۲ ۔ اسد الغابہ ۲۹۹/۳ ۔ اصابہ ۳۹۴/۲ ۔ بدایۃ المجتھد ۳۷۹/۲ ۔ موطا مالک ۵۴/۲

۲۔ معجم الشعراء مرزبانی ص ۲۶۰ مالک کے حالات زندگی اصابہ میں بھی موجود ہیں۔

"میں نے ان سے کہا کہ تم کسی خوف وخطر کے بغیر اپنا مال لے لو اور کل کے حالات کو مدنظر نہ رکھو۔ اگر کل کلاں کوئی نگہبان دین مقرر ہوا تو ہم اس کی اطاعت کریں گے اور کہیں گے کہ دین وہی ہے جسے محمد مصطفیٰ لائے ہیں۔"

مورخ طبری عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جب خالد نے مقام "بطاح" میں پڑاؤ ڈالا تو اس نے ضرار (۱) بن ازور کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا جس میں ابو قتادہ (۲) انصاری بھی شامل تھے۔ یہ لوگ رات کے ایک حصہ میں مالک کی قوم کے پاس جا پہنچے۔ ابو قتادہ بیان کرتے ہیں۔

جب خالد کی فوج نے رات کے وقت مالک کے قبیلے پر یورش کی تو ان لوگوں نے ہتھیار اٹھا لئے' جس کی وجہ سے ہم خوفزدہ ہو گئے۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ انہوں نے کہا ہم بھی مسلمان ہیں: ہم نے پوچھا کہ پھر ان ہتھیاروں کا کیا مقصد ہے؟

ہم نے کہا: اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہتھیار رکھ دو۔ ان لوگوں نے ہمارے کہنے پر ہتھیار رکھ دیئے پھر ہم نے نماز پڑھی اور انہوں نے بھی نماز پڑھی۔ (تاریخ طبری طبع یورپ ۱/ ۱۹۲۷۔ ۱۹۲۸)

(۱) ضرار بن اسود اسدی ایک بہادر شاہسوار اور شاعر تھا۔ خالد نے اسے ایک دستہ دے کر بنی اسد کے ایک قبیلہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ وہاں مال غنیمت میں ایک انتہائی خوبصورت عورت ان کی ہاتھ لگی۔ ضرار نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اس عورت کو بخش دیں۔ ساتھیوں نے وہ عورت اس کے حوالے کی اس نے اسے بیوی بنالیا۔ پھر اسے اپنے فعل پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس نے خالد سے اس بات کا تذکرہ کیا خالد نے کہا۔ میں نے اسے تیرے لئے حلال کیا ہے' اس نے کہا نہیں۔ تم عمر کو خط لکھ کر اس سے اجازت حاصل کرو۔ حضرت عمر کو خط لکھا گیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ اسے سنگسار کردو۔

جب حضرت عمر کا خط پہنچا تو خط پہنچنے سے پہلے ضرار کی وفات ہو چکی تھی۔ خالد نے کہا کہ اللہ ضرار کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا تھا' اسی لئے اسے پہلے موت دے دی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ابو جندل کے ساتھ مل کر شراب پی تھی۔ (الاصابہ ۲/ ۲۰۰۔ ۲۰۱)

(۲) ابو قتادہ حارث انصاری خزرجی السلمی جنگ احد اور باقی غزوات میں شریک ہوئے تھے انہیں "شاہسوار رسول" کہا جاتا تھا۔ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ بھی تمام غزوات میں شریک رہے' ان کے سن وفات میں اختلاف ہے بعض مورخین ۳۸ھ اور بعض ۵۴ھ بیان کرتے ہیں۔ بعض مورخین کے نزدیک ان کی وفات کوفہ میں اور بعض کے نزدیک ان کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی۔ الاستیعاب ۱/ ۱۱۰۔ ۱۱۱ حاشیہ اصابہ ۴/ ۱۶۰۔ اصابہ ۴/ ۱۵۷۔ ۱۵۸

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

جب انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے تو انہیں قیدی بنا لیا گیا اور انہیں خالد کے پاس لے جایا گیا۔ اصابہ میں مرقوم ہے: خالد نے مالک کی بیوی کو دیکھا وہ انتہائی حسین و جمیل عورت تھی۔ مالک نے اپنی بیوی سے کہا تو نے مجھے مروا دیا۔ مقصد یہ تھا کہ تیری وجہ سے خالد مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ (الاصابہ ۳/۳۳۷)

تاریخ یعقوبی میں ہے:

جب خالد نے مالک کی بیوی کے حسن و جمال کو دیکھا تو وہ اسے بہت پسند آئی تو اس نے مالک سے کہا: خدا کی قسم میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۳۱)

کنزالعمال میں ہے:

خالد بن ولید نے دعویٰ کیا کہ اس تک مالک کی گفتگو پہنچی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہے۔

مالک نے ایسی کسی گفتگو کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور کہا: میں اب بھی اسلام پر ہوں میں نے نہ تو دین تبدیل کیا ہے اور نہ ہی میں منحرف ہوا ہوں۔

ابو قتادہ اور عبد اللہ بن عمر نے اس کے حق میں گواہی دی۔ مگر خالد نے ضرار بن ازور کو حکم دیا کہ وہ مالک کو قتل کر دے۔ حکم ملتے ہی ضرار نے اس کی گردن جدا کر دی۔

اس کے بعد خالد نے اس کی بیوی ام تمیم پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنی بیوی بنا ڈالا۔

(کنزالعمال پہلا ایڈیشن ۳/۱۳۲)

وفیات الاعیان، فوات الوفیات، تاریخ ابو الفداء اور تاریخ ابن شحنہ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ وفیات الاعیان میں یہ واقعہ ان الفاظ سے مرقوم ہے:

(جب مالک گرفتار ہو کر خالد کے پاس آیا تو) اس وقت عبد اللہ بن عمر اور ابو قتادہ انصاری موجود تھے ان دونوں نے مالک کی سفارش کی لیکن خالد نے ان کی گفتگو کو ناپسند کیا۔

مالک نے خالد سے کہا: تم ہمیں ابو بکر کے پاس بھیج دو وہی ہمارے متعلق خود فیصلہ کرے گا اور ہم اس سے کہیں گے کہ تو نے ہمارے پاس اسے بھیجا ہے جس کا جرم ہمارے

جرم سے زیادہ سنگین ہے۔

خالد نے کہا: مجھے خدا معاف نہ کرے اگر میں نے تجھے معاف کر دیا۔ پھر اس نے ضرار بن ازور کو حکم دیا کہ وہ مالک کی گردن مار دے۔

قتل ہونے سے قبل مالک نے اپنی بیوی کو دیکھا اور پھر خالد سے کہا:

اس نے مجھے قتل کیا ہے (مالک کی بیوی انتہائی حسین وجمیل عورت تھی)

خالد نے کہا: تجھے خدا نے قتل کیا ہے کیونکہ تو نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے

مالک نے کہا: نہیں: میں اب بھی دین اسلام پر ہوں۔

خالد نے کہا: ضرار! اس کی گردن جدا کر دو۔

اس کو قتل کر دیا گیا اور اس کے سر کو ہانڈی کے نیچے پتھر کے طور پر رکھ دیا گیا اور اس پر ہنڈیا پکائی گئی۔ وہ بہت بڑا شاعر تھا۔ (۱)

پھر اسی رات خالد نے مالک کی بیوی ام تمیم بنت مہال سے شب زفاف منائی۔ ابو زہیر اسدی نے اس واقعہ کے متعلق یہ شعر کہے تھے ؎

الا قل لحی أو طئوا بالسنا بک — تطاول ھذا اللیل من بعد مالک

قضی خالد بغیًا علیه لعرسه — وکان له فیھا ھوی قبل ذلک

فامضی ھواہ خالد غیر عاطف — عنان الھویٰ عنھا ولا متمالک

واصبح ذاھل واصبح مالک — الی غیر اھل ھا لک فی الھوالک (۲)

"اس قبیلہ سے کہہ دو جنہیں گھوڑوں کے سُموں سے پامال کیا گیا ہے کہ مالک کے بعد رات بہت لمبی ہوگئی ہے۔ خالد نے یہ ظالمانہ فیصلہ اس کی بیوی کی وجہ سے کیا تھا وہ اس سے قبل بھی اس کے عشق میں مبتلا تھا خالد نے اپنی خواہش کی باگ کو نہ موڑا اور خواہش پر قابو نہ پایا اور اس

---

(۱) وفیات الاعیان در حالات وثیمہ ۵/۶۶ ۔ فوات الوفیات ۲/۲۲۶۔۲۲۷ در ذکر ارتداد ابن وثیمہ ۔ واقدی۔ تاریخ ابو الفداء ص ۱۵۸۔ تاریخ ابن شحنہ بر حاشیہ تاریخ کامل ۱۱/۱۱۴

(۲) تاریخ یعقوبی ۲/۱۱۰ الوفیات ۵/۶۷ فوات ۲/۲۲۶۔۲۲۷ ابو الفداء ۱۵۸ تاریخ ابن شحنہ بر حاشیہ کامل ۱۱/۱۱۴

نے اپنی خواہش پر پورا پورا عمل کیا جس کے نتیجہ میں خالد تو بیوی کا

شوہر بن گیا اور مالک بے چارہ بیوی سے جدا ہو کر ہلاک ہو گیا۔"

خالد مالک کو قتل کر کے اور اس کی بیوی پر قبضہ کرنے کے بعد اس علاقہ سے چلا گیا اور اس نے مالک کو کفن تک نہ دیا اور نہ ہی دفن کیا۔ اور جیسے ہی مالک کے سسر منہال کو اس اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ آیا اور اپنے تھیلے سے کپڑے نکال کر مالک کو کفن دیا اور اسے دفن کیا۔ (الاصابہ ۳/ ۸۷ ۴ در حالات منہال)

تاریخ یعقوبی میں ہے:

خالد کا یہ رویہ دیکھ کر ابو قتادہ حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور انہیں واقعات کی خبر دی اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ کبھی بھی خالد کے پرچم کے نیچے سفر نہیں کریں گے کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے۔

تاریخ طبری میں عبدالرحمٰن بن ابو بکر کی زبانی مروی ہے:

مالک کے اسلام کی گواہی دینے والوں میں ابو قتادہ انصاری شامل تھے اور مالک کے قتل کے بعد انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ آئندہ خالد کے ساتھ کسی جنگ میں شرکت نہیں کریں گے۔

تاریخ یعقوبی میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا

اے جانشین پیغمبر! خالد نے ایک مسلمان شخص کو قتل کیا ہے اور پھر اس دن اس کی بیوی سے شادی کی ہے۔ حضرت ابو بکر نے خالد کو خط لکھ کر اپنے پاس طلب کیا۔ خالد نے حاضر ہو کر کہا:

"میں نے تاویل کی تھی اور مجھ سے خطا واقع ہو گئی۔" (تاریخ یعقوبی ۲/ ۱۱۰)

وفیات الاعیان ، تاریخ ابوالفداء اور کنزالعمال میں ہے۔ اور وفیات الاعیان میں روایت اس طرح سے مذکور ہے:

جب مالک کے واقعہ کی اطلاع ابو بکر و عمر نے سنی تو حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا:

"خالد نے زنا کیا ہے اسے سنگسار کرو۔"

حضرت ابوبکر نے کہا: میں اسے سنگسار نہیں کروں گا' کیونکہ اس نے تاویل کی اور اس سے غلطی صادر ہوئی ہے:

حضرت عمر نے پھر کہا: آپ اسے سالاری کے عہدہ سے معزول کردیں۔

حضرت ابوبکر نے کہا: میں اس تلوار کو نیام میں نہیں رکھوں گا جسے خدا نے بے نیام کیا ہے۔ (۱)

تاریخ طبری میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی زبانی روایت ہے کہ جب حضرت عمر کو مالک کے خاندان کے قتل کی اطلاع ملی تو انہوں نے ابوبکر سے ان کی شکایت کی اور پیہم اصرار سے کہا کہ دیکھئے دشمن خدا خالد نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا اور پھر اس کی بیوی پر کود پڑا۔

خالد اس مہم سے پلٹ کر مدینہ مسجد نبوی میں آئے وہ ایک زنگ آلود قبا پہنے تھے۔ اور عمامہ باندھے ہوئے تھے جس میں متعدد تیر چبھے ہوئے تھے' جب مسجد میں آئے عمر نے بڑھ کر تیروں کو ان کے سر سے کھینچ کر ان کو توڑ ڈالا اور کہا کہ محض دکھانے کے لئے اس ہیئت سے آئے ہو، تم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا اور پھر اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا۔ بخدا میں تم کو سنگسار کروں گا، خالد نے اس وقت ایک لفظ زبان سے نہیں کہا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ابوبکر کا بھی یہی خیال ہے، وہ ابوبکر کے پاس سیدھے چلے آئے اور سارا واقعہ سنایا اور معذرت چاہی۔ اس اعتراف پر ابوبکر نے ان کو معاف کر دیا۔ ان کی خوشنودی حاصل کر کے وہ اُٹھ آئے۔ عمر مسجد میں بیٹھے تھے خالد نے کہا: اے ام شملہ کے بیٹے! اب آؤ کیا کہتے ہو؟ عمر تاڑ گئے کہ ابوبکر ان سے راضی ہو گئے ہیں۔ وہ چپکے سے اُٹھ کر اپنے گھر چلے گئے اور خالد کو کوئی جواب نہیں دیا۔

مالک کا بھائی ابونہشل متمم بن نویرہ نے مالک کے قتل پر بہت سے مرثیے لکھے اور وہ حضرت ابوبکر کے پاس مدینہ آیا اور ان کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ ابوبکر کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے کمان کا سہارا لے کر یہ اشعار پڑھے۔

---

(۱) کنزالعمال پہلا ایڈیشن ۱۳۲/۳ حدیث ۲۲۸۔ باقی مصادر کے صفحات کی پہلے نشاندہی کی جا چکی ہے۔

نعم القتیل اذا الریاح تناوحت خلف البیوت قتلت یا ابن الازور
ادعوۃ باللہ ثم غدرتہ لوھو دعاک بذمۃ لم یغدر

"جب ہوائیں گھروں کے پیچھے چلیں تو ازور کے بیٹے تجھے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تو نے ایک بہترین مقتول کو قتل کیا ہے۔ تو نے اسے خدا کے نام کا واسطہ دے کر اس سے غداری کی ہے اور اگر وہ تجھ سے عہد و پیمان کرتا تو وہ کبھی غداری نہ کرتا۔"

یہ اشعار پڑھ کر اس نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا{ خدا کی قسم! نہ تو میں نے اسے بلایا تھا اور نہ ہی اس سے غداری کی تھی۔۔۔۔۔۔

قارئین کرام! یہ مالک کے قتل کے واقعات ہیں جس میں آپ نے پڑھا کہ ابھی مالک کی لاش تڑپ رہی تھی کہ خالد نے اس کی بیوی کو اپنے حرم میں شامل کر لیا۔ اس واقعہ میں بہت سے اجتہاد دکھائی دیتے ہیں۔

خالد نے ایک نمازی مسلمان کے لیئے اجتہاد کیا تو اجتہاد کے نتیجہ میں اسے قتل کر دیا۔ اور ابھی اس کی لاش ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ خالد نے اس کی بیوی کے لیئے اجتہاد کیا اور اجتہاد کے نتیجہ میں اس کی بیوہ کو اپنی بیوی بنا لیا۔

پھر حضرت ابوبکر نے خالد کے متعلق اجتہاد کیا تو اجتہاد کے نتیجہ میں مالک کے خون کو رائیگان کر دیا اور اس کے قصاص کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد خالد کی شادی کے متعلق خلیفہ اول نے اجتہاد کیا تو خالد سے زنا کی حد شرعی کو ختم کر دیا۔ اور یوں خالد اور ابوبکر دونوں نے اجتہاد کیا اور ان سے اجتہاد میں غلطی صادر ہوئی اور اس غلطی پر انہیں ایک ایک نیکی کا ثواب ملا کیونکہ وہ دونوں مجتہد تھے۔

حضرت عمر نے اجتہاد کیا اور ان کا اجتہاد صحیح تھا لہذا انہیں دو نیکیاں ملیں گئیں:

اور جہاں تک عامل پیغمبر مالک بن نویرہ صحابی کا تعلق ہے تو اسے گرفتاری پر کوئی نیکی نہیں ملے گی اور اسے قتل ہونے پر بھی کوئی نیکی نہیں ملے گی' کیونکہ اسے مکتب خلفاء کے عظیم جرنیل خالد بن ولید نے گرفتار کر کے قتل کیا تھا!!!! فاعتبروا یا اولی الالباب۔

(ج) اجتہاد عمر کے موارد

وظائف کے ذریعہ سے طبقاتی نظام کا قیام

طبری نے ۲۳ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھا:

حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں لوگوں کے لیئے رجسٹر تیار کرائے اور قبیلوں کی ترتیب سے لوگوں کے نام لکھوائے اور ان کے لیئے وظائف مقرر کیئے۔

اس کے بعد مورخ طبری لکھتے ہیں: حضرت عمر نے رجسٹرڈ مرتب کرنے کے لیئے لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا: ہر سال جتنا بھی مال جمع ہو تم وہ سب کا سب تقسیم کر دو اور اس میں سے اپنے پاس کچھ بھی باقی نہ رکھو۔

حضرت عثمان نے کہا: ہمارے پاس دولت کافی مقدار میں موجود ہے' اسی لیئے بہتر یہ ہے کہ ہم رجسٹر بنائیں' جن میں تمام لوگوں کے نام لکھیں تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ کس کو وظیفہ مل چکا ہے اور کون ابھی تک وظیفہ سے محروم ہے؟ اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو سارا نظام ہی خراب ہو جائے گا۔

ولید بن ہشام بن مغیرہ نے کہا: میں نے شام کے سلاطین کو دیکھا ہے کہ انہوں نے رجسٹر مقرر کیئے ہوئے تھے لہذا آپ بھی رجسٹر مرتب کرائیں۔

حضرت عمر نے اس کے مشورہ پر عمل کیا۔ پھر انہوں نے عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو بلایا۔ یہ تینوں قریش میں ماہر انساب تسلیم کیے جاتے تھے' اور انہیں حکم دیا کہ وہ قبائل کی ترتیب سے لوگوں کے نام لکھیں۔ (۱)

---

(۱) تاریخ طبری ۲/۲۲/۲۳۔ فتوح البلدان ص ۵۴۹۔ کتب تراجم و رجال میں مجھے ولید بن ہشام بن مغیرہ کا نام کہیں دکھائی نہیں دیا میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ ولید بن مغیرہ ہے جس کے حالات اسد الغابہ ۵/۹۲ اور انساب قریش ۳۲۱ میں مذکور ہیں۔ عقیل بن ابی طالب نے عہد معاویہ میں وفات پائی۔ اس کے حالات اسد الغابہ ۳/۴۲۲

زہری کے حالات اسد الغابہ ۴/۲۷ ۳۳ میں مذکور ہیں۔

نوفل کی وفات ۵۰ھ کے بعد واقع ہوئی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں اسد الغابہ ۱/۲۷

ابن جوزی نے حضرت عمر کی طبقاتی تقسیم کی تفصیل اس طرح سے بیان کی ہے:

عباس بن عبد المطلب کے لئے سالانہ بارہ ہزار درہم کا وظیفہ مقرر کیا گیا اور رسول خداؐ کی ہر بیوی کے لئے دس دس ہزار درہم مقرر ہوئے اور حضرت عائشہ کو اضافی طور پر مزید دو ہزار درہم دیئے گئے۔ پھر بدری مہاجرین کے لئے پانچ ہزار درہم سالانہ کا وظیفہ مقرر کیا گیا اور بدری انصار کے لئے چار ہزار درہم وظیفہ مقرر ہوا۔

ایک قول ہے یہ بھی ہے کہ تمام بدری صحابہ کے لئے قبائل کے اختلاف کو مدنظر رکھے بغیر پانچ پانچ ہزار درہم کا وظیفہ مقرر کیا گیا اور جنگ احد سے لے کر حدیبیہ تک شریک افراد کے لئے چار ہزار وظیفہ مقرر کیا گیا۔ حدیبیہ کے بعد وفات رسول تک غزوات میں شریک افراد کے لئے سالانہ تین ہزار درہم مقرر ہوئے۔

پھر وفات رسول کے بعد سے لے کر مختلف جنگوں کی ترتیب کے لحاظ سے دو ہزار پندرہ سو اور ایک ہزار سے لے کر دو سو درہم تک کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔

راوی کہتا ہے کہ وفات عمر تک وظائف اسی ترتیب سے تقسیم ہوتے تھے۔

راوی کا بیان ہے کہ اہل بدر کی عورتوں کے لیئے پانچ سو اور بدر سے لے کر حدیبیہ تک میں شرکت کرنے والے افراد کی عورتوں کے لیئے چار سو اور بعد کی جنگوں میں شریک ہونے والے افراد کی عورتوں کے لیئے تین سو اور جنگ قادسیہ کے شرکاء کی عورتوں کے لیئے دو دو سو درہم وظیفہ مقرر کیا گیا۔ ان کے علاوہ تمام دوسری عورتوں کے لیئے یکساں وظیفہ مقرر ہوا۔ (۱)

یعقوبی نے اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

---

(۱) ابن ابی الحدید نے اس روایت کو "للہ بلاد فلان" کی شرح میں اعتراض پنجم کے ضمن میں تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں شرح ابن ابی الحدید ۱۵۴/۳۔ فتوح البلدان ص ۵۵۰۔ ۵۶۰

حضرت عمر نے مکہ کے سرداروں مثلاً ابوسفیان اور معاویہ بن ابی سفیان کے لیئے پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۵۳)

وظائف کی اس غیر منصفانہ تقسیم سے طبقاتی نظام نے جنم لیا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ام المومنین بی بی عائشہ کو بارہ ہزار درہم سالانہ وظیفہ ملتا تھا جب کہ اس کے مقابلہ میں مدینہ کی ایک خاتون کو صرف دوسو درہم سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ اس لحاظ سے بی بی عائشہ کی سالانہ آمدنی دوسری کسی بھی مدنی خاتون کے مقابلہ میں ساٹھ گنا زیادہ تھی۔

اور اس غیر مساویانہ تقسیم کی وجہ سے ایک طرف سرمایہ دار طبقہ پیدا ہوا اور دوسری طرف انتہائی مفلس اور قلاش طبقے نے جنم لیا۔

طبری کا بیان ہے کہ حضرت عمر کو زندگی کے آخری لمحات میں اس تقسیم کے غیر پسندیدہ نتائج کا احساس ہوا تھا اور انہوں نے کہا تھا:

جس کام کو میں نے پیچھے کیا ہے اگر اسے پہلے کرتا تو میں دولت مند افراد کی اضافی دولت ان سے لے کر غریب مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔ (تاریخ طبری ۵/۲۲ در سیرت عمر باب درہ اٹھانا)

علاوہ ازیں انہوں نے مہاجر غرباء کو انصار اور دیگر غربائے مسلمین پر ترجیح دینے کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔

جب لوگوں کو سالانہ وظائف حکومت کی طرف سے ملنے لگے تو وہ ہر بات میں حکومت کی تائید کرنے پر مجبور ہو گئے اور ان سے حریت فکر رخصت ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ احکام کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرات سے محروم ہو گئے۔ کیونکہ کلمہ حق کہنے کی پاداش میں ان کے وظائف بند کر دیئے جاتے تھے اور جو شخص حکام کی ہاں میں ہاں ملاتا تھا اس کے وظیفہ میں اضافہ کر دیا جاتا تھا۔

یہی کچھ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں ہوا۔ اور زیاد اور ابن زیاد نے بھی امارت کوفہ کے دوران اسی پالیسی پر عمل کیا تھا۔

(۵) خمس کے متعلق شیخین کا اجتہاد

شیخین کے اجتہادی موارد میں سے ایک مورد یہ ہے کہ انہوں نے اہل بیت رسول کو خمس سے محروم کر دیا اور خاص طور پر بنت پیغمبر کو ان کے حق سے محروم کر دیا۔ اسی مسئلہ میں ان کے اجتہاد کو سمجھنے کے لیئے ہمیں دو چیزوں کو سمجھنا ہو گا' اور جب تک ہمیں ان چیزوں کی حقیقت کا علم نہیں ہو گا اس وقت تک ہمیں شیخین کے اجتہاد کا پتہ نہیں چل سکے گا۔

(۱) ہمیں سب سے پہلے زکوٰۃ، صدقہ، فے، صفی، انفال، غنیمت اور خمس کے لغوی اور شرعی معانی جاننے ہوں گے۔

(۲) اس کے ساتھ ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ عہد رسالت میں خمس کی کیا کیفیت تھی اور رسول خدا نے اپنی پیاری بیٹی کو کون سی جاگیر دی تھی۔

جب ہم مذکورہ بالا مسائل کو اچھی طرح سے جان لیں گے تو پھر ہمیں خمس کے متعلق عموماً اور بنت رسول کے حق کے لیئے خصوصاً شیخین کے اجتہاد کا پتہ چلے گا۔

ہم بحث کا آغاز مذکورہ بالا الفاظ کے لغوی اور شرعی معانی سے کرتے ہیں

(۲أ) زکوٰۃ، صدقہ

لغت میں لفظ زکوٰۃ کے چار معنی ہیں کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) پاکیزگی (۲) بڑھوتری (۳) برکت (۴) مدح

قرآن مجید میں اصحاب کہف کا یہ قول مذکور ہے "اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا" (کہف: ۱۹)

یعنی طعام لانے والے کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ان میں سب سے پاکیزہ طعام کون سا ہے۔ اس آیت مجیدہ میں لفظ ازکیٰ، بمعنی "اطہر" استعمال ہوا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

زکاۃ الارض یبسھا

"زمین کی زکوۃ" اس کا خشک ہونا ہے۔"

یہاں لفظ "زکوۃ" طہارت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور امام عالی مقام کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اگر زمین کسی نجاست کی وجہ سے نجس ہو جائے تو جب زمین خشک ہو جائے تو پاک ہو جائے گی۔

زکوۃ کا دوسر معنی بڑھوتی اور افزائش کا ہے

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

العلم یزکو علی الانفاق

"علم خرچ کرنے پر بڑھتا ہے۔" (نہج البلاغہ، کتاب الحکم۔ نمبر ۱۴۷)

عرب "زَکَا الزَّرْعُ" کا جملہ اس وقت کہتے ہیں جب کھیتی بڑھنے لگے اور اس میں برکت دکھائی دے۔

اور لفظ زکوۃ کے چوتھے معنی مدح کے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

"الذین یزکون انفسھم" وہ لوگ جو اپنی تعریف آپ کرتے ہیں

اصطلاح شریعت میں زکوۃ مال کی اس مقدار کو کہا جاتا ہے جسے انسان خدا کا حق سمجھ کر ادا کرتا ہے اور مستحق افراد تک پہنچاتا ہے۔ اور اسے زکوۃ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سے برکت اور نفس کی پاکیزگی اور بہتر نشوونما کی توقع کی جاتی ہے۔

(مفردات راغب (در مادہ زکا))

اور "زکیٰ" کے معنی ہیں کہ اس نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کی۔

لفظ زکوۃ کے متعلق اہل لغت کے بیان کا یہ جامع خلاصہ ہے

آیئے دیکھیں "صدقہ" کیا ہے؟ راغب مفردات میں لکھتے ہیں

الصدقة مایخرجه الانسان من ماله علی وجه القربة کالزکاة لکن الصدقة تقال فی الاصل للمتطوع به والزکوة للواجب (۱)

"خدا کی قربت کے حصول کی نیت سے انسان اپنا جو مال نکالے اسے صدقہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً زکوۃ دینا بھی صدقہ کے مفہوم میں شامل ہے۔لیکن بنیادی طور پر صدقہ اور زکوۃ میں فرق ہے۔صدقہ مستحب انفاق اور زکوۃ کا لفظ واجب انفاق کے لیئے بولا جاتا ہے۔"

طبری مجمع البیان میں لکھتے ہیں:

زکوۃ اور صدقہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ زکوۃ واجب ہوتی ہے اور صدقہ کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی نفل ہوتا ہے۔ (۲)

مقصد یہ ہے کہ زکوۃ میں وجوب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اس لفظ سے مال میں سے حق اللہ مقصود ہوتا ہے۔ جب کہ "صدقہ" میں استحباب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے نفل سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں صدقہ بمعنی رحم بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً برادران یوسف نے حضرت یوسف سے کہا تھا:

وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا (یوسف:۸۸) "یعنی یوسف ہم پر رحم کر۔"

زکوۃ اس ادائیگی مال کو کہا جاتا ہے جس کا ادا کرنا واجب ہو اور لفظ زکوۃ میں واجب صدقات اور واجب خمس کے علاوہ باقی تمام مالی فرائض شامل ہیں۔

اور اس بات کا ثبوت رسول خدا کے اس خط سے ملتا ہے' جو آپ نے بادشاہان حمیر کو لکھا تھا اور آپ نے اس خط میں یہ الفاظ تحریر فرمائے:

واتیتم الزکوة من المغانم خمس الله وسهم النبی وصفیه و ماکتب الله علی المومنین من الصدقة.

---

(۱) مفردات راغب' نہایۃ اللغۃ ابن اثیر۔لسان العرب ابن منظور۔تفسیر طبری وطبری وغیرہ "در مادہ صدق"

(۲) مجمع البیان ۳۸۴/۱ (در تفسیر آیت ۲۷۲ از سورہ بقرہ)

"اور تم زکوٰۃ ادا کرو گے یعنی تم خدا کا خمس اور سہم پیغمبر اور صفی پیغمبر اور
جو اللہ نے مومنین پر صدقہ واجب کیا ہے ادا کرو گے۔"

رسالت مآب کے خط پر لفظ زکوٰۃ کے بعد لفظ "من" استعمال ہوا ہے۔ یہ من بیانیہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ زکوٰۃ کی تشریح کرتے ہوئے تین چیزوں کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ مغانم میں سے اللہ کا خمس
۲۔ سہم پیغمبر اور "اصفی" پیغمبر
۳۔ اللہ نے مومنین پر جو صدقہ واجب کیا ہے۔

صدقہ واجبہ مکمل زکوٰۃ نہیں' بلکہ اقسام زکوٰۃ میں سے ایک قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کے آٹھ مصارف متعین کیئے ہیں:

"اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" (التوبہ: ۶۰)

"صدقات بس فقراء و مساکین اور ان کے کام کرنے والے اور جن کی تالیف قلب کی جاتی ہے اور غلاموں کی گردن کی آزادی میں اور قرض داروں کے لیئے اور راہ خدا میں اور غربت زدہ مسافروں کے لئے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے صدقات واجبہ کے آٹھ مصارف مقرر کیئے ہیں' لیکن زکوٰۃ کے مصارف پورے قرآن میں مقرر نہیں کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ پچیس مقامات پر قرآن مجید میں متصل کیا ہے اور قرآن و سنت میں جہاں کہیں بھی لفظ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے تو اس سے مراد اللہ کا حق ہے خواہ وہ صدقہ واجبہ کی صورت میں ہو یا خمس کی شکل میں ہو۔

اور جب قرآن و حدیث میں لفظ زکوٰۃ کے ساتھ لفظ خمس موجود ہو وہاں اس سے

صدقہ واجبہ مراد ہوتا ہے۔

اسی طرح سے جب لفظ زکوٰۃ کی اضافت صدقہ کے اضافہ کی طرف ہو مثلاً "زکاۃ الغنم" (بھیڑ بکری کی زکوٰۃ) اور "زکوٰۃ النقدین" (سونے چاندی کی زکوٰۃ) تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ سے صدقہ واجبہ مراد لیا جاتا ہے اور قرآن وسنت میں صدقہ واجبہ وصول کرنے والے کو "مُصَدِّق"[1] کہا جاتا ہے "مزکی" نہیں کہا جاتا اور صدقہ واجبہ دینے والے کو "متصدق" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسے "مزکی" یا "متزکی" کے نام سے نہیں پکارا جاتا۔

واضح رہے کہ صدقہ واجبہ بنی ہاشم پر حرام ہے[2] لیکن زکوٰۃ حرام نہیں ہے۔

مکتب خلفاء کے مشہور محدث امام مسلم کو اس مسئلہ میں اشتباہ ہوا ہے اور اس نے صحیح مسلم میں ایک باب کا نام غلطی سے "تحریم الزکوٰۃ علی رسول اللہ وعلی الہ" رکھا ہے جب کہ اس باب میں امام مسلم نے آٹھ احادیث نقل کی ہیں اور تمام احادیث میں "صدقہ" کی حرمت کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی حدیث میں "زکوٰۃ" کی حرمت کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

قرآن مجید میں جہاں بھی "واقیمو الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ" کے الفاظ آئے ہیں تو وہاں صلاۃ سے تمام نمازیں مراد ہیں، جن میں نماز پنجگانہ اور نماز آیات وغیرہ سب شامل ہیں اور لفظ "زکوٰۃ" سے بھی خدا کے تمام واجب کردہ مالی حقوق مراد ہیں خواہ وہ صدقہ واجبہ کی شکل میں ہوں یا خمس کی شکل میں ہوں۔

---

(۱) قرآن مجید کی سورہ الحدید کی اٹھارویں آیت میں "اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ" کے الفاظ موجود ہیں اور اسی طرح سے سورہ احزاب کی پینتسویں آیت مجیدہ میں "والمتصدقین والمتصدقات" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ مزید تفصیل کے لیئے صحیح مسلم ۱۷۲/۳۔ سنن ابی داؤد ۲۰۲/۱۔ ترمذی ۱۷۲/۳ کی طرف رجوع فرمائیں اور اس سلسلہ میں متقی نے کنزالعمال میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ کسی طرح سے بھی لائق اعتنا نہیں ہے۔

(۲) اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے:

اذا اديت زكاة مالك فقد قضيت ماعليك(١)

"واجب تو نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کر دی تو تو نے اپنا قرض ادا کر دیا۔"

اس حدیث میں بھی "زکوۃ" سے تمام مالی حقوق مراد ہیں جن میں صدقہ واجبہ اور خمس دونوں شامل ہیں۔

اسی طرح سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اور حدیث مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

من استفاد مالا فلازكوة عليه حتى يحول الحول (٢)

"جسے مال حاصل ہوا ہو تو سال گذرنے سے پہلے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔"

اس حدیث کا مقصد بھی خدا کا مالی حق ہے۔ یہ حدیث صرف صدقہ واجبہ تک محدود نہیں ہے۔

آئمہ اہل بیت کی احادیث ہمیں یہ حدیث دکھائی دیتی ہے:

وحق فى الاموال الزكوة (٣)

"اور اموال کا حق زکوۃ ہے۔"

اس حدیث میں بھی جس زکوۃ کی بات کی گئی ہے تو اس سے بھی تمام واجب حقوق مراد ہیں اس سے صرف صدقہ واجبہ مراد نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حکمران طبقہ نے اجتہاد کرتے ہوئے خمس کو ختم کر دیا تھا اور زکوۃ نے صرف صدقہ کی صورت اختیار کر لی تھی' اور صدیوں کے استعمال سے جب بھی لفظ زکوۃ بولا جاتا ہے تو ذہن میں صدقہ واجبہ کا تصور ابھرتا ہے۔

---

(١) سنن الترمذی ٣/٩٧ باب ماجاء اذا اديت الزكوة فقد قضيت ماعليك

(٢) سنن الترمذی ٣/١٢٥ باب ماجاء لا زكاة على المال المستفاد حتى يحول عليه الحول

(٣) الكافی ٢/١٩-٢٠۔ تفسیر عیاشی ١/٢٥٢۔ بحار الانوار ٦٨/٣٣٧-٣٨٠

(۳) فَے

"فَے" لغت میں رجوع یعنی لوٹنے کو کہتے ہیں؟ اسی وجہ سے زوال آفتاب کے بعد سایہ کے لوٹنے کو بھی لفظ "فَے" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کتاب لسان العرب میں لفظ "فَے" کا شرعی مفہوم یہ بیان کیا گیا:

"ماحصل من اموال الکفار من غیر حرب"

"وہ مال جو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہو اسے "فَے" کہا جاتا ہے۔"

لسان العرب کے مؤلف مزید لکھتے ہیں:

مارد اللہ تعالیٰ علی اھل دینہ من اموال من خالف اھل دینہ بلاقتالٌ امااں یجلوا عن أوطانھم و یخلوھا للمسلمین اویصا لحوا علی جزیۃ یفتدون بھا من سفک دمائھم فھذا المال ھوا الفی فی کتاب اللہ. (لسان العرب" در مادہ فیئ")

"وہ مال و دولت جو جنگ کے بغیر دین کے مخالفوں سے اللہ دینداروں کی طرف لوٹا دے۔اس کی ایک شکل یہ ہے کہ مخالفین دین اپنے وطن سے جلدوطن ہو جائیں اور مال دولت مسلمانوں کے لیئے چھوڑ کر چلے جائیں یا یہ کہ اپنا خون محفوظ رکھنے کے لئے جزیہ پر مصالحت کر لیں ،تو اللہ کی کتاب میں ایسے مال کو لفظ "فَے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔"

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے:

وما افآء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل .(الحشر :۷)

"جو کچھ بھی اللہ نے اہل قریہ کی طرف سے اپنے رسول کو دلوایا ہے وہ سب

رسول اور رسول کے قرابت دار، یتامیٰ، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لئے ہے۔"

یہ آیت تمام اور سورہ حشر بنی نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

بنی نضیر یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا اور انہوں نے مسلمانوں سے غداری کی تھی۔ رسول خدا دس افراد کو اپنے ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہوں نے آپ کو ایک مکان کے سایہ میں بٹھایا اور انہوں نے مکان کی چھت سے ایک پتھر لڑھکا کر آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو ان کے منصوبہ کی اطلاع دے دی آپ فوراً اٹھ کر مدینہ تشریف لائے۔ نبی اکرم نے اپنے صحابہ سے ان کی غداری اور ان کے منصوبہ کا تذکرہ کیا۔ پھر آپ انہیں سزا دینے کے لئے ایک لشکر لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے۔

جب بنی نضیر نے لشکر کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے قلعہ میں پناہ لے لی۔ آپ نے ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ دن کے مسلسل محاصرہ کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں اور ان میں سے ہر شخص اپنے ساتھ اتنا سامان لے کر جائے جسے ایک اونٹ اٹھا سکتا ہو اور اس سامان میں انہیں ہتھیار لے جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

اس کے بعد بنی نضیر چھ سو اونٹوں پر سوار ہو کر مدینہ سے نکل گئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے بہت سا اسلحہ اور زرخیز زمین اور کھجوروں کے باغات چھوڑے۔ ان کا چھوڑا ہوا تمام ترکہ "مال فے" کہلایا اور سورہ حشر کی آیات کے تحت اس کے واحد مالک رسول خدا قرار پائے۔

اس موقع پر حضرت عمر نے رسول خداؐ سے عرض کی تھی:

یا رسول اللہ! کیا آپ اس مال میں سے پانچواں حصہ لیں گے؟ (یعنی آپ پانچواں حصہ لے کر باقی چار حصے مسلمانوں میں تقسیم کر دیں؟

رسول خداؐ نے جواب میں فرمایا: یہ ترکہ خدا نے مسلمانوں کی بجائے مجھے

عنایت فرمایا ہے۔ پھر آپ نے "ما افاء الله علی رسوله" کی آیت تلاوت فرمائی۔ [1]

واقدی لکھتے ہیں:

بنی نضیر کی چھوڑی ہوئی دولت حضور اکرمؐ کی خالص ذاتی ملکیت قرار پائی تھی اور آپ اس کے مالک ومختار تھے۔ آپ اسی دولت سے اپنے خاندان پر خرچ کرتے تھے اور جسے کچھ عطا کرنا چاہتے تو اسی میں سے عطا کرتے تھے۔ آپؐ نے اپنے غلام ابورافع [2] کو بنی نضیر کے احوال کا عامل مقرر فرمایا تھا۔

م۔ صفی

لفظ "صفی" واحد ہے اور اس کی جمع "صفایا" ہے۔ دور جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ دشمن سے جو مال لوٹا جاتا تھا اس کی تقسیم سے قبل قوم کا سردار جس مال کو اپنے لئے منتخب کرلیتا تھا، اس مال کو "صفی" کہا جاتا تھا۔

شریعت اسلامی میں اس مال کو صفی کہا جاتا ہے جو رسول خدا کا خالص اپنا ہو، چاہے وہ زمین کی طرح سے غیر منقولہ ہو یا دولت کی طرح سے منقولہ ہو۔ اس مال میں رسول خدا کا خمس کا حصہ شامل نہیں ہے۔ (نہایۃ اللغۃ ابن اثیر)

اس کا ثبوت حسب ذیل روایات سے ملتا ہے:

(الف) سنن ابوداؤد میں حضرت عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:

کانت لرسول الله ثلاث صفایا: بنو النضیر و خیبر و فدک [3]

---

(۱) مغازی واقدی ص ۳۶۳۔ ۳۷۸۔ امتاع الاسماع مقریزی ص ۱۷۸۔ ۱۸۲ میں یہ واقعہ اختصار سے مرقوم ہے۔ تفسیر طبری درضمن آیت ہذا۔

(۲) ابورافع کا نام ابراہیم یا صالح تھا۔ وہ نسلی اعتبار سے قبطی تھا اور عباس بن عبدالمطلب کا غلام تھا۔ عباس نے رسول خدا کو ہبہ کیا تھا۔ آپ نے اسے غلامی سے آزاد کیا اور اپنی آزاد کردہ کنیز سلمیٰ سے اس کا نکاح کیا۔ اس نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور جنگ احد اور دیگر غزوات میں شرکت کی۔ اس کا بیٹا رافع حضرت علی کا کاتب تھا۔ خلافت عثمان یا بعد میں ابورافع نے وفات پائی (اسد الغابہ ار ام۔ ۷۷)

(۳) سنن ابی داؤد باب فی صفایا رسول اللہ۔ کتاب الخراج ۳ ر ۱۴۱۔ کتاب الاموال ابوعبید ص ۹

''رسول خدا کے پاس ''صفایا'' قسم کی تین جائیدادیں تھیں۔ بنو نضیر۔ خیبر اور فدک۔''

(ب) ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

ان اللّٰہ خص رسول اللّٰہ (ص) بخاصة لم یخص بها احدا من الناس، فقال: (..فَمَا اَوْ جَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ وڈاللّٰہ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآ ءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (الحشر۔٦) وكان اللّٰہ افآء علی رسوله بنی النضیر... (الحدیث)

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ایک خصوصیت سے مخصوص کیا جس کے ساتھ کسی بھی شخص کو مخصوص نہیں کیا اور اس نے ارشاد فرمایا۔ اور خدا نے جو کچھ ان کی طرف سے اپنے رسول کی طرف لوٹایا ہے۔ جس کے لئے تم نے گھوڑے یا اونٹ کے ذریعے کوئی دوڑ دھوپ نہیں کی ہے لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ عطا کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔)

اور اللہ نے بنی نضیر کی دولت اپنے رسول کو بطور ''فے'' عنایت کی تھی۔''

ج: آیت خدا کے بعد دوسری حدیث میں یہ الفاظ مذکور ہیں۔

هذه لرسول اللّٰہ (ص) خاصة قری طربیة فدا و كذا و كذا

''فدک کی بستیاں اور فلاں فلاں جاگیریں خالص رسول خدا کی ملکیت تھیں۔''

ابوداؤد نے زہری سے روایت نقل کی ہے اس نے کہا:

صالح النبی اهل فدک وقری وهو محاصر قوما آخرین فارسلوا الیه بالصلح، قال (فما اوجفتم علیه من خیل ولا ركاب) یقول بغیر قتال، قال: وكانت بنو النضیر للنبیّ خالصًالم یفتحها عنوةً.

''نبی کریم نے اہل فدک وقری سے مصالحت کی جب کہ اس وقت آپ دوسرے لوگوں کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ اہل فدک وقری نے آپ کی طرف صلح کا پیغام بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا: (جس کے لئے تم نے گھوڑے یا اونٹ کے ذریعے کوئی دوڑ دھوپ نہیں کی ہے۔'' یعنی جو جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہے۔ زہری نے کہا: بنو نضیر کی جائیداد بھی خالص رسول خدا کی ملکیت تھی کیونکہ اس کے لئے جنگ نہیں لڑی گئی تھی۔ (وہ مصالحت نے نتیجہ میں حاصل ہوئی تھی''

اس تفصیل کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ ابن اثیر کو اشتباہ ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے نہایۃ اللغۃ میں ''مادہ صفا'' کے ضمن میں یہ لکھا ہے:

''صفی'' اس چیز کو کہا جاتا ہے جسے غنیمت کی تقسیم سے قبل سپہ سالار اپنے لئے منتخب کرے اور اسے ''صفیہ'' بھی کہا جاتا ہے اور اس کی جمع ''صفایا'' ہے۔ چنانچہ بی بی عائشہؓ کی اس حدیث میں یہ الفاظ اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

''کانت صفیة من الصفی''

''صفیہ بنت حیی کا تعلق مال ''صفی'' سے تھا۔''

ان الفاظ سے ام المومنین نے یہ کہا ہے کہ خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم سے قبل رسول خداؐ نے صفیہ کو اپنی ذات کے لئے منتخب کر لیا تھا اور احادیث میں صفی اور صفایا کا ذکر متعدد بار کیا گیا ہے۔

ابن اثیر مزید لکھتے ہیں علی وعباسؓ دونوں عمر کے پاس گئے اور وہ ان ''صوافی'' کے متعلق آپس میں جھگڑا کر رہے تھے جو اللہ نے بنی نضیر کی جائیداد میں سے اپنے رسول کو بطور ''فے'' عطا فرمائیں تھیں۔

صوافی: ان املاک واراضی کو کہا جاتا ہے جس کے مالک جلاوطن ہو چکے ہوں اور اس جائیداد کا کوئی وارث نہ ہو۔ لفظ صوافی جمع ہے اور اس کی واحد ''صافیة'' ہے۔

ازہری نے کہا: جن زمینوں کو کوئی سلطان اپنے خواص کے لئے چن لے ان زمینوں کو صوافی کہا جاتا ہے۔"

ازہری اور ابن اثیر کے بعد جتنے بھی علمائے لغت نے کتابیں لکھیں انہوں نے ان کے ہی اقوال پر اکتفا کیا اور ان میں لسان العرب کے مصنف ابن منظور بھی شامل ہیں۔ علمائے لغت کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ

لفظ صفی جس کی جمع "صفایا" ہے اس غیر منقولہ دولت کو کہا جاتا ہے جسے سالار لشکر تقسیم غنیمت سے قبل اپنے لئے منتخب کرتا ہے۔

اور "صافیہ" جس کی جمع "صوافی" ہے اس زمین اور جائیداد کو کہا جاتا ہے جسے سلطان اپنے لئے منتخب کرتا ہے۔

علمائے لغت کی یہ تعریف غلط ہے کیونکہ حضرت عمر نے فدک، خیبر اور دوسری عرب بستیوں کو "رسول خدا کے صفایا" سے تعبیر کیا ہے۔ جب کہ فدک اور دوسری عرب بستیوں کے لئے تو سرے سے جنگ ہوئی ہی نہیں تھی۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ محدث ابوداؤد نے (صفایا رسول اللہؐ) کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں انہوں نے ان بستیوں کو "صفایا" کے عنوان سے یاد کیا ہے جن کا تذکرہ حضرت عمر کی گفتگو میں پایا جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مذکورہ تقسیم اور اس کی تعریفات کی ابتدا ازہری سے ہوئی ہے اور ازہری ابوداؤد کے ایک صدی بعد پیدا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ازہری نے ان الفاظ کے حقیقی معانی پر توجہ نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے زمانہ کے محاورات کو دیکھ کر ان کے صافی متعین کئے تھے۔

اور ازہری کے اشتباہ کی ایک دوسری وجہ بھی ممکن ہے۔ وہ کافی عرصہ تک قرامطہ فرقہ کی قید میں رہا تھا اور عین ممکن ہے کہ اس نے مذکورہ تعریف ان کے محاورات سے اخذ کی ہو۔

خلاصہ گفتگو

اس تمام تر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ صفایا جس کی واحد صفی ہے، کا اطلاع ابوداؤد کے دور تک رسول خدا کی خالص ذاتی جائیداد اور جاگیر پر کیا جاتا ہے۔

(۵) انفعال

لفظ ''انفال'' نفل کی جمع ہے اور لغت میں بخشش اور عطیہ کو ''نفل'' کہا جاتا ہے۔

اور لفظ نفل کی ف پر جزم پڑھی جائے تو اس کے معنی واجب کے علاوہ اضافی عبادت کے ہیں اور ''اَعْطَاهُ نَفْلاً'' کے معنی ہیں کہ اس کو مقررہ حصہ سے زیادہ حصہ دیا اور ''نوافل الصلاۃ'' کے معنی بھی اضافی نماز کے ہیں۔

لفظ انفال شریعت اسلام میں پہلی بار سورہ الانفال میں استعمال کیا گیا اور سورہ انفال کا آغاز (یسأ لونک عن الانفال......) سے ہوا۔ اس سورہ مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ مسلمانوں نے کفار مکہ سے پہلی باقاعدہ جنگ کی اور یہ جنگ بدر کے مقام پر لڑی گئی۔ جس میں مسلمانوں کو عظیم فتح نصیب ہوئی اور ستر کافر مارے گئے تھے اور ستر کے قریب قید ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ بھی مسلمانوں کے بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔

پھر مال غنیمت کے متعلق جھگڑا ہوا کہ یہ مال کس کی ملکیت ہونا چاہیے۔ لوگوں نے مال غنیمت کے متعلق رسول خداؐ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں سورہ انفال کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (الانفال:۱)

''پیغمبر! لوگ آپ سے مال غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں تو

آپ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت اللہ اور رسول کے لئے ہے' لہٰذا تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اگر تم ایماندار ہو۔"

سیرت ابن ہشام، طبری اور سنن ابی داؤد میں اس کے شان نزول کے متعلق یہ روایت مذکور ہے اور سیرت ابن ہشام میں یہ الفاظ وارد ہیں۔

رسول خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کافروں کا مال جمع کریں۔ مسلمانوں نے ان کا مال جمع کیا۔ پھر اسی مال کے متعلق مسلمانوں کے تین گروہوں کا آپس میں جھگڑا ہوا۔

پہلا گروہ مال جمع کرنے والے افراد کا تھا اور وہ کہتے تھے۔ کہ یہ سارا مال ہمارا ہے کیونکہ ہم نے اسے جمع کیا ہے۔

دوسرا گروہ لڑنے والے افراد کا تھا اور وہ کہتے تھے اگر ہم کفار کو لڑائی میں مصروف نہ رکھتے تو تم ان کا مال جمع نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے یہ مال ہمیں ملنا چاہئے۔

تیسرا گروہ رسول خدا کے محافظ دستہ پر مشتمل تھا اور وہ کہتے تھے کہ ہمیں کافروں کا مال دکھائی دے رہا تھا' اگر ہم چاہتے تو اسے آسانی سے جمع کر سکتے تھے اور ہمیں جنگجو کافر بھی نظر آ رہے تھے' اگر ہم چاہتے تو ہم ان پر بھی حملہ کر سکتے تھے۔ مگر ہم نے رسول خداؐ کی حفاظت کو ترجیح دی اور ہم ان کی حفاظت کیلئے کھڑے رہے۔ اسی لئے مال غنیمت کے ہم زیادہ حق دار ہیں۔

ابن ہشام نے عبادہ بن صامت سے سورہ انفال کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے۔ اس نے کہا سورہ انفال ہم اصحاب بدر کے متعلق نازل ہوئی۔ جب ہم نے مال غنیمت کے متعلق اختلاف کیا اور ہمارے اخلاق خراب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے مال غنیمت کو چھین کر رسول خداؐ کے ہاتھوں میں منتقل کر دیا۔ پھر آپ نے وہ مال مساوی طور پر تقسیم کر دیا۔

ابو اسید ساعدی کا بیان ہے:

جنگ بدر میں بنی عائذ مخزومیوں کی ایک تلوار میرے ہاتھ لگی جسے مرزبان کہا جاتا تھا۔ جب رسول خدا نے تمام مال غنیمت اپنے پاس لانے کا حکم دیا تو میں نے بھی وہ تلوار مال غنیمت کے ڈھیر پر ڈال دی۔

ابن ھشام کہتے ہیں:

اس کے بعد رسول خدا مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور مشرک قیدی بھی آپ کے ہمراہ تھے اور جب ''مضیق صفراء'' کو عبور کر چکے تو آپ ریت کے ٹیلے پر بیٹھ گئے اور آپ نے وہ مال غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ا

سابقہ بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو انفال سے تعبیر کیا اور لفظ انفال یہاں اپنے لغوی معنی یعنی عطیہ اور بخشش کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو لفظ انفال سے تعبیر کر کے مجاہدین اسلام کو یہ درس دیا کہ خبردار! اب زمانہ جاہلیت کی لوٹ مار کا قانون نہیں چلے گا کہ جو شخص جو کچھ لوٹے وہ اس کی ملکیت قرار پائے۔ مال غنیمت اب تمہاری ملکیت نہیں رہا اب

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۲/۲۸۳۔۲۸۶۔ تفسیر طبری در تفسیر سورہ انفال۔

عبادہ بن صامت انصاری کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا اور ان کی کنیت ابوالولید تھی۔ عقبہ اولی و ثانیہ میں موجود تھے اور عہد نبوی کی تمام غزوات میں شریک رہے اور وہ انصار کے نقباء میں سے ایک نقیب تھے اور انہوں نے عہد نبوی میں قرآن مجید حفظ کیا تھا ان کے سن وفات اور جائے وفات میں اختلاف ہے۔ بعض مورخین نے ان کا سن وفات ۳۴ھ اور بعض نے ۴۵ھ لکھا ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک ان کی وفات رملہ اور بعض کے نزدیک ان کی وفات بیت المقدس میں ہوئی۔ اسد الغابہ ۳/۱۰۷ ''مضیق الصفراء'' وادی صفراء کی ایک تنگ گھاٹی ہے اس کے اور بدر کے درمیان ایک یوم کی مسافت ہے۔ (معجم البلدان)

تم اس کے مالک نہیں رہے۔ یہ مال تمہارا نہیں بلکہ خدا اور رسول کا مال ہے اور تم اس مال کو اپنے پاس رکھنے کے مجاز نہیں ہو۔ تمہیں چاہئے کہ پورے کا پورا مال غنیمت رسول خدا کے پاس جمع کرا دو تا کہ وہ اپنی مصلحت کے مطابق اس میں تصرف کریں۔

اسی طرح ائمہ اہل بیت کی احادیث میں بھی بہت سی چیزوں کو لفظ انفال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مکتب اہل بیت سے وابستہ علماء کی کتابوں میں ہمیں یہ روایت دکھائی دیتی ہے۔

(وہ تمام مال جو دار الحرب سے کسی جنگ کے بغیر حاصل ہو، وہ زمین جس کے رہنے والے کسی جنگ کے بغیر اسے چھوڑ جائیں، سلاطین کے قطعات اراضی بشرطیکہ غصبی نہ ہوں، جنگلات، وادیوں کا بطن اور غیر آباد زمین اور اس میں تمام چیزیں انفال ہیں۔) مقصد حدیث یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ کی طرف سے عطا ہیں اور رسول خدا کی ملکیت ہیں اور رسول خدا کے بعد ان کے حقیقی جانشین ائمہ ہدیٰ کی ہیں۔

مکتب اہل بیت میں درج بالا مذکورہ اشیاء کو انفال کہا جاتا ہے۔

(۶) لفظ غنیمت و مغنم

دور جاہلیت کے بعد لفظ ''غنیمت و مغنم'' کے مفہوم میں دو طرح کی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ اس میں ایک تبدیلی شرعی اصطلاح (قرآن وسنت) کے مطابق ہوئی اور دوسری تبدیلی اہل شرع (مسلمانوں) کی اصطلاح کے تحت واقع ہوئی اور آخر کار غنیمت و مغنم کے الفاظ لوٹ مار کے معانی کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئے۔

عربوں کا ایک محاورہ ہے۔ ''سَلَبَهٗ سَلْبًا'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ

''اس نے اس کا تمام لباس اور ہتھیار اور جانور تک چھین لئے۔''

عربوں کا ایک اور محاورہ کچھ اس طرح سے ہے ''حَرَبَهٗ حَرْبًا'' اس کا معنی ہے کہ اس نے دوسرے کا تمام مال لوٹ لیا اور اس کے پاس کچھ نہ رہنے دیا۔ اور اسی طرح سے مجہول شکل میں اس مفہوم کو یوں ادا کیا جاتا ہے۔ ''حرب الرجل ماله سلبه فهوا محروب وحريب'' اس شخص کا مال غارت کر لیا گیا اور وہ ''محروب اور حریب ہے۔'' یعنی غارت شدہ فرد کو ''محروب'' کہا جاتا ہے اور ''حِرْبِيَةٌ'' لوٹے جانے والے مال کو کہا جاتا ہے اور ''اَخَذَت حَرِيْبَتَهٗ'' کے معنی ہیں کہ اس نے دوسرے سے زندگی کو ساری پونجی چھین لی اور ''آحْرَبَهٗ'' کے معنی ہیں کہ اس نے کسی دوسرے دشمن کے مال لوٹنے پر دلالت کی اور نَهَبَهٗ وَنَهِبَهٗ کا معنی ہے کہ اس نے کسی دوسرے کا زبردستی مال چھین لیا اور ''نَهَبَ، نُهْبیٰ، نُهَيْبیٰ'' کے معانی جبراً مال لینے کے ہیں اور اس کی جمع ''نِهَابٌ اور نُهُوْبٌ'' ہے اور ''نَهَبٌ'' لوٹ و غارت کی ایک صنف ہے اور اُنْهِبَ عِرْضُهٗ وَمَالُهٗ کے معنی ہیں اس کی عزت و مال غارت کر لی گئی۔

اور صحاح، نہایۃ اللغۃ لسان العرب اور قاموس و شرح قاموس میں ان الفاظ کے یہی معانی بیان کئے گئے ہیں اور سیرت و حدیث اور اقوال صحابہ میں بھی یہ الفاظ اپنی معانی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے ''مَنْ قَتَلَ قَتِيْلاً

فلہٗ سلبہٗ ''جس نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کا سامان بھی اسی کا ہے۔
(سنن دارمی ۲/۲۲۹۔ مسند احمد ۵/۲۹۵۔۳۰۶۔۳۱۲ سنن ابی داؤد ۲/۳۔۱۳ کتاب الجہاد۔)

گانے بجانے والے ایک شخص نے رسول کریمؐ سے مدینہ میں گانے بجانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا:

احللت سلبک نھبۃ لفتیان اھل المدینۃ۔

''میں مدینہ کے جوانوں کو تیرا ساز و سامان لوٹنے کی اجازت دے دوں گا۔'' (سنن ابن ماجہ کتاب الحدود۔ حدیث ۲۶۱۳)

غزوہ بدر کے حالات میں مذکور ہے کہ جب قریش نے سنا کہ اہل مدینہ ان کا سامان لوٹنا چاہتے ہیں تو انہوں نے یہ جملے کہے تھے:

واخرجوا الی جرائبکم۔

''اپنا ساز و سامان بچانے کے لئے نکل پڑو۔''

اس غزوہ حنین میں رسول خدا نے ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ عینیہ بن حصن اور اقرع بن حابس کی تالیف قلب کے لئے سو اونٹ دیئے تو عباس بن مرداس کو آپ کی یہ بخشش کچھ اچھی نہ لگی اور اس نے کچھ شعر کہے تھے جن میں سے ایک شعر یہ تھا۔

اتجعل نھبی ونھب العبید بین عیینۃ والاقرع الابیات [1]

''جس ساز و سامان کو میں نے اور میرے گھوڑے ''عبید'' نے لوٹا تھا۔
آپ وہ ساز و سامان عینیہ اور اقرع کے درمیان رکھ رہے ہیں؟''

ایک حدیث میں یہ جملے دکھائی دیتے ہیں:

فان قعدو اقعدوا موتورین محروبین۔
(مسند احمد ۴/۳۲۸۔ بخاری ۳/۳۱)

''اگر وہ بیٹھے رہے تو غمزدہ اور غارت شدہ ہو کر بیٹھے رہیں گے۔''

---

(۱) صحیح مسلم ۳/۱۰۸ کتاب الزکاۃ باب اعطاء المؤلفۃ قلوبھم
الاغانی در حالات عباس بن مرداس ۱۳/۲۹۰۔ اس کے مزید حالات اسد الغابہ میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ ''عبید'' اس کے گھوڑے کا نام تھا۔

حضرت عمر نے کہا تھا:

ایاکم والدین کان اولہ ھم واخرہ حرب ۲

(مؤطا مالک ۲/۲۳۶۔ کتاب الوصیہ باب جامع القضاء وکراھیۃ)

"اگر وہ بیٹھے رہے تو غمزدہ اور غارت شدہ ہو کر بیٹھے رہیں گے۔"

حضرت عمر نے کہا تھا:

ایاکم والدین کان اولہ ھم واخرہ حرب ۱

"قرض سے بچو۔ قرض کا آغاز غم اور اس کا انجام غارت ہے۔"

دور صحابہ میں ہمیں وہ وقت یاد ہے جب معاویہ نے سفیان بن عوف غامدی کو لشکر دے کر مسلمانوں کے قتل عام اور غارت گری کے لئے روانہ کیا تو اس کو نصیحت کرتے ہوئے اس نے یہ الفاظ کہے تھے:

فاقتل من القیتہ ممن لیس ھو علی رایک واحرب کل مامررت بہ من القری واحرب الاموال فان حرب الاموال شبیہ بالقتل وھوا وجع للقلب

"جو بھی تیرے نظریات کا مخالف دکھائی دے اسے قتل کر دے اور جس بستی میں سے تیرا گزر ہو اسے لوٹ لے' کیونکہ مال لوٹ لینا قتل کے برابر ہے اور دل کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے۔"

یہاں تک آپ نے سلب، نہب اور حرب کے معانی پڑھے اور اب ہم "غنیمت و مغنم" کے متعلق کچھ مفروضات پیش کریں گے۔

راغب اور ازہری مادہ "غنم" میں لکھتے ہیں۔

الغنم معروف...... والغنم اصابتہ والظفر بہ ثم استعمل فی کل مظفور بہ من جھۃ العلی وغیرھم قال تعالیٰ (واعلمو انما غنمتم من شی)

(۱) کتاب الغارات ابراہیم بن محمد ثقفی المتوفی ۲۸۰ھ۔ ابن ابی الحدید نے اس کے حوالہ سے یہی جملے شرح نہج البلاغہ ۲/۵۸۔۹۰ میں نقل کئے ہیں۔ غامدی، معاویہ کا ایک سالار تھا اس کی موت ۵۰ھ کے بعد سرزمین روم میں واقع ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں احادیث ام المومنین عائشہ ص ۲۴۲۔

(فكلوا مما غنمتم حلالا طيباً والمغنم ما يغنم وجمعه مغانم قال تعالىٰ (فعندالله مغانم كثيرة)

''لفظ ''غنم'' بڑا مشہور ہے اور عربی زبان میں ''غنم'' بکری کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے ''غنیم'' فعل ماضی بنا جس کے معنی ہیں بکریاں حاصل کرنا۔ بعدازاں اس لفظ کو دشمن سے چھینی ہوئی چیزوں پر بولا جانے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جان لو تمہیں جو بھی غنیمت ہاتھ آئے الانفال ایک اور آیت میں فرمایا: جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے اسے حلال طیب سمجھ کر کھاؤ۔ (انفال: ۶۹) اور ''مغنم'' غنیمت بننے والی چیز کو کہا جاتا ہے اور اس کی جمع مغانم ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔ (النساء: ۹۴)

لسان العرب، تہذیب اللغۃ ازہری، نہایۃ اللغۃ اور معجم الفاظ القرآن الکریم میں غنیمت کے حسب ذیل معانی مذکور ہیں:

الغنم: الظفر بالغنم ثم استعمل فی کل مایظفر به من جهة العدو وغيرهم' غنم كسمع غنما والغنم مايغنم وجمعه مغانم.

''غنم کے معنی بکری حاصل کرنے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ دشمن سے چھینی جانے والی ہر چیز پر بولا جانے لگا۔ غَنِمَ بروزن سَمِعَ' اور غنم لوٹ میں ہاتھ آنے والی چیز کو کہا جاتا ہے اور اس کی جمع مغانم ہے۔''

الغنم: الفوز بالشئی من غیر مشقة

''مشقت کے بغیر کسی چیز کو حاصل کرنے میں کامیاب ہونے کو ''غنم'' کہا جاتا ہے۔'' غَنِمَ الشَّئی۔ ''کسی چیز کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔''

''اغتنام'' کسی چیز کو غنیمت جاننا۔ [۲]

---

(۱) مفردات راغب اصفہانی در مادہ غنم۔ تہذیب اللغۃ ازہری التوفی ۳۷۰ھ ۱۳۹/۸ معجم الفاظ القرآن ۲۹۳/۲

(۲) مادہ غنم نہایۃ اللغۃ ابن اثیر ۱۷۳/۳۔ لسان العرب ۴۴۵/۱۲۔ تہذیب اللغۃ، معجم مقاییس اللغۃ ابن فارس ۳۹۷/۴۔ تفسیر فخر رازی ۱۶۶/۱۵۔

ابن اثیر نہایۃ اللغۃ میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں رہن کے متعلق یہ الفاظ ملتے ہیں:

"الرھن لمن رھنه له غنمه وعليه غرمه" غنمه: زيادته نماؤه وفاضل قيمته.

"رہن، رہن رکھنے والے کے لئے ہے۔ اس کا فائدہ اسی کے لئے ہے اور اس کا نقصان اسی پر ہے۔"

"غنمہ" کے معانی اضافہ، بڑھوتری اور فاضل قیمت کے ہیں۔

جوہری صحاح میں لکھتے ہیں:

المغنم والغنيمة بمعنى:

"مغنم اور غنیمت کا ایک ہی معنی ہے۔" (صحاح اللغۃ جوہری ص۱۹۹۹، در مادہ غنم)

سنن ابن ماجہ میں لفظ "مغنم" استعمال ہوا ہے جس کے معنی کسی چیز کے پانے کے ہیں۔ رسول خداؐ نے فرمایا کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ دعا پڑھا کرو۔

"اللھم اجعلھا مغنما ولا تجعلھا مغرما"

(سنن ابن ماجہ کتاب الزکاۃ حدیث ۱۷۹۷)

"خدایا اسے منفعت کا سبب بنا اور اسے تاوان مت بنا۔"

مسند احمد میں رسول خدا کی یہ حدیث مذکور ہے۔

"غنيمة مجالس الذكر الجنة" (مسند احمد ۲/۱۷۷)

"مجالس کا ذکر فائدہ جنت ہے۔"

رسول خداؐ نے ماہ رمضان کے متعلق فرمایا:

هو غنم للمؤمن "وہ مومن کے لئے ذریعہ منفعت ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ" (النساء: ۹۴)

"خدا کے پاس بکثرت فوائد موجود ہیں۔"

گفتگو کا ماحصل

جاہلیت اور اسلام میں عرب جب ''مَسْكَبَةٌ'' کہتے تو ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ اس نے اسے پوری طرح سے لوٹ لیا۔ یعنی اس کے کپڑے، ہتھیار اور جانور تک اس سے چھین لئے۔ اور اسی مفہوم کی ادائیگی کے لئے ''خَرْبَةٌ'' بھی کہا جاتا تھا اور اس لفظ کا مطلب بھی یہی ہوتا تھا کہ اس نے دوسرے کا تمام مال لوٹ لیا۔

دور جاہلیت میں ''نَهِيْبَةٌ اور نُهْبٰى'' کا بالکل وہی مفہوم ہوتا تھا جو آج ہمارے زمانہ میں ''غَنِيْمَةٌ و مَغْنَمٌ'' کا مفہوم ہے۔

کلام عرب میں ''غَنِمَ الشَّيْئَ غُنْمًا'' کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ایک چیز کو مشقت کے بغیر حاصل کرلیا اور ''اغتنام'' کے معنی غنیمت شمار کرنے کے ہیں اور ''مَغْنَمٌ'' کے معنی غنیمت میں ملنے والی چیز کے ہیں اور اس کی جمع ''مَغَانِمُ'' ہے۔

حدیث شریف میں ''غُنْمُهٗ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی افزائش اور بڑھوتری اور فاضل قیمت ہے۔

ماہ رمضان کے متعلق حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:

''هُوَ غُنْمٌ لِلْمُؤْمِنِ''

''وہ مومن کے لئے غنیمت ہے۔ یعنی زیادہ مشقت کئے بغیر فائدہ ہی فائدہ ہے۔''

زکوٰۃ کی ادائیگی کی دعا میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا مَغْنَمًا ''خدایا اسے فائدہ بنا تا۔''

مجالس ذکر کے متعلق یہ جملے مروی ہیں:

غَنِيْمَةُ مَجَالِسِ الذِّكْرِ الْجَنَّةُ ''مجالس ذکر کی منفعت جنت ہے۔''

اہل لغت کا بیان ہے:

الغنم فی الاصل الظفر بالغنم. ''غُنْم کا حقیقی معنیٰ بکریاں حاصل کرنا ہے۔''

پھر اس کے معنی کی تخصیص کی گئی اور دشمنوں سے لوٹے ہوئے مال پر اس لفظ کا اطلاق کیا جانے لگا۔

میں (مصنف) سمجھتا ہوں کہ دشمنوں سے لوٹے ہوئے مال کو عصر اسلامی میں لفظ ''غنیمت'' سے تعبیر کیا گیا' ورنہ اس سے پہلے یہ لفظ مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمانوں نے رسول اکرم کی زیر قیادت جنگ بدر میں کامیابی حاصل کی اور کفار کا بہت سا مال ان کے ہاتھ لگا۔ پھر اس مال کے متعلق ان میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کا حق ملکیت چھین لیا اور یوں پورے کا پورا مال رسول خداؐ کی ملکیت قرار دے کر اس مال کا نام ''انفال'' رکھ دیا' اور اس کے بعد جب بھی مجاہدین اسلام کو کامیابی نصیب ہوتی تو وہ تمام لوٹا ہوا سامان رسول خدا کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے اور حضور اکرمؐ اپنی صوابدید کے تحت اس میں تصرف کرتے تھے اور کسی بھی مجاہد کو اس مال میں سے کوئی چیز چھپانے کی اجازت نہیں تھی۔ کسی چیز کے علی الاعلان اپنے پاس رکھ لینے کو عربی زبان میں ''نَہبَۃ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کسی چیز کو چھپا کر اپنے پاس رکھنے کے عمل کو ''اِغلَال'' کہا جاتا ہے۔ رسول اکرم نے مجاہدین اسلام کو جو تعلیم دی اس میں دونوں طرح کے تصرفات کو ممنوع قرار دیا جیسا کہ ابن ماجہ اور احمد کی روایتوں میں ہمیں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

''ان النھبة لاتحل'' ''من انتھب نھبة فلیس منا'' (۱)

''لوٹی ہوئی چیز پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس نے لوٹی ہوئی چیز پر قبضہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

صحیح بخاری اور مسند احمد میں عبادہ سے مروی ہے:

بایعنا النبی علی ان لانتھب (۲)

''ہم نے رسول خدا کی بیعت اس شرط پر کی تھی کہ ہم لوٹ مار نہیں کریں گے۔''

صحیح بخاری میں رسول خدا سے یہ حدیث منقول ہے:

---

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب النھبی ص ۱۲۹۹۔

مسند احمد میں پہلی حدیث جلد چہارم ص ۱۹۴ میں مذکور ہے اور حدیث دوم حسب ذیل مقامات پر مذکور ہے۔ مسند احمد ۳/۱۴۰۔۱۹۷۔۳۱۲۔۳۲۳۔۳۸۰۔۳۹۵، ۴/۴۳۹۔۴۴۳۔۴۴۶، ۵/۶۲

(۲) صحیح بخاری ۲/۴۹ کتاب المظالم باب النھبی بغیر اذن صاحبہ۔ مسند احمد ۵/۳۲۱

لا ینتھب نھبة ذات شرف وھو مؤمن

''کوئی صاحب شرف مومن لوٹ مار نہیں کرتا۔''

سنن ابی داؤد میں ایک انصاری سے یہ روایت مروی ہے کہ[1]

ہم ایک سفر میں رسول خدا کے ہمراہ تھے۔ راستے میں لوگوں کو سخت بھوک محسوس ہوئی اور وہ سخت پریشان ہوئے۔ انہیں ایک بکری دکھائی دی تو انہوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ ہماری ہانڈیاں جوش کھارہی تھیں کہ رسول کریم کمان کا سہارا لے کر چلتے ہوئے آئے اور آپ نے اپنے کمان سے ہماری ہانڈیوں کو الٹ دیا پھر آپ گوشت کے ساتھ مٹی ملانے لگ گئے اور فرمایا:

ان النھبة لیست باحل من المیتة

''لوٹ مار کر کے قبضے کرلینا مردار سے زیادہ حلا نہیں ہے۔''

خدا اور رسول خدا نے کفار سے لوٹے ہوئے مال میں سے کچھ چوری کر کے اپنے پاس رکھ لینے کو حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

وَمَن، یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ: (آل عمران: ۱۶۱)

''اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن خیانت کے مال سمیت حاضر ہوگا۔''

عربی زبان میں چھپی ہوئی خیانت کو ''اِغلال'' اور مطلق چوری کو ''اسلال'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت رسول خدا نے اپنی ایک حدیث میں ظاہری لوٹ مار اور خیانت اور چوری کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لا نھب ولا اغلال ولا اسلال ومن یغلل یات بما غل یوم القیامة[1] (سنن الداری ۲/۲۳۰)

''کھلی لوٹ مار اور خیانت اور چوری جائز نہیں ہے اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن خیانت کے مال سمیت حاضر ہوگا۔''

۱۔ صحیح بخاری ۳/ ۲/۴ کتاب الاشربة۔ صحیح بخاری ۲/ ۴۸

اس حدیث شریف میں لوٹ مار اور خیانت کو چوری کے زمرہ میں قرار دیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

ادوا الخیط والمخیط فما فوق ذلک فما دون ذلک فان الغلول عار علی اھلہ یوم القیامۃ وشنار وعار. (۱)

''سوئی دھاگہ اور اس سے بڑی یا چھوٹی چیز کو پہنچا دو۔ کیونکہ خیانت قیامت کے دن خائن کے لئے عار اور بدترین عیب ثابت ہوگی۔''

ابن اثیر لکھتے ہیں:

الغلول: الخیانۃ فی المغنم والسرقۃ من الغنیمۃ قبل القسمۃ، والشنار اقبح العیب

''غلول'' غنیمت میں خیانت اور تقسیم سے پہلے چوری کے عمل کو کہا جاتا ہے۔ اور ''شنار'' بدترین عیب کو کہا جاتا ہے۔''

عبداللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے:

حضور اکرم کا دستور تھا کہ جب بھی کوئی غنیمت ہاتھ آتی تو آپ بلال کو حکم دیتے تھے اور وہ لوگوں میں مال غنیمت جمع کرنے کی منادی کرتے تھے۔ لوگ یہ اعلان سن کر اپنی اپنی غنیمت لے کر حضور اکرمؐ کی خدمت میں جمع کرا دیتے تھے۔ آپ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی غنیمت تقسیم کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ غنیمت تقسیم ہونے کے بعد ایک شخص آپ کی خدمت میں بالوں کی ایک رسی لے کر آیا اور کہا: یا رسولؐ اللہ! ہمیں تو غنیمت میں یہی کچھ ملا تھا۔

آپؐ نے فرمایا:

کیا تو نے بلال سے تین مرتبہ منادی سنی تھی؟

اس نے کہا: جی ہاں!

---

(۲) سنن الدارمی ۲/۲۳۰۔ کتاب السیر باب ''ماجاء انہ قال ادوا الخیط والمخیط''

پھر آپؐ نے فرمایا:
پھر تو اسے لے کر کیوں نہ آیا؟
اس شخص نے معذرت کی۔ آپؐ نے فرمایا:
"کن انت تجیئنی به یوم القیامة فلن اقبله منک"
"اب تو اسے اپنے پاس رکھ تو قیامت کے دن اسے لے کر حاضر ہوگا۔ میں تیری طرف سے اسے ہرگز قبول نہیں کروں گا۔"
(سنن ابی داؤد ۲/۱۳، کتاب الجهاد باب تعظیم الغلول)

سنن ابن ماجہ میں ہے:
جنگ خیبر کے دوران بنی اشجع کے ایک شخص کی وفات ہوئی۔ نبی اکرمؐ نے صحابہ سے فرمایا: "تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔" لوگوں کو یہ بات اچھی طرح محسوس نہ ہوئی اور ان کے چہروں کے رنگ بدل گئے۔ جب آپؐ نے لوگوں کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمائی تو آپؐ نے فرمایا:
"ان صاحبکم قدغل" "تمہارے ساتھی نے خیانت کی تھی۔" [1]
حضرت عمر بن الخطاب بیان کرتے ہیں۔
جنگ خیبر میں ایک شخص مارا گیا تو لوگوں نے کہا "فلاں شہید ہے" اور جب رسول خدا کے سامنے اس مقتول کو شہید کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔
"کلا انی رایته فی النار فی عبادة اوفی برذة غلها"
"وہ ہرگز شہید نہیں ہے میں نے اسے دوزخ میں دیکھا ہے۔ کیونکہ اس نے ایک عبا یا ایک چادر کی خیانت کی تھی۔"
سنن ابن ماجہ میں ہے:
رسول خدا نے سامان پر ایک شخص کی ڈیوٹی لگائی تھی اس کا نام کرکرہ تھا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب الغلول ص ۹۵۰

(۲) سنن داری، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغلول من الشدة جلد ۲/۲۳۰

وہ مرگیا تو آپؐ نے فرمایا۔ ”......ھو فی النار“ ”وہ دوزخ میں ہے۔“

لوگوں نے جاکر اسے دیکھا تو پتہ چلا کہ اس نے ایک عبا یا چادر کی خیانت کی ہوئی تھی۔(۱)

یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں اور الفاظ سے مروی ہے اور حدیث کے آخر میں یہ جملہ ہے۔ جب مرنے والے کے سامان کی تلاشی لی گئی تو اس کے سامان سے ایک یا دو تسمے برآمد ہوئے۔ ایک شخص وہ تسمے لے کر رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

شراک او شراکان من نا.(۲)

”دوزخ کا ایک یا دو تسمے۔“

❁.........❁.........❁

اسلام نے لوگوں کو مال غنیمت پر قبضہ کرنے سے منع کیا ہے۔ حضرت رسول خدا نے ان بھوکے افراد کی ہانڈیوں کو الٹ دیا تھا جنہوں نے ایک بکری پر تصرف حاصل کر کے اسے ذبح کیا تھا اور آپ نے اسی گوشت کو ریت اور مٹی پر انڈیل دیا۔

اسلام نے مجاہدین کو جہاں مال غنیمت پر ظاہری قبضہ سے منع کیا ہے وہاں چوری چھپے خیانت سے بھی روکا ہے۔ آنحضرتؐ نے مجاہدین کو یہ تاکید کی تھی کہ وہ ایک سوئی دھاگے تک بھی اپنے پاس چھپا کر نہ رکھیں اور مال غنیمت کی خیانت اتنا بڑا جرم ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک عبا کی خیانت کرنے والے شہید پر نماز جنازہ پڑھنا گوارا نہ کیا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۹۵۰ کتاب الجھاد، باب الغلول۔

(۲) پوری روایت صحیح بخاری ۳/۳۷ باب غزوہ خیبر میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت صحیح مسلم ۱/۷۵ کتاب الایمان۔ سنن ابی داؤد ۲/۱۳، کتاب الجھاد۔ صحیح مسلم ۶/۱۰ کتاب الامارۃ باب تحریم الغلول میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اسلام نے مجاہدین کو یہ درس دیا کہ مال غنیمت ان کی ہرگز ذاتی ملکیت نہیں ہے اور وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور انہیں ایک تسمہ تک بھی اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

قرآن مجید نے مال غنیمت کو مجاہدین کی ملکیت قرار دینے کی بجائے اسے انفال کا نام دیا ہے اور اسے خدا اور رسولؐ کی ملکیت قرار دے کر رسولؐ خدا کو تصرف کا پورا اختیار دیا ہے۔

رسالت مآبؐ نے اپنی مصلحت کے پیش نظر پیادہ کو بھی مال غنیمت میں حصہ دیا اور سوار کو بھی حصہ دار بنایا اور آپ نے تقسیم کے وقت یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ ان میں سے دشمن کو کس نے زیادہ نقصان پہنچایا اور کس نے کم نقصان پہنچایا اور اسی طرح سے آپ نے کبھی یہ نہیں دیکھا تھا کہ مال غنیمت جمع کرنے میں کس کا کردار زیادہ ہے اور کس کا کردار کم ہے اور آپ غزوات میں شریک خواتین کو بھی کچھ نہ کچھ حصہ دیتے تھے۔

مال غنیمت رسولؐ خدا کی ملکیت ہے اور آپ کو اس میں تصرف کرنے کا مکمل حق ہے۔ اسی حق تصرف کی وجہ سے آپؐ نے بعض ایسے افراد کو بھی غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا جو کہ سرے سے جنگ میں شریک ہی نہیں تھے۔

آپ نے حضرت عثمان کو جنگِ بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ دیا اور اسی طرح سے آپؐ نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھی مہاجرین حبشہ کو جنگ خیبر کی غنیمت میں سے حصہ دیا تھا جبکہ وہ جنگ میں شریک نہیں تھے۔

صحیح بخاری، مسند طیاسی واحمد اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر حضرت عثمان کی وجہ سے کہ ان میں سے دشمن کو کس نے زیادہ نقصان پہنچایا اور کس نے کم نقصان پہنچایا اور اسی طرح سے آپ نے کبھی یہ نہیں دیکھا تھا کہ مال غنیمت جمع کرنے میں کس کا کردار زیادہ ہے اور کس کا کردار کم ہے اور آپ غزوات میں شریک خواتین کو بھی کچھ نہ کچھ حصہ دیتے تھے۔

مال غنیمت رسولؐ خدا کی ملکیت ہے اور آپ کو اس میں تصرف کرنے کا مکمل حق ہے۔ اسی حق تصرف کی وجہ سے آپؐ نے بعض ایسے افراد کو بھی غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا جو کہ سرے سے جنگ میں شریک ہی نہیں تھے۔

آپ نے حضرت عثمان کو جنگِ بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ دیا اور اسی طرح سے آپؐ نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھی مہاجرین حبشہ کو جنگ خیبر کی غنیمت میں سے حصہ دیا تھا جبکہ وہ جنگ میں شریک نہیں تھے۔

صحیح بخاری، مسند طیاسی واحمد اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر حضرت عثمان کی زوجہ رقیہ بیمار تھیں اسی لئے رسول خدا نے انہیں مدینہ میں رہنے کی اجازت دی تھی اور آپ نے جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے انہیں حصہ عطا کیا تھا۔

صحیح بخاری کے اسی صفحہ پر ابوموسیٰ کی روایت درج ہے۔ اس نے کہا۔ ہمیں رسول خدا کے مبعوث ہونے کی یمن میں اطلاع ملی۔ چنانچہ میری قوم کے پچاس سے کچھ زیادہ افراد کشتی میں سوار ہو کر حبشہ میں نجاشی کے پاس گئے۔ وہاں ہم نے جعفر بن ابی طالب اور ان کے دوستوں سے ملاقات کی۔ پھر ہم نے وہاں کچھ عرصہ تک قیام کیا۔ پھر سب مل کر حبشہ سے واپس آئے اور جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو اس وقت رسول خدا خیبر فتح کر چکے تھے۔ آپ نے جعفر سمیت ہم سب کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

رسول خدا نے جنگ حنین کے مال غنیمت میں سے مؤلفۃ القلوب افراد کو مجاہدین کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ مال غنیمت عطا فرمایا۔

مال غنیمت کے متعلق اسلام کی پالیسی کو دیکھ کر انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مال غنیمت مجاہدین کی بجائے رسول خدا کی ملکیت ہے اور جب پورا مال غنیمت

---

(۱) صحیح بخاری ۲/۱۳۱۔ مسند طیاسی حدیث ۱۹۸۵۔ مسند احمد ۱/۶۸۔ ۵۷ج ۲/۱۰۱۔۱۰۲ طبقات ابن سعد ۳/۵۶۔ بدایۃ المجتھد ۱/۳۱۰۔۳۱۲ کتاب الجہاد فصل دوم

رسول خدا کی ملکیت بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت خمس نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

''وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ'' جان لو جو تمہیں غنیمت حاصل ہو۔

آیت خمس کے نزول کے بعد آیت کے دو معانی قرار پائے۔

ا۔ لغوی معنی جس کے تحت بغیر مشقت حاصل ہونے والی دولت غنیمت کہلاتی ہے اور لغت کے اعتبار سے لفظ غنیمت کے لئے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ مال و دولت کو میدان جنگ سے دشمن سے چھین کر حاصل کیا گیا ہو۔ کیونکہ دشمن سے مال چھیننے کے لئے عربی زبان میں غنیمت کی بجائے، سلب، نھب اور حرب'' جیسے الفاظ موجود ہیں۔

۲۔ شرعی معنی جس کے تحت دشمنوں سے حاصل ہونے والے مال کو غنیمت کہا گیا ہے جیسا کہ راغب نے اس کی تفسیر کی ہے۔ اسلام نے جنگ میں حاصل ہونے والے مال کو لفظ غنیمت کے ضمن میں شامل کیا جب کہ اسلام سے قبل اس مال کو غنیمت سے تعبیر نہیں کیا جاتا تھا۔

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں لفظ غنیمت دونوں معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ کسی قرینہ کے بغیر حقیقی اور لغوی معانی میں استعمال ہوا ہے اور قرینہ کے ساتھ شرعی معانی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ غنیمت کے شرعی معانی کے تعین کے لئے کہیں موقع محل کا قرینہ دکھائی دیتا ہے اور کہیں کلام کا قرینہ دکھائی دیتا ہے۔

چنانچہ لفظ ''غنیمت'' اپنے لغوی اور شرعی دونوں معانی میں بیک وقت استعمال ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت عمر کے عہد میں فتوحات کا دور شروع ہوا اور لفظ غنیمت ہر وقت شرعی معانی میں استعمال ہونے لگا اور کثرت استعمال کی وجہ سے اکثر افراد کو اس کا حقیقی معنی تک یاد نہ رہا اور جب لغویین نے کتب لغت مرتب کیں تو ان کے سامنے ان کے ماحول کے الفاظ تھے جنہیں وہ شب و روز سننے کے عادی ہو چکے تھے اسی لئے ان سے لفظ غنیمت کے مفہوم کی تعیین میں غلطیاں ہوئیں۔

چنانچہ راغب اصفہانی نے جب لفظ غنیمت کے عمومی استعمال کو دیکھا تو اس نے لکھا۔

"استعمل فی کل منظور بہ من جهة العدی وغیرهم"

"لفظ غنیمت کا اطلاع ہر اس چیز پر کیا گ یا جو دشمنوں وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو۔"

جب ابن منظور نے لفظ غنیمت کے عصر جاہلیت کے استعمال کو دیکھا تو اس نے لکھا۔:

غنم الشئی فازبہ والاغتنام: انتهاز الغنم

"غنم الشئی" کا معنی ہے کہ وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا' اور "اغتنام" کے معنی میں غنیمت تصور کرنا۔"

اور جب اس نے عصرِ فتوحات میں لفظ غنیمت کو قرینہ اور کبھی بغیر قرینہ کے استعمال ہوتے ہوئے محسوس کیا تو اس نے لکھا:

الغنیمة ما اصیب من اموال اهل الحرب

"غنیمت وہ مال ہے جو جنگ کے دوران حاصل کیا جائے۔"

صاحب قاموس کو لفظ "غنم" کا معنی متعین کرنے میں تردد ہوا کہ آیا اس کا معنی کسی منفعت کا حصول ہے یا اس سے مراد دشمنوں سے لوٹا ہوا مال ہے اور یوں لفظ "غنیمت" کا مفہوم غلط ملط سا ہو گیا اور اس سلسلہ میں صحیح ترین بات یہ ہے کہ لفظ "غنم" کے مفہوم ومدلول کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(الف) دورِ جاہلیت اور صدر اسلام میں یہ لفظ اپنے لغوی اور وضعی مفہوم تک محدود تھا اور وہ مفہوم یہ تھا۔

الفوز بالشئی بلا مشقة. "کسی چیز کو مشقت کے بغیر حاصل کرنا۔"

(ب) آیت خمس کے نزول کے بعد اس کا ایک شرعی مفہوم متعین کیا گیا اور وہ یہ تھا۔

الغنیمة ما ظفر بہ من جهة العدی

"دشمنوں سے حاصل کردہ مال کو غنیمت کا نام دیا گیا۔"

عہد رسالت میں جہاں اس لفظ کا ایک شرعی مفہوم متعین کیا گیا تھا وہاں یہ

لفظ اپنے حقیقی اور لغوی معنی میں بھی بدستور استعمال ہوتا رہتا تھا۔

(ج) تدوین لغت کے دور میں اہل شرع یعنی مسلمانوں کے ہاں اس کا مفہوم صرف دشمنوں سے لوٹے ہوئے مال تک ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا اور اس دور میں لوگوں نے اس کا حقیقی معنی اسے ہی قرار دیا تھا۔

اسی حقیقت کے پیش نظر جب کہیں صدر اسلام میں لفظ غنیمت نظر آئے تو اس کا ہمیں اس کا معنی فوز الشئی بلا مشقة "کسی مشقت کے بغیر چیز کا حصول، کرنا چاہئے اور ہمیں لوٹ مار کے معنی سے پرہیز کرنا چاہئے"۔

اور جب ہمیں لفظ غنیمت آیت خمس کے بعد دکھائی دے تو ہمیں اس کے دونوں معانی مدنظر رکھنے چاہئیں۔

اور جب تدوین لغت کے دور میں یہ لفظ دکھائی دے تو پھر اس کا رائج الوقت معنی مراد لینا چاہئے اور لفظ غنیمت کو دشمن سے چھینے ہوئے مال سے مخصوص سمجھنا چاہئے۔

خمس کے وجوب کے بعد سے لے کر عصر صحابہ تک لفظ غنیمت لغوی اور شرعی معانی میں یکساں طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اگر کوئی "قرینہ حال یا قرینہ مقال" موجود ہو تو اس سے شرعی معنی مراد لینا چاہئے اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو اس سے لغوی معنی مراد لینا چاہئے۔

(۷) خمس

لغوی طور پر لفظ خمس "خامس" سے مشتق ہے اور "خامس" اعداد ترتیبی کے تحت پانچویں کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے "خمس" کا معنی پانچواں حصہ ہے۔

اور لفظ "خَمَسْتُ الْقَوْمَ" کے معنی ہیں کہ میں نے لوگوں کے مال کا پانچواں حصہ۔ خمس کے شرعی معنی سمجھنے کے لئے ہمیں قبل از اسلام معاشرہ کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس جائزہ کے بعد ہم نظام خمس سمجھانے کے قابل ہوسکیں گے۔ پھر ہم "خمس اور مسلمان" کے عنوان سے اس موضوع کا تفصیلی تذکرہ کریں گے۔

(۱) دورِ جاہلیت میں

زمانہ جاہلیت میں قوم کا سردار مال غنیمت میں سے چوتھا حصہ لیا کرتا تھا اور اس دور میں اس طرح کے عربی محاورات وجود میں آئے۔ ''رَبَعَ الْقَوْمَ'' اس نے قوم کے اموال میں سے چوتھا حصہ لیا۔ اور ''رَبَعَ الْجَیْشَ'' کے معنی ہیں کہ سردار نے لشکر کے مال غنیمت میں سے چوتھا حصہ لیا۔

سردار ہمیشہ مال کی چوتھائی لیا کرتا تھا اور اس چوتھائی کو عربی زبان میں ''مرباع'' کہا جاتا تھا۔ لفظ ''مرباع'' حدیث اور اشعار میں بھی موجود ہے۔

رسولخدا نے عدی بن حاتم سے یہ الفاظ اس وقت فرمائے جب کہ وہ اسلام نہیں لائے تھے۔

انک لتا کل المرباع وھو لایحل فی دینک (۱)

''تو ''مرباع'' (چوتھائی حصہ) کھاتا ہے جبکہ تیرے دین میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔''

ایک عرب شاعر کا ایک شعر ہے:

لک المرباع منھا والصفایا — وحکمک والنشیطة الفضول

''تیرے لئے ''مرباع'' اور ''صفایا'' اور ''نشیطہ'' اور ''فضول'' ہے۔ ان سب کے متعلق تیرا حکم نافذ ہے۔''

''مرباع'' مال غنیمت کی چوتھائی کو کہا جاتا ہے۔ ''صفایا'' اس مال کو کہا جاتا ہے جسے تقسیم سے قبل سردار اپنے لئے چن لے۔ ''نشیطہ'' مال غنیمت میں سے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جسے سردار اس وقت چنے جب کہ مال غنیمت ابھی تک قبیلہ کے اجتماع میں نہ پہنچا ہو اور ''فضول'' مال غنیمت کا وہ قلیل حصہ جو قابل تقسیم نہ ہو۔

(نہایۃ اللغۃ ۶۲/۲)

پھر وقت گزرنے کے ساتھ ''رِبْعِیَّۃ'' اور ''رِبَاعَۃ'' کے الفاظ سرداری

(۱) سیرت ابن ہشام ۲۲۹/۴۔ قاموس، لسان، تاج العروس، نہایۃ

کے مفہوم میں استعمال ہونے لگے۔ چنانچہ عربوں کے یہ محاورے ہیں۔

ان فلانا قد ارتبع امر القوم' .أی انتظرن یومر علیهم ایهوا علی رباعة قومه

''فلاں شخص قوم کے معاملات کا سردار قرار پایا۔ وہ اپنی قوم کا سردار ہے۔''

اسلام آنے کے بعد چوتھے حصہ کا رواج ختم ہوا اور اس کی بجائے پانچواں حصہ مقرر ہوا۔ چنانچہ عدی بن حاتم نے دونوں حصوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

ربعتُ فی الجاهلیة وخمستُ فی الاسلام

(نہایۃ اللغۃ در مادہ خمس)

''عدی کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں فوج کی کمان کی جب کہ سردار کو چوتھا حصہ دینا پڑتا تھا اور میں نے زمانہ اسلام میں بھی فوج کی کمان سنبھالی جبکہ مجھے پانچواں حصہ دینا پڑتا ہے۔''

قرآن اور خمس

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ. (الانفال:۴۱)

''اور جان لو کہ تمہیں جس چیز سے بھی فائدہ حاصل ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، رسول کے قرابت دار، یتامیٰ مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تمہارا ایمان اللہ پر ہے اور اس نصرت پر ہے جو ہم نے اپنے بندے پر حق و باطل کے

فیصلے کے دن جب دو جماعتیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں نازل کی تھی
اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

یہ آیت مجیدہ اگرچہ ایک خاص موقع ومحل پر نازل ہوئی' لیکن اس میں عام حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے تمام فوائد ومنافع سے خمس ادا کریں اور اگر بالفرض یہ آیت مجیدہ صرف جنگی غنائم سے مخصوص ہوتی تو آیت مجیدہ کے الفاظ کچھ اس طرح سے ہوتے:

"واعلموا انما غنمتم فی الحرب" یا یہ آیت یوں ہوتی "واعلمو انما غنمتم من الوری" یعنی تمہیں جو جنگ میں یا دشمنوں سے مال غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ ادا کرو۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس طرح کے الفاظ موجود نہیں ہیں اور قرآن مجید میں ان الفاظ کی بجائے "غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ" کے الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔

دور جاہلیت میں سردار چوتھا حصہ وصول کرتا ہے جسے وہ اکیلا ہضم کرتا تھا اور اسلام میں پانچواں حصہ مقرر کیا گیا جس کے چھ مصارف بیان کئے گئے ہیں۔

خمس میں ایک حصہ اللہ کا ہے اور ایک حصہ رسولؐ کا ہے اور ایک حصہ رسول کریمؐ کے قرابت داروں کا ہے اور ایک حصہ یتامیٰ اور ایک حصہ مساکین اور ایک حصہ غربت زدہ مساکین کے لئے ہیں۔ لیکن ہم یہاں یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یتامیٰ، مساکین اور مسافروں سے مراد خاندان رسولؐ کے افراد مراد ہیں۔ عام یتامیٰ ومساکین اور مسافر مراد نہیں ہیں۔

قرآن مجید نے خمس کو غنیمت سے مخصوص کیا ہے' جس میں ہر قسم کی منفعت شامل ہے اور اس کے برعکس قرآن نے خمس کو غنیمت جنگ سے مخصوص نہیں کیا اور قرآن مجید نے دور جاہلیت کے "مرباع" کو ختم کر کے اس کی جگہ خمس کو متعارف کرایا ہے۔

ہم سابقہ بحث میں تفصیلی طور پر یہ عرض کر چکے ہیں کہ "زکوٰۃ" سے مالی حقوق مراد ہیں اور قرآن مجید میں تیس کے قریب مقامات پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم

دیا گیا ہے اور زکوٰۃ کے ضمن میں صدقہ واجبہ اور خمس دونوں شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آیت صدقہ میں صدقہ واجبہ کے مصارف بیان کئے ہیں اور آیت خمس میں مصارف خمس بیان کئے ہیں۔

(ب) سنتِ نبویؐ اور خمس

رسول اکرمؐ نے امت اسلامیہ کو جنگی غنائم سے خمس نکالنے کا حکم دیا ہے اور جنگی غنائم کے علاوہ اور چیزوں سے بھی خمس نکالنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً آپؐ نے دفینہ سے خمس نکالنے کا حکم دیا جیسا کہ ابن عباس، ابوہریرہ، جابر، عبادہ بن الصامت اور انس بن مالک سے منقول ہے۔

مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ مسند میں ان الفاظ سے مروی ہے:

علی ابن عباس قال: قضی رسول اللّٰہ(ص) فی الرکاز الخمس. [1] (مسند احمد ۱/۳۱۴۔ سنن ابن ماجہ ص ۸۳۹)

''ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے زمین کے اندر قدرتی گڑی ہوئی دھاتوں پر خمس کا فیصلہ کیا۔''

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، مؤطا مالک اور مسند احمد میں یہ روایت ہے اور یہ روایت صحیح مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے۔

عن ابی هریرة قال: قال رسول اللّٰہ (ص): العجماء جرحها جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس وفی الروایات عند احمد: البهيمة عقلها جبار.

''ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا چوپائے کے زخم کی کوئی دیت نہیں وہ رائیگان ہے اور جو معدن میں گر کر مرجائے اس کی دیت بھی رائیگان ہے اور دفینہ میں خمس واجب ہے۔''

احمد کی بعض روایات میں ''**البهيمة عقلها جبار**'' کے الفاظ وارد ہیں:

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا:

دور جاہلیت کا دستور تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کنوئیں میں مرجاتا تو وہ کنواں اس کی خون بہا کے طور پر مرنے والے کے ورثا کو دیا تھا۔ اور اگر کوئی شخص کر جانور کی ٹکر سے ہلاک ہوتا تو وہ جانور اس کی خون بہا قرار پاتا تھا اور جب کو شخص کسی معدن میں مرجاتا تو وہ کان اس کی خون بہا قرار دی جاتی تھی۔ ایک سائل نے رسول خداؐ سے ان چیزوں کی دیت کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

جانور کی ٹکر کی کوئی دیت نہیں ہے۔ کان میں مرنے والے کی کوئی دیت نہیں ہے اور کنوئیں میں مرنے والے کی کوئی دیت نہیں ہے اور "رکاز" میں خمس واجب ہے۔

رسول خداؐ سے پوچھا گیا کہ "رکاز" کیا ہے؟"

آپؐ نے فرمایا: اس سے مراد وہ سونا چاندی ہے جسے خدا نے تخلیق زمین کے وقت زمین میں رکھا۔

مسند احمد میں شعبی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی کہ رسول خداؐ نے فرمایا

السائمة جُبار والجب جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس.

"جانور کی ٹکر کی کوئی دیت نہیں اور کنوئیں میں گرنے والے کی کوئی دیت نہیں اور کان میں ہلاک ہونے والے کی کوئی دیت نہیں اور دفینہ میں خمس واجب ہے۔"

شعبی نے کہا: "رکاز" سے عام خزانہ مراد ہے۔[۳]

---

(۱) صحیح مسلم ۱۲۷/۵ کتاب الحدود شرح نووی ۲۲۵/۱۱۔ صحیح بخاری ۱۸۲/۱ باب فی الرکاز الخمس۔ ۳۴/۲ باب (من حفر بئرا فی ملک لم یضمن) کتاب المساقاۃ۔ سنن ابی داؤد ۲۵۴/۲ باب من قتل عمیا بین القوم کتاب الحدود۔ باب ماجاء فی الرکاز ۷۰/۲۔ سنن ترمذی ۱۳۸/۳۔ سنن ابن ماجہ ص ۸۰۳ باب۔ "من اصاب رکازا" کتاب اللقطہ۔ مؤطا مالک ۲۴۴/۱ باب زکاۃ الرکاۃ۔ مسند احمد ۲۲۸/۲۔ ۱۲۲۹ اموال ابی عبید ص ۳۳۶۔

(۲) کتاب الخراج ص ۲۶

(۳) مسند احمد ۳۳۵/۳۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۶۔ صحیح الزوائد ۷۸/۳ باب "فی الرکاز المعادن"۔ ابوعمرو عامر بن شراحیل کوفی الشعبی قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ "شعب" کی طرف منسوب ہے۔ انہوں نے ڈیڑھ سو صحابہ سے احادیث اور روایت کی تھیں ۱۰۳ھ میں ان کی کوفہ میں وفات ہوئی۔ (انساب سمعانی ص ۳۳۶)

مسند احمد میں عبادہ بن الصامت سے مروی ہے۔ کہ اس نے کہا: کہ رسول خدا کا یہ فیصلہ ہے:

ان المعدن جبار' والبئر جبار والعجماء جرحها جبار والعجماء البهیمة من الانعام وغیرها والجبار هو الهدر الذی لا یغرم وقضی فی الرکاز الخمس (1)

"کان میں مرنے والے کی کوئی دیت نہیں' کنوئیں میں گر کر مرنے والے کی کوئی دیت نہیں۔ جانور کی ٹکر سے زخم آنے کی کوئی دیت نہیں اور رسول خدا نے خزانے کے متعلق خمس واجب ہونے کا فیصلہ کیا۔"

مسند میں انس بن مالک سے روایت ہے:

ہم رسولؐ خدا کی معیت میں خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمارا ایک ساتھی قضائے حاجت کے لئے ایک ویران مکان میں گیا۔ اس نے طہارت کے لئے ایک اینٹ اکھیڑی تو سونے کا ایک ٹکڑا گر پڑا۔ اس نے وہ ٹکڑا اٹھایا اور رسولؐ خدا کی خدمت میں لے آیا اور آپ کو واقعہ کی اطلاع کی۔

آپؐ نے فرمایا: سونے کے اس ٹکڑے کا وزن کرو۔

جب اسے وزن کیا تو اس کا وزن دو سو درہم تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔

فیه وفی الرکاز فیه الخمس۔

"یہ دفینہ ہے اور اس میں خمس واجب ہے۔"

مسند احمد میں مذکور ہے کہ بنی فرینہ کے ایک شخص نے رسولؐ خدا سے کچھ مسائل دریافت کئے جن میں سے ایک مسئلہ یہ تھا کہ ہمیں ویران مقامات اور علامت کے طور پر رکھے ہوئے پتھروں سے خزانہ مل جائے تو ہم کیا کریں؟

آپؐ نے فرمایا:

فیه وفی الرکاز الخمس:

"اس میں اور دفینہ میں خمس واجب ہے۔"

(۱) مسند احمد ۳/۱۲۸۔ مجمع الزوائد ۳/۷۷۔ باب فی الرکاز والمعادن۔ مغازی واقدی ص ۶۸۲

(۲) مسند احمد ۲/۱۸۶۔ ۲۰۲۔ ۲۰۷۔ سنن ترمذی ۱/۲۱۹۔ کتاب الاموال ابی عبید ص ۳۳۷

نہایۃ اللغۃ ،لسان العرب، تاج العروس، نہایۃ الارب، العقد الفرید اور اسد الغابہ میں یہ روایت مرقوم ہے۔ نہایۃ اللغۃ میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے۔ وفی کتابہ۔ ای کتاب رسول اللہ ص۔ لوائل بن حجر "وفی السیوب الخمس" رسولؐ خدا نے لوائل بن حجر کو ایک خط تحریر فرمایا: جس میں ایک عبارت یہ تھی کہ۔ "سیوب" میں خمس واجب ہے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں:

"سیوب" دفینہ کو کہا جاتا ہے۔

بہت سے اہل علم بیان کرتے ہیں کہ لفظ "سیوب" کی واحد "سیب" ہے اور "سیب" سے آنحضرت کی مراد زمانہ جاہلیت کا دفن شدہ مال یا کان ہے۔ کیونکہ دفینہ اور کان خداوند عالم کا خصوصی فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

رسولؐ خداج کے اس نامہ مبارک کی تفصیل قلقشندی کی کتاب نہایۃ الارب میں موجود ہے۔(۱)

سابقہ روایات کا خلاصہ

مکتب خلفاء سے وابستہ علماء لوگوں کو یہ باور کراتے نہیں تھکتے کہ خمس صرف جنگی غنائم پر فرضی ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز پر فرض نہیں ہے۔ جب کہ سابقہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جنگی غنائم کے علاوہ خزانہ، معدن اور دفینہ پر خمس کی ادائیگی واجب ہے اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ خزانہ اور معدنیات کا تعلق جنگی غنیمت سے نہیں ہوتا۔ اس سے مکتب خلفاء کے نظریہ کی کمزوری واضح ہوتی ہے۔

فقہ حنفیہ کے بنیادی ستون قاضی ابو یوسف نے بھی سابقہ روایات سے یہی استنباط کیا ہے کہ خمس جنگی غنائم تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ جنگی غنائم کے علاوہ بھی واجب ہے۔

---

(۱) نہایۃ الارب ص ۲۲۱ نقلا عن کتاب الشفاء قاضی عیاض والعقد الفرید ۲/ ۴۸ باب الوفود اسد الغابہ ۳/ ۳۸ درحالات ضحاک۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

معادن یعنی کانوں سے نکلنے والی چیز کی مقدار کم ہو یا زیادہ اس میں خمس واجب ہے۔ لہٰذا اگر ایک شخص کو دو سو درہم سے کم وزن میں چاندی ملے یا بیس درہم کی مقدار سے کم مقدار میں سونا ملے تو اس میں خمس واجب ہے۔ یہ مقام زکوٰۃ نہیں ہے' کیونکہ یہ بھی ایک طرح کی غنیمت ہے۔ واضح رہے کہ خمس کا تعلق خالص سونے اور چاندی، لوہے، تانبے اور سیسے سے ہے اور اگر مذکورہ اشیاء کے نکالنے کا خرچ ان کی قیمت سے زیادہ ہو تو خمس واجب نہیں ہوگا۔ خمس اس وقت واجب ہوگا جب دھات صاف ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں جن معدنیات سے یاقوت، فیروزہ، گندھک قسم کی اشیاء برآمد ہوں تو ان اشیاء میں خمس واجب نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ اشیاء مٹی اور گارے کی مانند ہیں۔ (۱)

قاضی ابو یوسف مزید لکھتے ہیں:

''رکاز'' اس سونے اور چاندی کو کہا جاتا ہے جسے زمین کے اندر خدا نے پیدا کیا ہے۔ اس میں بھی خمس واجب ہے۔ اگر کسی شخص کو ایسی کوئی کان ملے جس میں سونا چاندی یا جوہر یا کپڑے ہوں اور وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو تو اسے پانچواں حصہ دینا ہوگا اور چار حصے اسی کے ہوں گے جس نے ان اشیاء کو حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی مال غنیمت کی طرح سے ہے جس میں سے پانچواں حصہ علیحدہ کر کے چار حصے مجاہدین میں بانٹ دیے جاتے ہیں۔

اگر ایک حربی کافر کو دارالسلام میں خزانہ دستیاب ہو جائے اور کافر حربی دارالسلام میں امان نامہ لے کر داخل ہوا ہو تو اس سے وہ سب خزانہ چھین لیا جائے گا اور اسے اس میں سے کچھ بھی نہیں دیا جائے گا اور اگر خزانہ ذمی کافر کو دستیاب ہو

(۱) کتاب الخراج ص ۲۵' ۲۷۔ واضح رہے کہ قیمتی پتھروں کو خمس سے مستثنیٰ قرار دینا آیت خمس کی عمومیت اور فقہ اہل بیت کے خلاف ہے۔

تو اس سے مسلمان کی طرح پانچواں حصہ لے کر باقی چار حصے اس کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ اور اگر کسی "مکاتب" غلام کو دارالسلام میں خزانہ مل جائے تو اس سے پانچواں حصہ لے کر باقی چار حصے اس کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ قاضی مذکور نے سمندر سے برآمد ہونے والی اشیاء کی فصل میں خلیفہ ہارون الرشید کو خطاب کرتے ہوئے یہ جملے لکھے ہیں:

امیر المومنین! آپ نے مجھ سے سمندر سے برآمد ہونے والی اشیاء کے متعلق پوچھا ہے (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) سمندر سے نکلنے والے عنبر اور موتیوں پر خمس واجب ہے۔ (۱)

ہمارے قارئین کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ خمس کو جنگی غنیمت تک محدود رکھنے والے علماء زمین اور سمندر سے برآمد ہونے والی قیمتی اشیاء پر بھی خمس کے قائل ہیں۔ اس سے ان کا وہ نظریہ ٹوٹ جاتا ہے کہ جنگی غنائم میں ہی خمس واجب ہے اور اس کے ماسوا کسی چیز پر خمس واجب نہیں ہے جبکہ سمندر اور زمین سے نکلنے والی اشیاء جنگی غنائم میں شامل نہیں ہیں۔

اب تک آپ نے غنائم جنگی کے علاوہ اور چیزوں کے متعلق خمس کی فرضیت کے دلائل پڑھے اور اب ہم رسول خداؐ کے ان معاہدوں اور خطوط کا تذکرہ کریں گے جن میں خمس کی فرضیت کو واضح کیا گیا ہے۔

رسولؐ خدا کے خطوط اور معاہدوں میں خمس

(الف) صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں یہ روایت مذکور ہے اور یہ روایت صحیح بخاری میں ان الفاظ میں ہے:

قبیلۂ عبدالقیس کا ایک وفد رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے آپ سے عرض کی:

---

(۱) کتاب الخراج ص ۸۳۔ ابو عبید نے کتاب الاموال کے صفحہ ۳۱۵، ۳۱۸ میں دو قول نقل کیے ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور دوسرے قول کے مطابق اس پر خمس واجب ہے۔

ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے مشرک حائل ہیں اسی لئے ہم حرمت والے مہینوں کے علاوہ آپ کے پاس نہیں آ سکتے۔ لہٰذا آپ ہمیں چند ایسے احکام بتائیں جن پر عمل کرنے کی وجہ سے ہم جنت کے حقدار بن سکیں اور دوسرے لوگوں کو بھی ان کی دعوت دیں۔

آمرکم باربع وأنهاکم عن اربع: آمرکم بالایمان باللّٰہ' وهل تدرون ماالایمان باللّٰہ' شهادة ان لااله الااللّٰہ واقام الصلوة وایتاء الزکوة وتعطوا الخمس من المغنم...... الحدیث(۱)

"میں تمہیں چار باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ پر ایمان کیسے لایا جاتا ہے؟ اور اللہ پر ایمان لانے کا مقصد لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے اور میں تمہیں نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنے کا حکم دیتا ہوں۔"

اس حدیث میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رسول خدا نے اس قبیلہ کو خمس ادا کرنے کا حکم دیا ہے جو بے چارے اتنے مغلوب اور مقہور تھے کہ حرمت والے مہینوں کے علاوہ اپنے وطن سے نکل کر مدینہ پہنچنے کے بھی قابل نہ تھے۔

مکتب خلفاء سے وابستہ علماء سے ہم یہ پوچھنا چاہیں گے کہ اگر خمس صرف جنگی غنیمت پر فرض ہے اور اس کے علاوہ کسی اور چیز پر فرض نہیں ہے تو قبیلہ عبدالقیس کو آپؐ نے خمس ادا کرنے کا حکم کیوں دیا جبکہ وہ نہ تو جنگوں کے فاتح تھے اور نہ ہی ان کے پاس جنگی مال غنیمت موجود تھا؟

---

(۱) صحیح بخاری ۴/۱۰۵ کتاب التوحید باب واللّٰہ خلقکم وما تعملون۔ ج ۱/۱۳۔۱۹، وج ۵۳/۳۔ صحیح مسلم ۱/۳۵۔۳۶ باب الامر بالایمان۔ سنن النسائی ۲/۳۳۳۔ مسند احمد ۳/۳۱۸، ۵/۱۳۶۔ اموال ابی عبید ص ۱۲

اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ان سے غنیمت میں سے خمس ادا کرنے کا مطالبہ کیا تھا اور اس حدیث میں لفظ غنیمت اپنے حقیقی معنی یعنی کسی مشقت کے بغیر کچھ حاصل کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

رسول رحمت کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ انہیں اپنے منافع و فوائد میں سے خمس ادا کرنا چاہئے۔

عرب قبائل کے وفود آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور آپ ان سے تحریری معاہدے کرتے تھے اور اپنے قاصدوں کے ہاتھ اپنے خطوط مختلف قبائل اور روٴسائے قبائل کے پاس بھیجتے تھے تو ان معاہدوں اور خطوط میں بھی خمس کا تذکرہ فرماتے تھے۔ جیسا کہ بلاذری فتوح البلدان میں رقم طراز ہیں: جب رسول خداؐ نے عمرو بن حزام کو یمن کی طرف بھیجا تو آپ نے یہ تحریر اس کے حوالے فرمائی:

(ب) بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. ھذا بیان من اللّٰہ ورسولہ یا ایھاالذین امنو اوفوا بالعقود" عھد من محمد النبی رسول اللّٰہ لعمر بن حزم حین بعثہ الی الیمن امرہ بتقوی اللّٰہ فی امرہ کلہ وان یاخذمن المغانم خمس اللّٰہ وما کتب علی المؤمنین من الصدقۃ من العقار عشر ما سقی البعل و سقت السماء ونصف العشر ما سقی الغرب(۱)

"خدا کے نام کے سہارے سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے بیان ہے۔ ایمان والو! "معاہدوں کو پورا کرو۔" یہ وہ عہد ہے جسے اللہ کے رسولؐ و نبی مہر نے عمرو بن حزم کو یمن روانہ کرتے وقت تحریر کیا ہے۔"

---

(۱) فتوح البلدان ۸۲/۱ باب الیمن۔ سیرت ابن ہشام ۲۶۵/۴۔ ۲۶۶۔ طبری ۱۷۲۷/۱۔ ۱۷۲۹۔ تاریخ ابن کثیر ۵۔ ۷۶۔ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۸۵۔ مستدرک حاکم ۳۹۵/۱۔ کنزالعمال ۵۱۷/۵۔

عمرو بن حزم انصاری کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ اس نے خندق اور اس کے بعد کی غزوات میں شرکت کی تھی۔ اس نے ۵۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ۹۹/۴)

ورسوله، واعطوا حق النبی، ونسکونسک المسلمین فانهم آمنوا وان لهم مااسلموا علیه غیر ان مال بیت النار ثنیالله ولرسوله، وان عشورالتمر صدقة ونصف عشور الحب، وان للمسلمین نصرهم ونصحهم وان لهم ارحاء هم یطحنون بها ماشائووا. (۱)

''اللہ کے رسول محمد پیغمبر کی طرف سے خدا کے بندوں عمان کے اسبذی حکمرانوں کے نام اوران میں سے جو بحرین میں ہیں ان کے نام!''

اگر وہ ایمان لے آئیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کریں اور نبی کا حق ادا کریں اور مسلمانوں کے طور طریقے اپنالیں تو انہیں مومن سمجھا جائے گا اور انہیں اسلام کے تحت جملہ حقوق دیے جائیں گے، مگر آتش کدوں کا مال خدا اوراس کے رسول سے مغائرت رکھتا ہے۔ کھجوروں میں صدقہ واجب دسواں حصہ ہوگا اور غلہ جات میں بیسواں حصہ ہوگا، اور وہ مسلمانوں کی مدد اور خیر خواہی کریں گے اور انہیں ان کی مرضی سے (پن) چکیاں چلاکر آٹا پیسنے کی اجازت ہوگی۔''

(ز) ایک ایسا ہی معاہدہ حدس اور لخم قبائل کے مسلمانوں سے طے ہوا تھا اور اس میں آنحضرتؐ نے یہ الفاظ تحریر فرمائے تھے:

...... اقام الصلاۃ واتی الزکوۃ واعطی حظ اللہ وحظ الرسول، وفارق المشرکین فانه آمن بذمة وذمة محمد ومن رجع عن دینه فان ذمة اللہ رسوله منه بریئة. (۲)

''...... جو نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کرے اور اللہ اور رسول کا

---

(۱) مجموعة الوثائق السیاسیة تالیف محمد حمید اللہ بحوالہ کتاب الاموال- ابوعبید ص ۵۲- صبح الاعشیٰ للقلقشندی ۶/۳۸۰

(۲) طبقات ابن سعد ۱/۲۶۶- حدس بن اریش قبیلہ قحطان کی ایک بڑی شاخ ہے اور ان کا نسب جمہرہ ابن حزم ص ۳۶۳ میں مذکور ہے۔

اور مشرکین سے علیحدگی اختیار کرے تو اسے اللہ اور محمدؐ کی امان کے تحت امن حاصل ہوگا اور جو اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی ضمانت اسے حاصل نہ ہوگی۔"

اس عہد نامہ میں اللہ اور رسولؐ کے حصہ سے خمس مراد ہے۔

(۲) رسول خدا نے جنادہ ازدی اور اس کی قوم اور اس کے پیروکاروں سے معاہدہ کیا تھا جس کی عبارت حسب ذیل تھی۔

......ماقاموا الصلاة واتوا الزکوٰة واطاعوا اللّٰہ ورسولہ واعطوا من المغانم خمس اللّٰہ وسھم النبی وفارقوا المشرکین فان لھم ذمة اللّٰہ وذمة محمد بن عبداللہ.(۱)

"......وہ جب تک نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کریں گے اور اللہ اور اس کے رسو کی اطاعت کریں گے اور غنائم میں سے اللہ اور نبی کا حصہ دیتے رہیں گے اور مشرکین سے علیحدہ رہیں گے تو انہیں اللہ اور محمد بن عبداللہ کی امان حاصل رہے گی۔"

(ط) قبیلہ طے سے تعلق رکھنے والے بنی معاویہ بن جرول کے نام جو امان نامہ لکھا گیا اس کی عبارت میں بھی خمس کا تذکرہ کیا گیا۔ امان نامہ کی عبارت یہ ہے:

......لمن اسلم منھم واقام الصلاة واتی الزکوٰة واطاع اللّٰہ ورسولہ واعطی من المغانم خمس اللّٰہ وسھم النبی وفارق المشرکین واشھد علی اسلامہ انہ امن بامان اللّٰہ ورسولہ وان لھم مااسلموا علیہ.

---

(۱) طبقات ابن سعد ۱/۲۷۰۔ جنادہ کا تذکرہ اسد الغابہ ۱/۳۰۰۔ کنز العمال پہلا ایڈیشن ۵/۳۲۰ میں مذکور ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جنادہ ازدی کے ضمن میں چار افراد کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۱) جنادہ بن ابی امیہ۔ (۲) جنادہ بن مالک (۳) جنادہ ازدی اس کے والد کا نام بیان نہیں کیا گیا (۴) جنادہ جس کے والد اور قبیلہ کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اور یہ روایت آخری جنادہ کے حوالہ سے مروی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ چاروں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ (اسد الغابہ ۱/۲۹۸۔۳۰۰)

"ان میں سے جو اسلام لائے اور نماز اور زکوۃ کی پابندی کرے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور غنائم میں سے اللہ اور رسول کا پانچواں حصہ ادا کرے اور مشرکین سے علیحدگی اختیار کرے اور اپنے اسلام کا اظہار کرے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی امان حاصل ہوگی اور انہیں اسلام کے تحت جملہ حقوق میسر ہوں گے۔" (۱)

قبیلہ طے کی ایک اور شاخ بنی جوین کے نام بھی امان نامہ لکھا گیا تھا اور اس امان نامہ کے الفاظ بھی اس امان نامہ سے ملتے جلتے تھے۔ (۲)

(ی) رسول اللہؐ نے قبیلہ جہینہ بن زید سے ایک معاہدہ کیا تھا اور اس میں یہ عبارت لکھی گئی تھی:

ان لکم بطون الارض وسہولها وتلاع الاودیة وظهورها علی ان ترعوا نباتها وتشربو مائها علی ان تؤدوا الخمس وفی التیعة واصریمة شاتان اذا جتمتها وان فرقتا فشاة شاة لیس علی اهل المشیر صدقة.

"زمین کا نشیبی اور میدانی اور وادیوں کے بلند و بالا مقامات اور اس کی پشت کو تمہاری ملکیت میں دیا جاتا ہے اور تم اس کا گھاس چرا سکتے ہو اور وہاں کا پانی پی سکتے ہو۔ مگر اسکے لئے شرط یہ ہے کہ تم خمس ادا کرو گے اور "تیعہ اور صریحہ" میں بطور زکوۃ دو بکریاں ادا کرو گے جب دونوں جمع ہوں اور اگر علیحدہ ہوں تو ایک ایک بکری ادا کرو گے اور جن بیلوں سے زراعت کا کام لیا جاتا ہے ان پر صدقہ واجب نہیں ہے۔

(۱) طبقات ابن سعد ۱/۲۶۰۔ جرول بن ثعل بن عمرو بن غوث بن طے، یہ نسب نامہ جمہرہ ابن حزم کے صفحات ۴۰۰، ۴۰۱ پر مرقوم ہے

(۲) اس خط کو محمد حمید اللہ نے مجموعۃ الوثائق السیاسیہ کے صفحہ ۱۴۲ اشارہ ۱۵۷ کے تحت جمع الجوامع سیوطی سے نقل کیا ہے۔

جہینہ بن زید قبیلہ قضاعہ کی شاخ ہے اور ان کا تعلق قحطان سے ہے۔ (جمہرہ ابن حزم ص ۴۴۴، ۴۴۶)

ابن اثیر نہایۃ اللغۃ میں لکھتے ہیں:

''حمیعہ'' مویشیوں کی اس کم از کم مقدار کو کہا جاتا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور ''صریمہ'' اونٹوں اور بکریوں کے بڑے ریوڑ اور گلے کو کہا جاتا ہے۔

ابن اثیر مزید لکھتے ہیں:

حدیث نبوی میں جس ''صریمہ'' کا ذکر ہے اس سے ایک سو اکیس بکریوں سے لے کر دو سو بکریوں تک کا ریوڑ مراد ہے۔ اگر وہ اکٹھا ریوڑ ہو تو اس میں سے زکوٰۃ کے طور پر دو بکریاں واجب ہوں گی اور اگر مذکورہ ریوڑ دو افراد کی ملکیت ہو اور ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ بکریاں ہوں تو پھر ایک ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر لی جائے گی۔

(ک) رسولؐ خدا کے بعض خطوط میں ''سہم النبی'' کے بعد لفظ ''صفی'' مرقوم ہے۔

جیسا کہ آنحضرتؐ کے حسب ذیل خطوط میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

آپؐ نے سلاطین حمیر کے نام یہ خط روانہ فرمایا تھا:

امابعد فان اللّٰہ ھدا کم بھدایتہ ان أصلحتم والھتم اللّٰہ ورسولہ واقمتم الصلاۃ وآتیتم الزکوٰۃ من المغانم خمس اللّٰہ وسھم النبی وصفیہ وماکتب اللّٰہ علی المومنین من الصدقۃ.(۱)

''بے شک اللہ نے اپنی ہدایت کے ذریعہ سے تمہیں ہدایت کی ہے بشرطیکہ

---

(۱) فتوح البلدان ۸۵/۱۔ سیرت ابن ہشام ۲۵۸/۴۔ ۲۵۹۔ مستدرک ۳۹۵/۱۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر ۲۷۳/۶۔ ۲۷۴۔ کنز العمال پہلا ایڈیشن ۱۶۵/۶۔ کتاب الاموال ابی عبید ۱۳ واضح رہے کہ ''حمیر'' قبیلہ قحطان کی ایک شاخ بنی سبا بن یشجب کی ایک بڑی لڑی کا نام ہے۔ اسلام سے قبل ان کی سکونت یمن میں تھی۔ جمہرہ ابن حزم ص ۴۳۲۔ ۴۳۸

۹ھ میں ان کا وفد رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ نے مذکورہ خط حمیر کے سلاطین حارث بن عبد کلال اور نعمان کے نام لکھا تھا۔

تم نے اصلاح سے کام لیا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے اور تم نے زکوۃ دی' یعنی غنائم میں سے اللہ اور نبی کے خمس کا حصہ اور اس کا "صفی" اور جو کچھ اللہ نے مومنین پر صدقہ واجب کیا ہے ادا کرتے رہے۔"

(ل) آنحضرتؐ نے بنی ثعلبہ بن عامر کے نام اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا:

من اسلم منهم واقام الصلاة وآتى الزكوة وخمس المغنم وسهم النبى والصفى فهو آمن بامان الله

"ان میں سے جو بھی اسلام قبول کرے اور نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کرے اور مال غنیمت سے خمس اور نبی کا حصہ اور "صفی" ادا کرے تو اللہ کی امان کے تحت اسے امان حاصل ہوگی۔"(۱)

(م) بنی زہیر عکلیین کے نام خط میں آنحضرتؐ نے یہ الفاظ تحریر فرمائے:

انكم ان شهدتم ان لااله الا الله وان محمدا رسول الله واقمتم الصلاة واتيتم الزكاة واديتم الخمس من المغنم وسهم النبى وسهم الصفى. انتم امنون بامان الله ورسوله...... الكتاب۔(۲)

---

(۱) الاصابہ در حالات صیلی بن عامر ۱۸۹/۲ شمارہ ۴۱۱۱۔ الاستیعاب بر حاشیہ اصابہ ۱۸۶/۲ اسد الغابہ ۳۴/۳۔ ابن اثیر نے اسے بنی ثعلبہ کا سردار لکھا ہے۔ بنی ثعلبہ بن عامر کا تعلق بکر بن وائل کی ایک شاخ سے ہے اور بکر بن وائل کا تعلق عدنان سے ہے جمہرہ ابن حزم ص ۳۱۶
بنی ثعلبہ کا وفد ۸ ھ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور مجھے معلوم نہیں ہے کہ اس وفد میں یہ صیلی بھی ہے۔ اور یہ صیلی بھی شامل تھے یا نہیں تھے طبقات ابن سعد ۲۹۸/۱۔ عیون الاثر ۲۴۸/۲

(۲) سنن ابی داؤد ۱۵۵/۲۔ باب ماجاء فی سہم النبی من کتاب الخراج۔ طبع دار احیاء السنۃ النبویۃ (لات) ۱۵۳/۳/۴۔ ۱۵۴۔ سنن نسائی ۱۷۹/۲۔ طبقات ابن سعد ۲۷۹/۱۔ مسند احمد ۷۷/۵۔ ۷۸۔ ۳۶۳ اسد الغابہ ۲/۵۔ ۳۸۹۔ کتاب الاموال ابو عبید ص ۱۳۔ تاج العروس زہیر بن اقیش ۲۸۰/۳۔ جمہرۃ ابن حزم ص ۲۸۰ پر ان کا نسب نامہ یوں مذکور ہے۔ بنو عکل بن عوف بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر۔

(ن) جہینہ کے بعض قبائل کے لئے آپؐ نے یہ الفاظ تحریر فرمائے تھے:

من اسلم منهم واقام الصلاة واتى الزكوة واطاع الله ورسوله واعطىٰ من الغنائم الخمس وسهم النبى الصفى.

(طبقات ابن سعد ۱/۲۷۱)

''ان میں سے جو اسلام قبول کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے غنائم میں سے خمس اور نبی کا حصہ ''صفی'' ادا کرے۔''

درج بالا خطوط میں لفظ ''صفی'' استعمال ہوا ہے اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ لفظ صفی کی جمع ''صفایا'' ہے اور ''صفی'' اس جائیداد اور جاگیر کو کہا جاتا ہے جو آنحضرتؐ کی خالص ملکیت ہو۔ یہ جائیداد خمس کے علاوہ ہے۔

مذکورہ خطوط کے علاوہ دو خطوط اور بھی آنحضرت کی طرف منسوب ہیں۔
مگران کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ ان خطوط کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

ان میں سے ایک خط عبد یغوث کے نام ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے ''عبد یغوث'' کے الفاظ نہیں لکھائے ہوں گے۔ کیونکہ ''یغوث'' ایک بت کا نام ہے اور آپؐ کی عادت تھی کہ ایسے مشرکانہ ناموں کو تبدیل کر دیتے تھے۔

آپ نے عبد العزیٰ کا نام تبدیل کر کے عبد الرحمٰن رکھا تھا اور عبد الحجر اور عبد عمرو اصم کا نام تبدیل کر کے عبد اللہ رکھا تھا۔

اور دوسرا خط جو آپ کی طرف منسوب ہے وہ خط ہنشل بن مالک وائلی کے نام ہے اور اس کے سرنامہ میں بسملہ کی بجائے باسمک اللھم لکھا ہوا ہے۔ اسی لئے ہم اس خط کو رسول خداؐ کا خط تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

مذکورہ دونوں خطوط طبقات ابن سعد جلد اوّل صفحہ ۲۶۸ پر مذکور ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے آنحضرتؐ کے خطوط کے سلسلہ میں آپ کا وہ خط ملاحظہ کیا جو انہوں نے سعد ہذیم کے نام تحریر کیا تھا:

(۱) وہ صدقہ اور خمس آپ کے دونوں نمائندوں یا ان کے مقرر کردہ نمائندے کے حوالے کریں۔

(۲) آپؐ نے بنی جہینہ کے ساتھ تحریری معاہدہ میں یہ الفاظ تحریر فرمائے۔
انہیں ان کے پانی اور نباتات پر اختیار حاصل ہوگا اور وہ اس کے عوض خمس اور صدقہ ادا کریں گے۔

آنحضرتؐ نے اپنے تحریری معاہدہ میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ وہ جنگی غنائم کا خمس ادا کریں گے۔ آپؐ نے بڑی وضاحت سے یہ بات تحریر کی کہ پانی اور زمین جیسی نعمت کے حصول کی وجہ سے انہیں صدقہ اور خمس ادا کرنا چاہئے۔

بالفاظ دیگر آپ نے انہیں خدا کی طرف سے مالی فرائض کی طرف متوجہ

فرمایا اور انہیں یہ بتایا کہ مالی فرائض میں صدقہ اور خمس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(۳) بنی عبدالقیس جو کہ مجبور و مقہور تھے کہ حرمت والے مہینوں کے علاوہ وہ اپنے گھروں سے نکل کر مدینہ پہنچنے کی استطاعت تک نہ رکھتے تھے۔ آپؐ نے انہیں معالم دین کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ خمس ادا کریں۔

اتنے مجبور اور مظلوم افراد سے جنگی غنائم کے خمس کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ آپؐ کے فرمان کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ وہ اپنے تمام فوائد اور منافع میں خمس ادا کریں۔

(۴) آپ نے اپنی دستاویز میں یہ کہیں تحریر نہیں فرمایا کہ جس جنگ میں اہل یمن شریک ہوں ان کے غنائم جنگ سے خمس حاصل کرے۔

مذکورہ بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ خمس کا تعلق صرف جنگی غنیمت سے نہیں ہے بلکہ صدقہ واجبہ کی طرح سے خمس بھی ہر منفعت اور بچت پر فرض ہے۔

آیئے وجوب خمس کے مسئلہ کو ذرا دوسرے زاویہ سے دیکھیں۔

دور جاہلیت میں جب بھی چند افراد چاہتے تو وہ کسی قبیلہ پر جنگ مسلط کر دیتے تھے اور مخالف قبیلہ کے مال کو لوٹ لیتے تھے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام اور کنیز بنا کر بازار میں فروخت کر دیتے تھے۔ البتہ مال غنیمت کی بندر بانٹ سے قبل قبیلہ کے سردار کو چوتھائی حصہ دینا اپنا فرض سمجھتے تھے اور اس حصہ کو مرباع کہا جاتا تھا۔

اسلام نے قبائلی جنگوں کو حرام قرار دیا اور افراد اور قبائل سے یہ حق چھین لیا کہ جب چاہیں کسی قبیلہ پر شب خون ماریں۔

اسلام میں اعلان جنگ کا حق صرف سربراہ کو حاصل ہے۔ افراد کو اپنی

صوابدید سے قبل جنگ بجالانے کی اجازت نہیں ہے اور جب سربراہ کی طرف سے جنگ کا باقاعدہ اعلان ہو تو مجاہدین پر جہاد واجب ہو جاتا ہے اور اگر دشمن مغلوب ہو جائے اور اسلامی لشکر فتح سے ہمکنار ہو اور کفار و مشرکین کا کچھ مال ان کے ہاتھ لگ جائے تو وہ ان کی ذاتی ملکیت قرار نہیں پاتا۔ اس مال میں سے مجاہدین کے لئے ایک سوئی دھاگے تک کا اپنے پاس رکھنا جرم ہے اور جس کی سزا دوزخ بیان کی گئی ہے۔

جنگ سے حاصل کردہ تمام مال سربراہ مملکت کی خدمت میں پیش کرنا ضروری ہے اور مال غنیمت کی تقسیم سربراہ کی صوابدید پر منحصر ہے وہ جسے چاہے جتنا عطا کرے۔ کسی کو اس تقسیم پر اعتراض کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

سربراہ مملکت اگر چاہے تو اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ایسے افراد کو بھی مال غنیمت میں شریک کرسکتا ہے جو جنگ میں موجود نہ ہوں۔

اس تمام تر تفصیل کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول رحمت نے اپنے تمام خطوط اور امان ناموں میں مسلمانوں کو خمس ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب کہ اسلامی آداب جنگ کے تحت مذکورہ افراد و مسائل کو اپنی طرف سے جنگ کرنیکی بھی اجازت حاصل نہیں کی تھی۔ مال غنیمتو بہت دور کی بات ہے۔ جو افراد جنگ شروع کرنے کے مجاز ہی نہ ہوں تو ان سے جنگی غنیمت کے خمس کا مطالبہ کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

اس سے یہی بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ خمس کا تعلق صرف جنگی غنیمت سے نہیں ہے ورنہ آپ کے تمام خطوط اور معاہدے بے معنی قرار پائیں گے۔

آپ کے مذکورہ بالا خطوط و معاہدوں میں واضح کیا گیا ہے کہ مال غنیمت

میں سے خمس ادا کرنی چاہیے۔ ان تمام خطوط میں لفظ ''غنیمت'' اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی ہر قسم کے منافع اور فوائد میں خمس کی ادائیگی از بس ضروری ہے۔

لفظ غنیمت کو جنگ سے حاصل کردہ مال پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ غنیمت کا یہ مفہوم تدوین لغت کے وقت کا ہے۔ اس سے پہلے اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں تھا۔

نبی اکرم نے اپنے خطوط میں کہیں لفظ ''خمس'' تحریر کیا اور کہیں اسے ''خط اللہ وخط الرسول اللہ ورسول کے حصے سے تعبیر فرمایا اور کہیں اسے ''سھم النبی'' نبی کے حصے سے تعبیر فرمایا اور کہیں اسی خمس کو ''حق النبی'' کے الفاظ سے یاد فرمایا۔ اور نبی کریمؐ کے اسی حصے اور حق کو اللہ تعالیٰ نے آیت خمس میں ا الفاظ سے واضح فرمایا۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ.

(الآیۃ۔ الانفال۔ ۴۱

''جان لو تمہیں جو بھی فائدہ حاصل ہو اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول کا ہے۔''

اس بحث سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ رسو خدا اپنی حیات طیبہ میں جنگی غنائم اور غیر جنگی فوائد سے خمس حاصل کیا کرتے تھے اور ہر مسلمان سے نماز و زکوٰۃ کی پابندی کے ساتھ خمس کی ادائیگی کا بھی مطالبہ کرتے تھے۔

اس بحث کے بعد ہم مستحقین کی بحث پیش کرتے ہیں۔

مستحقین خمس از روئے کتاب وسنت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَاعۡلَمُوۡا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ......

(الانفال ۴۲)

''جان لو تمہیں جو بھی فائدہ حاصل ہو اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور رسول کے قرابت داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لئے ہے۔''

اس آیت کے ضمن میں دیکھتے ہیں کہ رسول خدا کے بعد جن ''ذی القربیٰ'' کا ذکر کیا گیا وہ کون ہیں اور ان کے بعد کے مصارف کون سے ہیں؟

(الف) ذوالقربیٰ (قرابت دار)

لفظ والدین کی طرح ''ذی القربیٰ''، ''القربیٰ'' اور ''اولی القربیٰ'' کا تعلق اپنے ماقبل سے ہوتا ہے۔ خواہ ماقبل ظاہری طور پر مذکور ہو یا مضمر ہو یا مقدر ہو۔ ماقبل مذکور کی مثال کے لئے قرآن مجید کی اس آیت کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

''مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اُولِیۡ قُرۡبٰی'' (التوبہ۔۱۱۳)

''نبی اور ایمانداروں کو یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ مشرکین

کے لئے بخشش طلب کریں اگرچہ وہ قرابت دار ہوں۔''

اس آیت مجیدہ میں ''قرابت داروں'' سے مراد نبی اور مومنین کے قرابت دار ہیں' کیونکہ ''اولی قربیٰ'' سے قبل نبی اور مومنین کا ذکر کیا گیا ہے۔

ماقبل مضمر کی مثال کے لئے اس آیت مجیدہ کو ملاحظہ فرمائیں:

''وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَاقُرْبٰی'' الانعام۔۱۵۲

اور جب بات کرو تو انسان کے ساتھ کرو چاہے اپنے اقرباء کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اس آیت مجیدہ ذی القربیٰ سے ''قلتم'' اور ''اعدلوا'' کی ضمیر کے مرجع کے رشتہ دار مراد ہیں ماقبل ''مقدر'' کی مثال کے لئے حسب ذیل آیت ملاحظہ فرمائیں:

''وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی'' (النساء : ۸)

''اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار حاضر ہوں۔''

اس آیت میں میت کے رشتہ دار مراد ہیں کیونکہ میت کا ذکر سابقہ آیت میں کیا گیا ہے۔ لفظ والدین اور ذوالقربیٰ کا اصول یہی ہے کہ اس سے ماقبل کے والدین اور ذوالقربیٰ مراد ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں دو مقامات پر والدین اور ذی القربیٰ کو جمع کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی (البقرہ: ۸۳)

''والدین اور رشتہ داروں سے بھلائی کرو۔''

اس سے بنی اسرائیل کے والدین اور رشتہ دار مراد ہیں کیونکہ آیت میں

خطاب بنی اسرائیل سے ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی (النساء :۳۶)

''والدین اور رشتہ داروں سے بھلائی کرو۔''

اس آیت مجیدہ میں والدین اور ذی القربیٰ سے مومنین کے والدین اور رشتہ دار مراد ہیں۔ کیونکہ ''اُعْبُدُوْا'' اور ''لَاتُشْرِكُوْا'' کی ضمیر کا مرجع مومن ہیں۔ جب ''ذی القربیٰ'' کے متعلق یہ بات ثابت ہوگئی کہ ''ذی القربیٰ'' سے مراد اسی کے رشتہ دار ہوتے ہیں جس کا پہلا ذکر ہو رہا ہوتا ہے تو اب ایک بار پھر آیت خمس کی تلاوت کریں:

''وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی...... (الانفال :۴۱)

''اور جان لو تمہیں جو بھی منفعت حاصل ہو تو اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں کا ہے۔''

اس آیت مجیدہ میں حضرت رسولؐ خدا کے رشتہ دار مراد ہیں' کیونکہ ''ذی القربیٰ'' سے مراد قبل دو شخصیات کا ذکر موجود ہے اور وہ ہیں اللہ اور اس کا رسولؐ۔ اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی سے رشتہ داری اور قرابت ہی نہیں ہے۔ اسی لئے اس سے حضرت رسولؐ خدا کے قرابت دار مراد لئے جائیں گے۔

اور آیت خمس کی طرح سے آیت "فَے" میں بھی رسول خدا کے فوراً بعد ان کے "ذی القربیٰ" کا ذکر کیا گیا ہے اور وہاں بھی ذی القربیٰ سے آنحضرتؐ کے ہی رشتہ دار ہی مراد ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

"مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى" (الحشر:۷)

"جو اللہ نے اہل قریہ کی طرف سے اپنے رسول کو دلوایا ہے وہ سب اللہ، رسول اور قرابت داروں کے لیے ہے......"

اس آیت مجیدہ میں قرابت داروں سے مراد خدا کے قرابت دار ہیں کیونکہ "ذی القربیٰ" سے قبل رسول مقبول کا ذکر کیا گیا ہے۔

آیت مودت میں بھی "قربیٰ" سے مراد رسول خدا کے قرابت دار ہیں، کیونکہ اس آیت مجیدہ میں "اسالکم" کے الفاظ موجود ہیں اور ضمیر کا مرجع رسول خدا ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى: (الشوریٰ:۲۳)

"آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے میرے اقرباء سے مودت رکھو......"

یہاں بھی "قربیٰ" سے رسول مقبول کے قرابت دار مراد ہیں۔

(ب) یتیم

یتیم اس نابالغ بچے کو کہا جاتا ہے جس کا والد مر چکا ہو۔

(ج) مسکین

مسکین غریب شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنی حاجت پوری کرنے سے قاصر ہو۔

(د) ابن السبیل

ابن السبیل مسافر کو کہا جاتا ہے اور یہاں وہ مسافر مراد ہے جس کا سفر کے دوران زادِ راہ ختم ہو چکا ہو' اور وہ اپنے گھر تک پہنچنے سے قاصر ہو۔ آیت خمس کا سیاق اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں یتامیٰ' مسکین' اور ابن السبیل سے رسول خدا کے خاندان کے یتیم' مسکین اور مسافر مراد ہیں۔

اور اگر کوئی شخص اسلام کے مالی نظام پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہے کہ خمس میں مساکین اور مسافرین سے مراد اگر خاندان رسول کے مساکین اور مسافر ہیں تو باقی امت کے مساکین و مسافرین کے لیے اسلام نے کون سا فنڈ قائم کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ واجبہ کے مصارف میں فقراء و مساکین اور مسافروں کا حصہ مقرر کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ.

(التوبہ:۶۰)

''صدقات بس فقراء' مساکین اور ان کے کام کرنے والے جن کی تالیف قلب کی جاتی ہے اور غلاموں کی گردن کی آزادی میں اور قرضداروں کے لیے اور راہ خدا میں اور غربت زدہ مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول خدا کے رشتہ داروں پر صدقہ حرام کیا ہے اور اس کے بدلہ میں انہیں خمس میں حصہ دار بنایا ہے۔

سنت اور مسلمانوں کے ہاں مستحقین خمس

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات تک خمس کو چھے حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ اللہ اور رسول کے دو حصے ہوتے تھے۔ اور باقی حصے آپ اپنے اقارب میں کرتے تھے۔ (تفسیر نیشاپوری بر حاشیہ طبری ۱۰/م)

ابو العالیہ ریاحی کا بیان ہے:

جب رسول خدا کی خدمت میں مال غنیمت پیش کیا جاتا تو آپ اس کے پانچ حصے کرتے تھے۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرتے تھے اور اس کا پانچواں حصہ اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ پھر اس پانچویں حصے میں سے ایک مٹھی بھر لیتے اور اسے اللہ کا حصہ قرار دے کر کعبہ کے لیے مخصوص کر دیتے تھے اور پھر باقی خمس کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک حصہ اپنے لیے رکھتے اور ایک حصہ اپنے قرابت داروں اور ایک حصہ یتامی اور ایک حصہ مساکین اور ایک حصہ مسافروں میں تقسیم کرتے تھے۔

ابو العالیہ کہتے تھے:

رسول خدا جس حصہ کو کعبہ کے لیے مخصوص کرتے وہ اللہ کا حصہ ہوتا تھا۔ (۱)

مذکورہ بالا دونوں روایات میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ رسول خدا خمس کو چھ حصوں میں تقسیم کرتے تھے اور یہ تقسیم آیت خمس کے الفاظ کے عین مطابق تھی۔ ابو العالیہ کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول خدا خمس میں سے اللہ تعالیٰ کے حصے کو کعبہ کے لیے مخصوص کرتے تھے۔

۲۔ اموال ابو عبید ص ۳۲۵۔ ۱۳۔ تفسیر طبری ۱۰/۴۔ احکام القرآن جصاص ۳/۶۰۔ ۶۱ ابو العالیہ ریاحی کا نام رفیع بن مہران تھا۔ ۹۰ھ یا بعد میں وفات پائی۔ تمام اصحاب صحاح نے اس سے احادیث نقل کی ہیں۔ تہذیب التہذیب ۱/۲۵۲۔ ہم نے یہ روایت اموال ابی عبید سے نقل کی ہے۔

اس روایت کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ آپ نے صرف ایک مرتبہ ایسا کرنا تھا اور اس سلسلہ کی صحیح ترین روایت وہ ہے جسے عطاء بن ابی رباح نے بیان کیا ہے:

خمس اللّٰہ و خمس رسولہ واحد و کان رسول اللّٰہ یحمل منہ ویعطی منہ ویضعہ حیث شاء ویصنع بہ ماشآء. (۱)

''اللہ اور رسول کا خمس ایک ہی ہے۔ رسول اللہ' اللہ کا اور اپنا حصہ خمس میں سے لیتے تھے اور اپنی صوابدید کے مطابق اسے خرچ کرتے تھے۔''

ایک ایسی ہی روایت کو ابن جریر نے نقل کیا ہے۔

...... اربعۃ اخماس عن حضروا لباس والخمس الباقی لِلّٰہِ ولرسولہ خمسہ یضعہ حیث شاء خمس للذی القربیٰ. الحدیث (تفسیر طبری ۱۰/۵)

''مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جاتے تھے جن میں سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے اور پانچواں حصہ خدا اور رسول کے خمس کا ہوتا تھا جس میں رسول خدا اپنی صوابدید کے مطابق تصرف کرتے تھے اور اس میں سے پانچواں حصہ ذی القربیٰ کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔''

ابو العالیہ اور ابن جریج کی روایت سے جو صحیح بات سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ خمس میں سے خدا کا حصہ اور رسول کا حصہ حضور اکرم خود حاصل کرتے تھے اور اپنی صوابدید کے مطابق اسے خرچ کرتے تھے۔ لیکن ان روایات سے جو تاثر ملتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ کا ایک ہی حصہ ہوتا تھا تو یہ بات آیت خمس کے الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمس کے چھ مصارف مقرر کیے ہیں۔ البتہ اگر مذکورہ علماء کی بات کا یہ مفہوم لیا جائے کہ اللہ کا حصہ بھی رسول خدا حاصل کرتے تھے اور اپنا حصہ بھی آپ خود حاصل کرتے تھے تو پھر یہ بات صحیح قرار دی جا سکتی ہے۔

قتادہ سے بھی ایسی ہی غلطی صادر ہوئی ہے کیونکہ اس نے کہا ہے:

۱۔ کتاب الاموال ابی عبید ص ۱۴۔ عطا بن ابی رباح ...... ابی رباح کا نام اسلم تھا۔ عطاء قریش کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اصحاب صحاح نے ان سے احادیث نقل کی ہیں۔ انہوں نے ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب ۲۲/۲۔

مال غنیمت کے پانچ حصے بنائے جاتے تھے' جس میں پانچواں حصہ خدا اور رسول کا ہوتا تھا اور باقی چار حصے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ اور پھر مال خمس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے' جن میں خدا اور رسول خدا کا ایک حصہ ہوتا تھا جسے رسول خدا حاصل کرتے تھے۔ (تفسیر طبری ۱۰/۴)

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا کی وفات کے بعد خمس میں سے خدا اور رسول خدا کے دو حصوں کو ایک حصہ بنایا گیا اور ذی القربیٰ کو ایک بنا دیا گیا اور خمس کے دونوں حصوں سے جنگ کے لیے گھوڑے اور ہتھیار خریدے جاتے تھے۔

(تفسیر طبری ۱۰_۵)

طبری نے مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے:

"آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اس لیے ان کے لیے خمس میں پانچواں حصہ مقرر کیا گیا۔" (تفسیر طبری ۱۰_۵)

مجاہد نے کہا:

"خدا جانتا تھا کہ بنی ہاشم میں غریب ہوں گے' اسی لیے اللہ نے انسان کے لیے صدقہ کی بجائے خمس میں حصہ رکھا۔" (تفسیر طبری ۱۰_۵)

امام علی زین العابدین علیہ السلام نے ایک شامی سے کہا تھا:

کیا تو نے سورہ انفال میں: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى...... کی آیت نہیں پڑھی؟

شامی نے کہا۔ جی ہاں میں نے پڑھی ہے تو کیا تم وہی "ذی القربیٰ" ہو؟

امام زین العابدین نے فرمایا:

جی ہاں' ہم وہی ہیں۔ (تفسیر طبری ۱۰)

درج بالا روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "ذی القربیٰ" سے حضور اکرم کے قرابت دار مراد ہیں۔

آیئے دیکھیں کہ یتامی ومساکین سے کون لوگ مراد ہیں؟

نیشاپوری آیت خمس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام علی زین العابدین سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے (آیت خمس میں) "والیتامی والمساکین" کہا ہے۔ اس سے کون مراد ہیں؟ آپ نے کہا:

"اس سے ہمارے یتیم ومساکین مراد ہیں۔"

(تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری۔ تفسیر طبری ۱۰/۷)

منہال بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن محمد حنیفہ بن علی اور امام علی بن الحسین سے خمس کے مطابق دریافت کیا تو ان دونوں نے کہا۔ "ھولنا" وہ ہمارے لیے ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن مجید میں "والیتامی والمساکین وابن السبیل" کے الفاظ موجود ہیں۔

ان دونوں نے کہا:

اس سے ہمارے یتیم اور مسکین مراد ہیں۔ (تفسیر طبری، ۱۰/۷)

یہاں تک ہم نے کتب خلفاء کی کتب حدیث وتفسیر کے مطابق مسئلہ خمس کی وضاحت کی ہے۔ اب ہم خمس کے متعلق مکتب اہل بیت کے نظریات پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

مکتب اہل بیت میں خمس کے حقدار

ائمہ اہل بیت کی متواتر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خمس کے چھ حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ اللہ اور ایک حصہ رسول خدا اور ایک حصہ خدا کے قرابت داروں کا ہوگا۔

حضرت رسول خدا قرابت داروں کا حصہ ان میں تقسیم کرتے تھے۔ رسول خدا

کے بعد قرابت داروں کا حصہ امام زمانہ لے گا۔ اور وہ اپنی صوابدیدہ کے مطابق اسے سادات میں تقسیم کرے گا۔ اور اس وقت خمس کے پہلے تین حصے یعنی خدا کا' رسول کا اور قرابت داروں کے حصہ کا مالک امام ہے۔ اور امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے اسے خرچ کرے۔

امام خمس کے دو حصے میراث کے طور پر حاصل کرتا ہے اور ذی القربیٰ کے تیسرے حصے میں وہ خود شریک ہے۔ اس لیے جہاں خمس کے چھ حصے بنتے ہیں وہاں تین حصے امام زمانہ کی ملکیت قرار پائیں گے اور باقی خمس کی آدھی رقم ہاشم کے یتیم' مسکین اور غربت زدہ مسافروں میں تقسیم کی جائے گی۔

یہ خاندان وہی ہے جہاں سے اللہ نے تبلیغ نبوت کے آغاز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ (الشعراء)

"آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ فرمائیں۔ اولاد عبدالمطلب خمس کی حقدار ہے۔ اور ان کے استحقاق خمس کی دو وجوہات ہیں۔"

(۱) یہ خاندان رسول خدا کا رشتہ دار ہے۔

(۲) اپنی ضروریات اور احتیاج کے لیے انہیں خمس کی ضرورت ہے۔ جب کہ خمس کے پہلے تین مصارف یعنی اللہ' رسول اللہ اور ذی القربیٰ خمس کے ویسے ہی حقدار ہیں۔ ان کے متعلق ان کی احتیاج و ضروریات کو مدنظر نہیں رکھا جائے گا۔ اور یتامیٰ' مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لیے ان کی ضروریات کو دیکھا جائے گا۔ خمس میں سے اتنی رقم دینی چاہیے جس سے ان کی ضروریات پوری ہوسکیں اور اگر خمس کی رقم ان کی ضروریات سے زیادہ ہو تو اسے واپس اپنے پاس رکھ لے اور ملک کی دوسری ضروریات میں صرف کرے۔ اور اگر خمس کی رقم اتنی قلیل ہو کہ اس سے مستحقین خمس کی کفالت نہ ہو سکتی ہو تو والی کو چاہیے کہ وہ اپنی طرف سے ان کی مدد کرے تاکہ ان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔

یتامیٰ' مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لیے نسل عبدالمطلب میں سے ہونا ضروری ہے اور اگر کسی کا رشتہ ماں کی طرف سے عبدالمطلب سے ملتا ہو اور باپ کی طرف نہ ملتا ہو تو اسے خمس کی رقم نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ اولاد کے نسب کا دارومدار باپ پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ" انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو'

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خمس کے حصوں میں مطلبی بھی ہاشمیوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اور اس سلسلہ میں آپ سے یہ حدیث مروی ہے:

لو کان العدل ما احتاج هاشمي ولا مطلبي الى صدقة ان الله عزوجل لهم في كتابه ما كان فيه سعتهم.

"اگر نظام عدل قائم ہو تو کوئی ہاشمی اور کوئی مطلبی صدقہ کا محتاج نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کا حصہ مقرر کیا ہے' جو ان کی ضرورتوں کے لیے کافی ہے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

ان الرجل اذا لم يجد شيئاً حلت له الميتة' والصدقة لاتحلّ لاحد منهم اِلا اَلايجد شيئا ويكون ممّن حلت له الميتة.

"جب کسی انسان کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملے اور وہ مجبور ہو جائے تو مجبوری کی حالت میں اس کے لیے مردار کھانا بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے صدقہ کے لیے حلال نہیں ہے البتہ اگر انہیں کھانے کے لیے کچھ نہ ملے وہ بھی ان لوگوں میں سے قرار پائیں گے جن کے لیے مردار حلال ہو جاتا ہے۔"

(یعنی عام حالات میں مطلبی اور ہاشمی افراد کے لیے صدقہ واجبہ کا کھانا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ مجبور ہو جائیں تو پھر بقدر ضرورت صدقہ واجبہ کو حاصل کر سکتے ہیں)

یتامیٰ، مساکین اور غربت زدہ مسافر کو جب خمس کی رقم دی جائے گی تو وہ اس رقم کا شرعی طور پر مالک ہوگا اور اس کی وفات کی صورت میں اس کی اولاد اس رقم کی وارث قرار پائے گی۔

اسی طرح سے جب امام خمس کے تین حصے حاصل کرے اور اس کی وفات ہو جائے تو اس کے وارث آیت میراث کے تحت اس رقم میں سے میراث حاصل کریں گے اور اس وراثت کی بنیاد آیت خمس کی بجائے آیت میراث پر ہوگی۔ (۱)

مستحقین خمس کے متعلق ایک فیصلہ کن روایت

حسب ذیل روایت سنن ابی داؤد، مسند احمد، تفسیر طبری، سنن نسائی اور صحیح بخاری میں موجود ہے، اور ہم اس روایت کو سنن ابی داؤد کی کتاب الخراج باب مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ سے جبیر بن مطعم کی زبانی نقل کرتے ہیں:

جنگ خیبر کے مال غنیمت کے خمس کے ذی القربیٰ کا حصہ رسول خدا نے بنی ہاشم اور بنی مطلب میں تقسیم کیا اور بنی نوفل اور بنی عبد شمس کو اس میں سے کچھ بھی حصہ نہ دیا۔

چنانچہ میں (جبیر بن مطعم) اور عثمان بن عفان چلتے ہوئے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہم بنی ہاشم کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے پیدا کیا ہے اور جہاں تک اولاد مطلب کا تعلق ہے تو آپ نے انہیں خمس میں سے حصہ دیا اور ہمیں چھوڑ دیا جب کہ ہماری قرابت ایک ہے؟ میں اور اولاد مطلب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔

نسائی کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

مطلب کی اولاد زمانہ جاہلیت اور اسلام میں مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوئی اور ہم اور

---

(۱) میں نے خمس کے مذکورہ احکام ہمدانی کی کتاب مصباح الفقیہ ص ۱۴۴۔۱۵۰ سے نقل کیے ہیں۔

وہ ایک ہی چیز ہیں۔ پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیا۔ (۱)

مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ جنگ حنین کے بعد پیش آیا۔ سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سند احمد کی ایک اور روایت میں جنگ کا تعین نہیں کیا گیا آیئے دیکھیں کہ حضرت عثمان اور جبیر بن مطعم نے کس قرابت داری کی بنیاد پر خمس میں سے اپنا حصہ طلب کیا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبد مناف کو چار بیٹے عطا کیے تھے۔

- ہاشم اور اس کا اصلی نام عمرو تھا۔
- مطلب۔
- عبد شمس۔
- نوفل (جمہرہ ابن حزم ص ۱۴)

ہاشم و مطلب کی اولاد نے رسول خدا کی مدد کی تھی اور تمام قریش نے آپ کی مخالفت کی تھی اور انہوں نے بائیکاٹ کے لیے ایک عہد نامہ تیار کیا تھا۔ جس کی وجہ سے اولاد مطلب اور ہاشم کو شعب ابی طالب میں پناہ لینا پڑی، اور عبد شمس اور نوافل کی اولاد نے قریش کا ساتھ دیا تھا۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

بنی نوفل نے بنی عبد شمس کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ اور انہوں نے رسول خدا کی صحبت اختیار نہیں کی تھی اور نہ ہی کسی مقام پر آپ کی مدد کی تھی۔ جب کہ اولاد مطلب بنی

---

(۱) سنن ابی داؤد ۲/۵۰۔ تفسیر طبری ۱۰/۵۔ مسند احمد ۴/۸۱۔ اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ روایت حسب ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے۔

صحیح بخاری ۳/۳۶۔ باب غزوۂ خیبر۔ سنن نسائی ۲/۱۷۸۔ سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد باب قسمۃ الخمس ص ۹۶۱۔ مغازی واقدی ص ۶۹۶۔ اموال ابی عبید ص ۳۳۱۔ واقدی نے لکھا ہے کہ رسول خدا نے یہ تقسیم جبرئیل امین کے اشارہ پر کی تھی۔

جبیر بن مطعم بن عدی نوفل بن عبد مناف۔ اس کی نانی حبیب بنت العاص بن امیہ تھی۔ اس کے باپ نے قریش کا عہد نامہ ختم کرانے میں اچھا خاصا کردار ادا کیا تھا۔ جبیر صلح حدیبیہ یا فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے (اسد الغابہ ۱/۲۸۱)۔ (۲) مسند احمد ۴/۸۵۔ (۳) ابو داؤد ۲-۵۱۔ نسائی ۲/۱۷۸۔ مسند احمد ۴/۸۳)

ہاشم کی طرح سے رسول خدا سے محبت کرتی تھی۔ رسول خدا کی نبوت کے دلائل اتنے واضح تھے کہ حسد و بغض ہی آپ پر ایمان لانے سے مانع تھا۔ اور جس میں حسد و بغض نہیں ہوتا تھا اس کے لیے اسلام قبول کرنا انتہائی آسان تھا۔ اولاد مطلب میں سے حارث بن مطلب کے تمام بیٹے یعنی عبیدہ، طفیل، حصین جنگ بدر میں شریک تھے۔ ان کے علاوہ اسی خاندان سے مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بھی جنگ بدر میں شریک تھا۔

اور جب قریش نے رسول خدا کی مخالفت کی اور مطعم بن عدی بن نوفل نے بھی ان کا ساتھ دیا تو حضرت ابو طالب نے اس موقع پر کچھ اشعار کہے تھے جن میں سے ایک شعر یہ تھا۔

جزى الله عنا عبد شمس و نوفلا جزاء مسئ عاجلاً غير آجل

"اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے عبد شمس اور نوفل کی اولاد کو بہت جلدی سے بری جزا دے اور اس جزا میں تاخیر نہ کرے۔" (۱)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۳/۴۸۶ (بطور خلاصہ)

عبیدہ، طفیل اور حصین مطلب کے فرزند تھے ان کی والدہ کا نام سخیلہ بنت خزاعی ثقفی تھا۔ ابھی رسول خدا ارقم کے گھر میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ عبیدہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور وہ عمر میں آپ سے دس برس بڑے تھے۔ اس نے اپنے بھائیوں اور اپنے ابن عم مسطح کے ساتھ مل کر مدینہ ہجرت کی۔

ماہ ربیع الاول ۱ھ میں رسول خدا نے اس کے لیے پہلا پرچم تشکیل دیا اور انہیں ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مشرکین کی تلاش میں روانہ کیا۔ مقام ثنیۃ المرہ میں ان کی مشرکین سے مڈبھیڑ ہوئی جن میں ابوسفیان بھی شامل تھا۔ جنگ بدر میں بھی عبیدہ شریک تھے اور عتبہ کی مبارز طلبی پر انہوں نے اس سے دو بدو مقابلہ کیا تھا جس میں انہیں زخم آئے اور حضرت علی اور حمزہ نے آگے بڑھ کر ان کی مدد کی اور عتبہ کو قتل کیا۔ انہیں زخمی حالت میں رسول خدا کے پاس لایا گیا۔ جنگ بدر سے واپسی پر وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مقام صفراء میں شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ (اسد الغابہ ۳/۵۲) طفیل نے ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں وفات پائی۔ اس کی وفات کے چار ماہ بعد حصین کی وفات ہوئی۔ (اسد الغابہ ۳/۵۲) ابن اثیر نے اسد الغابہ ۳/۴۴ پر حصین کے حالات کے ضمن میں ابن عباس سے روایت کی کہ سورہ کہف کی آیت "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ" علی، حمزہ، جعفر، عبیدہ، طفیل، حصین اور مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب کے حق میں نازل ہوئی۔ مسطح کی والدہ ابو رہم بن مطلب کی بیٹی تھی اور اس کی نانی رائطہ بنت صخر بن عامر تھی جو کہ حضرت ابو بکر کی رشتہ میں خالہ لگتی تھی۔ ان کی وفات کے متعلق دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے۔ کہ ان کی وفات ۳۴ھ میں ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اور انہوں نے ۳۷ھ میں وفات پائی تھی۔ (اسد الغابہ ۴/۵۴)

حدیث کے راوی جبیر بن مطعم نے کہا کہ رسول خدا نے "ذی القربیٰ" کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب میں تقسیم کیا اور بنی امیہ اور بنی نوفل کو سرے سے محروم رکھا۔

رسول خدا اور ان کے قرابت داروں پر صدقہ حرام ہے

اس مفہوم کی بہت سی احادیث وارد ہیں۔

صحیح مسلم میں مذکور ہے۔

ا ن النبي (ص) کان اذا اتی بطعام سأل عن فان قیل هدیة اکل منها وان قیل صدقة لم یاکل فیها.

(صحیح مسلم ۳/۱۲۱ باب قبول النبی الهدیة ورده الصدقة ۔ مجمع الزوائد ۳/۹۰)

"رسول خدا کی خدمت میں جب بھی کوئی طعام پیش کیا جاتا تو آپ اس کے متعلق پوچھتے تھے اگر بتایا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ اس میں سے تناول فرماتے تھے اور اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اسے تناول نہیں کرتے تھے۔"

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور سنن دارمی میں یہ روایت موجود ہے اور ابوداؤد نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

ان النبی مر بتمرة بالطریق فقال : لو لا ان تکون من الصدقة لاکلتها"

"رسول خدا راستے میں سے گذر رہے تھے کہ ایک کو وہاں کھجوریں دکھائی دیں۔ آپ نے فرمایا: اگر یہ کھجوریں صدقہ کی نہ ہوتیں تو میں انہیں ضرور کھاتا۔"

ایک مرتبہ حسن بن علیؑ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈالی۔ رسول خدا نے فرمایا: اسے پھینک دو، اسے باہر نکال دو۔ کیا تجھے علم نہیں ہے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔

ایک اور روایت میں ہے۔ کہ ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔(۱)

حضرت رسول مقبول بنی ہاشم کو صدقات واجبہ کا عامل مقرر کرنا پسند نہیں کرتے تھے کہ مبادا وہ عاملین صدقہ ہونے کی وجہ سے صدقہ کھانے لگیں۔ جیسا کہ مسلم' احمد' ابو داؤد' نسائی' ترمذی اور ابو عبید نے روایت کی' اور یہ روایت صحیح مسلم میں ان الفاظ سے مروی ہے:

ایک مرتبہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب اور عباس بن عبدالمطلب اکٹھے ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر ہم اپنے دو لڑکوں یعنی عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس کو رسول خدا کی خدمت میں بھیجیں اور وہ آپ سے عامل صدقات کی ملازمت کی درخواست کریں تو بہتر ہوگا' اور اگر ہمارے لڑکے عامل صدقات مقرر ہو گئے تو وہ صدقات جمع کر کے آنحضرت کی خدمت میں پیش کریں گے اور جس طرح سے دوسرے لوگ اس ملازمت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں تو یہ بھی فائدہ حاصل کریں گے۔ ابھی وہ دونوں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ علی بن ابی طالب پہنچ گئے اور دونوں نے ان کے سامنے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

یہ سن کر حضرت علیؑ نے ان سے کہا: تم ایسا نہ کرو۔ رسول خدا ایسا نہیں کریں گے۔ ربیعہ بن حارث نے حضرت علیؑ سے کہا:

آپ حسد کی بنا پر ہم سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ جب کہ آپ کو رسول خدا کی دامادی ملی' ہم نے تو اس پر حسد نہیں کیا تھا۔

حضرت علی نے کہا:

تم ان دونوں کو بھیجو' وہ دونوں جوان چلے گئے اور علیؑ لیٹ گئے۔

---

(۱) صحیح بخاری ۱/۱۸۱ کتاب الزکوۃ باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی۔ صحیح مسلم ۳/۱۱۷ باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ وعلی آلہ۔ (سنن ابی داؤد ۱/۲۱۲) باب الصدقۃ علی بنی ہاشم' کتاب الزکوۃ۔ سنن دارمی ۱/۳۸۳ باب الصدقۃ لاتحل للنبی ولا لاھل بیتہ. مجمع الزوائد ۳/۸۹۔ دعائم الاسلام ص ۲۳۶۔ بحارالانوار ۹۶/۷۶ باب حرمۃ الزکوۃ علی بنی ہاشم۔

ایک اور روایت کے مطابق علیؑ نے اپنی چادر بچھائی اور اس پر لیٹ گئے اور کہا: میں سردار ابوالحسن ہوں۔ اور میں اس جگہ سے اس وقت تک نہیں اٹھوں گا جب تک تمہارے بیٹے جواب لے کر نہیں آتے۔

عبدالمطلب بن ربیعہ کا بیان ہے۔

رسول خدا ظہر کی نماز پڑھا چکے تو ہم ان کے پہنچنے سے قبل آپ کے حجرہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ آپ تشریف لائے اور آپ نے ہمارے کانوں سے پکڑ کر فرمایا:

جسے تم چھپائے ہوئے ہو' اسے ظاہر نہ کرو۔

پھر ہم آپؐ کے ساتھ ام المومنین زینب بنت جحش کے حجرے میں داخل ہوئے۔

عبدالمطلب بن ربیعہ کا بیان ہے کہ ہم نے گفتگو کے لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ہم میں سے ایک نے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

رسول اللہ! آپ تمام لوگوں کی بہ نسبت نیکوکار ہیں' اور تمام لوگوں سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اس وقت ہم نکاح کی عمر کو پہنچ چکے ہیں۔ اور ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں ان صدقات کا عامل مقرر فرمائیں۔ ہم آپ کی خدمت میں وہی کچھ پیش کریں گے جو باقی لوگ پیش کرتے ہیں اور ہم اس سے وہی فائدہ اٹھائیں گے جو باقی لوگ اٹھا رہے ہیں۔

یہ سن کر آپ کافی دیر تک خاموش رہے' یہاں تک کہ ہم نے ارادہ کیا کہ ہم آپ سے دوبارہ گفتگو کریں۔ ام المومنین زینب حجاب کی اوٹ میں کلام نہ کرنے کا اشارہ کرتی ہیں۔

پھر رسول خدا نے فرمایا:

صدقہ آل محمد کے لیے حلال نہیں ہے۔ یہ لوگوں کی میل کچیل ہے۔ تم محمیہ کو میرے پاس بلا کر لے آؤ (وہ خمس کا امین تھا) اور تم میرے لیے نوفل بن

حارث بن عبدالمطلب کو بلا کر لے آؤ۔

وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے محمیہ سے فرمایا۔

اپنی بیٹی کی شادی اس نوجوان فضل بن عباس سے کردو۔ اور آپ نے نوفل بن حارث سے کہا:

تم اپنی بیٹی کی شادی اس نوجوان (عبدالمطلب بن ربیعہ) سے کردو۔

پھر آپ نے محمیہ سے فرمایا:

ان دونوں کا اتنا اتنا حق مہر خمس سے ادا کرو۔ (۱)

رسول خدا نے بنی ہاشم کے افراد کو صدقات واجبہ کا عامل مقرر کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس واقعہ سے بعض مورخین کے اس وہم کی بھی تردید ہوتی ہے کہ جنہوں نے کہا:

رسول خدا نے حضرت علیؑ کو یمن میں عامل صدقہ بنا کر روانہ کیا تھا۔

اس سلسلہ کی صحیح بات وہ ہے جو ابن قیم الجوزیہ نے اپنی کتاب زادلمعاد کی ''فصل فی امرائہ'' میں لکھا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم ۱۱۸/۳ باب تحریم الزکوۃ علی آل النبی۔ مسند احمد ۱۶۶/۴۔ سنن نسائی ۳۶۵/۱ باب استعمال آل النبی۔ سنن ابی داؤد ۵۲/۲ کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ حدیث ۲۹۸۵۔ اموال ابی عبید ص ۳۲۹۔ مجمع الزوائد ۹۱/۳ اسد الغابہ در حالات عبدالمطلب بن ربیعہ ونوفل بن حارث ومحمیہ۔ تفسیر عیاشی ۹۳/۲۔ مغازی واقدی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب اپنے چچا عباس سے عمر میں بڑے تھے اور حضرت عثمان کے ساتھ تجارت میں شریک تھے۔ رسول خدا نے انہیں خمس خیبر سے ایک سو وسق کھجوریں عطا کی تھیں۔ ۲۳ھ کو مدینہ میں وفات پائی۔ اسد الغابہ ۱۶۶/۲ عبدالمطلب بن ربیعہ نے ۶۱ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ اسد الغابہ ۳۳۱/۳

فضل بن عباس اپنے والد کے بڑے فرزند تھے۔ نبی اکرم غسل میں شریک تھے۔ اس کے سن وفات اور مقام وفات میں اختلاف ہے۔ ان کی وفات پر یرموک' عمواس یا مرج الصفر کے واقعہ میں بیان کی جاتی ہے اسد الغابہ ۱۸۳/۴ صحاح ستہ کے مولفین نے اسے چونتیس احادیث نقل کی ہیں۔ تقریب التہذیب ۱۱۰/۲۔ جوامع السیرۃ ۲۸۲ نوفل بن حارث اور عباس کے درمیان رسول خدا نے مواخات قائم کی تھی اور دور جاہلیت میں ایک دوسرے کے شریک تھے۔ انہوں نے ۱۵ھ کو مدینہ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ۳۶/۵)

محمیہ بن جزء عبدیغوث زبیدی ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ جنگ مریسیع میں شریک تھی۔ (اسد الغابہ ۳۳۲/۴)

رسول خدا نے حضرت علیؑ کو یمن میں خمس کا محصل اور وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ (زادالمعاد ۱/۴۷)

ابن قیم نے اس سے پہلی فصل میں لکھا:

رسول خدا نے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو تبوک واپسی کے بعد یمن بھیجا تھا۔ (زادالمعاد ۱/۴۶۔ سنن ابی داؤد کتاب الاقضیۃ باب کیف القضاء ۳/۱۲۷)

ایک قول یہ ہے کہ آپ نے انہیں ۱۰ھ کو ماہ ربیع الاول میں اسلام کی دعوت کے لیے یمن بھیجا تھا۔ یمن کے لوگوں نے کسی لڑائی کے بغیر اسلام قبول کیا۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو یمن روانہ کیا۔ اور انہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر واپسی کی تھی اور رسول خدا سے مکہ میں ملاقات کی۔

مورخین کو یہ واہمہ اس لیے لاحق ہوا کہ رسول خدا کے بعد خمس کی ادائیگی متروک قرار دے دی گئی اور لوگوں سے صرف صدقہ واجبہ وصول کیا جانے لگا۔ اسی لیے مورخین نے اپنے ماحول کو دیکھ کر اپنے ذہن میں یہ فیصلہ کر لیا کہ حضرت علی بھی یمن میں صدقات وصول کرنے کے لیے گئے تھے۔ اور ان بے چاروں کو یہ بات یاد نہ رہی کہ رسول خدا بنی ہاشم کے افراد کو صدقات کی وصولی پر متعین نہیں کرتے تھے۔

اسلامی مصادر سے ہمیں یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنی ہاشم تو رہے اپنی جگہ پر آنحضرتؐ اپنے آزاد کردہ غلام کو بھی صدقات کی وصولی پر متعین نہیں کرتے تھے۔ اور جب رسول خدا اپنے آزاد کردہ غلام کو عامل صدقہ بنانے پر راضی نہیں تھے تو آپ نے اپنے داماد اور ابن عم کو عامل صدقہ کیسے مقرر فرمایا ہوگا؟

ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے اپنی سنن میں لکھا:

نبی اکرم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو عامل صدقہ مقرر کیا۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اس کا نام ارقم بن ابی الارقم تھا۔ اس نے ابورافع سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ تمہیں بھی اس کی کچھ نہ کچھ اجرت مل جائے۔

ابو رافع نے کہا۔ جب تک میں رسول خدا سے پوچھ نہ لوں اس وقت تک میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا۔

ابو رافع بنی اکرم کے پاس آئے اور ان سے اجازت طلب کی۔

آپؐ نے فرمایا:

مولیٰ القوم من انفسھم و انا لاتحل لنا الصدقة

"آزاد کردہ غلام بھی قوم کا حصہ ہوتا ہے اور ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔"(۱)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام کو بھی صدقات کی وصولی کے لیے مددگار بنانا بھی پسند نہیں کیا۔ ائمہ اہل بیت نے پوری زندگی رسول خداؐ کی اس سنت پر عمل کیا۔ انہوں نے نہ صرف خود صدقات سے اجتناب کیا' بلکہ تمام بنی ہاشم کو بھی اس سے منع کرتے رہے۔

کتاب دعائم الاسلام میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ کہ آپ کا خمس تو بند ہو چکا ہے تو کیا آپ کے لیے صدقہ حلال ہے؟

آپ نے فرمایا:

لا واللہ مایحلّ لنا ماحرّم اللہ علینا بغضب الظالمین حقّنا' ولیس منعھم ایانا ماحل اللہ لنا بمحل لنا حرم اللہ

(دعائم الاسلام ص ۲۳۶۔ بحار الانوار ۷۶/۹۶)

---

(۱) سنن ابی داؤد ۲۱۲/۱ کتاب الزکاۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم۔ سنن نسائی ۳۶۶/۱ کتاب الزکاۃ باب مولی القوم منھم۔ سنن ترمذی ۱۵۹/۳ کتاب الزکاۃ باب ماجاء فی کراھیة الصدقة للنبی واھل بیتة وموالیه۔ مجمع الزوائد ۹۰/۳۔ ۹۱۔ کنز العمال ۲۵۲/۶۔ ۲۵۶۔ امالی الطوسی ۱۷/۲ بحار الانوار ۵۷/۹۶۔ سنن بیہقی ۳۲/۷۔

ابو الارقم۔ اس کا نام عبد مناف تھا۔ اور ارقم سابقین اولین میں سے تھا۔ رسول خدا کے گھر میں بیٹھ کر تبلیغ اسلام فرماتے تھے۔ دار ارقم میں چالیس افراد نے اسلام قبول کیا۔ ارقم جنگ بدر اور بعد کی غزوات میں شامل رہے اور انہوں نے ۵۵ھ کو مدینہ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ۵۹/۱۔ ۶۰)

دونہیں ظالموں کے غصب حقوق کی وجہ سے ہمارے لیے خدا کی حرام کردہ چیز حلال نہیں ہو جائے گی' اور جس چیز کو خدا نے ہمارے لیے حلال کیا تھا اس کو اگر ہم سے روک دیا گیا ہے تو اس کی وجہ سے حرام چیز ہمارے لیے حلال نہیں ہو جائے گی۔"

الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:

لاتحل الصدقة لبنی هاشم الافی وجهین . ان کانوا عطاشیٰ واصابوا ماء شربوا' وصدقة بعضهم علی بعض

(الخصال ۱/۳۲۔ بحارالانوار ۹۶۔۷۴)

"دو طریقوں کے علاوہ بنی ہاشم کے لیے کسی طور بھی صدقہ حلال نہیں ہے۔

(۱) اگر وہ پیاسے ہوں اور انہیں پانی مل جائے تو وہ پی سکتے ہیں۔

(۲) ان کا ایک دوسرے کے لیے صدقہ۔"

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اہل بیت حکامِ وقت سے بیت المال کا مال قبول کرتے تھے کیونکہ بیت المال میں نے' انفال' جزیہ اور جنگی غنائم کا خمس شامل ہوتا تھا۔ ائمہ ہدیٰ کبھی بھی صدقہ واجبہ قبول نہیں کرتے تھے۔

پانی کی نہریں اور چشمے اکثر لوگ تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ اسی طرح سے بہت سے مخیّر افراد راستوں میں مسلمانوں کے لیے مساجد اور مسافر خانے تعمیر کر دیتے ہیں۔ جن سے لوگ استفادہ کرتے ہیں اور ایسی عمارات اور چشموں کو عرف عام میں صدقہ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ صدقہ واجبہ نہیں ہے اور ایسا صدقہ بنی ہاشم کے لیے بھی حلال ہے۔ کیونکہ ایسی چیزیں عامۃ المسلمین کے لیے وقف ہوتی ہیں اور ان سے ہر امیر غریب ہاشمی اور غیر ہاشمی کو استفادہ کرنے کا پورا حق ہے۔ اسی

لیے ایسے صدقات عامہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہیں۔

یہاں تک ہم نے خمس اور مستحقین خمس کی بحث کی اور اس کے ضمن میں یہ بھی عرض کیا کہ بنی ہاشم کے لیے صدقہ واجبہ حرام ہے اس لیے اللہ تعالٰی نے اس کے لیے خمس میں حصہ رکھا ہے' اسی موضوع کی تکمیل کے لیے اب ہم یہ دیکھیں گے کہ خلفاء نے فریضہ خمس کے متعلق کیا اجتہاد کیا اور خاص طور پر رسول خدا کی دختر کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا۔ مگر اس موضوع کو شروع کرنے سے پہلے ہم اپنے قارئین کو رسول مقبول کی جائیداد کی تفصیل فراہم کریں گے اور اس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ خلفاء نے رسول خدا کی جائیداد کا کیا کیا؟ اور اس سلسلہ میں حضرت فاطمہ ؑ کا مطالبہ اور ان کا احتجاج بھی بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالٰی۔

رسول مقبولؐ کی جائیداد

خمس:

قاضی ماوردی المتوفی ۴۵۰ھ اور قاضی ابو یعلی المتوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

صدقات رسول سے مراد آپ کی وہ جائیداد اور مال ہے جسے آپ نے اپنے دو حقوق سے حاصل کیا تھا۔ ان میں سے پہلا حق فے اور غنائم کا خمس ہے۔ اور آپ کا دوسرا حق اس مال فے پر تھا' جو کسی جنگ کے بغیر اللہ نے آپ کو عطا کیا تھا اور ایسے حق میں آپ کا حصہ ۴/۵ تھا......

صدقات رسول کی تعداد آٹھ تھی۔ یعنی رسول خدا آٹھ قسم کی جائیدادوں اور جاگیروں کے مالک تھے۔

آپ کی پہلی جاگیر آپ کی وہ ملکیت تھی جو مخیریق یہودی نے آپ کو ہبہ کی تھی' اور واضح رہے کہ یہ جائیداد آپ کی پہلی جائیداد تھی۔

- مخیریق یہودی نے سات باغ آپ کو ہبہ کیے تھے۔
- دوسری جاگیر۔ مدینہ میں بنی نضیر کی زمین اور جائیداد تھی۔
- تیسری' چوتھی اور پانچویں جاگیر' خیبر کے تین قلعے جو جنگ کے بغیر آپ کے ہاتھ آئے۔
- چھٹی جاگیر۔ فدک کا نصف حصہ۔
- ساتویں جاگیر۔ وادی القریٰ کی زمین میں سے ایک تہائی حصہ۔
- آٹھویں جاگیر: مدینہ کا ایک بازار جسے "مہزور" کہا جاتا تھا۔

(الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۶۸۔۱۷۱۔ الاحکام السلطانیہ ابو یعلیٰ ص ۱۸۱۔۱۸۵)

قاضی عیاض المتوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

تین حقوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو جائیداد عطا فرمائی:

(۱) مخیریق یہودی جنگ احد کے دن مسلمان ہوا تھا اور اس نے آپ کو بنی نضیر کے علاقہ میں موجود اپنے سات باغات ہبہ کیے تھے۔ انصار کی جن زمینوں تک پانی نہیں پہنچتا تھا' نہوں نے بھی اپنی ایسی زمینیں رسول خدا کو ہبہ کی تھیں۔ اور یوں رسول خدا مخیریق یہودی اور انصار کی جائیداد کے مالک بنے۔

(۲) جب آپؐ نے بن نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کیا تو بنی نضیر کی تمام زمین آپ کی ملکیت قرار پائی' کیونکہ مسلمانوں نے کسی جنگی حکمت عملی سے اسے حاصل نہیں کیا تھا۔ واضح رہے کہ حضور اکرم بنی نضیر کی غیر منقولہ جائیداد کے مالک بنے تھے' جب کہ وہ اپنی منقولہ جائیداد چھ سو اونٹوں پر لے گئے تھے۔ البتہ مصالحت کی شرط کے تحت انہیں ہتھیار لے جانے کی اجازت حاصل نہ تھی اور جو منقولہ جائیداد وہ لے کر نہیں گئے تھے آپ نے وہ جائیداد مسلمانوں میں تقسیم کی تھی' مگر ان کی زمین بدستور آپ کے قبضہ میں رہی' اور جب مسلمانوں پر کوئی افتاد آتی تو آپ اس زمین کی کمائی سے مسلمانوں کی مدد کرتے تھے۔

اس کے علاوہ آپ فدک کی آدھی زمین کے مالک تھے' کیونکہ جنگ خیبر کے بعد اہل فدک نے آپ سے آدھی زمین پر مصالحت کی تھی اور وہ جائیداد بھی خالص آپ کی ملکیت تھی۔ اور وادی القریٰ کی زمین کی ایک تہائی بھی مصالحت کی وجہ سے آپ کی ملکیت قرار پائی تھی' اور اسی طرح سے خیبر کے دو قلعے جن کے نام وطیح اور سلالم تھے وہ بھی آپ کی ملکیت قرار پائے تھے' کیونکہ مذکورہ دونوں قلعوں پر جنگ نہیں ہوئی تھی۔ ان قلعوں میں رہنے والے لوگوں نے آنحضرت سے مصالحت کر لی تھی اور مصالحت میں دونوں قلعے آپ کے سپرد کیے تھے۔

(۳) خمس خیبر میں سے آپ کا ذاتی حصہ کیونکہ خیبر کا زیادہ تر حصہ جنگ کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا' اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس کا تھا اور اس خمس میں آپ کا حصہ موجود تھا۔

یہ تمام جائیداد و جاگیر آپ کی ذاتی تھی۔ اس میں کسی مسلمان کا کوئی حصہ نہیں تھا۔(۱)

یہاں تک آپ نے تین قاضیوں کی گفتگو پڑھی اور قارئین کی مزید سہولت کے لیے ہم ان کے کچھ الفاظ کی وضاحت پیش کرتے ہیں:

(الف) صدقات رسول اللہ۔

رسول خدا کی ذاتی جائیداد اور جاگیر کو کتب خلفاء میں "صدقات رسول اللہ" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت سیدہ زہراءؑ نے حضرت ابو بکر سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا تھا تو انہوں نے اس کے مقابلہ میں اپنی "لاوارثی" حدیث بیان کی تھی اور یہ موقف قائم کیا تھا کہ مذکورہ جائیداد وقتی طور پر رسول خدا کے پاس تھی۔ ان کی وفات کے بعد اس میں میراث کا اجرا نہیں ہوگا اور مزید یہ کہ رسول خدا نے خود کہہ دیا تھا کہ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

مکتب خلفاء سے وابستہ علماء حضرت ابو بکر کی اس "لاوارثی" حدیث کی وجہ سے آنحضرت کی جائیداد کو "صدقات رسول اللہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔

<u>(ب) آیئے دیکھیں کہ مذکورہ بالا جائیدادیں رسول خدا کی ملکیت کیسے قرار پائیں؟</u>

(۱) شرح نووی علی صحیح مسلم ۸۲/۱۲۔ باب حکم الفئی من الجهاد۔

قاضی عیاض کا پورا نام ابو الفضل بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی السبتی تھا۔ ان کی سکونت مراکش کے علاقہ میں تھی اور وہ اپنے دور میں امام حدیث تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں جن میں ایک صحیح مسلم کی شرح بھی تھی جو کہ قلمی شکل میں تھی۔ شاید نووی نے اسی سے اقتباس نقل کیا ہے۔ ۵۴۴ھ میں انہوں نے مراکش میں وفات پائی۔ مزید تفصیل کے لیے "وفیات الاعیان" اور "الاعلام" کی طرف رجوع فرمائیں۔

(ا) مخیریق کی وصیت:

مخیرق یہودیوں کا ایک مستند عالم دین تھا اور اس کا تعلق بنی قینقاع سے تھا۔ اور وہ انتہائی آسودہ حال شخص تھا' اور وہ اپنے دور میں تورات کا عظیم عالم تصور کیا جاتا تھا۔ (طبقات بن سعد ۱/۵۰۲)

جب رسول خدا ہجرت کر کے "قبا" تشریف لائے تھے تو مخیریق آپ کی زیارت کے لیے وہاں حاضر ہوا' اور اس نے اسلام قبول کیا۔ (امتاع الاسماع ص ۳۶)

جنگ احد کے روز اس نے اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا تھا کہ اے گروہ یہود! خدا کی قسم تمہیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ محمدؐ نبی ہیں اور ان کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے۔ یہودیوں نے کہا۔ آج ہفتہ ہے۔

مخیریق نے کہا: ہفتہ کے دن کچھ نہیں ہوتا۔

اس نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا' اور اس نے روانہ ہونے سے قبل وصیت کی کہ اگر میں جنگ میں مارا جاؤں تو میری تمام جائیداد محمد مصطفیٰ کی ملکیت ہوگی۔ پھر وہ جنگ احد میں شریک ہوا اور وہ جنگ میں شہید ہوگیا۔ رسول خدا نے اس کے متعلق فرمایا:

"مخیرق خیر یھود"

"مخیرق یہود کا بہترین فرد تھا۔"

(مغازی واقدی ص ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ امتاع الاسماع مقریزی ص ۱۳۶۔ الاصابہ ۳/۳۷۴)

مخیرق کی جائیداد سات باغات پر مشتمل تھی جنہیں "سوائط سبعہ" کہا جاتا تھا اور ان کے نام یہ ہیں:

- اعواف
- صافیہ
- دلال
- مثیب
- برقہ
- حسنیٰ
- مشربہ ام ابراہیم۔

اس باغ میں رسول خدا کی کنیز ماریہ قبطیہ رہتی تھیں۔(۱)

مذکور باغات کی تفصیل وفاء الوفاء اور قاضی ماوردی اور قاضی ابویعلیٰ کی کتاب الاحکام السلطانیہ اور الاکتفاء میں موجود ہے۔(۲)

سمہودی وفاء الوفاء ص ۹۸۹ پر لکھتے ہیں:

نبی اکرم نے اعواف' برقہ' مثیب' دلال' حسنیٰ اور مشربہ ام ابراہیم کو سات ہجری میں وقف قرار دے دیا تھا۔

بحار الانوار ۱۰۸/۸ میں امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے:

ان رسول الله خلف حيطانا بالمدينة صدقة.

"رسول خدا نے مدینہ کے باغات کو صدقہ بنا کر چھوڑا تھا۔"

(۲) انصار نے جو زمینیں نبی اکرم کو ہبہ کی تھیں۔ اس کے متعلق ابن عباس کا بیان ہے۔

ان رسول الله (ص) لما قدم المدينة جعلوا له كل ارض لايبلغها الماء يصنع بها كيف يشآء.

(کتاب الاموال ابو عبید ص ۲۸۲ باب الاقطاع من کتاب احکام الارضین)

"جب رسول خدا مدینہ تشریف لائے تو انصار نے اپنی وہ زمینیں آپ کی ملکیت میں دے دی تھیں جن تک پانی نہیں پہنچتا تھا۔ اور انصار نے آپ کو یہ اختیار دیا کہ آپ جس طرح سے چاہیں ان میں تصرف کریں۔"

---

(۱) طبقات ابن سعد ار ۵۰۱/۵۰۳۔ معجم البلدان در مادہ مثیب

"مشربہ" کمرے کو کہا جاتا ہے۔ اسکندریہ کے سلطان مقوقس نے رسول خدا کی خدمت میں ایک کنیز بطور ہدیہ روانہ کی تھی جس کا نام ماریہ قبطیہ تھا۔ رسول خدا نے انہیں ایک باغ میں رہائش فراہم کی تھی اور اس وجہ سے اس باغ کو "مشربہ ام ابراہیم" کہا جاتا ہے۔ اور ۸ھ میں ان سے رسول خدا کا ایک فرزند ابراہیم پیدا ہوا جو کہ سولہ ماہ یا اٹھارہ ماہ کی عمر میں اللہ کو پیارا ہو گیا تھا۔ رسول خدا نے اپنے فرزند کو بقیع میں دفن کیا۔

(اسد الغابہ ۳۸/۱) حضرت ماریہ کی وفات ۱۶ھ میں واقع ہوئی۔

اسد الغابہ ۵۴۳/۵ ۔ وفاء الوفا ۱۱۲۸۔۱۱۹۰

(۲) (وفاء الوفاء ۔ ۹۴۴'۹۸۸) الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۶۹۔

الاحکام السلطانیہ ابو یعلیٰ ص ۱۸۳۔ الاکتفاء ۱۰۳/۲

(۳) بنی نضیر کی زمینیں

جب یہودی مدینہ میں آئے تو بنی نضیر نے "بطحان عالیہ" اور بنی قریظہ نے "مہزور" میں رہائش اختیار کی تھی۔ عالیہ اور مہزور دو وادیاں ہیں جو کہ مقام "حرہ" سے نیچے کی طرف آتی ہیں' اور وہاں میٹھا پانی بہتا ہے۔

(معجم البلدان در مادہ "بطحان" یہ لفظ "طا" کے پیش اور زبر سے پڑھا جاتا ہے۔)

جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم کو بنی نضیر کی زمینوں پر متصرف کیا اور یہ زمین آپ کو بطور "فے" ملی تو حضرت عمر نے آپؐ سے عرض کی تھی :

کیا آپ اس جائیداد میں سے خمس نہیں نکالیں گے؟

(مقصد یہ تھا کہ یہ جائیداد مال غنیمت ہے اور آپ اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کریں اور پانچواں حصہ اپنے پاس رکھیں)

رسول خدا نے ارشاد فرمایا۔

یہ جاگیر اللہ نے مجھے ذاتی طور پر عطا کی ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا (ولما افاء الله علی رسوله ......) لہذا میں اس جائیداد کو اس جاگیر جیسی نہیں بناؤں گا جس میں مسلمانوں کا حصہ ہوتا ہے۔ (کتاب ہذا میں بحث فے کی طرف رجوع فرمائیں)

سیرت' حدیث اور تفسیر (۱) کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بنی نضیر کی زمین رسول خدا کی خالص ذاتی ملکیت تھی اور آپ پوری زندگی اس میں مالکانہ تصرف کرتے رہے۔ آپؐ اپنے افراد خاندان کی اسی سے کفالت کرتے تھے اور مشکلات کے وقت اسی کی کمائی سے خرچ کرتے تھے اور آپ نے اس زمین میں سے کچھ صحابہ بالخصوص حضرت ابوبکر' عبدالرحمٰن بن عوف' ابودجانہ سماک بن خرشہ ساعدی اور کچھ دوسرے افراد کو بھی کچھ زمین کے قطعات عطا کیے تھے اور اس زمین پر آپ کو ہجرت کے چوتھے

---

(۱) مغازی واقدی ص ۳۶۳۔ ۳۷۸۔ امتاع الاسماع مقریزی ص ۱۷۸۔ ۱۸۲۔ سنن ابی داؤد ۳/ ۴۸ کتاب بالخراج۔ سنن نسائی باب قسم الفئی ۲۰/ ۱۷۸۔ شرح نہج البلاغہ معتزلی ۴/ ۷۸۔ تفسیر طبری ۲۸/ ۲۴۔ ۲۵ در تفسیر سورۃ الحشر۔ تفسیر نیشاپوری بر حاشیہ طبری ۲۸/ ۴۸۔ در منثور ۶/ ۱۹۲

سال تصرف حاصل ہوا تھا۔ (فتوح البلدان بلاذری ۱/۱۸۔۳۲)

(۴) خیبر کی اراضی

خیبر مدینہ سے شام کے راستہ پر آٹھ منازل کی دوری پر واقع ہے۔ خیبر کو ایک قصبہ یا گاؤں نہیں سمجھنا چاہیے۔ خیبر ایک چھوٹی سی مملکت تھی جس میں سات آٹھ مضبوط قلعے واقع تھے۔ (الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۶۹، ابویعلیٰ ص ۱۸۴)

اور وہاں کی زمینیں بڑی زرخیز تھیں اور وہاں کھجوریں بکثرت سے پیدا ہوتی تھیں۔(۱)

اور خیبر کا علاقہ یہودیوں کا مضبوط گڑھ سمجھا جاتا تھا اور وہاں کے یہودیوں نے عرب کے مختلف قبائل سے عہد و پیمان بھی کر رکھے تھے۔

جب رسول خدا حدیبیہ سے واپس آئے تو آپ نے ماہ صفر یا ربیع الاول میں خیبر کی طرف رخ کیا۔ رسول خدا نے جنگ خیبر کے لیے صرف انہی افراد کو منتخب کیا جو کہ بیعت رضوان میں شریک تھے۔ البتہ آپ نے جابر بن عبد بن حرام انصاری کو جو کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے بیعت رضوان میں شامل نہ ہو سکے تھے، جنگ خیبر میں شرکت کی اجازت دی تھی۔ (مغازی واقدی: ص۔۶۳۴)

آپؐ نے ایک ماہ کے قریب خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیا۔ یہودی روزانہ دس ہزار جنگجو افراد لے کر قلعہ سے نکلتے تھے۔ (مغازی واقدی ص ۶۳۷، ۶۔ وفاء الوفا ص ۱۲۱۰)

خیبر کے کچھ قلعے جنگ سے فتح ہوئے اور کچھ قلعے صلح سے فتح ہوئے۔

خیبر کے جو قلعے جنگ سے فتح ہوئے تو آپؐ نے اس کے مال غنیمت کے

---

(۱) معجم البلدان در مادہ خیبر۔ صاحب معجم لکھتے ہیں کہ یہودیوں کی زبان میں "خیبر" قلعہ کو کہا جاتا ہے اور اس سرزمین کو کئی قلعوں کی وجہ سے "خیابر" بھی کہا جاتا تھا۔

پانچ حصے بنائے' جن میں سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے گئے۔

رسول خدا کے پاس اہل زراعت افراد کی کمی تھی لہٰذا اہل خیبر سے آپ نے یہ طے کیا' وہ اس زمین کو کاشت کریں گے اور اس کی پیداوار کا نصف حصہ آپ کے سپرد کریں گے۔(۱)

مورخین بیان کرتے ہیں کہ خیبر کی زمین کے چھتیس حصے بنائے گئے اور ان میں سے اٹھارہ حصے مسلمانوں کو دیے گئے اور دوسرے اٹھارہ حصے رسول خدا کی ملکیت میں قرار دیئے گئے۔ اور پھر مسلمانوں کے حصے کے اٹھارہ حصوں میں سے ہر ایک حصہ کے ایک سو حصے بنائے گئے اور یوں خیبر کی زمین اٹھارہ سو مسلمانوں میں تقسیم ہوئی۔ اور اتنی ہی زمین رسول خدا کی ملکیت قرار پائی۔ (فتوح البلدان ۱/۲۹۔ اصول ابی عبید ص ۵۶)

اور مورخین نے یہ بھی لکھا:

مسلمانوں کے حصوں میں دو حصے حدیبیہ میں شریک افراد جعفر بن ابی طالب کے ساتھ ارض حبشہ سے واپس آنے والوں میں تقسیم کیے گئے۔ (فتوح البلدان ۲۸۔۳۲)

مورخین بیان کرتے ہیں:

شق' نطاۃ' سلالم اور وطیح نامی قلعے' مسلمانوں کی ملکیت قرار دیے گئے اور کتیبہ نامی قلعہ کو خمس قرار دیا گیا۔ رسول خدا نے وہ علاقے یہودیوں کو مزارعت پر دیئے اور ان سے یہ شرط طے کی کہ وہ پیداوار کا آدھا حصہ خود رکھیں گے اور آدھا حصہ رسول خدا کی خدمت میں پیش کریں گے' اور خیبر کی زمین سے جو کمائی حاصل ہوتی تھی آپ اسے مسلمانوں میں تقسیم کرتے تھے' اور جب حضرت عمر کا زمانہ آیا تو انہوں نے مذکورہ رقبہ لوگوں کے حصوں پر تقسیم کر دیا۔ (فتوح البلدان ۱/۲۸)

---

(۱) فتوح البلدان بلاذری ۱/۳۶۔ ۳۸۔ مغازی واقدی ۶۸۸' ۶۹۹ پر مرقوم ہے کہ حضرت ابو بکر کی وفات تک ان کی اولاد کو خیبر کی زمین سے ایک سو وسق غلہ ملتا تھا اور حضرت عمر و عثمان کے دور میں بھی انہیں غلہ ملتا رہا۔ عبدالملک بن مروان یا اس کے بعد میں انہیں حصہ ملنا بند ہو گیا تھا۔

سیرت ابن ہشام اور ''الاکتفاء'' میں یہ روایت درج ہے اور سیرت ابن ہشام میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

قلعہ کتیبہ خمس میں آیا تھا' جس میں اللہ' رسول خدا اور ذی القربیٰ' مساکین' ازواج پیغمبر اور جن لوگوں نے اہل فدک اور رسول خدا میں صلح کرائی تھی' ان سب کا اس میں حصہ تھا۔(۱)

فتوح البلدان میں ہے:

انہوں نے ازواج پیغمبر کے لیے اس میں حصہ مقرر کیا' اور کہا: تم میں سے جو چاہے وہ پھل حاصل کرے اور جو چاہے اس کی جاگیر کا حصہ اس کے لئے اور اس کے وارثوں کو دوں گا۔ (فتوح البلدان ۱ر۲۷)

مغازی واقدی میں قلعہ کتیبہ کے تمام حصوں کی مکمل تفصیل بیان کی گئی ہے۔

(مغازی واقدی ص ۶۹۳۔فتوح بلاذری ۱ر۲۷)

وفاء الوفا میں مرقوم ہے:

قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم کے لوگوں نے مذکورہ قلعے کسی جنگ کے بغیر رسول خدا کے حوالے کر دیے تھے اور وہ دونوں قلعے آپ کی ذاتی ملکیت قرار پائے تھے اور انکے علاوہ قلعہ کتیبہ آپ کو بطور خمس ملا تھا اور وہ وطیح اور سلالم کے قریب تھا اور یوں تینوں قلعے آپ کے زیر تصرف آ گئے' اور حضور اکرم اپنی رحلت کے وقت جو ''صدقات'' چھوڑ کر گئے تھے اس میں یہ قلعے شامل تھے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ لفظ ''صدقات رسول'' مکتب خلفاء کی اپنی ساختہ پرداختہ اصطلاح ہے۔

اور رسول خدا کی ذاتی جائیداد کو عوامی ملکیت ثابت کرنے کے لیے اس طرح

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۳ر۴۰۲،۳۰۳۔ الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ والثلاثۃ الخلفاء ۲ر۲۶۸۔ مغازی واقدی ص ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ امتاع الاسماع مقریزی ص ۳۲۹

کی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کا کچھ حصہ جنگ اور کچھ حصہ صلح سے حاصل ہوا تھا اور اس سے ہی ایک دوسرے سے متضاد دکھائی دینے والی روایات کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ (وفاء الوفاص ۱۲۱۰۔ سیرت ابن ہشام)

قاضی ماوردی اور ابویعلیٰ لکھتے ہیں:

"خیبر کے آٹھ قلعوں میں سے رسول خدا تین قلعوں یعنی کتیبہ، وطیح اور سلالم کے مالک بنے۔ جن میں سے کتیبہ آپ کو بطور خمس ملا اور وطیح اور سلالم نامی قلعے بطور صلح آپ کو ملے اور یوں یہ تینوں قلعے فے اور خمس کی وجہ سے رسول خدا کی ذاتی ملکیت قرار پائے۔"

(الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۷۰۔ ابویعلیٰ ص ۱۸۴۔۱۸۵۔ کتاب الاموال ابوعبید ص ۵۶)

مولف عرض کرتا ہے کہ مورخین کے بیان کے مطابق خیبر کی زمین کے کل چھتیس حصے بنائے گئے جن میں آدھا حصہ یعنی اٹھارہ حصے مجاہدین اور اٹھارہ حصے رسول خدا کی ملکیت قرار دیئے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کا ایک خاصہ علاقہ بغیر کسی جنگ کے حاصل ہوا تھا۔ اور جس علاقہ کے لیے جنگو ہوئی تھی اس کے مال غنیمت میں سے آنحضرت کو پانچواں حصہ ملا تھا۔ جس کی وجہ سے رسول خدا کی جائیداد تمام مجاہدین کی جائیداد کے مساوی قرار پائی تھی۔

فدک

یاقوت لکھتے ہیں:

فدک حجاز کا ایک قریہ ہے جو مدینہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اور بعض لوگ تین دن بیان کرتے ہیں۔ اس میں ابلتے ہوئے چشمے اور بہت زیادہ کھجوریں ہیں۔ (معجم البلدان در ماہ فدک)

رسول خدا نے جب وہ خیبر میں تھے واپسی پر انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے مسلمان ہونے سے انکار کیا۔

(فتوح البلدان ۱/۳۱-۳۲-۳۳۔ احکام سلطانیہ ماوردی ص ۱۷۰۔ ابویعلیٰ ص ۱۷۵۔)

جب رسول خدا خیبر کی مہم سے فارغ ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ انہوں نے رسول خدا کو پیغام بھیجا کہ آپ ان سے ان کی نصف اراضی لے لیں۔ آپ نے ان کی یہ پیش کش قبول کی۔(۱)

ابوعبید کتاب الاموال کے صفحہ 9 پر رقم طراز ہیں:

اہل فدک نے رسول خدا کی خدمت میں پیغام بھیجا اور ان سے معاہدہ طے پایا کہ وہ آزاد رہیں گے اور ان کی نصف زمین اور نصف کھجوریں ان کی اپنی ملکیت ہوں گی اور ان کی نصف زمین اور کھجوریں رسول خدا کی ملکیت ہوں گی۔

فتوح البلدان میں مرقوم ہے:

فدک کی نصف زمین رسول خدا کی ذاتی جائیداد تھی کیونکہ اس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔ آپ فدک کی آمدنی اپنی صوابدید

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۳/۴۰۸۔ الاکتفاء ۲/۲۵۹ مغازی واقدی ص ۷۰۶-۷۰۷۔ امتاع الاسماع ص ۳۳۱۔ شرح نہج البلاغہ ۴/۷۸

کے مطابق خرچ کرتے تھے۔(۱)

شواہد التنزیل حسکانی، میزان الاعتدال ذہبی، مجمع الزوائد ہیثمی، درمنثور سیوطی اور منتخب کنز العمال میں مرقوم ہے، اور یہ روایت شواہد التنزیل میں ان الفاظ سے مروی ہے:

عن ابی سعید الخدری لمانزلت (وآت ذاالقربی حقه) دعا النبی فاطمة واعطاها فدک

"ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ جب (وآت ذاالقربیٰ حقه) آپ قرابتدار کو اس کا حق دیں۔ آیت اتری تو رسول خدا نے فاطمہؑ کو بلایا اور انہیں فدک عطا کیا۔"(۲)

سورہ الروم کی آیت ۳۸ کے ضمن میں بھی ابن عباس سے یہی تفسیر منقول ہے۔ (شواہد التنزیل حسکانی ۱/۴۴۳۔)

وادی القریٰ

یاقوت حموی رقم طراز ہیں:

وادی القریٰ مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے، یہ وادی تیماء اور خیبر کے درمیان میں واقع ہے۔

اس وادی کو وادی القریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے میں بستیوں کا ایک سلسلہ سا قائم ہے اور اس سلسلہ میں بہت سی بستیاں قائم ہیں۔ یہ بستیاں شام کے حج کے راستہ پر واقع ہیں۔ اور یہاں یہودی رہتے تھے۔

(معجم البلدان در مادہ تیماد)، (معجم البلدان در مادہ القری)

---

(۱) سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۶ کے ضمن میں شواہد التنزیل میں سات طریق سے یہ حدیث منقول ہے۔ درمنثور ۴/۱۷۷۔ میزان الاعتدال ۲/۲۲۸ پہلا ایڈیشن۔ کنزل العمال ۲/۱۵۸ پہلا ایڈیشن۔ منتخب کنز العمال ۲/۱۵۸۔ مجمع الزوائد ۷/۴۹ کشاف ۲/۴۴۶۔ تاریخ ابن کثیر ۳/۳۶

خیبر کی مہم سے رسول خدا فارغ ہو کر ماہ جمادی الثانی ۷ھ کو وادی القریٰ میں تشریف لائے۔ آپ نے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور ان سے جنگ ہوئی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی اور اس علاقہ کا مال مسلمانوں نے غنیمت میں لوٹا۔ رسول خدا نے اس مال میں سے پانچواں حصہ لیا اور کھجوریں اور زمین وہاں کے یہودیوں کے پاس مزارعت کے لیے رہنے دی اور ان کے ساتھ مزارعت کے وہی شرائط طے پائے جو اس سے پہلے اہل خیبر سے طے پائے تھے۔

رسول خدا نے ایک تیر کی پرواز کے برابر حمزہ بن نعمان کو وادی القریٰ میں جاگیر عطا فرمائی۔ لہٰذا انہی شرائط کو مدنظر رکھ کر قاضی ماوردی اور قاضی ابویعلیٰ نے لکھا۔

وادی القریٰ کی جائیداد میں رسول خدا کی ایک تہائی تھی۔ کیونکہ ایک تہائی بنی عذرہ کی ملکیت میں چلی گئی اور جو دو تہائیاں باقی بچتی تھیں تو اس میں سے نصف پیداوار رسول خدا کی تھی اور نصف پیداوار وہاں کے یہودی آبادکاروں کی تھی۔

(الاحکام السلطانیہ ماوردی ۱۷۰۔ ابویعلیٰ ۱۸۵)

مہزور

قاضی ماوردی اور قاضی ابویعلیٰ لکھتے ہیں:

حضور اکرمؐ کا آٹھواں صدقہ مدینہ کے بازار کا وہ مقام ہے جسے مہزور کہا جاتا ہے۔ جسے مروان نے عثمان سے بطور عطیہ طلب کیا تھا۔ عثمان نے اسے وہ بازار حوالے کر دیا تھا جس کی وجہ سے لوگ عثمان پر ناراض ہوئے۔

(احکام سلطانیہ ماوردی ۱۷۰۔ ابویعلیٰ ۱۸۵)

مولف کتاب ہذا عرض کرتا ہے:

"مہزور" مدینہ کی بلندی کی سمت ایک وردی ہے جہاں بنو قریظہ کی رہائش تھی، اور ممکن ہے کہ مدینہ کی وسعت کے بعد لوگوں نے وہاں بازار قائم کر لیا ہو۔

مذکوہ آٹھ قسم کی جائیداد کے علاوہ رسول خدا کو اپنی والدہ سے ایک مکان جو کہ شعب بنی علی میں واقع تھا، بطور میراث ملا۔

علاوہ ازیں عطر فروشوں کے بازار کے پیچھے صفا و مروہ کے درمیان آپ نے اپنی زوجہ خدیجہ بنت خویلد کا مکان بھی بطور میراث حاصل کیا تھا۔

اور جب رسول خدا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ کے جانے کے بعد عقیل بن ابی طالب نے آپ کے دونوں مکان فروخت کر دیے تھے، اور جب آپ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ تشریف لائے تو آپ سے پوچھا گیا تھا۔

آپ اپنے دو گھروں میں سے کس گھر میں رہنا پسند کریں گے؟

آپؐ نے فرمایا۔

کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے؟

(احکام سلطانیہ ماوردی ص ۱۷۱۔ ابو یعلیٰ ۱۸۵۔۱۸۶)

آیئے دیکھیں جس رسول خدا کی اتنی جائیداد اور جاگیر تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے وارثوں کو اس میں سے کیا کچھ ملا؟

تفصیلی بحث سے پہلے یہاں سر دست ایک روایت ملاحظہ فرمائیں:

ہشام کلبی نے عوانہ بن الحکم سے روایت کی:

حضرت ابو بکر صدیق نے رسول خدا کی رحلت کے بعد رسول خدا کا جانور اور آپ کی نعلین حضرت علیؑ کے حوالے کی اور کہا: اس کے علاوہ سب کچھ صدقہ ہے۔

(احکام سلطانیہ ماوردی ۱۷۱۔ ابو یعلیٰ ۔۱۸۶)

قارئین کرام!

یہاں تک آپ نے رسول خدا کی جائیداد کی تفصیل ملاحظہ فرمائی جو اللہ نے آپ کو خمس' ہبہ اور فے کے ذریعہ سے عطا فرمائی تھی اور اس میں سے آپ نے کچھ جائیداد اپنے صحابہ اور کچھ اپنے قرابت داروں کو ہبہ فرمائی تھی اور کچھ بدستور آپ کے اپنی ملکیت میں تھی۔

آیئے دیکھیں محسن انسانیت کی وفات کے بعد آپ کی مذکورہ جائیداد کا وارث کون بنا اور آپ کے حقیقی وارثوں کو ورثہ میں کیا کچھ دیا گیا؟

ذیل میں ہم اسی موضوع پر خدا کی تائید ونصرت سے تفصیلی بحث کریں گے۔

انشاء اللہ۔

رسولؐ کا ترکہ غیروں کے ہاتھوں میں

جیسے ہی رسول خدا نے رحلت فرمائی۔ اور سقیفائی حکومت قائم ہوئی تو اس حکومت کے دو بڑے ارکان نے رسول خدا کی تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا اور اس میں ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ رسول خدا نے اپنی زندگی میں جن صحابہ کو جائیدادیں عطا کی تھیں' ان جائیداوں کو بالکل نہ چھیڑا گیا۔ البتہ آپ نے فدک کی جاگیر جو اپنی بیٹی کو عطا فرمائی تھی اس پر قبضہ کر لیا گیا اور یہیں سے حضرت فاطمہؑ اور شیخین کے درمیان اختلاف نے جنم لیا۔

(الف) حضرت عمر کی روایت

حضرت عمر خود بیان کرتے ہیں کہ وفات پیغمبر کے بعد میں اور ابوبکر دونوں علیؑ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ رسول خدا کے ترکہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

- اس نے کہا: تمام لوگوں کی بہ نسبت ہم رسول خدا کے زیادہ حقدار ہیں۔
- میں نے کہا: جو ترکہ خیبر میں ہے؟
- اس نے کہا: جی ہاں' جو ترکہ خیبر میں ہے۔
- میں نے کہا: جو فدک میں ہے۔
- اس نے کہا: جی ہاں' جو فدک میں ہے۔

میں نے کہا: جب تک آپ ہمارے سروں کو جدا نہ کریں گے اس وقت تک ہم یہ ترکہ نہیں دیں گے۔

(مجمع الزوائد ۳۹/۹ باب (فی ما ترکہ الرسول) نقلا عن الطبرانی فی الاوسط)

(ب) ام المومنین بی بی عائشہ کی روایت

صحیح بخاری میں ہے، صحیح مسلم، مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور طبقات بن سعد میں ام المومنین سے مروی ہے، اور صحیح بخاری میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

ان فاطمة أرسلت الى ابى بكر تساله ميراثها من النبى (ص) فى ما أفاء الله على رسوله (ص) تطلب صدقة النبي التى بالمدنية و فدک وما بقی من خمس خيبر . فقال ابو بكر : ان رسول الله (ص) قال (لانورث ماتركنا فهو صدقة) انما يأكل آل محمد من هذا المال يعنى ما الله ليس لهم ان يزيدوا على الماكل.) وانى والله أغير شيًا من صدقات النبي التى كانت عليها فى عهد النبى (ص) ولاعملن فيها بما عمل فيها رسول الله (ص)

"حضرت فاطمہ نے ابو بکر کے پاس پیغام بھیجا اور انہوں نے اپنی اس میراث کا مطالبہ کیا جو اللہ نے رسول خدا کو بطور فے عطا کی تھی۔ فاطمہ زہراءؑ صدیقہ مدینہ، فدک اور جو خیبر کا خمس بچ گیا تھا اس کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ ابو بکر نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا:

ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔ آل محمدؐ اس مال میں سے صرف کھانا کھا سکتے ہیں اور کھانے سے زیادہ کچھ نہیں کھا سکتے۔ خدا کی قسم! نبی کے عہد میں صدقات پیغمبر کا جو مصرف تھا میں

اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا اور ان کے متعلق وہی عمل کروں گا جو رسول خدا کیا کرتے تھے۔"(۱)

حضرت ابو بکر نے بی بی کے جواب میں یہ جملے کہے تھے کہ "میں ان جائیدادوں کے متعلق عمل رسول میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا"

حضرت ابو بکر کے اس جملے کا مفہوم ام المومنین عائشہ کی حسب ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے۔

.... ففضیت فاطمة بنت رسول الله (ص) فهجرت ابا بکر فلم تزل مهاجرته حتی توفیت وعاشت بعد رسول الله (ص) ستة اشهر

قالت عائشة: فکانت فاطمة تسال ابا بکر نصیبها مما ترک رسول الله من خیبر وفدک وصدقته بالمدینة فابي ابو بکر علیها ذلک، وقال: لست تارکاً شیئاً کان رسول الله یعمل به الاعملت به، فانی أخشی ان ترکت شیئا من امره ان أزیغ. فاما صدقة بالمدینة فدفعها عمر الی علی وعباس، واما خیبر وفدک مسکهما عمر وقال: هما صدقة رسول الله (ص) کانتا لحقوته التی تعروه ونوائبه وأمرهما الی من ولی الامر، قال: فهما علی ذلک الی الیوم.

"......حضرت فاطمہ بنت رسول خدا غضب ناک ہوئیں۔ انہوں نے ابو بکر سے قطع تعلق کر لی اور ان کی قطع تعلقی ان کی وفات تک جاری رہی اور وہ رسول خدا کے بعد چھ ماہ زندہ رہی تھیں۔"

بی بی عائشہ نے کہا: حضرت فاطمہ ابو بکر سے رسول خدا کی خیبر کی جاگیر اور

---

(۱) صحیح بخاری ۲۰۰/۲ باب مناقب قراۃ رسول اللہ من کتاب المناقب۔ سنن ابی داؤد ۴۹/۲ کتاب الخراج باب صفایا رسول اللہ ﷺ (ص)۔ سنن نسائی ۱۷۹/۲ باب قسم الفئی۔ مسند احمد ۹۶/۱۔ طبقات ابن سعد ۳۱۵/۲ و ج ۲۸۰/۸۔ منتخب الکنز باب ماجاء بمیراثہ ۱۲۸/۳۔ صدقہ مدینہ سے مخیریق یہودی کے سات باغ مراد ہیں۔ اور خمس کے بچے ہوئے حصے سے آپ کا وہ حصہ مراد ہے جو مختلف افراد کو ہبہ کرنے کے باوجود بھی بچا ہوا تھا۔

ان کے صدقہ مدینہ سے اپنی میراث کا سوال مسلسل کرتی رہیں اور ابو بکر اس کا انکار کرتے رہے۔ اور ابو بکر نے کہا۔ اس جائیداد کے متعلق میں رسول خدا کے عمل سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا" کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اس کے امر کو چھوڑ دیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔

رسول خداؐ کے مدینہ کے صدقات عمر نے علیؑ وعباس کے سپرد کر دیئے تھے اور خیبر وفدک کو عمر نے اپنے پاس رکھا۔ اور انہوں نے کہا۔ خیبر وفدک کی جائیداد آنحضرت کے ان حقوق ومشکلات کے لیے تھی جو آپ پر وارد ہوتے تھے اور آپ کے بعد یہ جائیداد آپ کے جانشین کی ہے۔

راوی نے کہا: خیبر وفدک کی جائیداد آج تک حاکم وقت کے پاس ہے۔"(۱)

حضرت عائشہ کی پہلی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ابو بکر نے کہا تھا کہ میں اس جائیداد کی کمائی کو وہاں خرچ کروں گا جہاں رسول خدا خرچ کیا کرتے تھے۔

اور ام المومنین کی دوسری روایت میں حضرت عمر کے یہ الفاظ موجود ہیں:

اس جائیداد کی کمائی آپؐ اپنے حقوق ومشکلات میں صرف کیا کرتے تھے۔ اور اب یہ جائیداد ان کے جانشین کے پاس ہوگی۔

شیخین کے دونوں اقوال کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ حاصل کرنے میں دیر نہیں لگے گی' اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے بالواسطہ طور پر یہ کہا کہ اب اس جائیداد کی کمائی کو میں اپنے حقوق کے لیے خرچ کروں گا اور اس کمائی سے اپنی ان مشکلات کا ازالہ کروں گا جو مجھ پر وارد ہوں گی۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم کی بی بی عائشہ سے مروی اس تیسری روایت میں بھی اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری ۱۲۲/۲ کتاب الخمس باب فرض الخمس۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد حدیث ۵۴۔ تاریخ اسلام ذہبی ۳۴۶/۱۔ تاریخ ابن کثیر ۲۸۵/۷ باب "بیان انہ قال علیہ السلام لانورث" سنن بیہقی ۳۰۰/۶۔ مسند احمد ۶/۱۔ طبقات ابن سعد ۱۸/۸

عن عائشة: أن فاطمة بنت النبی (ص) أرسلت الی ابی بکر تساله میراثها من رسول اللّٰہ مما افاء اللّٰہ علیه بالمدینة وفدک وما بقی من خمس خیبر' فقال ابو بکر : ان رسول اللّٰہ (ص) قال: "لانورث ماترکنا صدقة' انما یاکل ال محمد فی هذا المال" وانی لا أغیر شیئًا من صدقة رسول اللّٰہ (ص) عن حالها التی کانت علیها فی عهد رسول اللّٰہ (ص)ولأعملنّ فیها بما عمل به رسول اللّٰہ (ص)فابیٰ ابوبکر ان یدفع الیٰ فاطمة منها شیئا' فوجدت فاطمة علی ابی بکر فی ذلک فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت. وعاشت بعد النبی ستة اشهر فلما توضیت دفنها زوجها علّی لیلا' ولم یوذن بها ابا بکر و صلّ علیها (۱)

"بی بی عائشہ روایت کرتی ہیں کہ فاطمہ بنت رسول نے ابوبکر کی طرف پیغام بھیجا اور انہوں نے رسول خدا سے اپنی اس میراث کا مطالبہ کیا جو اللہ نے انہیں بطور فے مدینہ میں عطا کی تھی اور انہوں نے فدک اور جو خیبر کے خمس سے رسول خدا کا حصہ بچا ہوا تھا' اس کا مطالبہ کیا۔"

ابوبکر نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا:

ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے اور آل محمدؐ اس مال میں سے صرف کھانا کھا سکتے ہیں۔

اور میں صدقہ رسول میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں آنے دوں گا اور میں وہی کچھ کروں گا جو رسول خدا کیا کرتے تھے۔

ابوبکر نے فاطمہؑ کو کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے فاطمہؑ ابو بکر پر ناراض ہوئیں اور ان سے قطع تعلق کر لیا اور اپنی وفات تک ان سے کلام نہ کی۔ بی بی فاطمہؑ رسول خدا کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور جب ان کی وفات ہوئی تو

(۱) صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر باب "قول النبی لانورث" حدیث ۵۲ ص ۱۳۸۰۔ بخاری ۳/۳۸ باب غزوۂ خیبر۔ سنن بیہقی ۶/۳۰۰۔ مشکل الآثار ۱/۴۷

ان کے شوہر علیؑ نے رات کے وقت ان کو دفن کر دیا اور ابو بکر کو اطلاع تک نہ کی اور ان کا جنازہ پڑھا۔"

ام المومنین نے اپنی ان طویل روایات میں حضرت فاطمہؑ اور حضرت ابو بکر کے اختلافات کا تذکرہ کیا اور انہوں نے بیان کیا کہ بی بی فاطمہ زہراؑ نے حضرت ابو بکر سے تین چیزوں کا مطالبہ کیا تھا۔

- رسول خدا انہیں اپنی زندگی میں کچھ ہبہ کر گئے تھے۔ بی بی نے ہبہ کی بحالی کا مطالبہ کیا۔
- اپنے والد کی میراث کے اجرا کا مطالبہ کیا۔
- خمس میں سے ذی القربیٰ کے حصے کا مطالبہ کیا۔

(الف) قانون ہبہ کے تحت مطالبہ

فتوح البلدان میں مرقوم ہے:-

حضرت فاطمہ نے ابو بکر صدیق سے کہا:

"مجھے فدک دو کیونکہ رسول خدا نے وہ جاگیر مجھے ہبہ کی تھی۔"

حضرت ابو بکر نے ان سے گواہ طلب کیے۔ تو انہوں نے گواہی میں ام ایمن اور رسول خدا کے آزاد کردہ غلام رباح کو پیش کیا۔ دونوں نے بی بی کے حق میں گواہی دی۔

حضرت ابو بکر نے کہا:

"گواہی کے لیے ایک مرد اور دو عورتوں کی ضرورت ہے۔ لہٰذا گواہی نا مکمل ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت علیؑ نے بی بی فاطمہؑ کے حق میں گواہی دی۔ حضرت ابو بکر نے

دوسرے گواہ کا مطالبہ کیا تو ام ایمن نے گواہی دی۔ (۱)

اور یہ بات سمجھنی انتہائی آسان ہے کہ حضرت ابو بکر نے برسر اقتدار آنے کے بعد فدک اور رسول خدا کی دوسری جاگیر پر قبضہ کیا تھا۔ اور جب بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے دیکھا کہ وہ ہبہ نامہ کے تحت فدک دینے پر آمادہ نہیں ہے تو انہوں نے فوراً میراث پیغمبر کے اجر کا مطالبہ کیا جیسا کہ ام المومنین کی روایات کے علاوہ حسب ذیل روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(ب) میراث کا مطالبہ

(۱) مسند احمد، سنن ابی داؤد، تاریخ اسلام ذہبی ابن کثیر اور شرح نہج البلاغہ میں یہ روایت ابوالطفیل سے مروی ہے۔ اور مسند احمد میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

عن أبی الطفیل (۲) قال : لما قبض رسول اللّٰہ (ص)

أرسلت فاطمة الی أبی بکر: انت ورثت رسول اللّٰہ ام اهله

؟ قال: فقال "لا بل اهله"

قالت فاین سهم رسول اللّٰہ (ص)

قال فقال ابو بکر : انی سمعت رسول اللّٰہ یقول "ان اللّٰہ "

---

(۱) فتوح البلدان ۱/۳۴، ۳۵/۳۵۔ ام ایمن کا نام برکت تھا انہوں نے آنحضرت کی پرورش کی تھی۔ رسول خدا نے انہیں کنیزی سے آزادی دی تھی اور وہ قدیم الاسلام تھیں۔ انہوں نے حبشہ اور مدینہ ہجرت کی تھی۔ ان کا پہلا نکاح عبید حبشی سے ہوا اور ان کا دوسرا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا تھا۔ رسول خدا کی وفات کے پانچ یا چھ ماہ بعد ان کی وفات ہوئی۔ بعض مورخین نے کہا کہ ان کی وفات خلافت عثمانی میں ہوئی۔ ابن ماجہ نے ان سے پانچ احادیث نقل کی ہیں۔ (اسد الغابہ ۵/۵۶۷، جوامع السیرت ص ۲۸۹، تقریب التہذیب ۲/۶۱۹)

(۲) ابوالطفیل عامر بن واثلہ کنانی لیثی کا شمار صغیر السن صحابہ میں کیا جاتا ہے۔ وہ جنگ احد کے سال پیدا ہوئے اور وہ اصحاب علی میں سے تھے اور آپ کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے وہ ثقہ اور قابل بھروسہ تھے مگر وہ حضرت علی کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ نبی اکرم کی زیارت سے مشرف ہونے والوں میں سے سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی ان کی وفات سنہ ۱۰۰ھ یا سنہ ۱۱۶ھ میں واقع ہوئی۔ اسد الغابہ ۳/۹۶۔ صحاح ستہ کے مولفین نے ان سے نو احادیث نقل کی ہیں۔ (جوامع السیرۃ ص ۲۸۶۔ تقریب التہذیب ۱/۳۸۹)

عزوجل اذا اطعم نبیًا طعمة ثم قبضه جعله للّذی یقوم من بعدہٗ فرایت ان اردہ علی المسلمین"

قالت : فانت وما سمعت من رسول اللہ اعلم (۱)

"ابو الطفیل روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؑ نے ابوبکر کی طرف پیغام بھیجا رسول خدا کا وارث تو ہے یا ان کا خاندان ہے؟"

راوی کہتا ہے: کہ حضرت ابو بکر نے کہا: نہیں، میں وارث نہیں، ان کا خاندان ان کا وارث ہے۔

بی بی نے کہا: تو پھر رسول خدا کا حصہ کہاں ہے؟

حضرت ابو بکر نے کہا: میں نے رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اللہ جب بھی اپنے کسی نبی کو کوئی لقمہ کھلاتا ہے اور پھر اس کو وفات دیتا ہے تو وہ لقمہ اس کے جانشین کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔ اب میں اسے مسلمانوں پر لوٹانا چاہتا ہوں۔

بی بی نے کہا: تو کیا تجھے رسول خدا سے سنی ہوئی بات کا زیادہ علم ہے۔

شرح نہج البلاغہ میں اس کے بعد لکھا ہے کہ بی بی نے کہا: میں اس کے بعد تجھ سے سوال نہیں کروں گی۔

(۲) ابو ہریرہ کی دو روایات

(الف) سنن ترمذی میں ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

ان فاطمة جاء ت الی ابی بکر و عمر تسال میراثها من رسول اللہ فقالا. سمعناء. رسول اللہ یقول "انی لااورث (۲)

"حضرت فاطمہؑ ابوبکر اور عمر کے پاس گئیں اور ان دونوں سے رسول خدا سے ملنے والی اپنی میراث طلب کی۔ ان دونوں نے کہا: ہم نے رسول خدا سے سنا تھا کہ میرا کوئی میراث نہیں ہوگا۔"

---

(۱) مسند احمد ۱/۴ حدیث ۱۴۔ سنن ابی داؤد ۳/۵۰ کتاب الخراج۔ تاریخ ابن کثیر ۵/۲۸۹۔ شرح نہج البلاغہ ۴/۸۱ بحوالہ ابو بکر جوہری وتتمہ ص ۸۷۔ تاریخ الاسلام ذہبی ۱/۳۴۶

(۲) سنن ترمذی ۱۷۔۱۱۱۔ ابواب السیر باب ماجاء فی ترکۃ الرسول (ص)

(ب) مسند احمد' سنن ترمذی' طبقات ابن سعد اور تاریخ ابن کثیر میں مذکور ہے۔ یہ روایت مسند احمد میں ان الفاظ سے مروی ہے۔

حضرت فاطمہؑ نے ابوبکر سے فرمایا: تیرے مرنے کے بعد تیرا وارث کون ہوگا؟

حضرت ابوبکر نے کہا: میری اولاد اور میرا خاندان میرا وارث ہوگا۔

بی بی نے کہا: تو ہم رسول خدا کے وارث کیوں نہیں ہیں؟

حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے رسول خدا کو یہ کہتے سنا تھا

"ان النبي لا يورث"

"نبی کی میراث نہیں ہوتی۔"

البتہ رسول خدا جن لوگوں کی کفالت کرتے تھے میں بھی ان کی کفالت کرتا رہوں گا۔ اور اس جائیداد کی کمائی آپؐ جہاں خرچ کرتے تھے میں بھی وہاں خرچ کرتا رہوں گا۔(۱)

(۳) حضرت عمر کی روایت

طبقات ابن سعد میں حضرت عمر سے منقول ہے:

جس دن رسول خدا کی وفات ہوئی اس دن حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی۔ پھر بیعت کے دوسرے دن فاطمہ زہرا حضرت علی کو ساتھ لے کر ابوبکر کے پاس آئیں اور کہا:

میں اپنے والد رسول خدا کی میراث کا مطالبہ کرتی ہوں۔

حضرت ابوبکر نے کہا: آپ میراث طلب کرتی ہیں یا ہبہ طلب کرتی ہیں؟

بی بی نے فرمایا: میں خیبر' فدک اور حضور کے صدقات مدینہ کے ایسے ہی وارث ہوں جیسے تیری بیٹیاں تیرے مرنے پر تیری وارث بنیں گی۔

ابوبکر نے کہا:

آپ کے والد مجھ سے بہتر تھے اور آپ میری بیٹیوں سے بہتر ہیں۔ البتہ رسول خدا نے فرمایا:

۱۔ حضرت ابوہریرہ کی یہ دوسری روایت مسند احمد ۱/۱۰۔ حدیث ۶۰ میں مرقوم ہے اور وہ حدیث ابوسلمہ سے مروی ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت حسب ذیل کتب میں موجود ہے۔
سنن ترمذی ۷/۱۰۹ باب ماجاء فی ترکۃ الرسول۔ طبقات ابن سعد ۲/۵ ۳۷۔ ابن کثیر۔ ۲۸۹/۹

ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہے۔

(طبقات ابن سعد ۲/۳۱۶)

طبقات کی اس روایت میں حضرت عمر کی طرف سے یہ کہا گیا کہ وفات پیغمبر کے دوسرے دن حضرت زہراؑ میراث طلب کرنے آئی تھیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ واقعات سقیفہ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی اتنی جلدی نہیں آتی ہوں گی۔

اور اس سلسلہ میں ہم ابن ابی الحدید کے قول کو زیادہ مناسب خیال کرتے ہیں۔اس نے شرح نہج البلاغہ میں فدک کے متعلق ۔ باب قائم کیا' جس کی سرخی اس نے یہ بنائی۔

"فدک کی بحث اور وفات پیغمبر کے دس دن بعد فاطمہؑ کی ابوبکر کے پاس آمد"

(شرح نہج البلاغہ معتزلی ۱۴/۹۷)

بہر نوع مذکورہ بالا روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کو حضرت ابوبکر نے بنت رسول کو ان کے والد کی میراث سے محروم رکھا تھا اور اس سلسلہ میں ان کا موقف یہ تھا کہ رسول خدا کا فرمان ہے کہ انبیاء کی میراث نہیں ہوتی اور ان کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ "لا وارثی" حدیث کے واحد راوی خود حضرت ابوبکر ہیں ان کے علاوہ اس حدیث کو کسی نے روایت نہیں کیا۔اس سلسلہ میں بی بی عائشہ کی یہ گواہی بڑا وزن رکھتی ہے۔

صحابہ میں میراث رسول کے متعلق اختلاف پیدا ہوا تو کسی کے پاس بھی اس کا علم موجود نہ تھا۔اس وقت حضرت ابوبکر نے کہا۔میں نے رسول خدا سے یہ سنا:

"ہم گروہ انبیاء کی میراث نہیں ہوتی اور ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔"

(کنز العمال ۱۴/۱۳۰)

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔انبیاء کی میراث حاصل نہ کرنے کی روایت صرف حضرت ابوبکر سے ہی مروی ہے۔(۱)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ معتزلی ۱۴/۸۲

ابن ابی الحدید مزید لکھتے ہیں:

اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو صرف حضرت ابو بکر نے روایت کیا تھا۔اور اعظم المحدثین کا قول بھی یہی ہے۔ اصول فقہ میں صحابی واحد کی حدیث کے حجت ہونے کے لیے دلیل یہی پیش کی جاتی ہے۔

ہمارے استاد ابو علی نے کہا: گواہی جیسے معاملات میں دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ مگر متکلمین وفقہاء نے ہمارے استاد سے یہ کہ کر اختلاف کیا کہ "نحن معاشر الانبیاء؟" کی روایت کے واحد راوی حضرت ابو بکر ہیں۔

(شرح نہج البلاغہ ۸۵/۲۔)

سیوطی نے حضرت ابو بکر سے مروی احادیث کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۸۹)

انیسویں حدیث "لانورث ماتر کناہ صدقة" کی حدیث کے واحد راوی حضرت ابو بکر ہیں۔

مولف کتاب ہذا عرض کرتا ہے کہ علماء کی تشریح کے مطابق "لاوارثی" حدیث کے واحد راوی حضرت ابو بکر ہیں۔ مگر مکتب خلفاء سے وابستہ افراد نے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لیے اور صحابہ سے بھی اس طرح کی روایات نقل کی ہیں۔

(شرح نہج البلاغہ ۸۵/۴)

(ج) حق خمس میں سے ذی القربیٰ کے حصہ کا مطالبہ

جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے دیکھا کہ حاکم نے ان کے حق ہبہ کو مسترد کر دیا ہے اور وہ انہیں میراث بھی دینے پر آمادہ نہیں ہے تو بی بی نے اس سے خمس میں سے ذی القربیٰ کے حق کا مطالبہ کیا۔ جیسا کہ ابو بکر جوہری کی تین روایات میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

❁ انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا ابو بکر کے پاس آئیں، اور ان سے فرمایا:

میں تجھ سے خمس غنائم میں سے ذی القربیٰ کے حق کا مطالبہ کرتی ہوں۔ پھر آپ نے اس آیت مجیدہ کو پڑھا:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی...... (الانفال۔ ام)

"اور جان لو جو تمہیں غنیمت حاصل ہو تو اس میں پانچواں حصہ اللہ رسول اور رسول کے قرابت داروں کا ہے۔"

حضرت ابو بکر نے کہا:

میرے ماں باپ آپ اور آپ کے شوہر پر قربان ہوں۔ اللہ کی کتاب اور رسول خدا کے حق اور ان کے قرابت داروں کے حق کے لیے میں سمع وطاعت سے کام لوں گا۔ جس آیت کی تلاوت آپ کر رہی ہیں میں بھی اس آیت کی تلاوت کرتا ہوں لیکن مجھے آج تک یہ علم نہیں ہو سکا کہ کیا خمس میں سے ذی القربیٰ کا پورا حصہ آپ کو دیا جائے گا۔

بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

"تو کیا وہ حصہ تیرے اور تیرے رشتہ داروں کے لیے ہے؟"

حضرت ابو بکر نے کہا:

نہیں! میں اس میں سے کچھ حصہ آپ پر خرچ کروں گا اور باقی حصہ مصالح مسلمین میں خرچ کروں گا۔

بی بی نے فرمایا: مگر اللہ کا فرمان تو ایسا نہیں ہے...... الحدیث (۱)

❁ عروہ سے روایت ہے کہ بی بی فاطمہ زہرا نے ابو بکر سے فدک اور ذی القربیٰ کا حصہ طلب کیا مگر ابو بکر نے دینے سے انکار کیا اور اسے خدا کے مال میں شامل کر دیا۔

❁ حسن بن محمد حنیفہ بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے۔

(۱) مذکورہ تینوں روایات شرح نہج البلاغہ ۸۱/۱۴ میں موجود ہیں اور پہلی روایت تاریخ اسلام ذہبی ۱۱ ۳۴۷ میں بھی موجود ہے۔

ان ابا بکر منع فاطمۃ و بنی ھاشم سھم ذوی القربیٰ و جعلہ فی سبیل اللہ فی السلاح والکراع

"ابو بکر نے فاطمہ زہراءؑ اور بنی ہاشم کو ذی القربیٰ کے حصے سے محروم کر دیا اور اس نے وہ حصہ خدا کے حصہ میں شامل کر دیا اور اس سے ہتھیار اور گھوڑے خریدے جاتے تھے۔"

کنز العمال میں ام ہانی سے روایت ہے۔

ان فاطمۃ اتت ابا بکر تسالہ سھم ذوی القربیٰ . فقال لھا ابو بکر : سمعت رسول اللہ (ص) یقول: "سھم ذو القربیٰ لھم فی حیاتی ولیس لھم بعد موتی"

"حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر کے پاس گئیں اور ان سے ذوی القربیٰ کے حصہ کا مطالبہ کیا۔ ابو بکر نے انہیں کہا۔ میں نے رسول خدا سے سنا ہے۔ کہ ذوی القربیٰ کا حصہ میری زندگی میں ہے اور میری موت کے بعد ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔" (۱)

ام ہانی کی دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جناب سیدہ نے حضرت ابو بکر سے بیک وقت میراث اور ذی القربیٰ کے حصہ کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ فتوح البلدان، طبقات ابن سعد، تاریخ اسلام ذہبی اور شرح نہج البلاغہ میں مرقوم ہے۔ یہ روایت فتوح البلدان میں ان الفاظ سے مروی ہے۔

عن ام ھانی قالت : ان فاطمۃ بنت رسول اللہ (ص) اتت ابا بکر فقالت: من یرثک اذا مت؟ قال ولدی واھلی. قالت: فمابالک ورثت رسول اللہ دوننا؟ قال: یا بنت رسول اللہ ! ما ورثت اباک ذھبًا ولافضۃً فقالت سھمنا بخیبر و "صدقتنا" فدک

"حضرت فاطمہ دختر رسول خدا ابو بکر کے پاس گئیں اور فرمایا:

---

(۱) کنز العمال ۳۶۷/۵ کتاب الخلافۃ مع :۔ مارۃ قسم الافعال۔ ام ہانی حضرت علی کی بہن تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا اور عہد معاویہ میں وفات پائی۔ صحاح ستہ کے مولفین نے ان سے چھیالیس احادیث نقل کی ہیں۔ (اسد الغابہ ۶۳۶/۵۔ جامع المسیرۃ ص ۲۸۰۔ تقریب التہذیب ۶۲۵/۲۔)

تیرے مرنے کے بعد تیری میراث کون حاصل کرے گا؟

حضرت ابو بکر نے کہا:

میری اولاد اور میرا خاندان میری وراثت حاصل کرے گا۔

بی بی نے فرمایا:

پھر ہماری موجودگی میں تو رسول خدا کا وارث کیسے بن گیا؟

حضرت ابو بکر نے کہا:

اے بنت پیغمبر! میں نے آپ کے والد کی طرف سے سونا اور چاندی تو میراث میں نہیں پائی۔

بی بی نے فرمایا: ہمارا خیبر کا حصہ اور ہمارا خالص مال فدک کہاں ہے؟"

طبقات ابن سعد میں اس روایت کے ضمن میں حضرت ابو بکر کے یہ الفاظ موجود ہیں:

میں نے آپ کے والد کی میراث میں سے زمین' سونا' چاندی اور غلام و کنیز تو حاصل نہیں کیے؟

بی بی نے فرمایا:

اللہ نے ذی القربیٰ کے تحت ہمیں جو حصہ دیا ہے وہ کہاں ہے اور ہمارا صافیہ فدک بھی تیرے ہاتھوں میں ہے۔ (۱)

حضرت ابو بکر نے کہا: میں نے رسول خدا سے سنا تھا۔

یہ ایک لقمہ ہے' جو خدا نے مجھے میری زندگی میں عطا کیا ہے۔ میری موت کے بعد یہ جائیداد مسلمانوں کی ہوگی۔

(طبقات ابن سعد ۳۱۵/۲۔ کنز العمال ۳۶۵/۵۔ کتاب الخلافۃ مع الامارۃ من قسم الافعال)

ابن ابی الحدید اور تاریخ اسلام ذہبی میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

---

(۱) فتوح البلدان میں لفظ "صدقتنا" تحریف ہے جب کہ طبقات ابن سعد میں "صافیتنا" کے الفاظ مروی ہیں۔ فتوح البلدان ۳۵/۱۔ ۳۶۔ طبقات ابن سعد ۳۱۴/۲۔ ۳۱۵۔ شرح نہج البلاغہ معتزلی ۸۱/۴۔ تتمہ ص ۸۷۔ تاریخ اسلام ذہبی ۳۴۶/۱

حضرت ابو بکر نے کہا: بنت رسول! میں نے کیا کیا ہے؟

بی بی نے کہا: تو نے فدک کی طرف توجہ کی جو کہ خالص رسول خدا کی ملکیت تھی۔ تو نے اس پر قبضہ کر لیا اور تو نے ایک خدائی فریضہ کو ہم سے دور کر دیا۔

حضرت ابو بکر نے کہا:

اے بنت پیغمبر! میں نے ایسا نہیں کیا۔ رسول خدا نے مجھ سے کہا تھا کہ اللہ نبی کو لقمہ کھانے کے لیے دیتا ہے' جب تک وہ زندہ ہوتا ہے اور جب نبی کو اپنی طرف بلا لیتا ہے تو وہ لقمہ بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔

بی بی نے کہا: تو اور رسول خدا بہتر جانتے ہو۔ میں اس نشست کے بعد تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ پھر بی بی واپس چلی گئیں۔

بی بی نے "سہم اللہ" (خدا کی طرف سے مقرر کردہ حصہ) سے مراد خمس میں سے ذوی القربیٰ کا حصہ مراد لیا ہے۔ اور لفظ صافیہ سے رسول خدا کی خالص ذاتی جائیداد مراد لی تھی۔

اور بی بی نے حاکم سے کہا تھا کہ تو نے ایک خدائی فریضہ کو ہم سے دور کر دیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تو نے ذی القربیٰ کے مقرر شدہ حصہ سے ہم کو محروم رکھا اور تو نے ہمیں آیت میراث سے بھی علیحدہ رکھا ہے' کیونکہ آیت میراث میں یہ موجود ہے۔ کہ ہر اولاد اپنے والدین کی میراث حاصل کرے گی' لیکن تو نے ہمیں اس سے بھی محروم رکھا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ عباس بھی حضرت سیدہ کے ساتھ اپنی میراث مانگنے کے لیے آئے تھے جیسا' کہ ابن سعد نے طبقات' متقی نے کنز العمال میں لکھا۔

ابن سعد لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہؑ اپنی میراث طلب کرنے کے لیے ابو بکر کے پاس آئیں' اور عباس بن عبدالمطلب اپنی میراث طلب کرنے کے لئے آئے اور اس کے ساتھ علی بن ابی طالب بھی آئے۔

حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا تھا:

لانورث ماترکنا صدقۃ.

"ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔"

رسول خدا جن لوگوں کی کفالت کرتے تھے میں ان کی کفالت کرتا رہوں گا۔

حضرت علی نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ

"سلیمان داؤد کے وارث بنے۔"

يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ

حضرت زکریا نے اپنے لیے فرزند کی دعا طلب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے وارث عطا کر جو میری میراث پائے اور آل یعقوب کی میراث حاصل کرے۔

حضرت ابوبکر نے کہا:

واقعی ایسا ہی ہے اور خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں تم بھی جانتے ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

یہ تو کتاب خدا کا فیصلہ ہے۔

حضرت علیؑ کے دلائل سن کر سب خاموش ہو گئے اور اٹھ کر اپنے گھروں کو چل دیئے"۔ روایت کرنے والوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ حضرت عباس اپنے لیے میراث نبوی کا حصہ طلب کرنے آئے تھے۔ جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ مسجد نبوی میں حضرت فاطمہؑ کی مدد کرنے کے لیے آئے تھے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ انہوں نے حاکم سے حق خمس میں سے ذی القربیٰ کے تحت اپنا حق مانگا ہو۔

جس کی وجہ سے مورخین نے اپنے تئیں یہ فیصلہ کر لیا کہ عباس بھی اپنے لیے میراث طلب کرنے آئے تھے۔

خطبہ زہراءؑ سلام اللہ علیہا

ابن ابی الحدید نے کتاب السقیفہ میں ابو بکر جوہری اور احمد بن ابی طاہر بغدادی کی بلاغات النساء سے نقل کرتے ہوئے لکھا:

جب حضرت زہراؑ کو یقین ہو گیا تھا کہ حاکم وقت انہیں کچھ بھی دینے پر آمادہ نہیں ہے تو انہوں نے اپنے سر پر پٹی باندھی اور چادر لپیٹی اور بنی ہاشم کی خواتین کے جھرمٹ میں مسجد میں تشریف لائیں اور وہ رسول خدا کے انداز میں چلتی ہوئی مسجد میں آئیں، اس وقت حاکم وقت کے علاوہ مسجد میں مہاجرین و انصار کی بڑی تعداد جمع تھی۔آپ کے سامنے ایک پردہ لٹکایا گیا تھا۔

جب آپ مسجد میں آئیں تو آپ نے ٹھنڈی سانس لی‘ جس کی وجہ سے تمام اہل مسجد رونے لگے اور جب لوگوں کا رونا موقوف ہوا تو بی بی نے اپنی گفتگو کا آغاز اللہ کی حمد و ثنا اور رسول خدا پر صلوٰۃ وسلام سے کیا اور احکام شرعی کے علل و اسباب بیان کیے پھر آپ نے فرمایا:

> انا فاطمة ابنة محمد‘ اقول عود ا علی بدء لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤ منین روئوف رحیم‘ فان تعزوه تجدوه أبی دون آبائکم وأخا ابن عمی دون رجالکم.
>
> ”لوگو! میں فاطمہ ہوں اور میرے والد محمد مصطفیٰ ہیں ا (جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”تحقیق تمہارے پاس ایسا رسول آیا ہے جو تم میں سے ہے‘ جس پر تمہارا رنج اور غم بہت گراں ہے اور وہ تمہاری نجات پر حریص ہے اور مومنین پر مہربان اور شفیق ہے“ اگر تم ان کے نسب کی بات کرو گے تو تم انہیں میرا والد پاؤ گے نہ کہ اپنی عورتوں کا‘ اور وہ تمہارے مردوں میں سے میرے ابن عم (حضرت علیؑ) کے بھائی دکھائی دیں گے

نہ کہ تمہارے بھائی دکھائی دیں گے۔"

پھر آپ نے اپنے خطبہ میں اور بہت سی باتوں کے بعد فرمایا:

ثم انتم الآن' تزعمون ان لاارث لنا (أفحکم الجاھلیة یبغون ومن احسن من اللّٰہ حکمًا لقوم یوقنون) یا ابن قحافة! أترِث اباک ولاأرث ابی لقد جئت شیئا فریا فدونکھا مخطومة مرحولة تلقاک یوم حشرک فنعم الحکم اللّٰہ والزعیم محمد) والموعد القیامة وعند الساعة یخسر المبطلون .

"اور اب تم یہ گمان کرنے لگے ہو کہ ہماری میراث نہیں ہے۔ کیا وہ جاہلیت کا قانون پسند کرتے ہیں اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ کے قانون سے بہتر بھلا کس کا قانون ہوسکتا ہے۔"

اے فرزند قحافہ! یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تو تو اپنے والد کی میراث حاصل کرے اور میں اپنے والد کی میراث سے محروم رہوں! بے شک تو ایک عجیب چیز لایا ہے تم خلافت کے ناقہ کو اچھی طرح سے قبضہ میں رکھو۔ یہ بات قیامت کے دن تجھے معلوم ہوگی جس دن اللہ بہترین منصف ہوگا اور مدعی محمدؐ مصطفیٰ ہوں گے اور وعدہ گاہ قیامت ہوگی اور باطل پرست اس دن خسارہ اٹھائیں گے۔"

اس کے بعد حضرت سیدہ نے بابا کی قبر اطہر کی طرف منہ کر کے فرمایا:

قد کان بعدک انباء وھنبثة.

"آپ کے بعد فتنہ برپا ہوگیا اور اگر آپ موجود ہوتے تو اس کثرت سے یہ مصائب واقع نہ ہوتے۔"

راوی کا بیان ہے کہ اس دن سے بڑھ کر رونے کی آوازیں کبھی نہیں سنی گئی تھیں۔ پھر آپ نے انصار کی طرف رخ کر کے فرمایا:

يامعشر البقّية واعضاء الملّة وحضنة الاسلام ماهذه الفترة عن نصرتي ' والونية عن معونتي' والغمزة في حقي' والسنة عن ظلامتي ؟ اما كان رسول اللّٰه (ص) يقول "المرء يحفظ في ولده "؟ سرعان ما احدثتم وعجلان ماأتيتم' الأن مات رسول اللّٰه (ص) امتم دينه ها' ان موته خطب جليل' استوسع وهنه' واستبهم فتقه' واظلمت الارض له وخشعت الجبال' وأكدت الآمال' وأُضيع بعده الحريم'هتكت الحرمة وازيلت المصونة' وتلك نازلة اعلن بهاكتاب اللّٰه قبل موته وانباء كم بها قبل وفاته' فقال (وما محمد الارسول قد خلت من قبله الرسل أفائن مات او قتل انقلبتم على أعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضرّ اللّٰه شيئًا وسيجزى اللّٰه الشاكرين)

ايها بني قيلة اهتضم ثراث ابي وانتم بمرأى ومسمع تبلغكم الدعوة' ويشملكم الصوت وفيكم العدّة والعدد' ولكم الدار والجنن' وانتم نخبة اللّٰه التي انتخب' وخيرته التي اختار. باديتم العرب' وبادهتم الامور' كافحتم البهم' حتّى دارت بكم رحى الاسلام' و درحلبه وخبت نيران الحرب' وسكنت فورة الشرك' وهدأت دعوة الهرج واستوثق نظام الدين' أفتأخرتم بعد الاقدام؟ ونكهتم بعد الشدة' وجبنتم بعد الشجاعة عن قوم نكثوا ايمانهم من بعد عهدهم وطعنوا في دينكم (فقاتلوا ائمة الكفر انهم الايمان لهم لعلهم ينتهون.؟)

الودقداري ان قد أخلد تم الى الخفض وركنتم الى الدعة'

فجحلتم اللذی وعیتم ودسعتم للذی سوغتم' وان تکفروا انتم

ومن فی الارض جمیعا فان اللّٰہ لغنی حمید.

الاوقد قلت لکم علی معرفة منی بالخذلة التی خامرتکم'

وخور القناة وضعف الیقین فدونکموھا فاحتوھا مدبرة الظھر'

ناقبة الخف' باقیة العار موسومة الشعار موصولة بنار اللّٰہ الموقدة

التی تطلع علی الافئدة' فبعین اللّٰہ ماتعملون. وسیعلم الذین

ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

"اے جماعت مومنین! اے دین کے مددگارو! اے اسلام کے طرفدارو! کیوں میرا حق نہیں لیتے ہو؟ کیوں تم نے آنکھیں چرا لی ہیں اور مجھ پر ظلم و ستم ہوتا دیکھ رہے ہو؟ کیا میرے بابا نے نہیں فرمایا تھا کہ اولاد کا احترام کے ان کے باپ کا احترام ہے؟ تم کتنی جلدی بدل گئے ہو۔ کتنی جلدی تمہارا خون سرد ہو گیا ہے اور غفلت کے پردوں میں جا پڑے ہو۔ اپنے آپ سے کہتے ہو محمدؐ رحلت فرما گئے۔ ہاں رحلت فرما گئے۔ مگر ان کی وفات بہت بڑا صدمہ تھا اور نا قابل برداشت غم۔ ان کی وفات سے ایسی دراڑ پڑی جو کبھی پر نہ ہو گی۔ انؐ کے فقدان سے زمین تاریک ہو گئی اور برگزیدگان الٰہی سوگوار ہو گئے۔ امیدوں کے چشمے خشک ہو گئے اور پہاڑوں میں زلزلہ آ گیا۔ تمام حرمتیں تباہ ہو گئیں اور اہل حرمت بے پناہ ہو گئے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ تم تقدیر الٰہی سے ناواقف ہو اور اس کی تمہیں خبر نہیں۔ قرآن تمہارے ہاتھوں میں ہے' رات دن اسے پڑھتے ہو' کس طرح ہو سکتا ہے کہ تم اس کے معانی نہ جانتے ہو؟ تم اسے سمجھتے ہو کہ ان سے پہلے بھی پیغمبر آئے اور چلے گئے۔ آپ نے بھی اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی ہے۔

محمدؐ ایک رسول اور پیامبر ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول آئے اور چلے گئے اگر وہ قتل ہو جائیں یا فوت ہو جائیں تو کیا تم واپس پلٹ جاؤ گے؟ جو ایسا کرے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو جزا دے گا۔

اے قیلہ کے بیٹو! تمہارے سامنے میرے باپ کی میراث مجھ سے چھین لی

گئی! اور میری عزت کا کچھ خیال نہ کیا گیا؟ کیا تم بھی ان مستوں کی طرح میری آواز نہیں سن رہے ہو؟ حالانکہ تمہارے پاس مجاہد ہیں فراوان' ساز وسامان اور آباد گھر ہیں'

اس دور میں تم خدا کے برگزیدہ انسان ہو۔ دین کے حامی' رسول کے مددگار اور مومنین کے طرف دار ہو۔ تم اہل بیت اطہار کی حمایت کرنے والے ہو۔ یہ تم ہی تھے جنہوں نے بت پرست عربوں کے خلاف جنگیں کیں۔ یہ تم ہی تھے جن کے قدم بڑے بڑے لشکروں کے مقابلے پر نہ ڈگمگائے۔ اگر چہ فرمان دینے والا ہم میں سے تھا۔ لیکن تم نے راہ خدا میں ثابت قدمی دکھائی۔ اسلام کے نام کو بلند کیا' مسلمانوں کو اونچا مقام بخشا' مشرکوں کو تتر بتر کر دیا۔ نظام دین برقرار کیا۔ جنگ کے شعلوں کو بجھا دیا۔ تم نے کافروں کے گلے میں طوق غلامی ڈالا۔ پس ان سب کارناموں کے بعد تم بیٹھ گئے ہو۔ اتنا آگے جانے کے بعد عقب نشینی کر لی ہے اور وہ بھی ان لوگوں کے سامنے جنہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور حکم الٰہی کو پس پشت ڈال دیا۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو' اگر تم مومن ہو۔

کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم نے تن آسانی کو اپنی عادت بنا لیا اور امن خاموشی کے سائے میں رہنے کا اپنے آپ کو عادی کر لیا ہے۔ کیا تم دین سے تھک چکے ہو۔ اور راہ خدا میں جہاد سے منہ پھر لیا ہے۔ جو کچھ تم نے سنا ہے' اسے سنا ان سنا کر دیا۔ یاد رکھو! اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں' کافر ہو جائیں خدا کو ذرا بھی پرواہ نہیں کیونکہ وہ بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔

میں نے اپنا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ لیکن میں جانتی ہوں تم ذلیل و خوار ہو اور ذلت کے ہاتھوں گرفتار ہو۔ کیا کروں؟ میرا دل خون خون ہے۔ زبان پر حرف شکایت نہ لاؤں' میری برداشت سے باہر ہے۔ ایک بار پھر کہتی ہوں کہ تم پست لوگوں پر میں نے حجت تمام کر دی۔ اب تمہیں یہ گلوگیر لقمہ نصیب ہو اور حق شکنی اور حقیقت پوشی کی ذلت کا طوق ہمیشہ کے لیے تمہاری گردنوں میں رہے۔ تمہیں کبھی بھی آرام وسکون میسر نہ آئے۔ یہاں تک کہ خدا تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دے۔

وہ آگ جو ہر وقت جلتی رہے اور دل و جان کو جلائے' تم جو کر رہے ہو خدا دیکھ رہا ہے۔ ظالم و ستمگر جلد جان لے گا کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے۔ میں تمہاری عاقبت کے بارے میں پریشان ہوں اور اپنے باپ کی طرح تمہیں عذاب سے ڈراتی ہوں۔ جو درخت تم نے لگایا ہے اس کا پھل کھانے کا انتظار کرو اور کیے کی سزا پاؤ۔"

حضرت سیدہ کے اس خطبہ کے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا:

اے دختر پیغمبرا! آپ کے والد مومنین کے غم خوار اور ان پر مہربان تھے اور وہ کافروں کے دشمن اور ان پر قہر الٰہی کے مظہر تھے۔ اگر ہم نسب کو دیکھیں تو وہ تمہارے باپ تھے نہ کہ دوسری عورتوں کے۔ تمہارے شوہر کے چچا زاد بھائی تھے نہ کہ دوسروں کے۔ پیغمبر کی نظر میں تمہارا شوہر سب رشتہ داروں سے برتر اور تمام بڑی مہمات اور امور میں رسول کا مددگار رہا ہے۔ سعادت مند انسان کے سوا تمہیں کوئی دوست نہیں رکھتا اور پست فطرت انسان کے سوا تم سے کوئی دشمنی نہیں کرتا۔

تم دنیا میں ہمارے رہبر اور بہشت کے راستوں کے راہنما ہو۔ مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں تمہارے چچا زاد کو خلافت سے روکوں۔ فدک اور جو کچھ تمہارے باپ نے دیا ہے اگر وہ آپ کا حق ہے اور میں نے چھینا ہے تو میں ظالم اور ستم گر ہوں۔ لیکن میراث کے بارے میں تمہارے باپ نے کہا ہے۔

"ہم پیغمبروں کی کوئی میراث نہیں ہوتی جو کچھ ہمارے بعد باقی بچے وہ صدقہ ہے۔"

حضرت فاطمہ زہراؑ نے جواب دیا:

لیکن خداوند تعالیٰ قرآن میں دو نبیوں کے بارے میں فرماتا ہے:

یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (مریم:۷)

"مجھے فرزند عطا فرما جو میری اور آل یعقوب کی میراث حاصل کرے۔"

وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ (النمل:۱۷)

"سلیمان داؤد کے وارث بنے۔"

اب خدارا بتاؤ کہ ان انبیاء نے میراث پائی یا چھوڑی؟ جو چیز وراثت سے نہیں ملتی وہ رسالت اور نبوت ہے نہ کہ مال و جائیداد۔ تم مجھ سے میرے باپ کی میراث کیوں لینا چاہتے ہو؟ کیا کتاب الٰہی میں محمدؐ کی بیٹی فاطمہ اس حکم سے خارج ہو گئی ہے؟ اگر ایسی آیت ہے تو بتاؤ کہ میں اسے قبول کر لوں ....

(بلاغات النساء۔ ص ۱۶/۱۷)

ابن ابی الحدید بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ نے یہ خطبہ وفات پیغمبر کے دس دن بعد دیا تھا' اور بی بی کے چلے جانے کے بعد کسی نے بھی میراث کے متعلق ایک جملہ تک نہ کہا۔ (شرح نہج البلاغہ ۴/۹۷)

خلاصہ بحث

سابقہ بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ نے اس وقت کے حاکم سے تین چیزوں کا مطالبہ کیا تھا اور حاکم وقت نے بی بی کے تینوں مطالبات مسترد کر دیئے تھے۔

(۱) ہبہ

حضرت سیدہ نے سب سے پہلے ہبہ نامہ کے تحت فدک کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو فدک بطور فے عطا کیا تھا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا تھا (وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ) "آپ قرابتدار کو اس کا حق دیں۔"

اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد رسول خدا نے فدک کی جاگیر اپنی شاہزادی کو ہبہ کر دی تھی اور ہبہ نامہ بھی تحریر کر دیا تھا۔ اور اس سلسلہ کی عجیب بات یہ ہے کہ فدک کا قبضہ بھی حضرت سیدہ کے پاس تھا۔

لیکن رسول خدا کی وفات کے فوراً بعد ارباب حکومت نے حضرت سیدہ کے ملازمین کو وہاں سے ہٹا کر اپنے کارندے مقرر کر دیئے۔ جناب سیدہ کو اس تازہ واقعہ کا شدید صدمہ پہنچا۔ اور آپ نے برسر اقتدار فرد سے اپنی جاگیر کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

حاکم وقت جو کہ اس وقت فریق ثانی کی حیثیت رکھتا تھا اور حق یہ تھا کہ وہ اپنے قبضہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے گواہ پیش کرتا' لیکن دنیا نے یہ عجیب منظر بھی دیکھا

کہ فریق ثانی نے مدعیہ سے گواہ طلب کیے اور یہ عدالتی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ہے۔
بہر نوع اثبات حق اور اتمام حجت کے لیے حضرت سیدہ نے گواہ پیش کیے تو حاکم نے بی بی کے گواہوں کی گواہی کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ نصاب شہادت نامکمل ہے اور نامکمل شہادت کی بنیاد پر میں مذکورہ جائیداد واگذار نہیں کر سکتا۔

فدک کا دعویٰ ہبہ کی بنیاد پر تھا اور مکتب خلفاء سے وابستہ علماء یہاں ایک اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ ہبہ کے لیے قبضہ ضروری ہے اور فدک حضرت سیدہ کے قبضہ میں نہیں تھا۔

اس سوال کے جواب میں ہمارا موقف انتہائی واضح ہے کہ بی بی فدک پر متصرف تھیں اور جاگیر فدک ان کے زیر قبضہ تھی۔ اس کا ثبوت حضرت علی علیہ السلام کے اس نامہ مبارک سے ملتا ہے جو آپ نے اپنی ظاہری خلافت کے دوران والی بصرہ عثمان بن حنیف کے نام تحریر کیا تھا۔ اس خط میں آپ نے یہ جملے بھی تحریر فرمائے تھے:

"بلی کانت فی أیدینا فدک من کل ما اظلته السماء' فشحت علیها نفوس قوم' وسخت عنها نفوس قوم آخرین' ونعم الحکم اللّٰہ" (۱)

"بے شک اس آسمان کے سایہ تلے لے دے کر ایک فدک ہمارے ہاتھوں میں تھا۔ اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال ٹپکی اور دوسرے فریق نے بھی اس کے جانے کی پرواہ نہ کی۔ بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔"

۲۔ میراث رسول

رسول خدا نے حسب ذیل پانچ چیزیں اپنی وفات کے وقت چھوڑی تھیں:

- مدینہ کے سات باغ جو کہ مخیریق نے آپ کو ہبہ کیے تھے۔

---

(۱) نہج البلاغہ مکتوب ۴۵۔ عثمان بن حنیف انصاری اوسی کو حضرت عمر نے عراق کا پیمائش کا افسر مقرر کیا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ طلحہ و زبیر نے انہیں بصرہ سے نکال دیا تھا۔ وہ حضرت علی کے قریبی ساتھی تھے عہد معاویہ میں انہوں نے کوفہ میں وفات پائی

- انصار کی وہ زمینیں جو انہوں نے آنحضرت کو ہبہ کی تھیں۔
- بنی نضیر کی زرعی زمینیں اور ان کے باغات۔
- خیبر کی آدھی جائیداد۔
- وادی قریٰ کی زرعی زمینیں اور وہاں کے نخلستان۔

رسول خدا کی وفات کے بعد جیسے ہی سقیفائی حکومت قائم ہوئی تو سرکاری فرمان کے ذریعہ سے آپ کی تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا گیا' اور حضرت سیدہ نے جب اپنی میراث کے اجراء کا مطالبہ کیا تو حاکم وقت نے آپ کے اس دعویٰ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ رسول خدا نے کہا تھا کہ گروہ انبیاء نہ تو خود کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا ان کا وارث ہوتا ہے اور ان کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت علی و بتول سلام اللہ علیہما نے قرآن مجید کی آیات پڑھ کر ثابت کیا کہ انبیاء کی میراث ہوتی ہے۔ انبیاء خود بھی اپنے والدین کی میراث حاصل کرتے ہیں اور ان کی اولاد بھی ان کی میراث حاصل کرتی ہے۔

مگر ان دلائل کے باوجود حکمران طبقہ کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی' اور انہوں نے حضرت سیدہ کو میراث دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت سیدہ نے حاضرین سے خطاب کیا اور اس خطاب میں آپ نے اپنے دعوئ کے اثبات کے لیے قطعی دلائل دیئے اور آپؑ نے انصار کو ان کے شرعی فریضہ کی طرف متوجہ کیا اور ان سے نصرت طلب کی لیکن کہیں سے بھی آپ کو مدد نہ مل سکی' اور اس واقعہ کی وجہ سے حضرت سیدہ شیخین پر ناراض ہوئیں اور ان سے کلام ترک کر دی اور وفات تک آپ ان پر ناراض رہیں۔

(۳) خمس میں سے ذی القربیٰ کے حصہ کا مطالبہ

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے حق ہبہ اور حق میراث کے مطالبہ کے بعد حاکم وقت سے خمس میں سے ذی القربیٰ کے حصہ کے تحت اپنا حق طلب کیا۔ اور اس کے سامنے آیات خمس کی تلاوت کی' مگر حاکم نے بی بی کو ذی القربیٰ کا حصہ دینے سے بھی انکار کیا۔ اور ذی القربیٰ کے حصہ کو ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری کے لیے مخصوص کر دیا۔

دوسرے الفاظ میں حضرت سیدہ اور بنی ہاشم کے حصے سے ہتھیار اور گھوڑے خرید کر کے اپنے مخالفین پر یلغار کر دی اور ان کا قتل عام کیا۔

خلفاء کا خمس، فدک اور رسول خدا کے ترکہ پر تصرف

کتاب الخراج ابو یوسف، سنن ابی نسائی، کتاب الاموال ابی عبید، سنن بیہقی، تفسیر طبری، اور احکام القرآن جصاص میں مذکور ہے، اور یہ روایت کتاب الخراج میں ان الفاظ سے مروی ہے:۔

عن الحسن بن محمد بن الحنفية قال : اختلف الناس بعد وفاة رسول الله (ص) فى هذين السهمين. سهم الرسول (ص) وسهم ذوى القربىٰ .فقال قوم: سهم الرسول للخليفة من بعده

وقال اخرون سهم ذو ى القربىٰ لقرابة الرسول (ص)

وقالت طائفة : سهم ذوى القربىٰ قرابة الخليفة من بعده

فاجمعوا على ان جعلوا هذين السهمين فى الكراع والسلاح.

"حسن بن محمد بن حنیفہ سے منقول ہے کہ وفات پیغمبر کے بعد لوگوں نے رسول کے حصے اور ذوی القربیٰ کے حصے میں اختلاف کیا۔ کچھ لوگوں نے کہا: رسول کا حصہ ان کے بعد ان کے خلیفہ کی ملکیت ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا: ذوی القربیٰ کا حصہ خلیفہ کے رشتہ داروں کو ملنا چاہیے۔ اس کے بعد لوگوں نے اجماع کر کے ان دونوں حصوں کو ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری کے لیے مخصوص کر دیا۔"

سنن نسائی اور کتاب الاموال ابی عبید میں ہے:

فكانا فى ذلك خلافة ابى بكر و عمر.

"خمس کے دو حصے (سہم رسول و سہم ذی القربیٰ) ابو بکر و عمر کی خلافت میں جہاد کے لیے مخصوص تھے۔"

ابن عباس نے کہا:

اللہ اور رسول کے دو حصوں کو ایک بنا دیا گیا اور ذی القربیٰ کے حصے کو بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ اور پھر یہ دونوں حصوں گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری کے لیے مخصوص کر دیئے گئے۔ البتہ یتامیٰ' مساکین اور مسافروں کے حصے بحال رہے اور انہیں ملتے رہے۔ (۱)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

فلماقبض اللّٰہ رسولہ رد ابو بکر نصیب القرابة فی المسلمین فجعل یحمل بہ فی سبیل اللّٰہ (۲)

''رسول خدا کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر نے خمس میں سے رسول خدا کے قرابت داروں کا حصہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور اس حصہ سے گھوڑے خرید کر لوگوں کو جنگوں میں بھیجتے تھے۔''

قتادہ سے ذی القربیٰ کے حصہ کا پوچھا گیا تو اس نے کہا:

کان طعمة لرسول اللّٰہ (ص) فلما توفی حمل علیہ ابو بکر و عمر فی سبیل اللّٰہ.

''رسول اللہ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ ابو بکر و عمر نے جہاد میں شامل کر لیا تھا۔'' (تفسیر طبری ۶/۱۰)

یہی وجہ تھی کہ جبیر بن مطعم نے کہا تھا:

لم یکن یعطی...... ابو بکر ...... قربیٰ رسول اللّٰہ (ص) ما کان النبی یعطیھم

''حضرت ابو بکر رسول خدا کے قرابت داروں کو خمس کا وہ حصہ نہیں

---

(۱) کتاب الخراج ۲۴۔۲۵۔ سنن نسائی ۲/۱۷۹۔ کتاب الاموال ابی عبید ص ۳۳۲۔ تفسیر طبری ۶/۱۰ احکام القرآن جصاص ۳/۶۲۔ سنن بیہقی ۶/۳۴۲۔۳۴۳

(۲) تفسیر طبری ۶/۱۰۔ احکام القرآن جصاص ۳/۶۲ باب قسمة الخمس قال: وقتادة عن عکرمة مثلہ

دیتے تھے جو رسول خدا انہیں دیا کرتے تھے۔(۱)

سقیفائی حکومت ابتدائی ایام میں افرادی اور مالی طور پر کافی کمزور تھی۔ کیونکہ عرب کے کچھ قبائل نے اس حکومت کے جواز کو چیلنج کیا تھا اور انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ حکومت غیر قانونی اور غیر آئینی ہے' اس لیے اس حکومت کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

اور ان کے علاوہ بنی کندہ کی طرح سے کچھ ایسے قبائل بھی تھے جنہوں نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں سے اختلاف کیا تھا۔

سقیفائی حکومت کو مذکورہ بالا دونوں گروہوں سے جنگ کرنا پڑی۔ پہلے گروہ کو انہوں نے مانعین زکوٰۃ کا نام دیا اور دوسرے گروہ کو مرتدین کا نام دیا۔

مذکورہ دونوں گروہوں پر فوج کشی کے لیے حکومت کو ہتھیاروں' سواریوں اور افراد کی اشد ضرورت تھی اور ان ضرورتوں کی تکمیل کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ لہٰذا رقم کی فراہمی کے لیے رسول خدا کی تمام تر جائیداد کو حکومتی تصرف میں دیدیا گیا اور اس کے علاوہ خاندان رسول کے حق خمس سے ذی القربیٰ کا حق بھی ان سے چھین لیا گیا اور ان کے حصے کی بھی تمام تر رقوم جنگ میں جھونک دی گئیں۔ جب حکومت اپنے مخالف قبائل کو رام کرنے میں کامیاب ہوگئی تو انہوں نے اپنی حکومت کی بقا اسی میں سمجھی کہ عربوں کو ان کی ہمسایہ اقوام سے لڑا دیا جائے اور اس جنگ سے حکومت کو بہت سے فوائد ملنے کا احتمال تھا۔

- عربوں کی توجہ اندرونی حالات سے ہٹ جائے گی اور جنگ میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہ آپس میں بیٹھ کر سقیفائی حکومت کے جواز اور عدم جواز پر بحث نہ کرسکیں گے۔
- غزوات سے فتوحات کا دروازہ کھلنے کی توقع تھی اور فتوحات کی وجہ سے بے تحاشا مال غنیمت اور لونڈیوں اور غلاموں کی فوج ظفر موج آنے کی امید تھی جس سے نہ صرف حکومت کی مالی کمزوری ختم ہوسکتی تھی بلکہ عرب قبائل بھی مالا مال ہوسکتے تھے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد باب بیان مواضع الخمس۔ سنن بیہقی جلد ششم باب سہم ذوالقربیٰ۔
(مسند احمد ۸۳/۴۔ مجمع الزوائد ۳۴/۱۵)

چنانچہ حکومت نے فتوحات کے لیے چاروں اطراف میں اپنے لشکر روانہ کیے' جس سے فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا' اور دولت وثروت میں اضافہ ہوا۔ جب حکومت کے خزانے دولت سے بھر گئے تو پھر بنی ہاشم کے متعلق حکومت نے جو سخت گیر پالیسی اپنائی ہوئی تھی' کچھ کمی واقع ہوئی چنانچہ بنی ہاشم کو بھی خمس میں سے کچھ حصہ ملنے لگا اور رسول خداؐ کا کچھ ترکہ حضرت علیؑ و عباس کے ہاتھ میں دیا گیا اور ان سے یہ کہا گیا کہ یہ صدقات رسول ہیں اور آپ اس کے نگران ہیں۔

جابر کا بیان ہے کہ پہلے خمس کو جہاد میں صرف کیا جاتا تھا اور جب دولت کی کثرت ہو گئی تو اسے دوسرے مصارف میں خرچ کیا جانے لگا۔

(الخراج ابو یوسف ص ۲۳۔ احکام القرآن جصاص ۳/۶۱)

بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پالیسی میں تبدیلی حضرت عمر کے عہد حکومت میں واقع ہوئی تھی' اور روایات سے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عمر نے بنی ہاشم کو خمس کا ایک حصہ دینے کا ارادہ کیا تھا مگر بنی ہاشم نے اپنے حصہ سے کم لینا گوارا نہیں کیا تھا۔

اور ابن عباس نے نجدہ حروری سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے خاندان کا یہ موقف بیان کیا تھا اور انہوں نے اپنا یہ موقف اس وقت بیان کیا جب نجدہ حروری نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت خمس میں ذی القربیٰ کا حصہ مقرر کیا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ ذی القربیٰ کون ہیں؟

قد کنا نقول انا ھم فابی ذلک علینا قومنا (۱)

"ہم یہ کہتے ہیں کہ "لذی القربیٰ" ہم ہیں مگر ہماری قوم نے اس کا انکار کیا۔"

طبری اور کتاب الاموال میں اس سے آگے ایک اور جملہ بھی مذکور ہے کہ ابن عباس نے کہا:

---

(۱) صحیح مسلم ۵/۱۹۸۔ باب النساء الغازیات یرضخ لھن ولا یسھم ۔ کتاب الجھاد۔ مسند احمد ۱/۲۲۸۔ ۲۹۴۔ ۳۰۴۔ ۳۰۸۔ سنن داری ۲/۲۲۵ کتاب السیر ۔ مشکل الآثار طحاوی ۲/۱۳۶۔ ۱۷۹ مسند شافعی ۱۸۳۔ حلیہ ابو نعیم ۳/۲۰۵

وقالوا: قريش كلها ذو قربیٰ

(تفسیر طبری ۱۰/۵۔ کتاب الاموال ابو عبید ص ۳۳۳)

''انہوں نے کہا کہ قریش کا پورا قبیلہ ہی ذی القربیٰ ہے۔''

دوسری روایت میں ابن عباس سے یہ الفاظ منقول ہیں:

سهم ذی القربیٰ رسول الله قسمه لهم رسول الله وقد كان عمر عرض علينا من ذلک عرضا فرايناه دون حقنا فرددنا ه عليه وابينا ان نقبله. (۱)

''ذی القربیٰ کا حصہ رسول خدا کے قرابت داروں کے لیے ہے۔ رسول خداؐ نے یہ حصہ ان میں تقسیم کیا تھا اور عمر نے بھی اس حق میں سے کچھ حق کی پیش کش کی تھی مگر ہم نے ان کی پیش کش کو اپنے حق سے کم سمجھتے ہوئے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔''

ایک اور روایت کے مطابق ابن عباس نے یہ الفاظ کہے تھے:

هولنا اهل البيت، وقد كان عمر دعانا الى ان ينكح منه ايمنا ويحذى منه عائلنا ويقضى منه عن غارمنا فابينا اِلا يسلمه لنا وابى ذلک فتركناه عليه. (۲)

''خمس سے ذی القربیٰ کا حصہ ہم اہل بیت کے لیے ہے، اور عمر نے ہمیں اس کی پیش کش کی تھی کہ وہ اس مال میں سے ہماری بیوگان کا نکاح کریں گے، اور ہمارے خاندان کے مفلس افراد کو جوتے لے کر پہنائیں گے اور ہمارے خاندان کے مقروض افراد کا قرض اتاریں گے۔ مگر ہم نے اس قلیل مقدار کو لینے سے انکار کیا اور اس سے کہا کہ وہ ہمیں ہمارا پورا حصہ دیں۔ عمر نے پورا حصہ دینے سے انکار کر دیا تھا تو ہم نے بھی کم حصہ کو چھوڑ دیا تھا۔''

ابن عباس سے یہی روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے۔ انہوں نے کہا:

---

(۱) مسند احمد ۲۲۴/۱۔ ۳۲۰۔ سنن ابی داؤد ۵۱/۲ کتاب الخراج۔ سنن نسائی ۱۷۷/۲، السنن بیہقی ۳۴۴/۶۔ ۳۴۵۔

(۲) خراج ابو یوسف ۲۳۔ ۲۴ (ذرا سے اختلاف الفاظ کے ساتھ) مغازی واقدی ص ۶۹۷ کتاب الاموال ابی عبید ص ۳۳۳۔ سنن نسائی ۱۷۸/۲۔ احکام القرآن جصاص ۶۳/۳۔

كان عمر يوطينا من الخمس نحوا مما كان يرى انه لنا فرغبنا عن ذالك وقلنا حق ذوى القربىٰ خمس الخمس فقال عمر: انما جعل اللّٰه الخمس لاصناف سماها فاسعدهم بها اكثرهم عددا واشدهم فاقة (کتاب الاموال ۳۳۵۔ کنز العمال ۳۰۵/۲)

"عمر ہمیں خمس میں سے اتنا حصہ دیتے تھے جسے وہ اپنے خیال کے مطابق ہمارے لیے سمجھتے تھے۔ ہم نے اس سے انکار کیا اور ہم نے کہا کہ ذی القربیٰ کا حق خمس میں سے پانچواں حصہ ہے۔ عمر نے کہا: اللہ نے کچھ اصناف کے لیے خمس قائم کیا اور اس میں سے زیادہ استفادہ کرنے کا حق اس طبقہ کو ہے جس کی تعداد زیادہ ہو اور جو فاقہ کشی میں زیادہ مبتلا ہو۔

پھر ابن عباس نے کہا:

"کچھ لوگوں نے ہم سے وہ حق لے لیا اور کچھ نے وہ حق کم سمجھ کر چھوڑ دیا۔"

سنن بیہقی میں حضرت علی علیہ السلام سے بھی اس مفہوم کی روایت مروی ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی یعلیٰ نے کہا کہ مقام احجار الزیت" پر حضرت علیؑ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا: میرے ماں باپ پر فدا ہوں۔ خمس کے متعلق ابو بکر و عمر نے آپ اہل بیت سے کیا سلوک روا رکھا تھا؟......

حضرت علی نے فرمایا کہ حضرت عمر نے کہا تھا:

"خمس میں تمہارا حق ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ جب تمہارے حق کی مقدار زیادہ ہو تو کیا وہ تمام مقدار تمہیں دے دینی چاہیے۔ ہاں اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں اتنی مقدار دینے پر آمادہ ہوں جسے میں تمہارے لیے بہتر سمجھوں گا۔"

"ہم نے مکمل حق لینے پر اصرار کیا اور اس نے ہمیں مکمل حق دینے سے انکار کیا۔" (۱)

اور جن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی و عباس کو رسول خدا کا کچھ ترکہ واپس کر کے انہیں اس کا متولی بنایا تھا تو اس کا تعلق بھی اسی دور سے ہوگا۔ (۲)

---

(۱) سنن بیہقی ۳۴۴/۶ باب سہم ذی القربیٰ۔ مسند شافعی ص ۱۸۷ باب قسم الفئی۔

(۲) صحیح بخاری ۲۵/۲۔ ۳۸/۳ کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر۔ سنن ابی داؤد ۴۷/۳۔ کتاب الخراج صفایا رسول اللہ من الاموال۔ مسند احمد ۶/۱۔ طبقات ابن سعد ۲۹/۸۔ منتخب کنز ۱۲۸/۳ باب ما یتعلق بمیراثہ۔

خمس در عہد عثمان

حضرت عثمان کے عہد حکومت میں افریقہ پر دو مرتبہ لشکر کشی کی گئی۔ پہلی لشکر کشی کے تحت مال غنیمت میں سے جتنا خمس بنا انہوں نے وہ پورے کا پورا خمس عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو بخش دیا اور دوسری بار خمس مروان بن الحکم کو بخش دیا۔

(تاریخ اسلام ذہبی ۲/۷۹-۸۰)

ابن اثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان نے افریقہ پر پہلی لشکر کشی کا خمس عبداللہ بن ابی سرح کو عطا کیا اور دوسری لشکر کشی جس میں پورا افریقہ فتح ہوا تھا' اس کا خمس مروان کو عطا کیا تھا۔

(تاریخ ابن اثیر ۳/۷۱ طبع یورپ۔ طبع مصر پہلا ایڈیشن ۳/۳۶)

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

طرابلس غرب سے لے کر طنجہ تک کا علاقہ فتح ہوا تو حضرت عثمان نے اس کا پورا خمس عبداللہ بن ابی سرح کے سپرد کر دیا تھا اور اس میں کسی بھی دوسرے مسلمان کو شریک نہیں کیا تھا۔ (شرح نہج البلاغہ ۱/۶۷)

طبری لکھتے ہیں:

جب حضرت عثمان نے عبداللہ بن سعد کو افریقہ کی جانب روانہ کیا تو انہوں نے افریقہ کے بطریق جرجیر سے پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کی تھی۔

طبری مزید لکھتے ہیں:

عبداللہ بن سعد نے اہل افریقہ سے سونے کے تین سو قنطار پر مصالحت کی تھی۔ حضرت عثمان نے وہ تمام دولت آل حکم یا صرف مروان کو بخش دی تھی۔

(تاریخ طبری طبع یورپ ۱/۲۸۱۸۔ ابن کثیر ۷/۱۵۲)

ابن عبدالحکم اپنی کتاب فتوح افریقیا میں لکھتے ہیں:

معاویہ بن خدیج نے افریقہ پر تین بار لشکر کشی کی تھی۔ پہلی لشکر کشی قتل عثمان سے قبل ۳۴ھ میں ہوئی تھی۔ اس جنگ کا تمام تر خمس حضرت عثمان نے مروان کو دے

دیا تھا' اور اس جنگ سے (ہمارے دور) کے اکثر افراد لاعلم ہیں۔

(فتوح افریقیا ابن عبدالحکیم ۵۸۔۶۰)

بلاذری اور سیوطی لکھتے ہیں:

"کہ لوگوں نے حضرت عثمان کے جن افعال پر نکتہ چینی کی تھی ان میں سے ایک یہ تھی' کہ انہوں نے مروان کو افریقہ کا پورا خمس دے دیا تھا۔"

(انساب الاشراف بلاذری ۲۵/۵۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ۲۵۶)

عبداللہ بن زبیر نے کہا:

حضرت عثمان نے ۲۷ھ کو ہمیں افریقہ کی جنگ پر روانہ کیا۔ عبداللہ بن ابی سرح کو وہاں سے بہت سا قیمتی مال غنیمت ملا۔ عثمان نے اس مال غنیمت کا پورا پانچواں حصہ مروان بن الحکم کے سپرد کر دیا۔ (انساب الاشراف بلاذری ۲۷/۵)

مروان نے مدینہ میں اپنے لیے ایک گھر تعمیر کیا اور جب مکان مکمل ہو گیا تو اس نے لوگوں کو دعوت طعام دی۔ حاضرین میں "مِسْوَرْ" بھی موجود تھا۔ حاضرین سے باتیں کرتے ہوئے مروان نے کہا:

خدا کی قسم! اس مکان کی تعمیر میں میں نے مسلمانوں کے مال میں سے ایک درہم تک خرچ نہیں کیا۔ مِسْوَر نے کہا: اگر تو کھانا کھا کر چپ رہتا تو یہ تیرے حق میں بہتر ہوتا۔ تو افریقہ کی جنگ میں ہمارے ساتھ شریک تھا اس وقت مال و دولت' غلاموں اور دوستوں کے لحاظ سے تیری حالت ہم سب سے زیادہ کمزور تھی۔ ابن عفان نے تجھے افریقہ کا خمس دیا تھا اور تجھے صدقات کا عامل بنایا گیا تو تو نے مسلمانوں کے مال میں لوٹ مار کی...... (انساب الاشراف بلاذری ۲۸/۵)

انصار میں سے قبیلہ خزرج کے ایک فرد اسلم بن اوس بن بجرۃ الساعدی نے حضرت عثمان کو خطاب کر کے یہ اشعار کہے تھے۔

اُقسم باللّٰہ رب العبا دماترک اللّٰہ خلقًا سدی

دعوت ' اللعین فادینتہ خلافاً لسنۃ من قد مضی

واعطیت مروان خمس العباد ظلماهم وحمیت الحمیٰ (۱)

''میں بندوں کے رب اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ نے کوئی بھی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی' تو نے لعین (حکم بن العاص) کو بلا کر قریب کیا اور پچھلے خلفاء کی روش کی مخالفت کی اور تو نے تمام انسانوں کا حق خمس مروان کے حوالے کر دیا اور تو نے تمام لوگوں پر ظلم کرتے ہوئے اقرباء پروری کا ثبوت دیا۔''

آغانی میں مرقوم ہے:

مروان نے پانچ لاکھ خمس پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ حضرت عثمان نے وہ تمام خمس اس کے حوالے کر دیا۔ ان کے اس طرز کی وجہ سے لوگوں نے ان پر اعتراضات کیے اور عبدالرحمٰن بن حنبل بن ملیل نے اس سلسلہ میں کچھ اشعار بھی کہے تھے۔ (الاغانی ۶/۵۷)

خمس جس کے چھ مصارف قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔ حضرت عثمان کے عہد میں مصارف ان کے اجتہاد کی نذر ہوئے اور مروان بن الحکم اور عبداللہ ابی سرح لاکھوں کروڑوں کے خمس کے مستحق قرار پائے۔

خمس کے متعلق آپ نے حضرت عثمان کا اجتہاد ملاحظہ فرمایا' اب ذرا آیئے رسول خدا کے ترکہ کے متعلق بھی ان کا اجتہاد ملاحظہ فرمائیں۔

ابو الفداء اور ابن عبدربہ نے لکھا۔ ابو الفداء کے الفاظ یہ ہیں:

واقطع مروان فدک وهی صدقة النبی التی طلبتها فاطمة من ابی بکر. (۲)

---

(۱) انساب الاشراف ۵/۳۸۔ شاعر نے خمس کو حق العباد اس لیے کہا کہ دور خلفاء میں خمس میں سے اللہ' رسول اور ذوی القربیٰ کے حق کو ختم کر دیا گیا تھا اور اسے تمام عوام کی ملکیت بنا دیا گیا تھا۔

(۲) تاریخ ابو الفداء ۱/۲۳۲ در ذکر حوادث ۳۴ھ۔ العقد الفرید ۳/۲۷۳ کتاب السجدۃ الثانیہ فی الخلفاء وتواریخھم۔ مذکورہ مورخین نے حضرت ابوبکر کی پیروی میں فدک کو ''صدقہ رسول اللہ'' لکھا ہے ورنہ فدک کسی طور بھی صدقہ نہ تھا۔

"حضرت عثمان نے فدک کی جاگیر مروان کو بخش دی اور یہ نبی کریم کا وہی جاگیر تھی جس کا مطالبہ حضرت فاطمہ نے ابوبکر سے کیا تھا۔"

ابن ابی الحدید رقم طراز ہیں:

اقطع عثمان مروان فدک و قدکانت فاطمة (س) طلبتها بعد وفاة ابیها صلوات اللہ علیہ تارة بالمیراث وتارة بالنحلة فدفعت عنها. (شرح نہج البلاغہ ۱،۶۷)

"حضرت عثمان نے فدک کی جاگیر مروان کو عطا کی اور یہ وہی جاگیر ہے جس کا مطالبہ حضرت فاطمہ زہرا نے اپنے والد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کبھی میراث اور کبھی ہبہ کے تحت کیا تھا لیکن انہیں فدک سے محروم رکھا گیا تھا۔"

ابوداؤد و بیہقی نے اپنے سنن میں عمر بن عبدالعزیز کا یہ قول نقل کیا:

جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو انہوں نے فدک کے متعلق سنت رسول اور سنت ابوبکر کے مطابق عمل کیا یہاں تک کہ وہ دنیا سے چلے گئے۔ پھر عثمان نے مروان کو فدک بخش دیا تھا۔(۱)

عذر گناہ بدتر از گناہ

بیہقی نے عمر بن عبدالعزیز کی تمام گفتگو نقل کرنے کے بعد اپنی طرف سے حضرت عثمان کی وکالت کرتے ہوئے یہ تاویل و توجیہ کی:

انما اقطع مروان فدکافی ایام عثمان بن عفّان وکانہٗ تاول: فی ذلک ماروی عن رسول اللہ (ص) اذا أطعم اللہ نبیا طعمة فھی للّذی یقوم من بعدہ وکان. ای الخلیفة. مستغنیًا عنھا بما لہ فجعلھا لاقربائہ ووصل بھا رحمھم ......

---

(۲) سنن ابی داؤد ۲/ ۴۹۔۵۰ باب صفایا رسول اللہ من کتاب الخراج کتاب قسم الفیئ والغنیمۃ سنن بیہقی ۶/ ۳۶۰

"حضرت عثمان کے عہد حکومت میں فدک کی جاگیر مروان کو عطا کی گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے رسول خدا کی اس حدیث کی تاویل کی ہوگی کہ "جب خدا کسی نبی کو کوئی لقمہ کھلاتا ہے تو وہ لقمہ بعد میں اس کے جانشین کی ملکیت بن جاتا ہے"

اور حضرت عثمان خود مالدار تھے انہیں اس لقمہ کی اپنے لیے ضرورت نہیں تھی۔

اسی لیے انہوں نے وہ لقمہ اپنے رشتہ داروں کو عطا کر کے صلہ رحمی کے تقاضوں پر عمل کیا۔"

(اس تاویل پر کلمہ استرجاع ہی پڑھا جاسکتا ہے)

ابن عبدربہ اور ابن ابی الحدید نے لکھا۔ ابن عبدربہ نے یہ الفاظ لکھے:

وتصدق رسول الله (ص) بمزور. موضع سوق المدينة. على المسلمين فاقطعها. عثمان . الحارث بن الحكم أخامروان . (١)

"رسول خدا نے "مزور" بازار اور مدینہ کی جگہ کو مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا۔ حضرت عثمان نے وہ تمام بازار حارث بن الحکم، مروان کے بھائی کو بخش دی۔"

لوگ حضرت عثمان پر ناراض کیوں ہوئے؟

قارئین کرام! خمس اور رسول خدا کے ترکہ کے متعلق آپ نے حضرت عثمان کا اجتہاد ملاحظہ فرمایا، اور اس کے ساتھ آپ نے مورخین کا یہ قول بھی پڑھا کہ ان اقدامات کی وجہ سے لوگ ان پر ناراض ہوئے۔

آیئے دیکھیں کہ لوگ ان پر کیوں ناراض ہوئے اور ان کی ناراضگی کا سبب کیا تھا؟

ہم سمجھتے ہیں کہ لوگ دو وجوہات کی بنا پر ان سے ناراض ہوئے۔

❁ خمس اور رسول خدا کا ترکہ پہلے دو خلفاء کے دور میں عوامی ملکیت قرار دیا گیا

(١) العقد الفرید ۲۸۳/۴۔ شرح نہج البلاغہ ۶۷/۱۔ شرح معتزلی میں "مھزور" کی جگہ غلطی سے "مہزور" لکھا ہوا ہے۔ محاضرات الراغب ۲۱۱/۲۔ معارف ابن قتیبہ ص ۸۴۔ قاضی ماوردی اور قاضی ابویعلی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں لکھا۔ عثمان نے مہزور نامی بازار مروان کو بخش دیا تھا۔

تھا جب کہ حضرت عثمان نے پہلے خلفاء کی سیرت سے انحراف کیا اور انہوں نے عوامی ملکیت کو اپنے رشتہ داروں کی ملکیت میں تبدیل کیا' اسی لیے لوگ ان پر ناراض ہوئے۔

✿ حضرت عثمان نے جن رشتہ داروں پر نوازشات فرمائی تھیں' ان کی اسلام دشمنی سے تمام لوگ اچھی طرح واقف تھے۔ ان کی اسلام دشمنی کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ بن ابی سرح کا کردار

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری القرشی حضرت عثمان کا خالہ زاد اور ان کا رضاعی بھائی تھا۔

حاکم رقمطراز ہیں:

وہ رسول خدا کا کاتب تھا اور کتابت میں اس کی بہت سی خیانتیں ظاہر ہوئیں۔ رسول خدا نے اسے کتابت سے معزول کر دیا تھا۔ معزولی کے بعد اس نے اسلام کو چھوڑ دیا اور مرتد ہو گیا' اور اہل مکہ کے پاس چلا گیا اور ان سے کہا تھا کہ میں محمد کے الفاظ میں اپنی مرضی سے تبدیلی کرا دیتا تھا۔ مثلاً مجھے کسی آیت کے آخر میں "عزیز حکیم" لکھواتے تھے تو میں کہتا تھا "علیم حکیم" یہ سن کر محمد کہتے تھے کہ ہاں یہ بھی درست ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْقَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِالظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ (الانعام۔ ۹۳)

"اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹا الزام لگائے یا اس کے نازل کیے بغیر کہہ دے کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے اور جو یہ کہہ دے کہ میں بھی اللہ کی طرح باتیں نازل کر سکتا ہوں اور اگر آپ دیکھتے کہ ظالم موت کی

سختیوں میں ہیں اور ملائکہ اپنے ہاتھ بڑھائے اور آواز دے رہے ہیں کہ اب اپنی جان نکال دو کہ آج تمہارے جھوٹے بیانات اور الزامات پر رسوائی کا عذاب دیا جائے گا کہ تم آیات خدا سے انکار اور استکبار کر رہے تھے۔"

رسول خداؐ نے اسے واجب القتل قرار دے دیا تھا اور اس کا خون ہدر کر دیا تھا۔ فتح مکہ کے وقت رسول خدا کی طرف سے تمام لوگوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا گیا، مگر چار مرد اور دو عورتوں کے متعلق آپؐ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ لوگ غلاف کعبہ کے نیچے بھی پوشیدہ نظر آئیں تو بھی انہیں قتل کر دیا جائے۔

ان واجب القتل افراد میں یہ عبداللہ بھی شامل تھا۔ جیسے ہی اس نے یہ اعلان سنا تو وہ بھاگ کر عثمان کے پاس گیا۔ عثمان نے اسے کہیں چھپا دیا اور جب پورے مکہ میں امن ہو گیا تو عثمان اسے لے کر نبی اکرم کے پاس آئے اور اس کے لیے معافی کی درخواست کی۔

رسول خدا کافی دیر تک خاموش رہے۔ پھر آپ نے فرمایا: ہاں۔

جب عثمان آنحضرتؐ کی محفل سے اٹھے تو آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے افراد سے فرمایا:

میری خاموشی کا مقصد یہ تھا کہ تم میں سے کوئی اٹھ کر اسے قتل کر دے گا۔

انصار میں سے ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ! اگر آپ یہی چاہتے تھے تو آپ نے اشارہ کیوں نہ کیا؟

نبی اکرم نے فرمایا:

"نبی کو ٹیڑھی آنکھوں کا اشارہ کرنا زیب نہیں دیتا۔" (۱)

جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو اس وقت عمرو بن العاص مصر کا گورنر تھا۔ حضرت

---

(۱) مستدرک حاکم ۳/۱۰۰۔ اسد الغابہ ۳/۱۷۳۔ تفسیر کشاف ۲/۳۵۔ انساب الاشراف ۵/۴۹۔ سنن ابی داؤد ۴/۱۲۸۔ ان کے علاوہ قرطبی، رازی، بیضاوی، خازن، اور شوکانی نے آیت بالا کی تفسیر میں عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ لکھا ہے۔

عثمان نے اس سے خراج کا محکمہ سنبھال لیا اور نماز اور لشکر کے امور اس کے پاس رہنے دیئے اور خراج کا محکمہ عبداللہ بن ابی سرح کے حوالے کیا۔

کچھ دنوں بعد عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی سرح آپس میں جھگڑ پڑے۔ اس کے بعد حضرت عثمان نے عمرو بن العاص کو معزول کر دیا اور نماز کا محکمہ بھی عبداللہ بن ابی سرح کے سپرد کیا۔

حضرت عثمان کے قتل کے بعد عبداللہ نے اقتدار چھوڑ دیا تھا البتہ وہ معاویہ کے پاس نہیں گیا تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ میں ایسے شخص کے پاس جانا پسند نہیں کرتا جو دلی طور پر قتل عثمان کا خواہش مند تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام کے عہد حکومت میں رملہ کے مقام پر اس کی وفات ہوئی۔ ذہبی نے کہا۔

"اس سے احادیث مروی ہیں۔"

مروان و حارث بن الحکم ابن العاص

بلاذری بیان کرتے ہیں کہ حکم بن ابی العاص زمانہ جاہلیت میں رسول خدا کا ہمسایہ تھا اور وہ بدترین ہمسایہ تھا اور اسلام لانے کے بعد وہ آپ کو سخت اذیت دیتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد وہ مدینہ آیا اور اس کا اسلام بھی مشکوک تھا۔ وہ جب بھی رسول خدا کے پیچھے چلتا تو ناک اور منہ کے ذریعہ سے آپ کی نقل اتارا کرتا تھا۔ اور جب نماز میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوتا تو اپنی انگلیوں کے ذریعہ سے آپ کی نقلیں کرتا تھا۔ ایک دن رسول خدا اپنی ایک زوجہ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اس نے آپ کو جھانک کر دیکھا۔ رسول خدا نے اس کی یہ حرکت دیکھی تو فرمایا:

"اس لعین چھپکلی کا مجھ سے کون عذر بیان کر سکے گا؟"

پھر آپؐ نے فرمایا: یہ اور اس کی اولاد یہاں میرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس کے بعد آپؐ نے انہیں طائف کی طرف جلاوطن کر دیا۔

رسول خدا کی وفات کے بعد حضرت عثمان نے اپنے چچا کے متعلق حضرت ابو بکر سے گفتگو کی اور ان سے انکی مدینہ واپسی کی درخواست کی تھی۔ لیکن حضرت ابو بکر نے ان کی سفارش کو مسترد کر دیا' اور کہا جن لوگوں کو رسول خدا نے دھتکارا ہے میں انہیں کبھی پناہ نہیں دوں گا۔

جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو حضرت عثمان نے ان سے بھی ان کی واپسی کی درخواست کی تھی۔ مگر حضرت عمر نے بھی انہیں وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکر دے چکے تھے' اور جب حضرت عثمان برسر اقتدار آئے تو انہوں نے ان لوگوں کو مدینہ بلا لیا۔

(انساب الاشراف ۲۷/۵)

جس دن حکم لعین طائف سے مدینہ آیا تو وہ چند بھیڑوں کو ہانکتا ہوا آیا اور اس نے بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھے' یہاں تک کہ وہ خلیفہ کے گھر میں داخل ہوا اور جب کچھ دیر کے بعد خلیفہ کے گھر سے باہر آیا تو اس نے ریشم وطیلسان کا لباس پہنا ہوا تھا۔

(تاریخ یعقوبی ۱۶۴/۲)

پھر عثمان نے بازار مسلمین کے عامل صدقات کو بلا کر کہا کہ تم یہ عہدہ حکم کے حوالے کر دو۔

(تاریخ یعقوبی ۱۶۴/۲)

اس کے بعد حضرت عثمان نے قبیلہ قضاعہ کے صدقات کا اسے عامل مقرر کیا۔ جہاں سے اسے تین لاکھ درہم وصول ہوئے اور جب وہ مذکورہ رقم لے کر آیا تو حضرت عثمان نے وہ تمام رقم اسے بخش دی۔

(انساب لاشراف ۲۸/۵)

اور جب وہ مرا تو اس کی قبر پر خیمہ لگایا گیا۔ (انساب الاشراف ۲۷/۵)

اس حکم کے ایک بیٹے کا نام مروان تھا اور دوسرے کا نام حارث تھا۔

مروان حضرت عثمان کا داماد تھا اور ان کی بیٹی "ام" بان کا شوہر تھا۔ اور حارث بھی ان کا داماد تھا اور ان کی بیٹی عائشہ کا شوہر تھا۔

حکم اور اولاد حکم کی لعنت اور مذمت کے متعلق رسول خدا سے بہت سی

احادیث مروی ہیں۔ احادیث میں اس طرح کی روایات موجود ہیں:

لعن رسول اللّٰہ (ص) الحکم و اولادہ.

(انساب الاشراف ۱۲۶/۵۔ مستدرک حاکم ۴۸۱/۴)

"رسول خدا نے حکم اور اس کی اولاد پر لعنت فرمائی ہے۔"

آپؐ نے فرمایا

ویل لامتی ممافی صلب ھذا.

(اسد الغابہ درحالات حکم بن ابی العاص ۳۴/۲)

"ہلاکت ہو ان کے جو ان کی صلب میں سے ہوں۔"

وقال: لعنۃ اللّٰہ علیہ وعلی من یخرج من صلبہ المومنین وقلیل ھم

"اللہ کی اس پر لعنت ہو اور اس کی اولاد پر لعنت ہو سوائے مومنین کے اور وہ بھی بہت کم ہوں گے۔"

آپؐ نے فرمایا:

اذا بلغ بنو أبی العاص ثلاثین رجلا اتخذوا دین اللّٰہ دغلاً و عباد اللّٰہ خولا ومال اللّٰہ دولا.

"جب ابو العاص کی اولاد تیس مردوں تک پہنچ جائے گی تو وہ اللہ کے دین کو مذاق اور اللہ کے بندوں کو غلام اور اللہ کے مال کو ذاتی ملکیت بنالیں گے۔"

رسول اکرمؐ نے اسی خاندان کے متعلق فرمایا:

انی رأیت فی منامی کان بنی الحکم بن ابی العاص ینزون علی منبری نزوالقردۃ. فما روی النبی مستجمعا ضاحکا حتی توفی. (مستدرک حاکم ۴۷۹/۴۔۴۸۱)

"میں نے خواب میں حکم بن ابی العاص کی اولاد کو دیکھا کہ وہ بندروں کی طرح سے میرے منبر پر اچھل کود رہے ہیں۔اس خواب کے بعد کسی نے آنحضرت کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔"

حاکم نے عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اپنے بچے کو رسول خدا کی خدمت میں لے آتا تھا۔آپ بچے کے حق میں دعا کرتے تھے۔مروان بن الحکم پیدا ہوا تو اسے بھی آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

هو الوزغ ابن الوزغ الملعون بن الملعون

"یہ چھپکلی ہے اور چھپکلی کا بیٹا ہے' یہ ملعون ہے اور ملعون کا بیٹا ہے۔"

جی ہاں! ایسے ہی "شریف خاندان" کو حضرت عثمان نے مسلمانوں کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ اس لیے اس وقت کے مسلمان حضرت عثمان کی اس "عطائے خسروانہ" کو دیکھ کر ناراض ہوئے تھے۔

یہاں تک آپ نے خمس اور ترکہ رسول کے متعلق خلفائے ثلاثہ کے اجتہادی موقف کا مطالعہ فرمایا: اب دیکھیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے عہد میں کون سا طرز عمل اپنایا تھا۔

خمس اور ترکہ رسول کے متعلق علیؑ کا طرز عمل

ابن عباس سے منقول ہے کہ عہد نبوی میں خمس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے اللہ اور رسول کا ایک حصہ ہوتا تھا اور رسول خدا کے قرابت داروں کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ اور یتامیٰ' مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لیے ایک ایک حصہ ہوتا تھا۔خلفائے ثلاثہ نے خمس میں سے اللہ' رسول اور ذی القربیٰ کا حصہ ختم کر دیا اور خمس کو یتامیٰ' مساکین اور مسافروں کے لیے مخصوص کر دیا۔ پھر علی بن ابی طالب نے بھی خلفائے ثلاثہ کی تقسیم کو باقی رہنے دیا۔ (الخراج ص ۲۳)

امام محمد باقرؑ سے پوچھا گیا کہ حضرت علی خمس کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟

انہوں نے فرمایا:

''حضرت علی وہی رائے رکھتے تھے جو باقی اہل بیت کی تھی' لیکن انہوں نے ابو بکر و عمر کی مخالفت کرنے کو پسند نہ کیا۔''

(الخراج۔ ۲۳۔ کتاب الاموال ۳۳۲۔ احکام القرآن بصاص ۶۳/۳)

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؒ پوچھا کہ حضرت علیؓ نے اپنی حکومت کے ایام میں ذی القربیٰ کے حصہ کے متعلق کون سا طرز عمل اپنایا تھا؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ ابو بکر و عمر کے راستے پر چلتے تھے۔''

میں (راوی) نے کہا پھر آپ اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں؟

امام محمد باقر نے فرمایا:

''حضرت علی کا خاندان ان سے جدا نظریہ تو نہیں رکھتا۔''

میں (راوی) نے کہا:

''پھر انہوں نے خمس میں سے ذی القربیٰ کا حصہ علیحدہ کیوں نہ کیا؟''

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

خدا کی قسم وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ لوگ ان پر ابو بکر و عمر کی مخالفت کا الزام لگائیں۔ (الخراج۔ ۲۳۔ کتاب الاموال ۳۳۲۔ احکام القرآن بصاص ۶۳/۳)

سنن بیہقی کی روایت میں ہے:

ولکن کرہ ان یتعلق علیہ خلاف ابی بکر و عمر.

(سنن بیہقی ۳۴۳/۶)

''لیکن حضرت علیؑ نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ ان پر ابو بکر و عمر کی مخالفت کا الزام لگایا جائے۔''

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو ایسے وقت میں اقتدار سنبھالنا پڑا جب وہ اپنی مرضی سے کوئی تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں تھے۔

سنن بیہقی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حسنؑ، حسینؑ، ابن عباس اور عبداللہ بن جعفر نے حضرت علیؑ سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں خمس میں سے ذی القربیٰ کا حصہ دیا جائے۔(۱)

حضرت علیؑ نے ان سے کہا:

"وہ تمہارا ہی حق ہے لیکن مجھے معاویہ سے جنگ درپیش ہے اور اگر تم چاہو تو اس وقت اپنا حق چھوڑ دو۔"

مولف کہتا ہے کہ حضرت علی نے خمس کو معاویہ کے خلاف لشکر کشی میں صرف کیا تھا۔

خمس و ترکۂ رسول در عہد خلفائے بنی امیہ

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ بنی ہاشم سے خمس اور ترکہ رسول علیحدہ رکھنے کے لیے خلفائے ثلاثہ کی پیروی کرتا تھا، اور خمس کے متعلق اس نے ایک مخصوص اجتہاد بھی کیا تھا۔

بہرنوع معاویہ سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ خمس میں سے رسول خدا کے قرابت داروں کو ان کا حصہ دیتا ہوگا۔ اس سلسلہ کی حسب ذیل دو روایات ملاحظہ فرمائیں۔

طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے:

جب عمر بن عبدالعزیز نے بنی ہاشم کو کچھ خمس دینے کا حکم دیا تو بنی ہاشم کے کچھ افراد جمع ہوئے اور انہوں نے اپنی طرف سے ایک قاصد اس کے پاس بھیجا اور قاصد کے ذریعہ سے انہوں نے اس کی صلہ رحمی کا شکریہ ادا کیا اور یہ کہہ بھیجا کہ وہ دور

(۱) سنن بیہقی ۶/۳۴۳۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ شافعی نے کہا کہ میں نے یہ حدیث عبدالعزیز بن محمد کو سنائی تو اس نے کہا کہ راوی نے سچ کہا کہ امام جعفرؑ ایسا ہی کرتے تھے۔

معاویہ سے اپنے تمام حقوق سے محروم چلے آرہے ہیں۔

(طبقات ابن سعد طبع یورپ ۲۸۹/۵)

طبقات میں مذکور ہے۔ (طبقات ۲۸۸/۵)

علی بن اعبداللہ بن عباس اور ابو جعفر محمد بن علی نے کہا:

ماقسّم علینا خمس منذ زمن معاویۃ الی الیوم.

معاویہ کے دور سے لے کر آج تک ہمارے اندر خمس تقسیم نہیں ہوا۔

معاویہ کے خصوصی امتیاز کا تذکرہ حاکم نے مستدرک میں اور ذہبی نے تلخیص میں ابن سعد نے طبقات میں ابن عبدالبر نے استیعاب میں ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اور طبری' ابن اثیر اور ابن کثیر نے ۵۰ھ کے واقعات کے ضمن میں کہا ہے۔ چنانچہ حاکم رقم طراز ہیں:

زیاد بن ابیہ نے حکم بن عمرو غفاری کو خراساں کی طرف روانہ کیا جہاں اسے بہت سا مال غنیمت ملا۔ زیاد نے اس کی طرف خط لکھا۔

اما بعد' فان امیر المومنین کتب ان تصطفی لہ البیضاء والصفراء ولا تقسّم بین المسلمین ذھبًا ولافضۃً.

"واضح ہو کہ معاویہ نے خط کے ذریعہ سے حکم دیا ہے کہ مال غنیمت میں سے تمام چاندی اور سونا معاویہ کے لیے علیحدہ کر دیا جائے اور تجھے ہدایت کی جاتی ہے کہ مسلمانوں میں سونا چاندی ہرگز تقسیم نہ کرنا۔"

تاریخ طبری میں یہ الفاظ مرقوم ہیں:

ان امیرالمومنین کتب الی: ان اصطفی لہ کل صفراء وبیضاء والروائع فلاتحرکن شیئا حتی تخرج لک

"واضح رہے کہ معاویہ نے مجھے خط لکھ کر حکم دیا ہے کہ میں اس کے لیے سونا' چاندی اور تمام حسین عورتیں چن کر علیحدہ کرلوں' اور مذکورہ اشیاء علیحدہ کیے بغیر اپنے مقام سے حرکت نہ کرنا۔"

زیاد کے خط کے جواب میں حکم نے اسے لکھا:

واضح رہے کہ تو نے مجھے لکھا ہے کہ معاویہ نے تجھے حکم دیا ہے کہ ہر قسم کا سونا چاندی اور تمام خوبصورت عورتیں علیحدہ کر کے اس کی خدمت میں روانہ کروں اور اس سے پہلے اس مقام سے حرکت نہ کروں۔

اس سلسلہ میں تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ خلیفہ کے خط سے پہلے اللہ کا خط پہنچ چکا ہے۔ خدا کی قسم اگر کسی شخص کے لیے زمین و آسمان کے عام راستے بند ہوں اور وہ خدا کا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نکلنے کا راستہ ضرور بنا دے گا۔

پھر اس نے اپنے فوجیوں سے کہا کہ تم مال غنیمت میں سے اپنا چوتھا حصہ وصول کرو۔ زیاد نے اسے لکھا۔ اگر میں زندہ رہا تو میں تجھے اس جسارت کی سخت سزا دوں گا یہاں تک طبری کی روایت تمام ہوئی۔

حاکم لکھتے ہیں:

جب حکم نے معاویہ کے حکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر دیا تو معاویہ نے اس کے پاس اپنا قاصد بھیجا جس نے اسے زنجیر پہنائے اور قید خانہ میں ڈال دیا۔ آخر کار وہ قید میں مر گیا اور قید خانہ کے ایک کونے میں دفن کیا گیا۔

تہذیب التہذیب میں حکم بن عمرو کے حالات میں مذکور ہے:

معاویہ نے اس کی جگہ دوسرا عامل روانہ کیا۔ اس نے حکم کو قید کر کے بیڑیاں پہنا دیں اور انہی بیڑیوں میں اس کی وفات واقع ہوئی۔ (۱)

طبری اور دیگر مورخین نے لکھا:

حکم نے کہا۔ خدایا! اگر تیرے ہاں میرے لیے کوئی بھلائی موجود ہے تو مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔ چنانچہ خراسان کے شہر مرو میں اس کی وفات واقع ہوئی۔

مولف کتاب ہذا عرض کرتا ہے:

---

(۱) مستدرک حاکم ۳/ ۴۴۲۔ طبقات ابن سعد طبع یورپ ۷/ ۱۸۔ استیعاب ۱/ ۱۱۸۔ اسد الغابہ ۲/ ۳۶ طبری طبع یورپ ۲/ ۱۱۱۔ ابن اثیر طبع یورپ ۳/ ۳۹۱۔ ذہبی ۲/ ۲۲۰۔ ابن کثیر ۸/ ۴۷

بعض علماء نے اس واقعہ میں تحریف کر کے اسے ناقص انداز میں لکھا ہے۔

جیسا کہ ذہبی نے اپنی تاریخ میں یہ الفاظ لکھے ہیں:

زیاد نے اس کی طرف خط لکھا کہ سونا چاندی تقسیم نہ کرنا۔ اس نے زیاد کو لکھا کہ زمین و آسمان کے تمام راستے کسی کے لیے بند ہوں............

ابن کثیر نے معاویہ کی نمک خواری کا حق ادا کرتے ہوئے لکھا۔

زیاد نے معاویہ کی طرف سے حکم بن عمرو کو خط لکھا کہ وہ مال غنیمت سے سونا چاندی علیحدہ کر کے معاویہ کے بیت المال کی طرف روانہ کر دے۔

ابن حجر نے تہذیب اور اصابہ میں اس واقعہ کا رنگ ہی بدل دیا۔ وہ تہذیب میں لکھتے ہیں:

معاویہ نے حکم بن عمرو غفاری کو خراسان کا عامل بنا کر بھیجا۔ پھر کسی وجہ سے اس پر ناراض ہو گیا۔ اور معاویہ نے اس کی جگہ ایک اور عامل وہاں روانہ کیا جس نے حکم کو قید کیا اور اسے زندان میں زنجیریں پہنائیں اور زنجیروں میں ہی اس کی موت واقع ہوئی۔

یہ واقعہ حکم بن عمرو غفاری کا ہے اور بعض افراد نے غلطی سے اس واقعہ کو ربیع بن زیاد حارثی کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب کہ اس کا واقعہ صرف اتنا ہے کہ جب اس نے حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کی روح فرسا خبر سنی تو اس نے کہا تھا:

خدایا! اگر تیرے پاس ربیع کے لیے کوئی بہتری ہے تو اسے موت دے دے۔ اس دعا کے بعد اسے اس محفل سے اٹھنا نصیب نہ ہوا اور وہیں مر گیا۔ (اسد الغابہ ۲/۱۶۳)

خمس کے متعلق آپ نے معاویہ کے طرز عمل کا مشاہدہ فرمایا۔ آیئے رسول مقبول کے ترکہ کے متعلق معاویہ کی پالیسی کا ہلکا سا جائزہ لیں۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا:

امام حسن کی وفات کے بعد معاویہ نے فدک کی تہائی مروان بن الحکم اور عمرو

بن عثمان بن عفان کو ایک تہائی اور اپنے بیٹے یزید کو ایک تہائی عطا کی' اور وہ ایک دوسرے سے حصے لیتے رہے یہاں تک کہ پورے فدک پر مروان کا قبضہ ہو گیا۔

(شرح نہج البلاغہ ۴/۸۰)

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ معاویہ مروان پر ناراض ہوا' اور اسے مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور اس سے فدک کا قبضہ بھی چھین لیا' اور اس سے فدک چھین کر اپنے ایک نمائندے کے ہاتھ میں دے دیا۔ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان اور سعید بن العاص نے معاویہ سے درخواست کی کہ وہ فدک ان کے حوالے کر دے۔ لیکن معاویہ نے ان کی درخواست نہ مانی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد معاویہ مروان پر راضی ہو گیا تو اس نے اسے دوبارہ مدینہ کا گورنر مقرر کیا اور مروان کی درخواست کے بغیر فدک بھی اسے دوبارہ لوٹا دیا اور جن دنوں مروان کے ہاتھ سے فدک نکل گیا تھا ان دنوں کی پیداوار بھی مروان کے سپرد کی۔ (طبقات ابن سعد ۵/۲۸۸)

اس واقعہ کی وجہ سے بعض افراد کو یہ مغالطہ لاحق ہوا کہ سب سے پہلے معاویہ نے مروان کو فدک کی جاگیر عطا کی تھی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مروان کو فدک کی جاگیر عثمان نے عطا کی تھی۔ اور بعد ازاں معاویہ نے ایک بار چھین کر دوبارہ وہی جاگیر اسی کے حوالے کر دی تھی۔

خمس و ترکہ رسول دوسرے خلفائے بنی امیہ کے دور میں

عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ باقی جتنے بھی اموی سلاطین گذرے ہیں سب نے خمس کو اپنا ذاتی مال قرار دیا ہوا تھا اور اسے شیر مادر سمجھ کر کھاتے رہے۔ وہ خمس کو اپنی ذاتی دولت سمجھ کر اس میں تصرف کرتے تھے۔ کبھی وہ خمس کو اپنی تجوریوں کی زینت بناتے اور کبھی اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو عطا کرتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایک دفعہ ولید بن عبدالملک نے پورے کا پورا خمس اپنے بیٹے عمر کو عطا کیا تھا۔

سنن نسائی میں مرقوم ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے عمر بن ولید کو خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا:

تیرے باپ نے تجھے پورا خمس دیا تھا۔ جب کہ تیرے باپ کا حق اس میں صرف اتنا تھا جتنا کہ کسی بھی عام مسلمان کا ہو سکتا ہے' اور اس نے جو رقم تیرے حوالے کی ہے اس میں اللہ' رسول اور قرابت داروں' یتامیٰ' مساکین اور غربت زدہ مسافروں کا حصہ ہے۔

تجھے توجہ کرنی چاہیے کہ تیرے باپ کے کتنے افراد مخالف ہوں گے' اور جس کے اتنے زیادہ مخالف ہوں تو وہ نجات کیسے حاصل کر پائے گا؟

اور تو ہر وقت راگ رنگ میں مصروف ہے۔ یہ اسلام میں بدعت ہے اور میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں تیرے پاس ایسے شخص کو روانہ کروں جو تیری بری کھوپڑی کو کاٹ دے۔ (سنن نسائی باب قسم الفیء ۲/۱۷۸)

معاویہ کے بعد تاریخ' خمس اور ترکہ رسول کے متعلق خاموش دکھائی دیتی ہے۔ البتہ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں اس کا ذکر مل جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان سے لے کر عمر بن عبدالعزیز کے پیش رو تک تمام اموی سلاطین ایک ہی پالیسی پر گامزن رہے' اور اس میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہ ہوئی۔

عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں

عمر بن عبدالعزیز نے قاضی مدینہ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی طرف خط لکھا کہ تم تحقیق کر کے مجھے مطلع کرو کہ قلعہ کتیبہ رسول خدا کو خمس میں ملا تھا یا وہ قلعہ ان کی ذاتی ملکیت تھا؟

قاضی نے تحقیق کر کے انہیں لکھا کہ قلعہ کتیبہ رسول خدا کو خمس میں ملا تھا۔

اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے چار یا پانچ ہزار دینار اس کے پاس روانہ

کیے۔ اور حکم دیا کہ اس میں قلعہ کتیبہ کی پیداوار میں سے باقی رقم شامل کر کے دس ہزار دینار پورا کرو اور جب تمہارے پاس دس ہزار دینار پورے ہو جائیں تو وہ رقم بنی ہاشم کے مردوں عورتوں اور چھوٹوں اور بڑوں میں برابر تقسیم کرو۔

قاضی نے ان کے فرمان پر عمل کیا۔

ابن سعد نے جعفر بن محمد سے روایت کی:

عمر بن عبدالعزیز ن ذی القربیٰ کا حصہ اولاد عبدالمطلب میں تقسیم کیا' البتہ اس گھرانے کی ان عورتوں کو اس میں سے کوئی حصہ نہ دیا جن کا تعلق عبدالمطلب کی اولاد سے نہ تھا۔

ایک روایت میں مروی ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز کا خط والیٔ مدینہ کو ملا جس میں اس نے حکم دیا تھا کہ وہ بنی ہاشم میں خمس تقسیم کرے۔

(طبقات ابن سعد ۲۸۸/۵ (بطور اختصار)

والی چاہتا تھا کہ وہ مطلب کی اولاد کو خمس میں سے کوئی حصہ نہ دے۔ جب کہ عبدالمطلب کی اولاد نے کہا۔ ہم اس وقت تک تجھ سے ایک درہم نہ لیں گے جب تک ہمارے ان بھائی بندوں کو نہ دو گے۔

والیٔ مدینہ نے اس کے متعلق عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا۔ تو عمر بن عبدالعزیز نے جواب میں لکھا کہ اولاد مطلب پر اپنے عہد کے مطابق اولاد عبدالمطلب کی طرح سے ہے لہٰذا تم بھی انہیں اولاد عبدالمطلب کی طرح سے خمس کا حصہ دو۔

اس کے بعد مطلب اور عبدالمطلب دونوں کی نسل کو خمس میں سے حصہ دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد ۲۸۹/۵)

قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

عمر بن عبدالعزیز نے رسول خدا کا حصہ اور ذی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم کی طرف روانہ کیا۔ (کتاب الخراج ص ۲۵)

ابن سعد لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت امام حسینؑ نے عمر بن عبدالعزیز کی طرف ایک خط تحریر کیا تھا جس میں انہوں نے اس کے احسان کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ تو نے ان کی خدمت کی جن کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں تھا اور تم نے بے لباس افراد کو لباس فراہم کیا۔

عمر بن عبدالعزیز یہ خط پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ (طبقات ابن سعد ۲۸۸/۵)

اس نے کہا: اگر میں زندہ رہا تو میں تمہیں تمہارے تمام حقوق دوں گا۔

(طبقات ابن سعد ۲۸۹/۵)

فدک کی واپسی

یاقوت لکھتے ہیں۔

جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے اپنے والی مدینہ کو خط لکھا کہ وہ فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کردے۔ (معجم البلدان در مادہ فدک)

شرح نہج البلاغہ میں مرقوم ہے:

والی مدینہ ابوبکر بن حزم نے انہیں لکھا کہ فاطمہ زہراؑ کے نواسے نواسیاں اور نواسوں کی اولاد آل عثمان اور فلاں فلاں خاندان میں بھی موجود ہے میں فدک کیسے واپس کروں؟

عمر بن عبدالعزیز نے اسے لکھا:

اگر میں تجھے یہ کہتا کہ تو ایک بکری ذبح کر تو تو مجھ سے یہ پوچھتا کہ بکری کے سینگ سالم ہوں یا ٹوٹے ہوئے ہوں۔ اور اگر میں تجھے لکھتا کہ ایک گائے ذبح کر تو تو یہ پوچھتا کہ اس کا رنگ کیسا ہونا چاہیے۔ جب تجھے میرا یہ خط ملے تو فدک علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد کو واپس کر دو، والسلام۔ عمر بن عبدالعزیز کے اس اقدام پر بنی امیہ ناراض ہوئے اور اس سے کہا:

تو نے ایسا کر کے شیخین کی توہین کی ہے اور کوفہ سے بھی ایک گروہ نے آ کر عمر بن عبدالعزیز کی اس فعل پر ملامت کی۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا:

تم ناواقف ہو جب کہ میں جانتا ہوں اور تم بھول چکے ہو جب کہ مجھے سب کچھ یاد ہے۔

میں نے یہ حدیث ابوبکر بن عمر بن حزم سے سنی ہے اس نے اپنے والد سے یہ حدیث سنی اور اس نے اپنے دادا سے یہ حدیث سنی۔ اس نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا:

"فاطمة بضعة منی یسخطنی مایسخطها ویرضینی ما ارضاها"

"فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جو چیز اسے ناراض کرتی ہے وہ مجھے ناراض کرتی ہے اور جو اسے راضی کرتی ہے وہ مجھے راضی کرتی ہے۔"

یاد رکھو فدک کی جاگیر ابوبکر و عمر کے عہد میں "صافیہ" قسم کی جاگیر تھی۔ پھر اس کی ملکیت مروان کے پاس چلی گئی۔ اس نے میرے باپ عبدالعزیز کو وہ جاگیر بخشی تھی اور وہ جاگیر میراث کے طور پر مجھے اور میرے بھائیوں کو ملی ہے۔ میں نے اپنے بھائیوں سے درخواست کی کہ وہ مذکورہ جائیداد میرے ہاتھوں فروخت کر دیں۔ چنانچہ کچھ بھائیوں نے اپنے حصے میرے پاس فروخت کیے اور کچھ بھائیوں نے اپنے حصے مجھے بخش دیئے۔ جس کی وجہ سے تمام جاگیر میرے ہاتھ میں آ چکی ہے' اب میں نے یہ چاہا کہ اسے اولاد فاطمہ کو واپس کر دوں۔

لوگوں نے کہا:

اگر آپ ایسا کرنے پر بضد ہیں تو پھر اصل اپنے پاس رکھیں اور اس کی پیداوار ان میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ (شرح نہج البلاغہ ۴ر۱۰۳)

دوسری روایت میں یوں بیان کیا گیا کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو اس نے سب سے پہلے فدک کو واپس کیا۔ اس نے حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کو بلایا۔ اور بعض روایات کے مطابق اس نے علی بن الحسین زین العابدین کو بلا کر فدک واپس کیا اور جب تک عمر خلیفہ رہے فدک اولاد فاطمہؑ کے ہاتھوں میں رہا۔

(شرح نہج البلاغہ ۴/۸۱)

عمر بن عبدالعزیز کے بعد

عمر بن عبدالعزیز کے بعد تاریخ کے اوراق میں خمس کا کہیں تذکرہ دکھائی نہیں دیتا' البتہ فدک کی آواز بازگشت ضرور سنائی دیتی ہے۔

یاقوت اور ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

جب یزید بن عاتکہ والی مقرر ہوا تو اس نے بنی فاطمہ سے فدک چھین کر اولاد مروان کے حوالے کر دیا۔ اموی حکومت کے اختتام تک اولاد مروان اس پر قابض رہی اور جب بنی امیہ کا اقتدار ختم ہوا اور بنی عباس میں سے ابوالعباس سفاح برسر اقتدار آیا تو اس نے بنی مروان سے فدک چھین کر عبداللہ بن حسن بن حسن کے حوالے کیا۔ پھر جب بنی حسن نے بنی عباس کی مخالفت کی تو ابوجعفر منصور نے ان سے فدک چھین لیا۔

پھر اس کے بیٹے مہدی نے فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کیا۔ پھر موسیٰ بن مہدی اور ہارون نے فدک اولاد فاطمہؑ سے چھین لیا۔ اور جب مامون خلیفہ بنا تو اس نے فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کیا۔

مجھ سے ابوبکر نے بیان کیا' اس نے کہا کہ مجھ سے محمد بن زکریا نے بیان کیا' اس نے کہا کہ مجھ سے مہدی بن سابق نے بیان کیا' اس نے کہا کہ مامون رد مظالم کے لیے بیٹھا تو اس کے ہاتھ میں جو پہلا رقعہ آیا۔ اس نے اس رقعہ کو پڑھا اور پڑھ کر رونے لگا۔ پھر اس نے اپنے اس غلام سے کہا کہ جو اس کے سر کے پاس کھڑا تھا کہ

آواز دے کہ فاطمہ زہراؑ کا وکیل کہاں ہے؟

یہ آواز سنتے ہی ایک بزرگ کھڑے ہوئے انہوں نے جبہ اور عمامہ پہنا ہوا تھا اور انہوں نے سرحدی موزے پہن رکھے تھے۔ وہ آگے بڑھے اور فدک کے بارے میں مامون سے مناظرہ کرنے لگے۔ مامون ان کے سامنے دلائل پیش کرتے اور وہ مامون کے سامنے دلائل پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد مامون نے فدک واپسی کا حکم تحریر کرنے کا فرمان جاری کیا۔

کاتب نے سرکاری فرمان لکھ کر مامون کو سنایا اور مامون نے اسی پر اپنے دستخط ثبت کیے۔ اس وقت دربار میں دعبل خزاعی موجود تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اشعار پڑھے جن کا مطلع یہ تھا۔

اصبح وجه الزمان قد ضحكا   برد مامون هاشم فدكا

"مامون نے بنی ہاشم کو فدک واپس کیا تو زمانے کا چہرہ کھل اٹھا۔"

(شرح نہج البلاغہ ۸۱/۴ ۔ فتوح البلدان در مادہ فدک)

مامون کا حکمنامہ

فتوح البلدان میں ہے کہ ۲۱۰ھ میں امیر المومنین عبداللہ بن ہارون الرشید نے اولاد فاطمہؑ کو فدک واپس کیا اور اس سلسلہ میں اس نے عامل مدینہ قثم بن عباس کو یہ حکم نامہ لکھ کر بھیجا۔

اما بعد! امیر المومنین کو اللہ کے دین میں جو مقام حاصل ہے اور خلافت رسول اور قرابت رسول کی وجہ سے انہیں سنت رسول پر عمل کرنے کا زیادہ حق پہنچتا ہے اور انہیں رسول خدا کے فرمان کے اجراء اور آپ کے عطیہ جات کی واپسی اور آپ کے صدقات کی بحالی کا زیادہ حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں اسے توفیق عطا فرمائے اور اس کی حفاظت فرمائے اور انہیں ایسے اعمال کی توفیق دے جو اس کی قرابت کا ذریعہ ثابت ہوں۔

واضح ہو کہ رسول خدا نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کو فدک عطا کیا تھا اور یہ امر بالکل واضح اور ظاہر اور معروف ہے اور آل رسول میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے' اور دختر پیغمبر اپنی زندگی میں اپنے حق کا مسلسل مطالبہ کرتی رہی تھیں۔

اب امیر المومنین نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اس حق کو فاطمہ زہراءؑ کے وارثوں کی طرف لوٹا دیں اور حق کے قیام اور عدل کی وجہ سے وہ اللہ کا تقرب چاہتے ہیں اور فرمان پیغمبر کو عملی طور پر نافذ کر کے ان کی رضا کے طالب ہیں۔ اور امیر المومنین نے اپنے رجسٹرات میں اسے لکھنے کا حکم دیا ہے اور اپنے عمال کو اس سلسلہ میں خط لکھ کر آگاہ کیا ہے۔

رسول خدا کے بعد ہر حج کے موقعہ پر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جس سے بھی رسول خدا نے صدقہ' ہبہ یا وعدہ کیا ہو تو وہ آئے اور حاصل کرے، اس کا قول قبول کیا جائے گا اور اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا جائے گا۔ جب اور لوگوں کی بات مانی جاتی ہے تو فاطمہؑ اس بات کی زیادہ حقدار ہیں کہ ان کے قول کی تصدیق کی جائے۔ اور اس سلسلہ میں امیر المومنین نے اپنے غلام خاص مبارک طبری کو بھی ہدایت جاری کر دی ہے کہ وہ فاطمہ زہراءؑ کے وارثوں میں فدک کے حدود مقرر کرے اور اس میں کام کرنے والے غلام اور غلہ جات سمیت تمام اشیاء کو محمد بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے سپرد کر دے۔ امیر المومنین ان دونوں کو امور فدک کا متولی مقرر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو اس رائے کا الہام فرمایا ہے اور اسے اپنے اور اپنے رسول کے تقرب کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ تم محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبداللہ کو بھی اس امر کی اطلاع کرو اور اس کے لیے تمہیں مبارک طبری کا تعاون حاصل رہے گا۔ متولیان کی مدد کرو تا کہ اس جائیداد کی زرخیزی اور فوائد اور غلہ جات میں اضافہ ہو سکے انشاء اللہ والسلام۔

یہ فرمان بروز بدھ دو ماہ ذی القعدہ ۲۱۰ ھ میں لکھا گیا۔

مامون کی وفات کے بعد جب متوکل خلیفہ بنا تو اس نے اولادِ فاطمہؑ سے فدک چھین لیا۔ (فتوح البلدان در واقعہ فدک ص ۳۷۔ ۳۸)

ابن ابی الحدید نے اس داستان کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھا:

مامون کے دور خلافت میں فدک اولاد فاطمہ کے ہاتھ میں رہا' اور جب متوکل کی حکومت قائم ہوئی تو اس نے اولادِ فاطمہؑ سے فدک چھین لیا اور عبد بن عمر بازیار کو بخش دیا۔

فدک میں گیارہ ایسی کھجوریں بھی تھیں جنہیں رسول خدا نے اپنے دست مبارک سے کاشت کیا تھا اور بنی فاطمہ ان کا پھل اپنے پاس رکھتے تھے اور جب حجاج ان کے پاس آتے تھے تو وہ ان کو بطور تبرک کچھ کھجوریں دیتے تھے۔ اور حجاج بھی اس کے بدلے میں ان کی معقول خدمت کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں اچھی خاصی کمائی ہو جاتی تھی۔

جب متوکل نے عبد بن عمر بازیار کو فدک عطا کیا تو اس اس نے ایک شخص بشران بن ابی امیہ ثقفی کو وہاں بھیجا جس نے وہاں جا کر مذکورہ کھجوروں کے درخت کٹوا دیئے' اور درخت کٹوانے کے بعد وہ شخص بصرہ گیا جہاں اسے فالج ہو گیا۔

(شرح نہج البلاغہ ۴ر ۸۱)

کتب تاریخ میں فدک وخمس کے متعلق یہاں تک گفتگو دکھائی دیتی ہے۔ اس کے بعد تاریخ کے اوراق خاموش پڑے ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم مکتب خلفاء سے وابستہ علماء کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں کہ مختلف ادوار میں ان کی آراء کس طرح سے بدلتی رہیں اور خلفاء کے افعال نے ان کے نظریات پر کیا کیا اثرات مرتب کیے؟

مکتب خلفاء اور خمس

ابن رشد رقم طراز ہیں:

خمس کے متعلق فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کے متعلق چار مشہور مذاہب ہیں۔

- خمس کے پانچ حصے بنائے جائیں جیسا کہ قرآن مجید کی آیات میں اس کا حکم ہے اور یہی شافعی کا قول ہے۔
- خمس کے چار حصے بنائے جائیں۔
- آج کے دور میں خمس کے تین حصے بنائے جائیں اور نبی کریم اور ذی القربیٰ کا حصہ نبی کریم کی موت کیوجہ سے ساقط ہو چکا ہے۔
- خمس فے کی مانند ہے کہ ہر امیر وغریب کو دیا جائے۔

اور جو یہ کہتے ہیں کہ خمس کے پانچ یا چار حصے ہونے چاہئیں ان کا نبی کریم کی موت کے بعد نبی کریم اور ان کے قرابت داروں کے حصوں کے متعلق اختلاف ہے۔

ان میں سے کچھ فقہاء کہتے ہیں کہ نبی کریم اور ان کے قرابت داروں کے حصے دوسرے اصناف خمس کی طرف پلٹا دیئے جائیں بلکہ تمام لشکر میں تقسیم کر دیا جائے۔

اور فقہاء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ رسول خدا کا حصہ امام کو ملنا چاہیے اور ذی القربیٰ کا حصہ امام کے رشتہ داروں کو ملنا چاہیے۔

فقہاء کے ایک اور گروہ کا نظریہ ہے کہ اس سے ہتھیار خریدے جائیں اور اسے جنگی تیاری میں خرچ کیا جائے۔

فقہاء کا قرابت کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔(۱)

۱۔ بدایة المجتهد فی حکم الخمس الفصل الاول ۱/۳۰۷

ابن قدامہ نے مغنی میں روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر نے خمس کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔

اس کے بعد ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ اصحاب رائے یعنی ابو حنیفہ اور اس کی جماعت کا یہی نظریہ ہے' اور وہ کہتے ہیں کہ خمس کو یتامیٰ' مساکین اور غربت زدہ مسافروں میں تقسیم کرنا چاہیے' اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول خدا کی موت کی وجہ سے ان کا اور ان کے قرابت داروں کا حصہ ختم ہو چکا ہے۔

مالک کہتے ہیں کہ خمس اور فے ایک ہی چیز ہے۔ دونوں کو بیت المال میں جمع کرا دینا چاہیے۔

ثوری اور حسن کہتے ہیں کہ امام کی مرضی پر موقوف ہے۔ خدا اس کی جس چیز کے متعلق رہنمائی کرے وہاں خرچ کر سکتا ہے۔

ابو حنیفہ کا قول قرآن مجید کی آیت کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے کہ خمس میں رسول خدا کا ایک حصہ ہے اور ان کے قرابت داروں کے لیے بھی ایک حصہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یتامیٰ' مساکین اور مسافروں کے حصہ کو ذکر کیا ہے۔ اور جو رسول خدا اور ان کے قرابت داروں کے حصے کا انکار کرے وہ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کی مخالفت کرتا ہے۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ابو بکر و عمر نے خمس کے ان حصوں کو جہاد کے لیے مخصوص کیا تھا تو یہی بات امام احمد کے سامنے کہی گئی تھی۔ احمد یہ سن کر خاموش رہے اور اپنے سر کو حرکت دی تھی اور انہوں نے اس نظریہ کو قبول نہیں کیا تھا۔ اور امام احمد کی نظر میں ابن عباس اور اس سے موافقت کرنے والوں کے قول کو فوقیت حاصل تھی کیونکہ ان کا قول کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق تھا۔(۱)

ابو یعلیٰ اور قاضی ماوردی کا خمس کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ خمس کا مصرف خلفاء کی صوابدید پر موقوف ہے۔

---

(۱) المغنی ابن قدامہ ۷ /۳۰۱ باب تسمیۃ الفئی والغنیمۃ۔ ابن قدامہ کا پورا نام موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن احمد بن محمود بن قدامہ تھا۔ ۶۳۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

قارئین کرام! ہم نے خمس اور حضرت سیدہ کے حق کی ایک طویل بحث کی اور اس بحث کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے ہم ایک بار پھر سابقہ مباحث کا خلاصہ پیش کریں گے اور اس کے ساتھ چند وضاحتوں کا اضافہ کریں گے۔

خلاصہ بحث

خمس اور دختر پیغمبر علیہا السلام کے حق کو سمجھنے کے لیے چند اصطلاحات کا سمجھنا ضروری ہے اسی لیے ہم نے بحث کا آغاز زکوٰۃ ' صدقہ ' فے ' صفی ' انفال ' غنیمت اور خمس کی اصطلاحات سے کیا اور ایک بار پھر ہم ان کا دوبارہ جائزہ لیں گے۔ تاکہ بحث نتیجہ خیز ثابت ہو سکے۔

(الف) زکوٰۃ۔ اللہ کے ہر طرح کے مالی حق کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

(ب) صدقہ۔ سونے ' چاندی ' غلہ جات اور جانوروں کی تعداد جب ایک مقررہ نصاب تک پہنچ جائے ' تو اس میں ایک مخصوص مقدار کا ادا کرنا اور عید الفطر کے دن فطرانہ کے ادا کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ لفظ زکوٰۃ منبع و مصدر ہے اور خمس ' صدقہ ' صفی ' وغیرہ سب اس کی ذیلی شاخیں ہیں۔ صدقہ ' زکوٰۃ کی ایک قسم اسے زکوٰۃ کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مکی سورتوں میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے جب کہ صدقہ واجبہ کی ادائیگی کا حکم اور اس کے مصارف کی تعیین مدینہ میں نازل ہوئی۔ (۱)

''زکوٰۃ'' ایک جامع لفظ ہے جو تمام مالی حقوق پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اذا ادیت زکاۃ مالک فقد قضیت حق اللّٰہ فی المال''

''جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ دے دی تو تو نے مال میں سے خدا کا حق ادا کر دیا ہے۔''

---

(۱) سورہ مومنوں کی چوتھی آیت اور سورہ الاعراف کی آیت ۱۵۶ اور سورہ مریم کی آیات ۱۳۔۳۱۔۵۵ اور سورہ الانبیاء کی آیت ۷۳ میں زکوٰۃ کا حکم موجود ہے۔ واضح رہے کہ یہ سورتیں مکی ہیں جب کہ صدقہ ہجرت کے ساتویں یا آٹھویں یا نویں سال واجب ہوا۔

اور استحبابی طور پر کسی کو کچھ دینا نفل ہے لیکن اسے لفظ "حق" سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

پیغمبر اکرمؐ نے ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

"من استفاد مالاً فلا زکاة حتی یحول الحول"

"جسے مال حاصل ہو تو سال گذرنے سے قبل اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔"

اس حدیث میں بھی زکوۃ سے انفاق فی سبیل اللہ کی تمام واجب اقسام مراد ہیں، جن میں صدقہ واجبہ اور خمس بھی شامل ہے۔

لفظ صدقہ کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جسے انسان رضائے الٰہی کے لیے ادا کرے اور صدقہ کی دو قسمیں ہیں:

- صدقہ واجبہ
- صدقہ مستحبہ

اور ان دونوں اقسام میں فرق یہ ہے کہ سونے چاندی، غلہ جات اور مویشیوں میں سے حاکم جب سرکاری طور پر ایک واجب حصہ وصول کرے تو اس حصہ کو زکوۃ اور صدقہ واجبہ کہا جاتا ہے۔ اور نصاب کے علاوہ جو کچھ انسان رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرے تو اسے "صدقہ" یعنی صدقہ مستحبہ کہا جاتا ہے۔

(ج) فئے: وہ مال و جائیداد جو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہو۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ بنی نضیر کی جائیداد کا تعلق مال فئے سے تھا اور نبی کریم اس میں مالکانہ تصرف روا رکھتے تھے۔

(د) انفال: اس کی واحد "نفل" ہے۔ اور نفل عطیہ اور بخشش کو کہا جاتا ہے اور "انفلۃ" کا معنی ہے کہ اس نے اسے حق سے زیادہ عطا کیا۔ جب جنگ بدر میں مسلمانوں کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور کفار کو شکست فاش ہوئی تو مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ملا اور پھر اس مال غنیمت کے متعلق لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے حق ملکیت سلب کر لیا اور اسے انفال قرار دیا یعنی وہ مال کسی مجاہد کی ذاتی جاگیر نہ رہا اور اسے افراد کی

بجائے اسلامی سلطنت کی ملکیت قرار دیا گیا اور رسول خدا کو مکمل اختیار دیا گیا کہ وہ اس میں جتنا چاہیں کسی کو عنایت فرمائیں۔ اور رحمت عالم نے اپنی صوابدید کے تحت ان افراد کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا جو جنگ میں سرے سے شریک ہی نہیں تھے۔

اسی طرح سے ایسی تمام جائیداد جس کے اہل جلا وطن ہو گئے ہوں اور مردہ اور بنجر زمینوں کو بھی انفال قرار دیا گیا۔

(ہ) غنیمت اور مغنم: جاہلیت اور اسلام میں بغیر مشقت کے حاصل ہونے مال کو غنیمت اور مغنم کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اور "اغتنام" کے معنی غنیمت سمجھنے کے ہیں اور جو چیز بغیر مشقت کے حاصل ہو اسے "مغنم" کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دشمن سے حاصل ہونے والے مال کو "سلب، حرب، نھب" جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس طرح سے آج کے دور میں لفظ غنیمت بھی اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

(و) وضعی طور پر لفظ "مغنم" کسب مال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس میں "بغیر مشقت" کی شرط بھی معتبر نہیں ہے۔

جب جنگ بدر میں بہت سا کفار کا مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور اللہ نے ان سے ذاتی ملکیت سلب کر کے اسے انفال کا نام دیا تو اس وجہ سے اس مال کا نام بھی غنیمت رکھا گیا۔ کیونکہ وہ مال اللہ اور رسول کی ملکیت قرار پایا تھا۔ اور باقی جماعت مسلمین کے لیے وہ غنیمت تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے غنائم کے متعلق صادر فرمایا کہ ان میں سے پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور اس پانچویں حصے کو لفظ خمس سے تعبیر کیا گیا۔ اور خمس کے چھ مصارف بیان کیے گئے' جب کہ اس سے قبل عرب میں رواج تھا کہ لوٹے ہوئے مال کا چوتھا حصہ قبیلہ کے سردار کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا جسے اصطلاح میں "مرباع" کہا جاتا تھا' اور سردار اس حصہ کا بلاشرکت غیر مالک تصور کیا جاتا تھا۔

جب کہ خمس کی رقم صرف سربراہ کے لیے مخصوص نہیں کی گئی بلکہ اس کے چھ مصارف بیان کیے گئے ہیں۔

البتہ "مرباع" اور "خمس" کے دور میں فرق ہے۔ "مرباع" صرف لوٹ مار کے مال سے دیا جاتا تھا جب کہ خمس ہر طرح کی منفعت پر واجب ہے۔

خمس کو صرف جنگی غنیمت سے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ اسلامی مصادر میں یہ بات پایہ تواتر کو پہنچی ہے کہ رسول خدا معدنیات اور دفینہ سے خمس لیتے تھے جب کہ معدنیات اور دفینے جنگ سے حاصل نہیں ہوتے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی مسلم ہے کہ جب قبیلہ عبدالقیس نے آپ سے احکام اسلام دریافت کیے تو آپ نے اور باتوں کے علاوہ انہیں یہ بھی فرمایا کہ وہ غنائم سے خمس ادا کریں۔

کتب حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ قبیلہ کے افراد اتنے مظلوم و مقہور تھے کہ حرمت والے مہینوں کے علاوہ وہ اپنے گھروں سے باہر کا سفر نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا ان کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ دشمنان اسلام سے لوٹے ہوئے مال میں سے خمس ادا کریں گے۔ ان کے لیے "خمس غنیمت" کا مفہوم یہی قرار پائے گا کہ وہ ہر منفعت میں سے پانچواں حصہ رسول خدا کی خدمت میں حاضر کریں گے۔

آپؐ نے قبائل عرب کی طرف جو قاصد روانہ فرمائے تھے انہیں بھی آپ نے یہ نصیحت کی تھی کہ وہ مذکورہ قبائل سے خمس غنیمت وصول کریں گے۔

اسی طرح سے آپؐ نے قبیلہ سعد کے نام اپنے ایک خط میں یہ الفاظ تحریر فرمائے کہ وہ آپ کے دو فرستادہ افراد کے پاس خمس اور صدقہ جمع کرائیں۔

اور یہاں یہ بات انتہائی توجہ طلب ہے کہ مذکورہ قبائل نے مشرکین سے کوئی جنگ نہیں کی تھی کہ جس کی وجہ سے مال غنیمت جمع ہوا ہو اور آپ نے ان سے خمس طلب کیا ہو' اور جب ان کی کفار سے جنگ ہی نہیں ہوئی تھی اور ان کے پاس کفار کا لوٹا ہوا مال بھی نہیں تھا اور اس کے باوجود آپؐ نے ان سے خمس کا مطالبہ کیا تو اس کا واحد مقصد یہی ہے کہ آپؐ نے ان کے تمام منافع اور فوائد سے پانچواں حصہ طلب کیا تھا۔

آنحضرت نے دیگر عرب قبائل کو جتنے بھی خطوط ارسال کیے ان سب میں خمس کی ادائیگی کو بڑی اہمیت دی گئی۔

زمانہ جاہلیت کی جنگوں اور اسلام کی جنگوں میں ایک واضح فرق ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کرسکتا تھا اور انہیں لوٹ مار کرسکتا تھا اور اس لوٹ مار کے مال میں سے چوتھائی حصہ قبیلہ کے سردار کو ادا کرنا پڑتا تھا اور باقی تین حصے جنگ کرنے والے افراد کی ملکیت شمار ہوتے تھے۔ جب کہ اسلام میں قبائلی جنگ کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ اسلامی جہاد کے لیے اسلامی سربراہ کا فرمان ضروری ہے اور کامیابی کی صورت میں لوٹ مار کا تمام مال سربراہ مملکت کے پاس جمع کرانا ضروری ہے' جس میں سے وہ پانچواں حصہ اپنے پاس رکھتا ہے اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرتا ہے' اور مجاہدین کے لیے مال غنیمت کا اپنے پاس رکھنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے رسول خدا نے ایک رسی بلکہ ایک تسمہ تک بھی رکھنے کی اجازت نہیں دی۔

صدر اسلام کی تمام غزوات رسول خداؐ کے حکم و قیادت میں لڑی گئیں اور ان کا تمام تر مال غنیمت بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ اس میں سے پانچواں حصہ بعنوان خمس علیحدہ کر لیتے تھے اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرتے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عہد نبوی کی غزوات کا مال غنیمت آپؐ کے پاس جمع کرایا جاتا تھا اور آپؐ ہی اس سے خمس کی رقم علیحدہ کرتے تھے تو آپ کو آخر یہ لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ خمس غنائم ادا کریں۔ جب کہ قبائل کے پاس نہ تو جنگ کرنے کا اختیار تھا اور نہ ہی ان کے پاس مال غنیمت تھا' تو ان سے خمس کے مطالبہ کا کیا جواز تھا؟

اصل بات یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ان خطوط و فرامین کے ذریعہ سے لوگوں کو اس امر کی تعلیم دی کہ صدقہ واجبہ کی طرح سے ہر منفعت میں خمس کی ادائیگی بھی ضروری ہے اور وہ اسلام کا ایک فریضہ ہے۔

رسول خدا کی حیات طیبہ میں لفظ غنیمت مطلق فائدہ کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور آپ کے بعد جب فتوحات کا دور ہوا تو دشمنوں سے لوٹے ہوئے مال کو غنیمت کہا جانے لگا اور یوں آہستہ آہستہ لفظ غنیمت کا حقیقی مفہوم طاقِ نسیان کی نذر ہو گیا۔

قرآن مجید میں مصارف خمس چھ بیان کیے گئے' اور اس کی تقسیم کچھ اس طرح سے کی گئی۔

- اللہ کا حصہ
- رسول کا حصہ
- رسول خدا کے قرابت داروں کا حصہ
- یتامیٰ کا حصہ
- مساکین کا حصہ
- غربت زدہ مسافروں کا حصہ

بعض روایات میں ہمیں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں کہ اللہ اور رسول کا حصہ ایک ہے۔ اگر مذکورہ روایات کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں حصے رسول خدا کی تحویل میں دیئے جائیں گے اور آپؐ ہی ان کے متصرف کل ہوں گے تو اس حد تک بات درست ہے اور اگر ان روایات کا مقصد یہ ہے کہ بنیادی طور پر خمس کے حصے ہی پانچ ہیں تو پھر بات نص قرآن سے مطابقت نہیں کرتی۔

روایات اہل بیتؑ سے بالتواتر منقول ہے کہ عہد نبوی میں ذی القربیٰ کا حصہ حضرت کے قرابت داروں کے لیے مخصوص تھا' اور آنحضرت کی وفات کے بعد خدا' رسول اور ذی القربیٰ کے تین حصوں کا مالک امام زمانہ ہوتا ہے۔ اور خمس کے باقی تین حصے آل محمدؐ کے یتامیٰ' مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لیے مخصوص ہیں۔ اور ان کے استحقاق کی دو بنیادیں ہیں:

- وہ رسول خدا کے رشتہ دار ہیں اس لیے خمس کے حقدار ہیں۔
- وہ ضرورت مند ہیں اس لیے خمس کے حقدار ہیں۔

اور خمس اولاد عبدالمطلب اور اولاد مطلب کے لیے مخصوص ہے' اور جس طبقہ کے لیے خمس واجب کی گئی ہے ان پر صدقہ واجبہ حرام کیا گیا ہے۔

حضرت رسول اکرمؐ اپنے ان قرابت داروں کو صدقات میں سے کوئی حصہ نہیں دیتے تھے بلکہ انہیں عاملین صدقہ بنا کر بھی تحصیل صدقات کے لیے کہیں روانہ

نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں روایات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت ام کلثوم دختر علی علیہ السلام نے اپنے آزاد کردہ غلاموں کے متعلق بھی سختی سے ہدایت کی تھی کہ انہیں صدقہ نہ دیا جائے اور انہوں نے فرمایا تھا کہ ہمارے جدنامدار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"انا اهل بيت نهينا على الصدقة وان موالينا من انفسنا"

"ہم اہل بیت کو صدقہ سے روکا گیا ہے اور ہمارے آزاد کردہ غلام بھی ہمارا ہی حصہ ہیں۔"(۱)

پھر آپ اپنے آزاد کردہ غلاموں سے فرماتی تھیں کہ تم صدقہ نہ کھاؤ۔

خاندان رسول کے اس طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ تو صدقہ کھاتے تھے اور نہ ہی وہ کبھی عامل صدقہ بنے۔ اور ابن ہشام اور اس کے خوشہ چینوں کو اشتباہ ہوا ہے کہ جنہوں نے یہ دیکھا کہ رسول خدا نے علیؑ کو صدقات کی وصولی کے لیے یمن روانہ کیا تھا۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ رسول خدا نے حضرت علیؑ کو کبھی بھی صدقات کی وصولی پر عامل بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ حضرت علیؑ یمن میں خمس وصول کرنے گئے تھے۔ جیسا کہ بعض علماء نے وضاحت کی ہے۔

ابن ہشام نے عاملین صدقات کے باب میں لکھا:

رسول خدا نے علی کو صدقات وجزیہ وصول کرنے کے لیے بخران بھیجا تھا۔ پھر اس نے حج کے موقع پر رسول خدا اور حضرت علیؑ کی ملاقات کے باب میں یہ الفاظ لکھے:

علیؑ جزیہ لے کر یمن سے مکہ آئے اور آپ نے اپنے لشکر پر ایک شخص کو مقرر کیا۔

حضرت علیؑ جیسے ہی زیارت رسول کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھیوں نے کپڑوں کی گانٹھ کو کھولا اور کپڑے نکال کر انہوں نے خود پہن لیے۔ اور جب آپ دوبارہ اپنے لشکر کے پاس گئے۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۴/۲۷۳۔ امتاع الاسماع مقریزی ص ۵۰۹ بیہقی در سنن کبریٰ

تو آپ نے دیکھا کہ انہوں نے نئے کپڑے پہن رکھے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر آپ نے اپنے جانشین سے کہا:

تجھ پر ہلاکت ہو یہ سب کچھ کیا ہے؟

اس نے کہا:

"میں نے گانٹھ کھولنے کی اس لیے اجازت دی کہ میں چاہتا تھا کہ ہمارے ساتھی نئے کپڑے پہن کر لوگوں کے سامنے آئیں۔"

آپ نے فرمایا:

یہ سب کپڑے اتروا دو۔ جب تک یہ تمام کپڑے رسول خدا کی خدمت میں پہنچ جائیں اس سے پہلے کسی کو ان کے پہننے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت کا حکم سن کر تمام لوگوں نے نئے کپڑے اتار کر واپس کیے اور دوبارہ گانٹھ میں رکھے گئے۔

بعد ازاں ان لوگوں نے رسول خدا سے حضرت علیؑ کے سخت رویہ کی شکایت کی۔

رسول خدا نے خطبہ دیا اور راوی کے بیان کے مطابق میں نے آنحضرتؐ سے یہ جملے سنے:

"لوگو! علیؑ کی شکایت مت کرو۔ اللہ کی ذات کے متعلق علیؑ سخت ہے اور وہ ہر قسم کے شکوہ شکایت سے بلند و برتر ہے۔"

(سیرت ابن ہشام ۴/۲۷۵)

ابن ہشام نے سرایا اور قاصدوں کی فصل میں لکھا:

حضرت علیؑ رسول خداؐ کی زندگی میں دو مرتبہ جنگ کے لیے یمن گئے تھے۔

ایک مرتبہ رسول خدا نے علی کو ایک لشکر دے کر یمن روانہ کیا اور خالد کو بھی ایک لشکر دے کر یمن روانہ کیا اور فرمایا جب تک دونوں لشکر الگ الگ رہے تو ہر لشکر کا علیحدہ علیحدہ امیر ہوگا اور اگر دونوں لشکر اکٹھے ہو جائیں تو پھر پورے لشکر کا امیر علی ہوگا۔(۱)

---

(۲) سیرت ابن ہشام ۴/۳۱۹۔ ابن کثیر ۷/۳۴۳۔ طبقات ابن سعد ۲/۱۶۹۔ عیون الاثر ۲/۲۷۱

تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول خداؐ کی حیات طیبہ میں حضرت علیہ السلام تین بار یمن تشریف لے گئے تھے۔ دو مرتبہ مجاہد بن کر گئے تھے اور ایک مرتبہ خمس کی وصولی کے لیے گئے تھے۔ مورخین کو اس بارے میں اشتباہ ہوا اور انہوں نے تین کی بجائے دو سفر لکھ دیے۔

ذیل میں ہم اس کی تھوڑی سی وضاحت کرتے ہیں:

صحیح بخاری میں براء بن عازب سے مروی ہے کہ رسول خدا نے ہمیں خالد بن ولید کے ساتھ یمن روانہ کیا۔ پھر آپ نے علیؑ کو بھی یمن روانہ کیا اور علیؑ سے فرمایا: کہ خالد کے ساتھیوں کو حکم دینا ان میں سے جو آپ کے ساتھ شامل ہونا چاہے وہ شامل ہو جائے۔(۱)

بیہقی نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ رسول خداؐ نے بہت سے افراد کو خالد کے ہمراہ یمن کی طرف روانہ کیا اور وہاں خالد پورے چھ ماہ تک لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے لیکن کوئی بھی شخص مسلمان نہ ہوا۔ اس کے بعد رسول خدا نے حضرت علیؑ کو دعوت اسلام کے لیے یمن روانہ فرمایا اور حضرت کو اہل یمن کے نام ایک خط لکھ کر بھی دیا اور خالد کے ساتھیوں کے نام بھی آنحضرت نے تحریر فرمایا کہ ان میں سے جو علیؑ کے ساتھ شامل ہونا چاہیں وہ شامل ہو جائیں۔

براء بن عازب کا بیان ہے کہ میں علیؑ کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا' اور جب ہم اہل یمن کے قریب گئے تو وہ ہمارے استقبال کو آئے اور وہاں حضرت علیؑ نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد لوگوں کو رسول خدا کا خط پڑھ کر سنایا گیا۔

خط سن کر ہمدان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے ان کے اسلام لانے کی خبر رسول خدا کو تحریر کر بھیجی۔ جب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کا خط سنا تو آپ سجدے میں گیا اور سجدے سے سر اٹھا کر فرمایا:

السلام علی همدان' السلام علی همدان.

---

(۱) صحیح بخاری ج ۳ ص ۷۵ کتاب المغازی باب بعث علی بن ابی طالب و خالد بن الولید الی الیمن

"ہمدان پر سلام ہو۔ ہمدان پر سلام ہو۔"

یہ واقعہ عیون الاثر اور امتاع الاسماع مقریزی میں بھی مذکور ہے۔ امتاع الاسماع میں لکھا ہے کہ رسول خدا نے تین بار ہمدان پر سلام کیا۔ اس کے بعد اہل یمن مسلسل اسلام قبول کرنے لگ گئے۔(۱)

بخاری نے حضرت علیؑ کے اس دوسرے سفر کو بیان تو کیا لیکن اس نے اپنے تعصب کی وجہ سے پورے واقعہ کو نقل کرنے سے اس لیے گریز کیا کہ اس سے خالد بن ولید کی سبکی ہوتی تھی اور حضرت علی علیہ السلام کی کامیابی و کامرانی ظاہر ہوتی تھی اور اس طرح کا واقعہ نقل کرنا "امام المحدثین" کو پسند نہیں تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت ملاحظہ ہو جس واقعہ کو بخاری نے سات پردوں میں چھپانے کی کوشش کی اس واقعہ کو دیگر محدثین و مورخین نے نقل کر دیا اور یوں حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی۔

حضرت علی علیہ السلام کے دوسرے سفر یمن کا تذکرہ واقدی' مقریزی اور ابن سیدہ نے اپنی کتابوں میں بیان کیا جس کا ماحصل یہ ہے:

نبی کریمؐ نے حضرت علیؑ کو تین سو سواروں کے ساتھ سرزمین مذحج کی طرف روانہ کیا۔ اس علاقہ میں داخل ہونے والا یہ اسلام کا پہلا دستہ تھا۔ حضرت علیؑ کے فوجی ادھر ادھر چلے گئے، اور وہ بہت سا مال غنیمت اور قیدی اپنے ساتھ لے آئے۔ پھر حضرت علیؑ نے اس علاقہ کے تمام لوگوں کو جمع کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کے فوجی دستہ پر تیر اندازی شروع کر دی۔ جس کے جواب میں حضرت علیؑ نے ان پر حملہ کیا اور ان کے بیس سوار قتل کر دیئے۔ اپنے ساتھیوں کا یہ حشر دیکھ کر وہ میدان سے بھاگ گئے اور حضرت نے بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا۔

اس واقعہ کے بعد پھر حضرت علیؑ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ لوگوں نے

---

(۱) عیون الاثر ۲/۲۷۲ باب سیرۃ علی بن ابی طالب۔ امتاع الاسماع ص ۵۱۰ اس واقعہ کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ کی جلد پنجم ص ۱۰۵ پر نقل کیا اور اس نے اس واقعہ کے متعلق ایک باب قائم کیا جس کی سرخی یہ ہے۔
باب بعث رسول اللہ (ص) علی ابن ابی طالب و خالد بن الولید الی الیمن

اسلام قبول کیا اور اس قبیلہ کے روساء نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔

حضرت نے مال غنیمت میں سے خمس علیحدہ کیا اور باقی چار حصے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کیے۔ پھر آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس آئے اور آپ نے اپنے لشکر کو ایک مقام پر ٹھہرایا اور خود رسول خدا کو ملنے کے لیے چلے گئے اور مال خمس ابو رافع کے حوالے کیا۔

حضرت کے ساتھیوں نے آپ کی غیر موجودگی میں ابو رافع سے دو دو کپڑوں کا مطالبہ کیا تو اس نے انہیں پہننے کے دو دو کپڑے دے دیئے۔ جب حضرت واپس آئے تو آپ نے ان سے وہ کپڑے واپس لے لیے جس کی وجہ سے انہوں نے رسول خدا کے پاس آپ کے اس طرز عمل کی شکایت کی تھی۔ (۱)

حضرت علی کے دو سفر آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ آپ نے یمن کے لیے تیسری بار سفر کیا تھا اور اس مرتبہ آپ خمس وصول کرنے تشریف لے گئے تھے۔ جیسا کہ بخاری اور ابن قیم نے لکھا ہے۔ "انہ کان لقبض الخمس اس بار آپ خمس کی رقم وصول کرنے کے گئے تھے۔" (۲)

مذکورہ روایات کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں حضرت علی کے یمن جانے کا ذکر موجود ہے اور آپ کی طرف سے خمس بھیجنے کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے لیکن یہ واضح نہیں کیا گیا کہ آپ نے خمس کی رقم اپنے کون سے سفر کے دوران روانہ کی تھی۔

جیسا کہ بخاری، مسلم نسائی اور احمد نے لکھا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

بعث علی وھو بالیمن الی النبی بذھبیة فی تربتھا (۳)

---

(۱) مغازی واقدی ۳/۱۰۷۹۔۱۰۸۱۔ امتاع الاسماع ص ۵۰۲۔۵۰۳ عیون الاثر ۲/۲۷۱۔۲۷۲

(۲) صحیح بخاری ۳/۵۰ باب بعث علی وخالد الی الیمن۔ ابن قیم برحاشیہ شرح مواہب ۱/۱۳۱ در فصل امراء پیغمبر۔ رسول خدا نے حضرت علی کو یمن میں خمس اور لوگوں کے فیصلوں کے لیے روانہ فرمایا۔

(۳) صحیح بخاری ۴/۱۸۸ کتاب التوحید۔ باب قولہ تعالی تعرج الملائکۃ۔ نسائی ۲/۳۵۹ کتاب الزکاۃ، باب المولفۃ قلوبھم۔ مسند احمد ۳/۴۔۷۲۔۷۳۔ صحیح مسلم کتاب الزکاۃ ص ۱۴۳۔ سنن ابی داؤد ۳/۳۰۱۔۴/۲۴۳ باب تحریم الدم وغیرہ

حضرت علی نے یمن میں رہائش کے دوران غیر مصفّٰی سونے کی ایک مقدار آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کی۔

بخاری، مسلم اور احمد نے اس سونے کے متعلق یہ الفاظ لکھے:

فی ادیم مقروظ لم تحصل من ترابھا.

''حضرت علیؑ نے ایک دباغت شدہ کھال میں ایسا سونا روانہ کیا جس کی مٹی اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔''

اس کے علاوہ ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول خدا نے حضرت علی کو یمن کا قاضی مقرر کیا۔ جیسا کہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد کے باب کیف القضاء؟ میں حضرت علی کی زبانی یہ الفاظ منقول ہیں:

مجھے رسول خدا نے یمن کی طرف قاضی بنا کر روانہ کیا تو میں نے کہا:

''آپ مجھے ایک ایسی قوم کے پاس روانہ کر رہے ہیں جن میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں اور مجھے فیصلہ کرنے کا علم نہیں ہے''

رسول خدا نے مجھ سے فرمایا تھا:

''ان اللہ سیھدی قلبک ویثبت لسانک''

''یقیناً اللہ تیرے دل کو ہدایت دے گا اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا۔''

احمد لکھتے ہیں:

رسول خدا نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھا اور فرمایا:

خدا تجھے قائم اور مضبوط رکھے گا اور تجھے لغزش سے محفوظ رکھے گا۔ اور آپؐ نے مزید فرمایا: جب دو شخص فیصلے کے لیے تیرے پاس آئیں تو ایک شخص کا بیان سن کر کبھی فیصلہ نہ کرنا۔ دوسرے فریق کا بیان بھی ضرور سننا۔ اس سے تجھے فیصلہ کرنے میں آسانی رہے گی۔

حضرت علی کا بیان ہے کہ اس کے بعد مجھے کبھی بھی فیصلہ کرنے میں شک نہیں ہوا۔ (۱)

---

(۱) سنن ابی داؤد ۳/۳۰۱ حدیث ۳۵۸۲۔ ابن ماجہ کتاب الاحکام حدیث ۲۳۱۰ مسند احمد ۱/۱۳۹۔۱۱۱۔ حدیث ۸۸۲، ص ۸۳ حدیث ۱۳۶۔ ص ۸۸۔ حدیث ۶۶۶

جب آپ قاضی بن کر یمن تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں بعض محیر العقول قسم کے فیصلے صادر کیے' جنہیں علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا۔

حضرت کے دو فیصلے

- یمن کے تین افراد نے اسلام سے قبل ایک عورت سے ایک ہی طہر میں زنا کیا جس سے وہ۔
- عبدالمطلب کو ایک خزانہ ملا تھا انہوں نے اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر خدا کی راہ میں صدقہ کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اس قانون کو بھی اسلام میں باقی رکھا اور فرمایا۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی ....

جان لو کہ تمہیں جو بھی غنیمت (منفعت) حاصل ہو اس میں پانچواں حصہ اللہ' رسول اور رسول کے رشتہ داروں کا ہے.................. الحدیث

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت خمس جنگی غنائم کے علاوہ دیگر منافع پر بھی مشتمل ہے۔ اور اس سے قبل ہم پیغمبر اکرم کی سنت بھی بیان کر چکے ہیں خمس کے متعلق کتب اہل بیت سے وابستہ علماء کے دلائل کا ہم نے یہاں تک خلاصہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد آپ متعہ الحج اور متعہ النساء کے متعلق حضرت عمر کے اجتہاد پر بحث ملاحظہ فرمائیں گے۔ (اطفال تحقیق غفاری ص ۳۱۲)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اس سفر کے دوران بڑے عجیب و غریب فیصلے کیے جو کہ آج تک کتب تاریخ میں محفوظ ہیں اور حسب ذیل ان دو فیصلوں کو تاریخ نے آج تک اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہے۔

۱۔ اسلام سے قبل تین افراد نے ایک عورت سے زنا کیا جس سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ اسی اثناء میں اسلام کی روشنی پھیلی اور حضرت علی علیہ السلام یمن کے قاضی بن کر وہاں تشریف لے گئے۔ اس ایک بچے پر تینوں افراد نے اپنا اپنا دعویٰ کیا اور ہر ایک یہ کہتا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے لہٰذا یہ میرے سپرد کیا جائے۔

آخر کار وہ تینوں افراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ نے دو سے فرمایا کہ تم یہ لڑکا اس تیسرے شخص کو دے دو۔

انہوں نے کہا کہ ہم اس پر راضی نہیں۔ الغرض آپ نے ایک ایک دعویدار سے فرمایا کہ تم اس سے دست بردار ہو جاؤ۔ لیکن تینوں اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور ان میں سے کوئی بھی دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ تم جھگڑالو شریک ہو۔

پھر آپ نے فرمایا: اگر تم دست بردار ہونے پر راضی نہیں ہو تو میں قرعہ ڈالتا ہوں۔ جس کے نام قرعہ نکلے گا یہ لڑکا اس کے سپرد کر دوں گا البتہ اسے دیت کا دو تہائی حصہ دوسرے شرکاء کو دینا ہوگا۔

چنانچہ آپ نے قرعہ ڈالا تو ایک شخص کے نام قرعہ نکلا۔ آپ نے وہ لڑکا اس کے سپرد کر دیا اور اس سے دو تہائی ۲/۳ دیت وصول کی اور اسے دوسرے دو دعویٰ داروں میں برابر تقسیم کر دیا۔ حضرت کے اس فیصلہ کے بعد یمن کا ایک شخص مدینہ گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آنحضرت کے سامنے حضرت علیؑ کا یہ فیصلہ بیان کیا تو خوشی کی وجہ سے نبی اکرمؐ اتنا ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام حدیث ۲۳۴۸۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۸۱ باب من قال بالقرعۃ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ ص ۱۰۷)

۲- آپ کے اس فیصلہ کا ماحصل یہ ہے:

کچھ لوگوں نے شیر کو پھانسنے کے لیے ایک گڑھا کھودا جس پر انہوں نے گھاس پھونس ڈال دی۔ اتفاق سے شیر کا وہاں سے گذر ہوا تو وہ اس گڑھے میں گر گیا۔ شیر کو دیکھنے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ ایک شخص نے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہو کر شیر کو دیکھا تو اس کا پاؤں پھسلا وہ گڑھے میں گرا۔ مگر اس نے گرتے گرتے دوسرے شخص کی ٹانگ کو پکڑا اور دوسرا شخص بھی اس کے ساتھ گڑھے میں جانے لگا۔ دوسرے نے بھی گرتے وقت ایک اور شخص کی ٹانگ پکڑی تو تیسرا بھی اس گڑھے میں گرا مگر اس نے بھی مجمع میں سے ایک اور شخص کی ٹانگ پکڑی جس سے چوتھا شخص بھی گڑھے میں جا گرا۔ جیسے ہی یہ چار اشخاص گڑھے میں گرے تو شیر نے ان چاروں کو پھاڑ کھایا اور ان کا تیا پانچہ کر دیا۔ پھر ایک دلیر شخص نیزہ لے کر کنوئیں میں اترا اور اس نے نیزے کے مسلسل وار کر کے شیر کو مار ڈالا۔

اس وقوعہ کے بعد مقتولین کے ورثاء نے ایک دوسرے سے خون بہا کا مطالبہ کیا۔ دوسرے مقتول کے وارثوں نے پہلے گرنے والے شخص کے ورثاء سے کہا کہ اگر تمہارا رشتہ دار ہمارے رشتہ دار کو نہ پکڑتا تو وہ شیر کے ہاتھوں قتل نہ ہوتا۔ تیسرے مقتول کے وارثوں نے یہی مطالبہ دوسرے مقتول کے وارثوں سے کیا کہ اگر تمہارا رشتہ دار ہمارے رشتہ دار کو تو نہ پکڑتا تو وہ شیر کا نوالہ نہ بنتا لہٰذا ہمارے رشتہ کا اصل قاتل تمہارا مقتول رشتہ دار ہے۔ اس کے لیے ہمیں خون بہا ادا کرو۔ چوتھے مقتول کے وارث بھلا پیچھے رہنے والے کہاں تھے۔ انہوں نے یہی مطالبہ تیسرے مقتول کے رشتہ داروں سے کیا کہ تمہارے آدمی نے گرتے وقت ہمارے رشتہ کو پکڑا تھا جس کی وجہ سے وہ شیر کا لقمہ بنا۔ لہٰذا ہمارے رشتہ دار کا قاتل تمہارا رشتہ دار ہے۔ اگر تم لوگ اپنی سلامتی

چاہتے ہو تو ہمیں ہمارے رشتہ دار کا خون بہا ادا کرو۔ الغرض اسی تنازعہ نے کافی شدت اختیار کی اور ہر طرف سے تلواریں نکل آئیں۔ حضرت علی علیہ السلام کو اس تنازعہ کا پتہ چلا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا:

تمہیں حیا نہیں آتی رسول خداؐ کی زندگی میں ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہو؟ کیا تم چار افراد کی وجہ سے دوسو انسانوں کو قتل کرنے کے خواہش مند ہو؟

میں تمہارے درمیان فیصلہ کر رہا ہوں اگر تمہیں میرا فیصلہ قبول ہو تو بہتر ورنہ رسول خداؐ سے اس قضیہ کا فیصلہ کرا لینا۔

چنانچہ نیاموں سے نکلی ہوئی تلواریں دوبارہ نیاموں میں چلی گئیں۔ آپ نے فرمایا کہ جن قبائل نے یہ گڑھا کھودا تھا ان سے دیت کا چوتھا حصہ ۱/۴ اور تیسرا حصہ ۱/۳ اور نصف دیت ۱/۲ اور مکمل دیت جمع کی جائے۔

جو شخص پہلے گرا تھا اس کے وارثوں کو دیت کا چوتھا حصہ ۱/۴ دیا جائے دوسرے مرنے والے کے ورثاء کو دیت کا تیسرا حصہ ۱/۳ دیا جائے اور تیسرے مرنے والے کو دیت کا نصف حصہ ۱/۲ دیا جائے اور چوتھے مقتول کے وارثوں کو مکمل دیت ادا کی جائے۔

مقتولین کے ورثاء نے حضرت کے اس فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہیں میرا یہ فیصلہ قبول نہیں ہے تو تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے جا کر فیصلہ لو۔

چنانچہ کچھ افراد رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ صحن کعبہ میں مقام ابراہیم کے پاس تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے سامنے سارا قضیہ پیش کیا۔

آپ نے پورا واقعہ سن کر فرمایا: میں تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: آپ کے بھائی حضرت علیؑ نے اس کا اس طرح سے فیصلہ کیا ہے مگر ہم ان کے فیصلے پر مطمئن نہیں ہوئے اور آپ کے پاس فیصلہ کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کے فیصلہ کو بحال رکھا اور فرمایا: اس کا فیصلہ میرا فیصلہ ہے۔

(مسند احمد جلد ۱ ص ۷۷ حدیث ۵۷۳ '۵۷۴۔ ص ۲۸ حدیث ۱۰۶۳۔ ص ۱۵۲ حدیث ۱۳۰۹۔ مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۲۸۷۔ المغنی حدیث ۳۹۹۴)

رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ میں حضرت علیؑ تین مرتبہ یمن تشریف لے گئے تھے لیکن محدثین نے تمام واقعات کو خلط ملط کر دیا۔ اسی لیے بعض حضرات نے لکھا کہ حضرت علی ایک مرتبہ یمن گئے تھے اور بعض حضرات نے کہا کہ نہیں آپ دو مرتبہ یمن تشریف لے گئے تھے۔ اور یوں محدثین نے آپ کے تین بار سفر کے معاملہ کو چیستان بنا دیا۔ جب کہ روایات کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تین مرتبہ یمن تشریف لے گئے تھے۔ پہلے سفر میں آپ نے بنی مذحج سے جنگ کی۔ دوسرے سفر میں قبیلہ ہمدان سے معمولی سی جنگ ہوئی جس کے بعد پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ اور تیسری بار آپ یمن کے والی' قاضی اور محصل خمس بن کر گئے تھے۔ اور ہمارے پاس ہمارے اس موقف کی دلیل یہ ہے:

۱۔ غزوہ مذحج کے متعلق مورخین نے یہ جملے لکھے ہیں:

"یہ یمن پر پہلی فوج کشی تھی۔"

۲۔ لڑائی غزوہ مذحج میں ہوئی تھی جب کہ ہمدان سے معمولی سی جھڑپ ہوئی

تھی اور اس کے بعد قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا تھا جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے:

"پورا قبیلہ ہمدان اسلام لے آیا۔"

مورخین نے اسی سلسلہ کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

"پھر اہل یمن نے دھڑا دھڑ اسلام قبول کیا۔"

پھر اس کے بعد یمن میں ہمیں لڑائی کا کہیں تذکرہ دکھائی نہیں دیتا۔ اور جب یمن میں اسلام پھیل گیا تو نبی اکرم نے محصلین زکوٰۃ و خمس کو بھیجا اور لوگوں کے تنازعات نمٹانے کے لیے قاضی روانہ کیے۔ چنانچہ اس بار حضرت علی علیہ السلام کو تیسری بار والی، قاضی اور محصل خمس بنا کر بھیجا گیا۔ اور اس بار آپ نے محیر العقول فیصلے کیے جن کی چہار دانگ میں دھوم مچ گئی اور اسی مرتبہ ہی آپ نے مٹی ملے ہوئے سونے کی ڈلیاں آنحضرت کی خدمت میں روانہ کی تھیں اور واضح سی بات ہے کہ وہ سونا کسی جنگ سے حاصل نہیں ہوا تھا کیونکہ اہل یمن اس سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے اور ویسے بھی غنائم جنگ کا اس زمانہ میں اصول یہ تھا کہ مال غنیمت کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے تھے اور پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا جاتا تھا۔ جب کہ تاریخ میں یہ کہیں دکھائی نہیں دیتا کہ مال کے چار حصے لشکر میں تقسیم کیے گئے ہوں اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ اسلامی حکومت کے ہیڈ کوارٹر مدینہ منورہ بھیجا گیا ہو۔ اور اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ممکن ہے کہ حضرت علی نے سونے کی جو مقدار آنحضرت کے پاس بھیجی تھی اس کا تعلق صدقات سے تھا۔

اس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ ایسا سمجھنا صرف مفروضہ ہی ہوگا کیونکہ ائمہ اہل بیت کی فقہ میں یہ مسئلہ واضح کیا گیا ہے کہ صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) صرف سکہ دار سونے اور چاندی میں واجب ہے سادہ سونے اور چاندی پر واجب نہیں ہے۔

جب کہ حضرت علی علیہ السلام نے جو سونا آنحضرت کی خدمت میں روانہ کیا تھا وہ سکہ دار نہیں تھا۔

علاوہ ازیں اس سونے کے متعلق یہ فرض کرلینا بھی کسی طور پر صحیح نہ ہوگا کہ اس کا تعلق اہل نجران کے جزیہ سے ہوگا۔ کیونکہ اہل نجران کے ساتھ آنحضرتؐ نے جو معاہدہ کیا تھا اس کے تحت وہ سالانہ دو ہزار پوشاکیں دینے کے پابند تھے جن میں سے ہر پوشاک کے متعلق یہ ضروری تھا کہ اس کی قیمت چالیس درہم سے کم نہ ہوگی۔

(امتاع الاسماع ص۵۰۲)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف حضرت علیؑ کو ہی محصل خمس بنا کر نہیں بھیجا تھا بلکہ آپ نے ابی اور عنبسہ کو بھی قبیلہ قضاعہ کی شاخوں "سعد ہذیم" اور "جذام" کی طرف محصل خمس بنا کر روانہ کیا تھا۔ ویسے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رسول خدا نے جتنے بھی افراد کو عاملین زکوٰۃ بنا کر بھیجا تھا انہیں زکوٰۃ کے ساتھ خمس وصول کرنے کا بھی حکم صادر کیا ہوگا۔ اور وہ صاحبانِ نصاب سے خمس وصول کر کے آنحضرت کی خدمت میں روانہ کرتے ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء نے اپنی گوناگوں مصلحتوں کے تحت خمس کو غیر ضروری قرار دیا تو کتب اسلامی سے خمس کا ذکر بھی حذف ہوگیا اور گوشہ گمنامی میں چلا گیا۔

علاوہ ازیں خمس کا مسلسل تذکرہ موجود نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عام عرب قبائل تھوڑے بہت مویشی پالا کرتے تھے اور کہیں کہیں زراعت بھی ہوتی تھی اور مویشی اور زراعت پر زکوٰۃ نافذ ہوتی تھی اس پر خمس عائد نہیں ہوتا تھا۔ اور اسلامی سلطنت کا ہیڈ کوارٹر مدینہ منورہ بھی ایک زرعی شہر تھا۔ اسی لیے انہیں خمس سے معاف رکھا

گیا۔ جب کہ دولت مند طبقہ تاجروں کا تھا اور اس وقت کی تجارت پر قریش مکہ اور یہود مدینہ چھائے ہوئے تھے اور دس سالہ مدنی دور میں مسلمانوں کی مشرکین و یہود اور ان کے حلیفوں سے کم و بیش اسی جنگیں ہوئیں اور اگر تناسب نکالا جائے تو پھر ہر سال میں آٹھ جنگیں بنتی ہیں۔ اور جس ماحول و معاشرہ کے اندر ایک سال میں آٹھ جنگیں برپا ہوں تو وہاں معاشی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور تجارتیں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں اور جہاں تجارت ہی ختم ہو جائے تو وہاں منافع بھی ختم ہو جاتا ہے جبکہ خمس کا تعلق منافع سے ہے۔ اسی لیے ہمیں دور پیغمبرؐ میں خمس کی وصول یابی کی روایات انتہائی کم دکھائی دیتی ہیں۔ البتہ خزانوں' معدنیات میں خمس کی روایات نسبتاً کچھ زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔

عاملین زکوٰۃ کے ساتھ عاملین خمس کا تذکرہ بھی زمانہ پیغمبر میں دکھائی ضرور دیتا ہے جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں معتبر کتابوں کے حوالوں سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں۔

زکوٰۃ بعد از وفاتِ پیغمبرؐ

ائمہ اہل بیت نے خمس سے محروم ہونے کے بعد بھی زکوٰۃ سے استفادہ کرنا کسی بھی دور میں قبول نہیں کیا تھا اور انہوں نے اپنی معاشی بدحالی کے باوجود ہر وقت یہی اعلان کیا کہ ہم پر صدقہ حرام ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا:

آپ خمس سے محروم ہو چکے ہیں تو کیا آپ کے لیے صدقہ (زکوٰۃ) حلال ہے آپ نے جواب میں فرمایا:

''اگرچہ ظالموں نے ہمارا حق غصب کر لیا ہے پھر بھی جس چیز کو خدا نے

ہمارے لیے حرام کیا ہے وہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے اور ان کی طرف سے ہم کو حلال کردہ چیز سے محروم رکھنے کے باوجود ہم پر وہ چیز حلال نہیں ہو جاتی جو اللہ نے ہم پر حرام کی ہے۔"

خلفاء نے رسول خداؐ کے حسب ذیل ترکہ پر قبضہ کیا تھا۔

- حوائط سبعہ۔ (مخیریق کے وصیت کردہ سات باغات)
- بنی نضیر کے مال میں سے آنحضرت کو ملنے والی زمین
- خیبر کے تین قلعے۔
- سرزمین وادی القریٰ کا ایک تہائی حصہ
- مہزور۔ (مدینہ کا ایک بازار)
- فدک۔

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ رسول مقبولؐ نے نومسلم مخیریق کے وصیت کردہ سات باغوں میں سے چھ باغ وقف کر دیے تھے چنانچہ ان چھ باغات کو "صدقہ رسول" کہا جاتا تھا۔

بنی نضیر کی اراضی میں سے رسول خداؐ نے حضرت ابوبکر، عبدالرحمٰن بن عوف، ابودجانہ کو بھی کچھ زمینیں ہبہ کی تھیں۔ خیبر کے قلعوں میں سے آپ نے اپنی ازواج کو بھی کچھ حصہ دیا تھا۔ آپ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کو فدک ہبہ کیا تھا اور آپ نے حمزہ بن نعمان عذری کو بھی وادی القریٰ میں ایک تیر کی مسافت کے برابر زمین عطا کی تھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات شیخین حضرت علیؑ کے پاس گئے اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے کہا:

رسول خدا کے ترکہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت علی: تمام لوگوں کی بہ نسبت ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔

حضرت عمر: جو رسول خدا کا ترکہ خیبر میں ہے اس کے بھی؟

حضرت علی: جی ہاں۔ خیبر کے ترکہ کے بھی ہم زیادہ حقدار ہیں۔

حضرت عمر: اور وہ جو فدک میں ہے اس کے بھی؟

حضرت علی: جی ہاں۔ جو فدک میں ہے اس کے بھی ہم حقدار ہیں۔

حضرت عمر: جب تک آپ آری سے ہماری گردنوں کو چیر نہ دیں اس وقت تک ہم یہ ترکہ آپ کے حوالے نہیں کریں گے۔"

حضرت ابوبکر نے حضرت علی کو رسول خدا کی سواری کا جانور اور ان کی نعلین سپرد کی۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اس کے علاوہ رسول خداؐ کا باقی ترکہ صدقہ ہے۔

پھر انہوں نے رسول خدا کے سارے ترکہ پر قبضہ کرلیا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ سارا قبضہ اس ترکہ پر کیا گیا جو رسول خدا نے اہل بیت کو ہبہ کیا تھا۔ اہل بیت کے علاوہ رسول خدا نے باقی لوگوں کو جو جاگیریں ہبہ کی تھیں انہیں کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا۔

دختر پیغمبر حضرت فاطمہ زہراؑ سلام اللہ علیہا نے ارباب اقتدار سے تین چیزوں کا مطالبہ کیا تھا:

الف: فدک۔ حضرت سیدہ نے فدک کا مطالبہ ہبہ کی بنیاد پر کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بی بی سے ہبہ کے گواہ طلب کئے تو بی بی نے اپنی گواہی کے لیے ایک مرد اور ایک عورت کو پیش کیا جسے حضرت ابوبکر نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ نصاب شہادت نامکمل ہے۔ ہاں اگر دو مرد ہوتے یا پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیتیں تو پھر بات اور تھی۔"

ب: میراث پیغمبر: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دس دن بعد حضرت سیدہ' حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لے گئیں ان کے ساتھ حضرت علی اور عباس بھی تھے۔

بی بی نے فرمایا: مجھے میرے والد رسول خداؐ کی میراث دو۔

حضرت ابوبکر نے کہا: کیا میراث کے تحت دوں یا کسی وصیت کے تحت دوں؟

بی بی نے فرمایا: فدک' خیبر اور صدقہ مدینہ کی تو میں ویسے ہی وارث ہوں جیسا کہ تیری بیٹیاں تیری جائیداد کی وارث ہوں گی۔

حضرت ابوبکر نے کہا: آپ کے والد مجھ سے افضل تھے اور آپ میری بیٹیوں سے افضل ہیں۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ حضرت سیدہ نے فرمایا تھا:

جب تو مرے گا تو تیری میراث کون حاصل کرے گا؟

حضرت ابوبکر نے کہا:

''میری اولاد اور میرا خاندان میری میراث پائے گا۔''

حضرت سیدہ نے فرمایا:

ہماری موجودگی میں تم رسول خداؐ کے وارث کیسے بن گئے ہو؟''

حضرت ابوبکر نے کہا:

''بنت پیغمبر! میں نے ایسا نہیں کیا میں نے آپ کے والد کی کسی زمین اور سونا چاندی اور غلام وکنیز کو اپنی وراثت میں نہیں لیا۔''

حضرت سیدہ نے فرمایا:

"ہمارے حصہ خیبر اور ہمارے فدک کے متعلق کیا کہتے ہو؟"

حضرت ابوبکر نے کہا:

"میں نے رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا:

ہم گروہ انبیاء کی میراث جاری نہیں ہوتی۔ جو ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ البتہ آل محمد اس میں سے کھانا کھا سکتے ہیں وہ کھانے سے زیادہ اس سے کچھ نہیں لے سکتے۔ نبی اکرم اس ترکہ سے جس کی کفالت کرتے تھے میں بھی اسی ترکہ سے اس کی کفالت کروں گا۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا:

اگر انبیاء کا کوئی وارث ہی نہیں ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ کیوں فرمایا: "وورث سلیمان داؤد" (سلیمانؑ داؤد کے وارث بنے) اور پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ کیوں فرمایا تھا:

"یرثنی ویرث بن آل یعقوب" (خدایا مجھے بیٹا دے جو میری میراث پائے اور آل یعقوب کی جو میراث مجھ تک آئی ہے وہ اسے پائے؟)

حضرت ابوبکر نے کہا:

معاملہ ایسا ہی ہے۔ خدا کی قسم اس بات کو تم بھی اچھی طرح سے جانتے ہو جسے میں جانتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

تم اللہ کی کتاب کے فیصلہ کے مطابق عمل کیوں نہیں کرتے۔ یہ سن کر انہوں نے خاموشی اختیار کی اور آل محمد واپس چلے گئے۔

ج۔ ذی القربیٰ کا حصہ

حضرت ابوبکر نے برسر اقتدار آتے ہی حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور بنی ہاشم کو خمس کے ذی القربیٰ والے حصہ سے محروم کر دیا اور اس حصہ سے اسلحہ اور فوج کے گھوڑوں کی خریداری شروع کر دی جب حضرت فاطمہ نے یہ محسوس کیا کہ انہیں ان کے قرآنی حق سے محروم کیا جا رہا ہے تو آپ حضرت ابوبکر کے پاس گئیں اور ان سے فرمایا: ''تم نے ہم اہل بیت کو صدقات سے محروم کر کے ظلم کیا۔ تم نے ہمارے مقرر کردہ ذی القربیٰ کے حصہ کو ہم سے روک کر ہم پر زیادتی کی۔''

پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی

''جان لو کہ تمہیں جو بھی غنیمت ملے اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور رسول کے رشتہ داروں کا ہے۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ حضرت سیدہ نے فرمایا:

''اللہ نے آسمان سے ہمارے لیے جو حق مقرر کیا تھا تم نے اس حق کو ہم سے ہٹا دیا۔''

حضرت ابوبکر نے کہا:

''میرے ماں باپ آپ اور آپ کے شوہر پر قربان۔ کتاب اللہ اور حق رسول اور حق دختر رسول کے لیے میں سمع و اطاعت سے کام لوں گا۔ میں بھی وہی قرآن پڑھتا ہوں جو آپ پڑھ رہی ہیں لیکن مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ ''ذی القربیٰ'' کا پورا حصہ آپ کو دیا جائے گا!!''

حضرت سیدہ نے فرمایا:

"تو کیا وہ حصہ تمہیں اور تمہارے رشتہ داروں کو ملے گا؟"

حضرت ابوبکر نے کہا: نہیں۔ میں اس کا باقی حصہ مصالح مسلمین پر خرچ کروں گا۔

حضرت سیدہ نے فرمایا: حکم خداوندی یہ نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ حضرت ابوبکر نے کہا:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا:

اللہ تعالیٰ نبی کو ایک لقمہ کھلاتا ہے جب تک وہ زندہ ہوتا ہے اور جب اس کی وفات ہو جائے تو اس لقمہ کو ختم کر دیا جاتا ہے۔"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

میں نے رسول خدا سے سنا تھا وہ فرماتے تھے:

"ذی القربیٰ" کا حصہ میری زندگی میں انہیں ملے گا اور میری موت کے بعد ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔"

یہ سن کر حضرت زہراؑ غضب ناک ہوئیں اور فرمایا:

"تو نے جو کچھ رسول خداؐ سے سنا اس کے متعلق تمہیں زیادہ علم ہے میں اس نشست کے بعد تجھ سے پھر اپنے حق کا مطالبہ نہیں کروں گی اور خدا کی قسم! میں تم دونوں سے کبھی بھی کلام نہیں کروں گی۔"

چنانچہ اس کے بعد حضرت زہراؑ نے مرتے دم تک ان سے کلام نہ کی۔

جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنی حق کے لیے قرآنی آیات پیش کیں اور اپنے گواہ پیش کئے اور اس کے باوجود ارباب اقتدار نے انہیں ان کے حق سے محروم رکھا تو بی بی نے اپنا مقدمہ مسلمانوں کی عدالت میں پیش کرنے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں سے اپنی مدد طلب کرنے کی ٹھانی۔ چنانچہ بی بی اپنے حق کے واضح مطالبہ اور مسلمانوں کو اپنی نصرت پر آمادہ کرنے کے لیے گھر سے مسجد کی طرف روانہ ہوئیں۔ آپ کے لیے مسجد میں ایک پردہ لٹکا دیا گیا۔ آپ رسول خداؐ کے انداز میں چلتی ہوئیں مسجد میں تشریف لائیں۔ آپ کے ساتھ بنی ہاشم کی مستورات بھی تھیں۔ اس وقت مسجد میں حضرت ابوبکر کے علاوہ بہت سے مہاجرین و انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے وہاں ایک عظیم الشان خطبہ دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اپنے والد گرامی پر درود بھیجا اور ان کی زحمات کا دل کھول کر تذکرہ کیا اور اپنے شوہر کی قربانیوں کو بیان کیا اور اسلامی احکام کے علل و اسباب پر بحث فرمائی۔ پھر آپ نے اپنے حق کا مطالبہ کیا اور فرمایا:

ایھا الناس انا فاطمة وابی محمد صلی اللہ علیه وآله وسلم اقولھا عودا علی بدء (لقد جاءکم رسول من انفسکم......)

''لوگو! میں فاطمہ ہوں اور میرے والد محمد مصطفیؐ ہیں اور میں اس بات کو بار بار کہتی ہوں (بے شک تمہارے پاس تم میں سے رسول آیا جسے تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گذرتا ہے اور وہ تمہاری بھلائی کے لیے حرص رکھتا ہے اور اہل ایمان پر شفیق اور مہربان ہے۔)

پھر آپ نے خطبہ جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

افعلی عمد ترکتم کتاب الله و نبذتموه وراء ظهورکم اذ یقول الله (وورث سلیمان داؤد) وقال تعالی فی ماقص من خبر یحییٰ بن زکریا (رب هب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب) وقال عز ذکره (واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله) وقال (ان ترک خیران الوصیة للوالدین والقربین بالمعروف حقا علی المتقین) وزعمتم ان لاحق ولا ارث لی من ابی ولارحم بیننا افخصکم الله بایة اخرج بنیه منها ام تقولون اهل ملتین لایتوارثان؟ اولست انا وابی من اهل ملة واحدة؟ لعلکم اعلم بخصوص القران وعمومه من البنی افحکم الجاهلیة تبعون؟

"کیا تم لوگوں نے جان بوجھ کر اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا اور اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے؟

جبکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: (سلیمانؑ داؤد کا وارث بنا) اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ زکریا نے دعا کی (پروردگارا! مجھے اپنی طرف سے وارث عطا فرما جو میری میراث پائے اور آل یعقوب کی کچھ میراث پائے)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اللہ کی کتاب میں رشتہ دار ہی ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اگر مرنے والا کچھ مال چھوڑ کر مر رہا ہو تو اسے والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنی چاہیے یہ متقین کے لیے ضروری ہے)۔

تم لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ میرے والد سے میرا کوئی حق اور کوئی میراث نہیں ہے اور میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے تو کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں کسی آیت سے مخصوص کیا ہے، جس سے میرے والد کو مستثنیٰ کیا ہے؟

یا پھر تمہارا خیال ہے کہ علیحدہ ملت رکھنے والے افراد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے؟ تو خدارا بتاؤ کیا میرا اور میرے والد کا تعلق ایک ہی ملت سے نہیں؟

شاید تم لوگ قرآن کے خاص و عام کو نبی اکرمؐ سے بھی زیادہ جانتے ہو؟ کیا تم لوگ زمانہ جاہلیت کے فیصلوں کے خواہش مند ہو؟"

الغرض خطبہ دینے کے بعد آپ اپنے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت ابوبکر سے تعلقات منقطع کر دیے اور اپنی وفات تک آپ نے ان سے گفتگو تک نہ کی۔

آپ پیغمبر کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں۔ جب ان کی وفات ہوئی تو آپ کے شوہر حضرت علی نے آپ کو رات کے وقت دفن کیا اور حضرت ابوبکر کو جنازہ کی اطلاع تک نہ دی۔

حضرت ابوبکر نے اپنی ہی بیان کردہ حدیث کے تحت اجتہاد کیا اور اس اجتہاد کے نتیجہ میں دختر پیغمبر کو اپنی کی میراث سے محروم کر دیا۔

انہوں نے مزید اجتہاد کیا تو رسول خدا کے "ذوی القربیٰ" کو خمس سے محروم کر دیا۔

اور یوں ان کا عہد حکومت تمام ہوا۔

حضرت عمر کے عہد میں

ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا:

میرے ماں باپ آپ پر قربان' تمہارے خمس کے متعلق ابوبکر و عمر نے کیا رائے قائم کی تھی؟

حضرت علی نے جواب میں فرمایا:

ایک مرتبہ حضرت عمر نے کہا تھا:

"تمہارا حق مسلم ہے لیکن مجھے یہ علم نہیں ہے کہ جب خمس زیادہ مقدار میں ہو تو کیا وہ سب کا سب تمہیں دیا جائے یا نہیں؟!! ہاں اگر تم خمس میں سے کچھ لینا چاہو تو میں اپنی صوابدید کے تحت تمہیں کچھ نہ کچھ خمس دینے پر آمادہ ہوں۔"

ہم نے کچھ حصہ لینے سے انکار کر دیا اور ہم نے کہا اگر ہمارا حق دینا ہے تو پھر پورا دو۔ انہوں نے پورا حق دینے سے انکار کر دیا تھا۔"

اصل بات یہ ہے کہ جب فتوحات کی وجہ سے مدینہ منورہ پر ہن برسنے لگا تو اس دور میں حضرت عمر نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ حضرت علی اور حضرت عباس کو نبی اکرمؐ کی مدنی جاگیر میں سے کچھ حصہ دے دیں۔

الغرض حضرت عمر نے اجتہاد کیا اور انہوں نے بھی اپنے پیش رو کی طرح سے آل محمد کو خمس کے حصہ سے محروم رکھا۔

انہوں نے اجتہاد کیا تو تمام ترکہ پیغمبر کو حکومتی تحویل میں رہنے دیا۔ اور جب دولت کی فراوانی ہوگئی تو اس وقت ان کے اجتہاد میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی اور اس نے

تمام حقوق سے محروم اہل بیت کو تھوڑا سا حصہ دے کر راضی کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے تھوڑا حصہ دینا گوارا نہ کیا۔

اور یوں ان کا عہد حکومت تمام ہوا۔

حضرت عثمان کے عہد میں

حضرت عثمان نے افریقہ کی پہلی جنگ کا خمس اپنے رضاعی اور خالہ زاد بھائی عبداللہ بن ابی سرح کے سپرد کیا۔ اور دوسری جنگ افریقہ کا مکمل خمس اپنے چچا زاد بھائی اور اپنے داماد مروان بن الحکم کے حوالے کیا اور انہوں نے ''خسروانہ فیاضی'' سے کام لیتے ہوئے فدک کی تمام جاگیر بھی مروان کو بخش دی تھی۔

دوسرے ابن عم اور داماد حارث کو مدینہ کا بازار مہروز الاٹ کر دیا۔ جب کہ رسول خداؐ نے اس بازار کی کمائی کو مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا۔

حضرت عثمان نے اپنے چچا ''حکم کو قبیلہ قضاعہ کے صدقات عنایت فرمائے۔

بازار مسلمین کے صدقات کے انچارج کے پاس آپ شام کے وقت بنفس نفیس تشریف لے گئے اور اس سے کہا:

''یہ تمام رقم ''حکم'' کے حوال کر دو۔''

بیہقی نے حضرت عثمان کی اقربا پروری کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حضرت عثمان نے نبی اکرم کی اس حدیث کے تحت اجتہاد کیا تھا جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا: جب اللہ نبی کو ایک لقمہ کھلاتا ہے تو نبی کے بعد وہی لقمہ اس کے جانشین کی ملکیت بن جاتا ہے۔''

چونکہ حضرت عثمان خود بڑے دولت مند تھے انہیں تو اس کمائی کی ضرورت ہی

نہیں تھی اسی لیے انہوں نے وہ تمام کمائی اپنے رشتہ داروں میں بانٹ کر صلہ رحمی کا حق ادا کیا۔"

حضرت عثمان نے اجتہاد کیا اور رسول خدا کا تمام ترکہ اور ان کے اوقاف اپنے رشتہ داروں کے سپرد کر دیے۔

انہوں نے مزید اجتہاد کیا تو افریقہ کا پورا خمس اپنے ان رشتہ داروں کو عطا کیا جن کی پوری زندگی اسلام کی مخالفت میں گذری تھی۔

پھر وہ اجتہاد کرتے گئے۔ اجتہاد کرتے گئے' اجتہاد کرتے گئے۔ کیا کہنے ایسے اجتہاد کے جس کے دروازے اتنے وسیع ہیں!!

حضرت علیؑ کے عہد میں

حضرت علی خلیفہ بنے تو ان کے لیے بنی امیہ نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ وہ سنت شیخین کو تبدیل کرنے کی پوزیشن ہی میں نہ رہے اور اپنے خاندان کو ان کا حق دلانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

عہد معاویہ میں

معاویہ بن ابی سفیان برسر اقتدار آیا تو اس نے سابقہ خلفاء کی پالیسیوں کو جاری وساری رکھا اور اس نے مزید اجتہاد یہ کیا کہ فتوحات کے مال غنیمت کے متعلق اس نے اپنے سالاروں کو لکھا کہ مال غنیمت میں ہاتھ آنے والی چاندی و سونا مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے اور سیدھا میرے پاس روانہ کیا جائے۔

عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں

عمر بن عبدالعزیز نے نص شرعی پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ چنانچہ اس نے خمس میں ذوی القربیٰ کو حصہ دار بنایا اور اس نے فدک واپس کیا۔ اسی لیے بنی امیہ نے اس کو خاموشی سے ٹھکانے لگا دیا۔

عمر بن عبدالعزیز کے بعد

عمر بن عبدالعزیز کی موت کے بعد یزید بن عبدالملک نے اجتہاد کیا اور اجتہاد کے نتیجہ میں بنی فاطمہ سے فدک چھین کر آل مروان کے سپرد کیا اور جب اموی حکومت ختم ہوئی تو سفاح نے فدک اولاد فاطمہ کے سپرد کیا۔ پھر منصور نے اجتہاد کیا تو اس نے فدک ان سے چھین لیا۔ پھر مہدی عباسی نے فدک واپس کیا۔ اس کے بعد موسیٰ بن مہدی نے اجتہاد کیا اور اولاد فاطمہ سے فدک چھین لیا۔

پھر مامون الرشید نے فدک واپس کیا۔ اور جب مامون کے کچھ عرصہ بعد متوکل خلیفہ بنا تو اس نے بھی اجتہاد کیا اور فدک چھین کر اپنے ایک مصاحب ''عبداللہ بازیار'' کے حوالے کیا۔ اس بدبخت نے رسول خدا کے ہاتھ کی لگی ہوئی گیارہ کھجوروں کو کٹوا دیا۔

اس کے بعد صفحات تاریخ میں فدک کا کہیں نام و نشان دکھائی نہیں دیتا قارئین کرام! یہاں تک آپ نے خمس اور ترکہ رسول کے متعلق خلفاء کے ''اجتہادات'' ملاحظہ فرمائے۔ اس کے بعد ہم خلفاء کے اجتہادات کے موارد کا جائزہ پیش کرتے ہیں کہ ان کے وکلائے صفائی علماء نے اس کے متعلق اپنی کیا آراء پیش کی ہیں۔

علماء کی نظر میں خمس کا مصرف

خمس کے متعلق جس طرح سے خلفاء کے نظریات میں تبدیلی آتی رہی اسی طرح سے ان کے پروردہ علماء کی آراء میں بھی تبدیلیاں جنم لیتی رہی ہیں۔

چنانچہ کچھ علماء کا نظریہ یہ ہے کہ خمس میں رسول کے جس حصہ کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ رسول کی وفات کے بعد وہ حصہ خلیفہ کا ہے اور قرآن مجید میں رسول کے رشتہ داروں کا جو حصہ بیان کیا گیا ہے وہ حصہ خلیفہ کے رشتہ داروں کے لیے مخصوص ہے۔

کچھ علماء نے لکھا کہ رسول اور ذی القربیٰ کے حصے سے ہتھیار خریدے جائیں اور اس سے مملکت کی دفاعی قوت میں اضافہ کیا جائے۔

کچھ دیگر علماء نے یہ موقف اختیار کیا کہ خمس کا مصرف خلیفہ کی صوابدید پر منحصر ہے۔

حضرت عمر کے کچھ وکلاء نے خمس روکنے کے متعلق یہ توجیہ پیش کی:

"اس کا تعلق باب اجتہاد سے ہے۔ حضرت عمر کا فیصلہ اجتہاد پر مبنی ہے اور جو بھی اس پر اعتراض کرتا ہے وہ درحقیقت پورے نظام اجتہاد پر اعتراض کرتا ہے جب کہ اجتہاد صحابہ کی راہ ہے۔"

اور جب ایک نقاد نے یہ لکھا کہ حضرت عمر نے ازواج پیغمبر کو وظیفے جاری کیے اور اس کے برعکس انہوں نے حضرت فاطمہ اور اہل بیت کو خمس سے محروم کر دیا۔ ان کا یہ عمل اسوۂ پیغمبر کے منافی تھا۔

اس کے جواب میں حضرت عمر کے ایک وکیل صفائی نے لکھا:

"حضرت عمر نے رسول خداؐ کی روش سے ہٹ کر کوئی جرم نہیں کیا تھا اور انہوں نے پیغمبر اسلام کی روش سے اختلاف ضرور کیا اور

اس اختلاف کی وہی نوعیت ہے جو ایک مجتہد کی دوسرے مجتہد کی رائے سے اختلاف کی ہوا کرتی ہے۔"

ہمیں اس بحث کے دوران یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ ساری گفتگو خمس غنائم کے متعلق ہے جس کی فرضیت پر مکتب خلفاء کے علماء کا اتفاق ہے اور جس کے مصارف بھی قرآن مجید میں اللہ نے بیان کئے ہیں:

خلفاء کی نظر میں خمس کا مصرف

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اجتہاد کیا تو انہوں نے اپنے اجتہاد کے نتیجہ میں دختر پیغمبر اور آنحضرت کے دوسرے تمام خونی رشتہ داروں کو خمس کے حصے سے محروم کر دیا۔

حضرت عثمان نے اجتہاد کیا تو انہوں نے خمس اور ترکہ پیغمبر اپنے رشتہ داروں میں بانٹنا شروع کر دیا اور یوں انہوں نے صلہ رحمی کے تقاضوں پر عمل کیا۔ اس کے بعد معاویہ نے اجتہاد کیا تو اس نے "گہرے اجتہاد" کے بعد یہ حکم دیا کہ غنائم جنگ میں حاصل ہونے والی چاندی اور سونے کو فوج میں تقسیم نہ کیا جائے اور اسے براہ راست اس کے پاس بھیجا جائے اور اس کے خصوصی خزانے میں جمع کیا جائے۔

اس کے بعد اموی اور عباسی خلفاء بھی اجتہاد کے ماہر تھے۔ انہوں نے بھی اجتہاد کر کے خمس سے اپنے ذاتی خزانے اور تجوریاں بھرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور پھر اسی خمس کی دولت کو دل کھول کر شعراء اور رقاصاؤں پر خرچ کیا۔

علماء بے چارے جنہوں نے اپنے ذمہ یہ فریضہ لگا لیا تھا کہ خلفاء کے تمام افعال کو جائز اور حلال قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کو یہ باور کراتا ہے کہ خلیفہ کا ہر قول فعل اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور جو بھی ان پر تنقید کرتا ہے وہ گردن

زدنی ہے اور وہ کتاب وسنت کا دشمن اور جماعت میں انتشار پیدا کرنے والا ہے۔

چنانچہ سلاطین و حکام کے زر خرید ایسے ہی نام نہاد علماء نے خلفاء کی غلطیوں کو چھپانے کے لیے کچھ اس طرح کے الفاظ لکھنے شروع کر دیے۔

"اس مسئلہ میں خلیفہ نے اجتہاد کیا' یہ مسئلہ اجتہادی ہے' اس مسئلہ کے متعلق خدا و رسول کا حکم یہ ہے اور خلفاء کا اجتہاد یہ ہے وغیرہ وغیرہ۔"

اور پھر ان درباری ملاؤں نے ہر دور میں مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ خلفاء کے قول وفعل پر تنقید کرنے والا جماعت سے خارج اور واجب القتل ہے اور جس طرح سے قرآن وسنت احکام اسلام کا سرچشمہ ہے اسی طرح سے خلفاء کا اجتہاد بھی احکام اسلامی کا سرچشمہ ہے۔

ہم اس طرح کی خود ساختہ تعلیمات پر صرف "انا للہ وانا الیہ راجعون" ہی پڑھ سکتے ہیں۔

سابقہ صفحات میں ہم نے مکتب خلافت کے تحت خمس پر بحث کی اور اس سلسلہ میں خلفاء کے نظریات کا جائزہ پیش کیا۔ اب ہم مکتب امامت کے تحت مسئلہ خمس پر تھوڑی سی بحث کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سابقہ صفحات میں یہ گذارش کر چکے ہیں کہ ائمہ اہل بیت کے قول کے تحت خمس کے چھ حصے کیے جائیں گے جن میں سے اللہ، رسول اور ذوی القربیٰ کا حصہ حیات پیغمبر میں نبی کے حضور پیش کرنا واجب تھا اور پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد مذکورہ تینوں حصے امام کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔ اور یتامیٰ، مساکین اور مسافرین کا حصہ بنی ہاشم کے غربا و یتامیٰ اور مسافرین کو دیا جائے گا۔

مکتب امامت کے نظریہ کے تحت خمس صرف جنگی غنیمت پر ہی واجب نہیں ہے بلکہ ہر طرح کی منفعت پر واجب ہے۔ علماء شیعہ اس کے لیے آیت مجیدہ کی عمومیت اور رسول مقبولؐ کی روش سے استدلال کرتے ہیں۔ علمائے شیعہ کا استدلال کچھ یوں ہے:

آیت خمس اگرچہ جنگ بدر کے غنائم کے پس منظر میں نازل ہوئی تھی لیکن کسی بھی آیت کے حکم کو اس کے شان نزول سے مخصوص کر لینا صحیح نہیں ہے۔ اور دلیل شرعی کے بغیر تخصیص باطل ہے۔ چنانچہ علامہ حلی مرحوم رقم طراز ہیں:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آیت خمس غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی لہٰذا جنگی غنائم کے علاوہ اور کسی چیز پر خمس واجب نہیں ہے۔ ایسے شخص کے جواب میں ہم یہ کہیں گے:

غزوہ بدر کے سیاق و سباق میں آیت کے نزول کا یہ مقصد نہیں ہے کہ یہ صرف جنگ بدر کے غنائم کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوتا ہے تو اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ مذکورہ حکم صرف اسی ایک مقام کے لیے ہے' بلکہ حکم عام ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ واقعہ افک میں افترا پرداز لوگ چار گواہ پیش نہیں کر سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے "حد قذف" نازل فرمائی۔ تو حد قذف کے اسی کوڑے صرف واقعہ افک میں ملوث افراد کے لیے نہیں ہیں بلکہ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔

اسی طرح سے جب ایک شخص نے اپنی بیوی سے "ظہار" کرتے ہوئے کہا تھا کہ تیری پشت میرے لیے میری ماں کی پشت کے برابر ہے۔ اس شخص کی بیوی رسول خدا کے پاس آئی تھی اور اس نے شوہر کی بے ہودہ گفتگو آنحضرت کی خدمت میں پیش کی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ کی آیات نازل فرمائیں تھیں جس میں اس کا کفارہ بیان کیا گیا تھا۔

تو یہ آیت اگرچہ ایک خاص تناظر میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم صرف اسی ایک واقعہ تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔

اسی طرح سے خمس کا حکم اگرچہ جنگ بدر کے غنائم کے متعلق نازل ہوا تھا مگر یہ حکم آئندہ بھی جاری و ساری رہے گا۔

کچھ علماء نے لکھا ہے کہ آیت خمس کو دارالحرب کے غنائم سے مخصوص کرنا بذات خود دلیل طلب ہے اور جو اسے صرف غنائم جنگ سے مشروط کرتا ہے اس پر اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرنا واجب ہے۔ (مسالک الافہام جلد ۲ ص ۸۰۔ الخلاف شیخ طوسی جلد ۲ ص ۱۱۰ مصباح الفقیہ ص ۱۹ من کتاب الخمس)

علمائے شیعہ کے اس قول کی تائید مکتب خلافت کے مشہور مفسر قرطبی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس بات پر اتفاق ہے۔ "غنمتم من شیء" سے مراد وہ مال ہے جسے مسلمان کافروں سے بطور غنیمت حاصل کریں۔ لیکن لغت سے اس تخصیص کی تائید نہیں ہوتی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔" (تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۱)

لفظ غنیمت کو غنیمت جنگ سے مخصوص کرنا "تبادر ذہنی" کے خلاف ہے اور مکتب خلفاء کی طرف سے اس تخصیص کو اہل لغت نے "تبادر ذہنی" کے خلاف قرار دیا ہے۔

مکتب امامت کے علماء کی طرف سے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا:

آیت خمس ایک خاص موقع پر نازل ہوئی تھی لیکن احکام کو شان نزول سے مخصوص کر لینا صحیح روش نہیں ہے کیونکہ اگر احکام کو صرف اس کے شان نزول سے مخصوص کر لیا جائے تو پھر اس کا مقصد یہ ہوگا کہ خمس صرف اور صرف جنگ بدر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت پر واجب تھا اس کے علاوہ کسی دوسری جنگ کے مال غنیمت پر خمس واجب نہیں ہے۔ اور یہ نظریہ بالبداہت باطل ہے۔ اسی لیے مکتب تسنن کے فقہاء نے اسے صرف جنگ بدر سے مخصوص نہیں کیا انہوں نے اس میں توسیع کرتے ہوئے کہا کہ ہر جنگ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت پر خمس واجب ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ علمائے تسنن نے حکم الہی کو شان نزول سے مخصوص نہ کیا اور اس میں توسیع کی۔ اسی طرح سے ہم بھی لفظ غنیمت کے مفہوم میں توسیع کرتے ہیں اور اہل لغت کی حمایت کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز غنیمت ہے جس سے

انسان کو منفعت حاصل ہو۔ وہ منفعت جنگی لوٹ مار سے حاصل ہو تو وہ لوٹ مار غنیمت ہے اور وہ منفعت تجارت یا صنعت یا کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو تو وہ منفعت بھی غنیمت ہے۔ (تقریرات سید حسین بروجردی زبدۃ المقال ص ۵)

علمائے شیعہ وجوب خمس کے لیے آیت کے عموم سے بھی استدلال کرتے ہیں اور ائمہ اہل بیت کے فرامین کو بھی مقامِ استدلال میں پیش کرتے ہیں ائمہ اہل بیت کا فرمان معتبر ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث ثقلین میں ان سے تمسک کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور ائمہ ہدیٰ کے لیے رسول خداؐ کی طرف اپنی حدیث کا اسناد کرنا ضروری نہیں ہے۔

اس سلسلہ کا اختتام ہم ایک حدیث پر کرتے ہیں:

اس حدیث کو شیخ صدوق نے الخصال میں نقل کیا ہے:

امام جعفر صادق نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا امام حسینؑ اور انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کی۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ رسول خدا نے انہیں اپنی وصیت کے دوران یہ فرمایا:

علیؑ! زمانہ جاہلیت میں عبدالمطلب نے پانچ سنتیں قائم کی تھیں؛ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام میں بھی باقی رکھا۔

انہوں نے باپ کی بیوی کو اولاد پر حرام قرار دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قائم کردہ روش کو باقی رکھا اور ارشاد فرمایا:

ولا تنکحوا ما نکح اباؤ کم من النساء"

"جن عورتوں سے تمہارے آباء نے نکاح کیا تم ان سے نکاح

مت کرو۔"

عبدالمطلب کو ایک خزانہ ملا تھا۔ انہوں نے اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر راہ خدا میں صدقہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا پسند آ گئی اور اس روش کو اللہ نے باقی رکھتے ہوئے فرمایا:

واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه

"جان لو! جو بھی تمہیں غنیمت ملے تو اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور رسول کے رشتہ داروں اور یتامیٰ' مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔" الی آخرہ

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس صرف غنیمت جنگ تک ہی محدود نہیں ہے۔ اور اس کے لیے ہم سنت رسول کے حوالے پہلے ہی پیش کر چکے ہیں۔

یہ تھا مسئلہ خمس کے متعلق مکتب امامت کے علماء کے نظریات کا خلاصہ۔ اس کے بعد ہم "متعتین" کے متعلق اجتہاد کا جائزہ لیں گے۔ وبیدہ التوفیق۔

دو متعوں کے متعلق حضرت عمر کا اجتہاد

حضرت عمر نے متعہ الحج اور متعہ النساء دونوں کو حرام قرار دیا اور دونوں متعوں کی تحریم کو حضرت عمر کا اجتہاد شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ شرح نہج البلاغہ میں ابن ابی الحدید نے اسے خلیفہ ثانی کے اجتہاد کا نام دیا ہے (صحیح بخاری کتاب العلم، باب العلم ۲۲/۱)

احمد بن حنبل نے مسند احمد میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا:

"تمتعنا علی عهد النبی الحج و النساء فلما كان عمر نهانا عنهما فانتهينا" (۱)

"ہم نے رسول اکرمؐ کے عہد میں متعہ الحج اور متعہ النساء کیا، اور جب حضرت عمرؓ کا زمانہ اقتدار آیا تو انہوں نے ہمیں ان دونوں سے روک دیا اور ہم رک گئے۔"

تفسیر سیوطی اور کنز العمال میں سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

نهی عمر عن المتعتين، متعة النساء و متعة الحج (۲)

"حضرت عمر نے دو متعوں یعنی متعہ النساء اور متعہ الحج سے منع کیا۔"

بدایۃ المجتہد زاد المعاد، شرح نہج البلاغہ، مغنی ابن قدامہ اور محلی ابن حزم میں مذکور ہے کہ حضرت عمر سے روایت کی گئی ہے۔ اور زاد المعاد میں مرقوم ہے:

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۶۱ جلد ۳ ص ۱۶۷۔۱۶۸ در جواب طعن ۱۰ سن اور طبع و تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم صفحہ ۱۸۲۔ جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۱۔۲۵۵

(۲) مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۶۳ یہی مفہوم صفحہ ۳۵۶ اور ۳۲۵ میں بھی اختصار کے ساتھ مرقوم ہے۔

ثبت عن عمر. انہ قال" متعتان کانتا علی عهد رسول اللہ (ص) وانا انهیٰ عنهما واعاقب علیهما: متعة الحج و متعة النساء" (۱)

حضرت عمر سے یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے کہا:

"رسول خدا کے عہد میں دو متعے موجود تھے اور میں ان دونوں سے منع کر رہا ہوں، اور جو بھی ان پر عمل کرے گا میں اسے سزا دوں گا اور وہ ہیں: متعہ الحج اور متعہ النساء۔"

جصاص اور ابن حزم رقم طراز ہیں۔ جصاص کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عمر نے کہا:

متعتان کانتا علی عهد رسول اللہ (ص) وانا انها نهما و اضرب علیهما: متعة النساء متعة الحج. (۲)

"دو متعے رسول خداؐ کے عہد میں رائج تھے اور میں ان سے منع کرتا ہوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو سزا دوں گا اور وہ ہیں متعہ النساء اور متعہ الحج"

مذکورہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے دو احکام یعنی متعہ الحج اور متعہ النساء کو حضرت عمر نے اپنے اجتہاد کا نشانہ بنایا تھا۔ اس کی تفصیل آپ اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

---

(۱) تفسیر سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۔ کنز العمال طبع اول جلد ۸ ص ۲۹۳۔ مشکل الاثار طحاوی صفحہ ۳۷۵۔ سعید بن مسیب قریشی مخزومی تھے اور ان کا شمار کبار تابعین میں کیا جاتا ہے۔ اصحاب صحاح نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ ۹۰ھ کے بعد اسی برس سے زائد عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ (تقریب التہذیب) جلد ۱ ص ۳۰۶

(۲) بدایۃ المجتہد جلد ص ۳۳۶ (باب القول فی التمتع) زاد المعاد ابن قیم جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ فصل "اباحۃ متعہ النساء" اور "انا اعاقب علیهما" کے الفاظ تحریف ہیں۔ شرح نہج البلاغہ جلد ۳ میں ص ۱۶۷۔ مغنی ابن قدامہ جلد صفحہ ۵۲۷۔ المحلیٰ ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۱۰۷۔ تفسیر قرطبی و رازی جلد ۲ صفحہ ۱۶۷، وجلد ۳ صفحہ ۲۰۱۔۲۰۲۔ کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳۔۲۹۴۔ البیان والتبیین جاحظ جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۔ شرح معانی الآثار طحاوی، مناسک حج صفحہ ۳۷۲ بروایت ابن عمر۔

ا۔ احکام القرآن جصاص جلد ص ۲۷۹۔ المحلیٰ ابن حزم جلد ۷ ص ۱۰۷ حضرت عمر کی زبانی دو علیحدہ الفاظ یعنی "اضرب علیهما، اعاقب علیهما" مروی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ اعلان دو مرتبہ کیا تھا اور ہر بار الفاظ بدل کر اعلان کیا تھا۔

الف۔ متعۃ الحج

"متعہ" کے لفظی معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ حج تمتع کے درمیان حج کرنے والوں کو ایک فائدہ سا ملتا ہے اسی لئے اس فائدہ کو متعۃ الحج کہا جاتا ہے اور اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ حج کی تین قسمیں ہیں۔:

(۱) حج تمتع (۲) حج افراد (۳) حج قران

حج تمتع اس شخص کے لئے ہے جو مسجد الحرام کے قریب رہائش پذیر نہ ہو، اور اس کی شکل یہ ہے کہ انسان حج کے مہینوں یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ میں حج سے پہلے عمرہ کا احرام باندھے اور میقات سے تلبیہ کہے۔ پھر مکہ آ کر بیت اللہ کا طواف کرے اور اس کے گرد سات چکر لگائے اور صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرے، پھر تقصیر کرے، اس کے بعد وہ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے گا۔ پھر ایام حج تک "محل" ہو کر مکہ میں رہے۔ اور پھر جیسے ہی ایام حج شروع ہوں تو حج کا احرام باندھے اور عرفات چلا جائے اور نو ذی الحج کے روز غروب آفتاب کے بعد مشعر الحرام جائے اور مشعر الحرام سے منیٰ آئے اور یوں اپنے مناسک حج مکمل کرے اور مناسک حج کی تکمیل کے بعد تقصیر کرے یا تحلیق کرے، اس کے بعد احرام اتار دے اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے۔

اسی طرح کے حج کو حج تمتع اور اس طرح کے عمرہ کو عمرہ تمتع کہا جاتا ہے اور اس حج کا تذکرہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج" (البقرہ ۱۹۶)

"جس نے عمرہ سے حج تمتع کا ارادہ کیا ہے۔"

اس حج کو حج تمتع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حج کرنے والا شخص عمرہ کے بعد حج تک کچھ دنوں کے لئے احرام سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ اپنی آزادی سے استفادہ کرتا ہے چنانچہ عمرہ اور حج کے دو احراموں کے درمیان آزادی "متعۃ الحج" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اسی متعۃ الحج کو حضرت عمر نے حرام قرار دیا تھا۔ ان کے بعد میں آنے والے حکام نے بھی اسے حرمت پر بڑا زور دیا تھا لیکن آج مسلمانوں کی اکثریت حج تمتع ادا کر رہی ہے، اور مسلمانوں کی اکثریت

نے ان کے اجتہاد کو مسترد کر دیا ہے۔ حج تمتع کے علاوہ حج کی دو قسمیں اور بھی ہیں لیکن وہ دونوں اہل مکہ اور وہاں کے قرب و جوار والوں کے لئے ہیں۔ انہیں حج قران اور حج اِفراد کہا جاتا ہے۔

حج افراد:

فقہ اہل بیت میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان میقات سے حج کی نیت سے احرام باندھے اور اگر اس کا گھر میقات سے بھی زیادہ اندر ہو تو اپنے گھر سے ہی حج کی نیت سے احرام باندھے اور عرفات چلا جائے اور وہاں ۹ ذی الحج کے دن وقوف کرے، پھر باقی تمام مناسک حج بجا لائے، اور جب مناسک ادا ہو جائیں تو احرام کھول دے۔ پھر سال کے دوران کسی بھی وقت کسی میقات سے یا "ادنی الحل" کسی بھی جگہ سے عمرہ مفردہ کا احرام باندھے اور عمرہ بجا لائے۔

اس طرح کے حج کو حج افراد اور اس طرح کے عمرہ کو عمرہ مفردہ کہا جاتا ہے کیونکہ حج وعمرہ علیحدہ علیحدہ بجا لائے جاتے ہیں۔

حج قران کے اعمال مناسک بھی حج افراد کی طرح ہیں البتہ اس میں یہ فرق ہوتا ہے کہ حج قران کرنے والا احرام کے وقت اپنی قربانی کو اپنے ساتھ لے کر آتا ہے، جب کہ حج افراد کرنے والے کے لئے قربانی ضروری نہیں ہے۔

مسجد الحرام اور اس کے مضافات میں رہنے والوں کو اختیار ہے چاہیں تو حج افراد بجا لائیں چاہیں تو حج قران بجا لائیں۔ (۱)

مکتب خلفاء کی فقہ میں قران اور افراد بجا لانے کا طریقہ حسب ذیل ہے:

قران میں عمرہ اور حج دونوں کو یکجا کیا جاتا ہے اور دونوں کے لئے ایک نیت کرنی ہوتی ہے۔ اور ایک تلبیہ کہنا پڑتا ہے اور اس تلبیہ میں یہ الفاظ کہنے پڑتے ہیں: لبیک بحجة و عمرة.

اور اس کی دوسری شکل یہ ہے کہ انسان حج کے مہینوں میں عمرہ کی نیت کرے اور عمرہ سے آزاد ہونے کے فوراً بعد حج کی نیت کرے، اور مکہ سے دور رہنے والے شخص کے لئے جو کہ حج

۱۔ دلیل المناسک سید محسن الحکیم طبع الاداب۔ النجف ۱۳۷۷ھ صفحہ ۳۷۔۴۵

قران بجالائے قربانی ضروری ہے اور وہ حج تمتع کی طرح سے قربانی بھی کرے گا۔(۱)

حج افراد سے مراد یہ کہ انسان شروع سے عمرہ کی نیت ہی نہ کرے اور صرف حج کی نیت کرے(۲)۔ایسے حج کے لئے روایات میں "افراد الحج، جرد" کے الفاظ مروی ہیں۔(۳)

مسلمانوں کے ہاں حج کی مذکورہ تین اقسام رائج ہیں۔رسم ایام جاہلیت میں بھی رائج تھی اور مشرکین قریش کے متعلق صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد اور سنن کبریٰ بیہقی کے علاوہ اور بھی بہت سی مستند کتابوں میں مذکور ہے۔

صحیح بخاری میں ابن عباس سے یہ الفاظ مروی ہیں:

" كانوا يرون العمرة فى اشهر الحج من افجر الفجور فى الارض و يجعلون المحرم صفر ويقولون: اذابراء الدبر و عفا الاثرو انسلخ صفر حلت العمرة لمن اعتمر " (۴)

نووی شرح مسلم میں ابن عباس کی روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، علماء نے اس حدیث کی تشریح میں کہا ہے

ويجعلون المحرم صفر

"کہ وہ محرم کو صفر قرار دیتے تھے"

یعنی وہ اپنی "نسیئ کبیہ" کی رسم جاہلیت پر عمل کرتے ہوئے "محرم" کا نام "صفر" رکھ دیتے تھے اور اس میں کھل کر غارت گری کرتے تھے اور محرم کی حرمت کو صفر یا اس کے بعد والے کسی مہینہ تک ملتوی کر دیتے تھے کیونکہ ان کے لئے تین حرمت والے مہینے گراں گذرتے تھے اور غارت گری سے پرہیز کرنے کی وجہ سے ان کی معیشت پر مضر اثرات مرتب ہوتے تھے۔

"اذا برا الابر" حج کے طویل سفر کی وجہ سے اونٹوں کی پشت زخمی ہو جاتی تھی اور جب حج

---

(۱) بدایۃ المجتہد کے بیان کے مطابق اصحاب مالک کا اس میں اختلاف ہے۔

(۲) ہم نے یہ بیان بدایۃ المجتہد جلد ص ۳۴۸ فصل "اصول بالقارن" اور ابن اثیر کی نہایۃ اللغۃ میں سے مادہ "قران" سے نقل کیا ہے۔

(۳) سنن بیہقی جلد ۵ ص ۵ باب من اختار الافراد۔

(۴) صحیح بخاری کتاب الحج باب التمتع والافراد۔ فتح الباری جلد ۴ ص ۱۶۸۔۱۶۹ کتاب مناقب الانصار از فتح الباری۔ صحیح مسلم، باب جواز العمرۃ فی اشہر الحج حدیث ۱۹۸۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۴۹، ۳۳۲، ۳۳۹۔ سنن ابی داؤد کتاب المناسک، باب العمرۃ۔ سنن نسائی کتاب الحج صفحہ ۷۷۔ سنن بیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۴۵۔ کنز العمال متقی حدیث ۲۳۲۲۔ مشکل الاثار طحاوی جلد ۳ صفحہ ۱۵۵۔ شرح معانی الاثار جلد ۱ صفحہ ۳۸۱ فی مناسک الحج۔

سے واپسی کے بعد اونٹوں کو آرام ملتا تھا تو ان کی پشت کے زخم مندمل ہو جاتے تھے۔ "وعفا الاثر" "راستے سے اونٹوں کے قدموں کے نشان مٹ جائیں۔"

اور پوری روایت کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین قریش کے نظریہ کے مطابق حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنا روئے زمین کا بدترین فعل تھا اور وہ یہ کہتے تھے کہ جب اونٹوں کے زخم مندمل ہو جائیں اور راستے سے قدموں کے نشان مٹ جائیں اور صفر کا مہینہ ختم ہو جائے تو اس کے بعد عمرہ حلال ہوتا ہے۔ ابن حجر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ماہِ صفر جو کہ حج کے مہینوں میں شامل نہیں ہے اس کے گذرنے کے بعد عمرہ کے حلال ہونے کی وجہ ان کے ہاں یہ تھی کہ انہوں نے "محرم" کو ہی "صفر" بنایا ہوتا تھا اور جب تک وہ مہینہ ختم نہ ہوتا تھا اس وقت تک ان کے اونٹوں کے زخم مندمل نہیں ہوتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے "طریق تبعیت" کے تحت اسے بھی حج کے مہینوں میں شامل کر دیا تھا اور ان کی نظر میں عمرہ ماہ محرم میں حلال ہوتا تھا' جب کہ وہ محرم بھی فرض ہوتا تھا اور وہ حقیقت میں صفر ہی ہوتا تھا۔ اور ان کا خیال یہ تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا ناجائز ہے۔ (۱)

ابن عباس کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش جو کہ خانہ کعبہ کے "پروہت" بنے ہوئے تھے، انہوں نے لوگوں کو غلط طور پر یہ باور کررا رکھا تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا فعل حرام اور بدترین جرم ہے۔ جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے عمل سے ان کے فرسودہ نظریات کی تردید کی اور اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عمرہ کے متعلق رسول اکرمؐ کی سنت

ابن قیم لکھتے ہیں:

رسول اکرمؐ نے ہجرت کے بعد چار عمرے کیئے اور چاروں عمرے ماہ ذی قعدہ میں ادا کیئے اور ان سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن عباس اور بی بی عائشہ کا قول ہے:

"لم یعتمر رسول اللہ (ص) الافی ذی القعدۃ" (۲)

---

(۱) شرح النووی علی مسلم وشرح ابن حجر در فتح الباری کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۲) زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ فصل فی حدیبیہ علیہ السلام فی حجہ وعمرہ۔ روایات کی تفصیل کے لئے صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ باب کم اعتمر النبی۔ صحیح مسلم باب بیان عمر النبی (ص) وزمانھن من کتاب الحج حدیث ۲۱۷۔۲۲۰ صفحہ ۹۱۶۔۹۱۷ سنن کبریٰ بیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۵۷ باب من استحب الاحرام بالعمرۃ مب الجعرانۃ۔ وجلد ۵ صفحہ ۱۰۔۱۲۔ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۰۹

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذی قعدہ کے علاوہ عمرہ نہیں کیا۔"

اسی روایت کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں:

"آنحضرتؐ نے تمام عمرے حج کے مہینوں میں اس لئے ادا کیئے تا کہ اس سے مشرکین کی رسومات کی مخالفت ، ہو سکے کیونکہ مشرکین حج کے مہینوں میں عمرہ کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا بدترین جرم ہے۔رسول اکرمؐ نے حج کے مہینوں میں عمرہ کر کے یہ درس دیا کہ حج کے مہینہ کا عمرہ رجب کے مہینہ کے عمرہ سے افضل ہے۔"

یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر کے عمروں کے لیئے سب سے بہتر وقت کا انتخاب کیا اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا حج بجالانے کی مانند ہے اور اللہ نے ان مہینوں کو اس عبادت کے لیئے مخصوص کیا ہے اور ان مہینوں کو حج وعمرہ کے لیئے وقت کا درجہ دیا ہے۔چونکہ عمرہ چھوٹا حج ہے، اس لیئے بہتر وقت بھی حج کے مہینے ہیں اور ذی قعدہ حج کے مہینوں کے درمیان میں واقعہ ہے۔اس سلسلہ میں ہم تو یہ سمجھ پائے ہیں اور اگر کسی کے پاس زیادہ علم ہو تو وہ ہماری رہنمائی کرے۔(۱)

عمرہ کے متعلق مشرکین کی روش اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت کے بیان کے بعد ہم کتاب وسنت سے متعۃ الحج کی بحث کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں ،اور اس کی وضاحت کے بعد ہم خلفاء کے اجتہاد کا جائزہ لیں گے۔

کتاب اللہ میں متعۃ الحج

اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حج کے مہینوں میں حج وعمرہ کو جائز قرار دیا اور عمرہ وحج کے درمیانی وقفہ سے استفادہ کو حلال قرار دیا اور مشرکین کی روش کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

۱۔زادالمعاد جلد ا صفحہ ۲۱۱ ـ ۲۲۳ ـ سنن بیہقی جلد ۴ ص ۳۴۵ باب العمرة فی اشھر الحج.

فاذا أمنتم فمن تمتع بالعمرة الیٰ الحجّ فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام فی الحجّ وسبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة ذلک لمن لم یکن أھلہ حاضری المسجد الحرام واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ شدید العقاب (البقرہ، ۱۹۶)

"پھر جب اطمینان ہو جائے تو جس نے عمرہ سے حج تمتع کا ارادہ کیا ہے وہ ممکنہ قربانی دے دے اور قربانی نہ مل سکے تو تین روزے حج کے دوران اور سات واپس آنے کے بعد رکھے کہ اس طرح دس پورے ہو جائیں۔ یہ حج تمتع اور قربانی ان لوگوں کے لیئے ہے جن کے اہل مسجد الحرام کے حاضر شمار نہیں ہوتے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ یاد رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔"

اللہ تعالی نے اس آیت مجیدہ میں مسجد الحرام سے دور رہنے والوں اور اطمینان رکھنے والوں کے لیئے حج وعمرہ کے درمیانی ایام وقفہ سے استفادہ کی اجازت دی ہے اور اس کے بعد والی آیت میں فرمایا:

الحج اشھر معلومات.

"یعنی حج کے مخصوص مہینے ہیں"

مقصد یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں حج و عمرہ کو بجا لانا ضروری ہے۔ یہ دونوں آیات وضاحت سے اس حقیقت کو بیان کر رہی ہیں کہ حج کے مہینوں میں ہی عمرہ ادا کیا جائے، چنانچہ عمران بن حصین صحابی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

انزلت آیة المتعة فی کتاب اللہ ففعلنا ھا مع رسول اللہ (ص) ولم ینزل القرآن یحرمہ ولم ینہ عنھا حتی مات.... الحدیث (۱)

"اللہ کی کتاب میں متعہ کی آیت نازل ہوئی اور ہم نے رسول اکرمؐ کے ساتھ اس پر عمل کیا، قرآن مجید نے نازل ہو کر اسے حرام نہیں کیا اور رسول اکرمؐ نے بھی اپنی وفات تک اس سے منع نہیں کیا۔"

تمام مفسرین نے بالاجماع اس سے متعۃ الحج مراد لیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ آیت کا اختتام "ان اللہ شدید العقاب" کے دھمکی آمیز الفاظ سے کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بڑی صراحت کے ساتھ اس آیت میں متعۃ الحج کا اعلان کیا اور رسول خدا نے بھی حجۃ الوداع میں اپنے عمل سے اس کی بنیاد فراہم کی، جیسا کہ اس کے متعلق متواتر روایات کتب صحاح وسنن میں مذکور ہیں۔ان میں سے چند روایات ہم یہاں بطور نمونہ نقل کرتے ہیں۔

سنت رسول میں متعۃ الحج

حج کے مہینوں میں عمرہ کو قریش روئے زمین کا بدترین گناہ تصور کرتے تھے، اس لیئے رسول کرمؐ نے ان کی فکر کو مرحلہ وار ختم کیا، جیسا کہ حسب ذیل روایات سے آپ کو معلوم ہوگا۔

صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، ابن ماجہ اور بیہقی میں مذکور ہے۔چنانچہ صحیح بخاری کتاب الحج باب قول النبی "العقیق واد مبارک" کے ضمن میں حضرت عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:

سمعت رسول الله بوادی العقیق یقول "اتانی ات من ربی فقال: صل فی هذا الوادی المبارک وقل عمرة فی حجة"

"میں نے وادی عقیق میں رسول خداؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: "میرے پروردگار کی طرف سے آنے والا آیا اور اس نے کہا: آپ اس بابرکت وادی میں نماز پڑھیں اور کہیں عمرہ، حج میں۔"

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

وقل عمرة وحجة

"آپ عمرہ وحج کی نیت کریں۔"

سنن بیہقی میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے

اتانی جبرئیل (ع)۔"میرے پاس جبرئیل آئے"۔روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۷ سنن بیہقی جلد ۵ ص ۱۹۔ واضح رہے کہ صحیح بخاری میں لفظ "مکرمہ" ہی ہے، جب کہ اس لفظ کو "یحرمها" ہونا چاہیے کیونکہ ضمیر کا مرجع لفظ "متعہ" ہے اور وہ لفظاً مؤنث ہے۔

(۲) صحیح مسلم صفحہ ۹۰۰ باب جواز التمتع حدیث ۱۷۲۔ تفسیر قرطبی جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ زاد المعاد ابن قیم جلد ا صفحہ ۲۵۲۔ طبقات ابن سعد طبع یورپ جلد ۴ ق ۲ صفحہ ۲۸

فقد دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیامة

''عمرہ قیامت تک کے لیئے حج میں داخل ہو گیا ہے۔''

''عقیق'' کے متعلق معجم البلدان میں مرقوم ہے:

''وادی عقیق جس کے متعلق رسول خدا ؐ سے کہا گیا تھا ''آپ بابرکت وادی میں ہیں'' وہ ذی الحلیفہ کی وادی کے اندر ہے اور اسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ذات عرق ہے، جہاں اہل عراق احرام باندھتے ہیں۔

ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وادی عقیق اور مدینہ میں چار میل کا فاصلہ ہے۔(۱)

حضرت رسول اکرمؐ نے سب سے پہلے حضرت عمر کو بتایا کہ اللہ نے ان پر وحی نازل کی ہے اور انہیں حج و عمرہ جمع کرنے کا حکم دیا ہے۔ یقیناً اس میں آنحضرتؐ کی حکمتِ نبوت شامل تھی، جس کا علم آپ کو عہد عمر اور حجۃ الحج کے مطالعہ سے ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی عقیق میں حضرت عمر کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حج و عمرہ جمع کرنے کا حکم دیا ہے اور جب آپ مقامِ عسفان پر پہنچے تو آپ نے سراقہ کو بھی اس حکم سے آگاہ کیا۔ جیسا کہ ابوداؤد لکھتے ہیں:

حتی اذا کان رسول اللہ (ص). بعسفان قال له سراقة بن مالک المدلجی یا رسول اللہ اقض لنا قضاء قوم کا نما ولدوا الیوم فقال: ''ان اللہ تعالیٰ قدادخل علیکم فی حجکم هذا عمرة ، فاذا قدمتم فمن تطوف بالبیت وبین الصفاوالمروة فقد حل الا من کان معه هدی''

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۶۔ دوسری روایت کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے باب ماذکر النبی وحض علی اتفاق اھل العلم جلد ۴ صفحہ ۱۷۷ پر مرقوم ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث سنن ابی داؤد کتاب المناسک جلد ۲ صفحہ ۱۵۹، ابن ماجہ حدیث ۲۹۷۶ صفحہ ۹۹۱ باب التمتع بالعمرۃ الی الحج، سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۳۔۱۴، فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۱۳۵ اور تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۱۷، ۱۲۸، ۱۳۶ پر بھی موجود ہے۔

"جب رسول خداؐ مقام عسفان پر پہنچے تو سراقہ بن مالک مدلجی نے آپؐ سے کہا: یارسول اللہ! آپ احکام حج ہم سے اس طرح سے بیان کریں جیسا کہ ہم نے آج ہی دنیا میں جنم لیا ہو؟" (۱)

آنحضرت نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس حج میں عمرہ کو داخل کر دیا ہے اور جب تم بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ میں سعی کر لیں تو احرام سے آزاد ہو جاؤ البتہ جس کے پاس قربانی ہو تو وہ احرام میں ہی رہے۔

عسفان، جحفہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ اور جحفہ، مکہ سے چار منزلوں کے فاصلے پر واقع ہے۔ جب آنحضرتؐ مکہ چھ یا سات میل کے فاصلہ پر مقام سرف پر پہنچے تو آپ نے اپنے تمام صحابہ کے سامنے اعلان کیا کہ جو اسے عمرہ قرار دینا چاہے تو اسے عمرہ قرار دے، جیسا کہ ام المومنین بی بی عائشہ کا بیان ہے:

خرجنا مع رسول اللہ فی اشھر الحج ولیالی الحج و حرم الحج فنزلنا بسرف قالت فخرج الی اصحابہ فقال : "من لم یکن معہ ھدی فاحب ان یجعلھا عمرۃ فلیفعل ومن کان معہ الھدی"
قالت فالاخذ بھا والتارک لھامن اصحابہ (۲)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۵۹ باب فی الاقران حدیث ۱۸۰۱ کتاب المناسک المنتقی ابن تیمیہ باب ماجاء فی فسخ الحج الی العمرۃ حدیث ۲۳۲۷

سراقہ بن مالک بن جعشم الکنانی المدلجی کی کنیت ابوسفیان تھی۔ اس کی رہائش مکہ کے قریب مقام "قدید" پر تھی۔ جب رسول اکرم نے ہجرت کی تھی تو قریش نے اعلان کیا تھا جو محمدؐ کو پکڑ کر لائے گا، اسے ایک سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ چنانچہ سراقہ بھی رسول خدا کی تلاش میں نکلا تھا اور اس نے آنحضرت کو دیکھ لیا تھا لیکن جیسے ہی اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، جس کی وجہ سے اسے اپنے ارادہ سے باز آنا پڑا۔ فتح مکہ کے سال اس نے اسلام قبول کیا اور ۲۴ھ کو اس کی وفات ہوئی۔ مسلم کے علاوہ باقی اصحاب صحاح نے اس سے انیس احادیث نقل کی ہیں

(تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۸۴۔ جوامع السیرۃ صفحہ ۲۸۳۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۰۳، ۲۵۰، ۳۰۹)

(۲) صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۸۹ باب قول تعالیٰ الحج اشھر معلومات، صحیح مسلم ص ۸۷۵ حدیث ۱۳۱، ۱۳۳۔ بالاختصار۔ سنن بیہقی جلد ۴ ص ۳۵۶ باب المفرد والقارن یرید العمرۃ ــــــ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ ص ۱۰۲

"ہم نے حج کے مہینوں، حج کی راتوں اور حج کے احرام کی نیت سے رسول خداؐ کے ساتھ سفر کیا اور ہم نے مقام "سرف" پر قیام کیا تو آپ اپنے اصحاب کے پاس گئے اور آپ نے ارشاد فرمایا:

جس کے پاس قربانی نہیں اور وہ اسے عمرہ میں بدلنا چاہتا ہے تو اسے ایسا ضرور کرنا چاہیے اور جس کے پاس قربانی موجود ہے تو وہ ایسا نہ کرے۔ بی بی کہتی ہیں کہ آپ کے کچھ اصحاب نے آپ کے فرمان پر عمل کیا اور کچھ نے عمل نہ کیا۔"

بی بی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ صحابہ نے آنحضرتؐ کے فرمان پر عمل نہیں کیا تھا اور ہم سمجھتے ہیں کہ مہاجر قریشیوں نے آپ کے فرمان پر عمل نہیں کیا ہوگا کیونکہ وہ صدیوں سے اپنے آباء و اجداد سے یہ سنتے آئے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا کائنات کا بدترین فعل ہے۔

مقام سرف پر تبلیغ کرنے کے بعد رسول خدا جب بطحاء مکہ میں پہنچے تو وہاں بھی آپ نے اسی حکم خداوندی کی تبلیغ کی جیسا کہ ابن عباس کا بیان ہے:

قدم لاربع مضین من ذی الحجة فصلیٰ بنا الصبح بالبطحاء ثم قال:

"من شاء ان یجعلها عمرة فلیجعلها" (سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۴)

"ماہ ذی الحجہ کی چار تاریخیں گذرنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکہ آئے اور آپ نے ہمیں صبح کی نماز "بطحاء" میں پڑھائی اور پھر فرمایا:

جو اسے عمرہ میں بدلنا چاہتا ہے تو وہ اسے عمرہ میں بدل دے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے وادی عقیق سے اس حکم خداوندی کی مرحلہ وار تبلیغ فرمائی اور جب لوگوں نے طواف اور سعی مکمل کر لی تو رسول خدا پر اس کے متعلق حتمی حکم نازل ہوا جیسا کہ بیہقی بیان کرتے ہیں:

نزل علیه القضاء وهو بین الصفا والمروة فامر اصحابه من کان منهم اهل بالحج ولم یکن معه هدی ان یجعلها عمرة: لو استقبلت من امری ما استدبرت لما سقت الهدی ولکنی لبدت راسی وسقت هدی فلیس لی محل الا محل هدیی.

فقام اليه سرقة بن مالک فقال: يا رسول الله! اقض لنا قضاء يوم كا نما ولدوا اليوم اعمر تنا هذه لعامنا ام للابد؟ فقال رسول الله (ص) بل للأبد دخلت العمرة في الحج الى يوم القيامة (۱)

"جب آنحضرتؐ صفا و مروہ میں تھے تو آپؐ پر حتمی حکم نازل ہوا، آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ جس کے پاس قربانی موجود نہیں ہے وہ حج کی نیت کر چکا ہے تو وہ اسے عمرہ میں تبدیل کر دے اور آپ نے کہا اگر میں بعد والا کام پہلے کرتا تو میں بھی اپنی قربانیاں ساتھ لے کر نہ آتا لیکن اب میں اپنے سر کے بالوں کو چپکا چکا ہوں اور قربانی کے جانور بھی ساتھ لے آیا ہوں اسی لیئے قربانی سے پہلے احرام سے آزاد نہیں ہو سکتا"

سراقہ بن مالک نے اٹھ کر کہا:

یا رسول اللہ! آپ ہمارے لیئے اس طرح سے کھول کر فیصلہ کریں جیسے ہم نے آج ہی جنم لیا ہو۔ کیا یہ ہمارا عمرہ صرف اسی سال کے لیئے ہے یا ہمیشہ کے لیئے ہے؟ رسول خدا نے فرمایا: ہمیشہ کے لئے ہے، عمرہ قیامت کے دن تک حج میں داخل ہو چکا ہے۔

سابقہ احادیث میں ہم نے یہ پڑھا کہ رسول خداؐ نے حضرت عمر سے کہا تھا عمرة في حجة "عمرہ حج میں" یا آپ نے یہ لفظ کہے "عمرة وحجة" "یعنی میں اس سفر میں حج و عمرہ کو جمع کرنے کی نیت کرتا ہوں۔"

آنحضرتؐ نے سراقہ کے جواب میں مقام عسفان پر فرمایا تھا:

ان الله قد ادخل في حجكم هذا عمرة .

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس حج میں عمرہ کو داخل کیا ہے۔"

اس کے بعد آپؐ نے مقام سرف پر پہنچ کر فرمایا

من احب ان يجعلها عمرة

"جو اسے عمرہ میں بدلنا چاہے وہ بدل سکتا ہے۔"

---

(۱) سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۴۔ بالوں کو گوند وغیرہ سے اس لیئے چپکایا جاتا تھا تاکہ بال پراگندہ نہ ہوں اور سر میں جوئیں بھی نہ پڑیں اور یہ عمل وہی کرتا ہے جس نے زیادہ عرصے کے لیئے احرام میں رہنا ہو۔ (نہایۃ اللغۃ)

مکہ کے قریب مقام بطحاء پر پہنچ کر آپ نے فرمایا:

من شاء ان یجعلها عمرة فلیفعلها

"جو اسے عمرہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اسے عمرہ بنا لے۔"

اور جب ادائیگی اور عمرہ سے آزاد ہونے کا وقت آیا تو آنحضرتؐ نے تمام حجاج بیت اللہ کو یہ پیغام دیا:

ان العمرة دخلت فی الحج للابد

"عمرہ ہمیشہ کے لیئے حج میں داخل ہو گیا ہے۔"

مذکورہ روایات کے سلسلہ میں سراقہ کے یہ الفاظ انتہائی اہمیت رکھتے ہیں جو اس نے کہے تھے:

"اقض لنا قضاء قوم کا نما ولد وا الیوم"

"آپ مناسک حج و عمرہ کا ہمارے سامنے اس طرح سے فیصلہ کریں جیسے آج ہی ہم نے جنم لیا ہو"

مذکورہ الفاظ سے سراقہؓ نے دراصل آنحضرتؐ سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ مشرکین کی رسومات کو بالکل مدنظر نہ رکھیں اور ان تک حکم الٰہی کو واضح انداز میں بیان فرمائیں۔

پھر روایات متواترہ اس امر کی شاہد ہیں کہ رسول خداؐ نے اپنے صحابہ کو حج تمتع کا حکم دیا اور انہیں عمرہ کے احرام سے آزاد ہو کر پھر (ایام حج) میں احرام حج باندھنے کا حکم دیا۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت حسب ذیل روایات سے ہوتی ہے:

مسند احمد میں ان سے مروی ہے:

خرجنا مع رسول اللّٰہ نصرخ بالحج صراخًا فلما قدمنا مكة امر نا رسول اللہ ان نجعلها عمرة.

"پھر جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو ہم حج کے ارادہ سے ہی روانہ ہوئے اور جب ہم مکہ پہنچے تو رسول خداؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اسے عمرہ میں بدل دیں۔"

اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"اگر میں بعد والے امر کو پہلے بجالاتا تو میں بھی اسے عمرہ میں بدل دیتا، لیکن میں اس لیئے ایسا نہیں کرسکتا کہ میں قربانیاں ساتھ لایا ہوں اور حج وعمرہ کو متصل رکھتا ہوں" (المنتقیٰ حدیث ۲۳۹۳ بحوالہ مسند احمد جلد ۳ ص ۲۶۶)

صحیح مسلم اور مسند احمد میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:

خرجنا مع رسول الله (ص) نصرخ بالحج صراخاً فلما قدمنا مکة امر نا ان نجعلها عمرة الامن ساق الهدی فلما کان یوم الترویة ورحنا الی منیٰ اهللنا بالحج (۱)

"ہم رسول خداؐ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے تو حج کی صدائیں پکارتے ہوئے نکلے اور جب ہم مکہ پہنچے تو رسول خدا نے فرمایا جو افراد قربانی ساتھ لائے ہیں ان کے علاوہ باقی لوگ اسے عمرہ میں تبدیل کر دیں اور جب ترویہ کا دن ہو تو ہم منیٰ گئے اور ہم نے حج کی نیت کی۔"

ابن قیم زادالمعاد میں لکھتے ہیں :

صحیحین میں ام المومنین عائشہ سے مروی ہے:

خرجنا مع رسول الله لانذکر الاالحج

"ہم رسول خداؐ کے ساتھ روانہ ہوئیں تو ہم صرف حج کی بات ہی کر رہی تھیں۔"

پھر بی بی نے کہا:

فلما قدمنا مکة قال النبی (ص) لاصحابه: اجعلوها عمرة فاحل الناس الامن کان معه الهدی..... الحدیث

"جب ہم مکہ پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم حدیث ۲۱۱_۲۱۲_ اسی مضمون کی ایک اور حدیث صفحہ ۹۱۴ پر جابر سے بھی مروی ہے۔ مسند احمد جلد ۳ ر صفحہ ۳،۵،۷۱،۷۵،۱۴۸،۲۶۶_ المنتقیٰ حدیث ۲۳۱۸ درج بالا حدیث ہم نے صحیح مسلم سے نقل کی ہے۔

تم اسے عمرہ میں بدل دو جو لوگ قربانیاں لے کر آئے تھے ان کے علاوہ باقی سب نے احرام کھول دیئے اور آزاد ہو گئے"

صحیح بخاری میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

خرجنا مع رسول الله (ص) ولانری الاالحج فلما قدمنا تطوفنا بالبیت فامر النبی (ص) من لم یکن ساق الهدی ان یحل فحل من لم یکن ساق الهدی وسائوه لم یسقن فاحللن

"ہم رسول اکرمؐ کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے تو ہم صرف حج کے مقصد سے ہی روانہ ہوئے تھے اور جب ہم مکہ پہنچے اور بیت اللہ کا طواف کیا تو رسول خداؐ نے حکم دیا جو قربانیاں لے کر نہیں آئے وہ احرام کھول دیں۔"

چنانچہ جو لوگ قربانیاں لے کر نہیں چلے تھے وہ احرام سے آزاد ہو گئے۔ آپ کی ازواج بھی قربانیاں لے کر نہیں آئی تھیں اس لئے وہ بھی احرام سے آزاد ہو گئیں۔

صحیح مسلم میں ابن عمر نے اپنی بہن ام المومنین حفصہ زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم روایت نقل کی ہے:

ان النبی امر ازواجه ان یحللن عام حجة الوداع فقلت منعک ان تحل فقال انی لبدت رأسی و قلدت بدنی فلا احل حتی انحر الهدی.

(ا) یہ اور اس کے بعد کی تین احادیث کو ابن قیم نے زاد المعاد کی فصل "فی احلال من لم یکن ساق الهدی" میں نقل کیا ہے اور ہم اس کی تشریح کی یہاں نشاندہی کرتے ہیں

(الف) صحیح مسلم حدیث ۱۲۰ ص ۸۷۳، ۸۷۴، ابن ماجہ حدیث ۲۹۸۱۔

(ب) صحیح بخاری، کتاب الحج، باب التمتع والاقران والافراد بالحج پہلی حدیث جلد ۱ ص ۱۸۹۔ صحیح مسلم حدیث ۱۲۸ ص ۸۷۷، سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۵۴ باب فی افراد الحج حدیث ۱۷۸۳ اس میں لفظ "نساؤہ" موجود نہیں ہے۔

(ج) صحیح مسلم حدیث ۱۷۷، ۱۷۹ ص ۹۰۲۔ سنن ابی داؤد جلد ص ۱۶۱ حدیث ۱۸۰۶

(د) صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۹۱ کتاب الحج، باب ۳۶

رسول اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے سال اپنی ازواج کو احرام کھولنے کا حکم دیا تھا میں (حفصہ) نے ان سے عرض کیا: آپ نے احرام کیوں نہیں کھولا؟ آپؐ نے فرمایا: میں سر پر گوند چپکا چکا ہوں اور قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ ڈال چکا ہوں اسی لیئے قربانی سے پہلے میں احرام نہیں کھول سکتا۔"

صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے:

اهل المها جرون و الانصار وازواج النبی فی حجة الوداع و اهللنا فلما قدمنا مکة امرنا ان نجعلها عمرة قال رسول الله (ص): اجعلوا اهلالكم بالحج عمرة الامن قلدالهدی.

"مہاجرین، انصار اور ازواج پیغمبرؐ نے حج کی نیت سے سفر کیا اور ہم نے بھی حج کے مقصد سے تلبیہ کہا اور جب ہم مکہ پہنچے تو آنحضرتؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اسے عمرہ میں تبدیل کر دیں اور آپؐ نے فرمایا: تم حج کی نیت و تلبیہ کو عمرہ سے بدل دو البتہ جنہوں نے قربانیوں کے گلے میں قلادہ ڈالا ہو وہ اسے عمرہ میں تبدیل نہ کریں۔"

اسی سلسلہ کی جامع ترین روایت وہ ہے جسے جابر بن عبداللہ نے بیان کیا ہے اور مسلم نیشا پوری نے اسے اپنی صحیح اور دیگر اصحاب صحاح نے اپنی کتابوں میں نقل کیا تھا۔ ہم اس روایت کا خلاصہ صحیح مسلم سے نقل کر رہے ہیں۔

رسول اکرمؐ مدینہ میں نو سال ٹھہرے اس دوران آپ نے حج نہیں کیا تھا، ہجرت کے دسویں سال آپ کی طرف سے پورے جزیرہ عرب میں یہ منادی کرائی گئی کہ آپ اس سال حج کے لیئے جا رہے ہیں۔ یہ اعلان سن کر بہت سے لوگ مدینہ آئے تا کہ آنحضرت کی رہبری میں مناسک حج بجا لائیں۔ ہم آپ کے ساتھ روانہ ہوئے اور جب ہم "ذوالحلیفہ" پہنچے تو آپ نے مسجد میں نماز پڑھی۔ پھر آپ اپنی ناقہ "قصواء" پر سوار ہوئے اور جب آپ چٹیل میدان میں پہنچے تو اس وقت میں نے دیکھا تو جہاں جہاں تک میری نظر جاتی تھی وہاں تک انسان ہی انسان دکھائی دے رہے تھے، ان میں سے کچھ پیدل تھے اور کچھ سواریوں پر

سوار تھے۔ آپ کے دائیں، بائیں، آگے پیچھے انسانوں کا ایک سمندر تھا۔ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی جس کی تاویل کو آپ ہی بہتر جانتے تھے پھر آپ نے لا الہ الا اللہ زور سے پڑھا۔۔۔۔۔۔

جابر نے اپنی روایت کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا:

ہماری نیت حج کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی ہمیں عمرہ کا کوئی علم نہیں تھا یہاں تک کہ جب ہم آنحضرتؐ کے ساتھ بیت اللہ پہنچے تو آپ نے رکن کو بوسہ دیا۔۔۔

پھر جابر نے اپنی روایت بیان کرتے ہوئے کہا:

جب آنحضرتؐ نے مروہ کا آخری چکر لگایا تو فرمایا:

''اگر میں اسی کام کو مقدم رکھتا جسے میں نے مؤخر کیا ہے تو میں اپنے ساتھ قربانی لے کر نہ آتا اور میں اسے عمرہ قرار دیتا، تم میں سے جس کے پاس قربانی موجود نہیں ہے وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ میں بدل دے۔''

جابر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا یہ فرمان سن کر سراقہ بن مالک بن جعشم کھڑا ہوا اور کہا:

یا رسول اللہؐ! یہ عمل اس سال کے لئے مخصوص ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے؟

رسول اکرمؐ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دو مرتبہ فرمایا:

"دخلت العمرة فی الحج لا بل لأ بدا بدا"

''عمرہ حج میں داخل ہو چکا ہے اس مرتبہ کے لئے نہیں بلکہ یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔''

بخاری میں یہ الفاظ مرقوم ہیں:

قال سراقة: النا هذا خاصة قال: "لا بل للأبد"

''سراقہ نے کہا: کیا یہ حکم صرف ہمارے لیئے مخصوص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) صحیح مسلم باب حجۃ النبی حدیث ۱۴۷ ص ۸۸۶، ۸۸۸۔ سنن ابی داؤد کتاب المناسک جلد ۲ ص ۱۸۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب المناسک ص ۱۰۲۲۔ سنن داری کتاب المناسک باب فی سنۃ الحاج جلد ۲ ص ۴۴۔ مسند احمد جلد ۳ ص ۳۲۔ سنن بیہقی جلد ۵ ص ۷ باب مایدل علی ان النبی احرم احراما واحدا۔ منحۃ المعبود حدیث ۹۹۱۔ المحلی میں "لابدابد" کے الفاظ سے یہ روایت مروی ہے۔ جس کا معنی ہے کہ یہ حکم ہمیشہ کے لیئے ہے۔

(۲) صحیح بخاری کتاب التمنی باب قول لو استقبلت من امری ما استدبرت جلد ۴ ص ۱۶۶

نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے۔"(۱)

صحابہ نے حج تمتع پر کیسے عمل کیا؟

ہم سابقہ صفحات میں گذارش کر چکے ہیں کہ پیغمبرؐ نے مصلحت اسلام اور مصلحت نبوت کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے مرحلہ وار حج تمتع کا فرمان جاری کیا۔اس کی مزید تفصیل یہ ہے:

صحیح مسلم میں ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا:

قدم النبی (ص) و اصحابه لاربع خلون من العشر وهم يلبون بالحج فامرهم ان يجعلوها عمرة

"نبی اکرم اوران کے اصحاب چار ذی الحجہ کو مکہ میں آئے اور وہ حج کا تلبیہ کہہ رہے تھے انہوں نے آنے حکم دیا کہ وہ اسے عمرہ میں بدل دیں۔"

اس کے بعد والی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

"ان يحولو ا احرامهم بعمرة الا من كان معه الهدى"

"کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ میں بدل دیں البتہ جس کے پاس قربانی موجود ہو وہ ایسا نہ کرے۔"

صحیح مسلم کی تیسری روایت یہ ہے:

قدم النبی واصحابه صبيحة رابعة مهلين بالحج فامرهم ان يجعلوها عمرة، فتعاظم ذلک عندهم فقالوا يارسول الله ای الحل؟ قال: الحل كله.

"ماہ ذی الحجہ کی چار تاریخ کو رسول اکرمؐ اور ان کے صحابہ حج کا تلبیہ کہتے ہوئے آئے، آنحضرتؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اسے عمرہ میں تبدیل کر دیں۔لوگوں کو یہ بات گراں محسوس ہوئی اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اب ہمیں کون سی چیزوں کی حلیت حاصل ہوگی؟"

(۱) صحیح مسلم حدیث ۲۰۱۔۲۰۳ از باب جواز العمرة فی اشھر الحج ص ۹۱۱۔ سنن ابی داؤد جلد ۲۔ ۱۵۶ حدیث ۱۷۹۱۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص حج کی نیت وتلبیہ سے مکہ میں آئے اور بیت اللہ اور صفا ومروہ کا طواف کرے تو اس کا احرام کھل جاتا ہے اور وہ اس کا عمرہ ہے۔

آپؐ نے فرمایا: تمام چیزوں کی حلیت تمہیں حاصل ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ احرام کی وجہ سے جو چیزیں تم پر حرام ہوگئی تھیں احرام کھولنے کے ساتھ ہی وہ تمام چیزیں حلال ہو جائیں گئیں۔

صحیح مسلم کی چوتھی روایت یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

هذه عمرة استمتعنا بها فمن لم يكن عنده الهدى فليحل الحل كله فان العمرة قدخلت فى الحج الى يوم القيامة.(۱)

"یہ عمرہ ہے جس سے ہم نے تمتع حاصل کیا ہے' جس کے پاس قربانی نہ ہو تو وہ پوری طرح سے احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے۔ عمرہ قیامت تک کے لیئے حج میں داخل ہو چکا ہے۔"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت جابر سے ایک روایت مروی ہے۔ "انہوں نے کہا میں نے رسول اکرمؐ کے ساتھ وہ حج کیا جس میں آپ اپنے ساتھ قربانیاں لے کر روانہ ہوئے تھے۔ تمام لوگوں نے انفرادی حج کی ہی نیت کی ہوئی تھی کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

تم لوگ بیت اللہ کے طواف اور صفا و مروہ کی سعی کے بعد تقصیر کرو اور "مُحل" بن کر مکہ میں قیام کرو اور جب ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کا دن آجائے تو حج کی نیت کرو اور اپنے سابقہ عمل کو عمرہ قرار دے دو۔ یعنی اسے عمرہ تمتع قرار دے دو۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اسے عمرہ تمتع کیسے بنائیں جب کہ ہم نے تو حج کا نام لے کر نیت تلبیہ کہا تھا؟

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

میں تمہیں جو حکم دے رہا ہوں، تم اس پر عمل کرو، اگر میں اپنے ساتھ قربانیاں ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں خود بھی وہی کچھ کرتا جس کا تمہیں حکم دے رہا ہوں، لیکن جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک میں احرام کی پابندی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔(۱)

۱۔ صحیح مسلم صفحہ ۹۱۱ باب جواز العمرۃ فی اشہر الحج حدیث ۲۰۱۔۲۰۳ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۔ بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۸ حدیث ۲۲۲۳ من المحشی۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۰۲

صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت جابر سے یہ الفاظ منقول ہیں۔
صحیح بخاری میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

قالوا: ننطلق الی منیٰ و ذکر احد نایقطر؟.... (الحدیث)

"کیا ہم اسی حالت میں منیٰ جائیں کہ ہمارے آلہ تناسل سے منی کے قطرات ٹپک رہے ہوں؟" (۱)

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں اس سلسلہ کی تیسری روایت حسب ذیل ہے۔ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

عن عطاء قال: سمعت جابر بن عبدالله فی أناس معه قال: اهللنا اصحاب رسول الله فی الحج خالصا لیس معه عمرة قال: فقدم النبی (ص) صبح رابعة مضت من ذی الحجة فلما قدمنا أمرنا النبی ان نحل و قال: احلوا واصیبوا من النساء. قال: ولم یعزم علیهم ولکن احلهن لهم فبلغه انانقول: لما لم یکن بیننا بین عرفة الاخمس امرنا ان نحل الی نسائنا فنا تی عرفة تقطر مذاکیرنا! قال: فقام رسول الله (ص) فقال قد علمتم انی اتقاکم لله واصدقکم وابر کم ولو لا هدی لحللتکما تحلون فحلوا فلوا استقبلت من أمری ما استد برت ما أهدیت....الحدیث (۲)

"عطاء بیان کرتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے مجمع عام میں بیان کیا اور کہا ہم اصحاب پیغمبر نے خالصتاً حج کی نیت کی جس میں عمرہ شامل نہیں تھا اور رسول اکرم نے پابندیوں سے آزاد ہونے کا حکم دیا اور فرمایا تم احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاؤ اور اپنی بیویوں سے مباشرت کرو۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ص ۱۹۰ باب التمتع والاقران والافراد بالحج۔۔۔ صحیح مسلم ص ۸۸۳۔۸۸۰ باب بیان وجوہ الاحرام حدیث ۱۴۳۔ زاد المعاد جلد ا صفحہ ۲۴۸ فصل فی احلالہ بالحج۔

(۲) صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۱۳ جلد ۳ صفحہ ۱۲۶ باب لو استقبلت من امری ما استدبرت۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ باب افراد الحج حدیث ۱۷۸۹۔ الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ) مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۰۵۔ سنن البیہقی جلد ۵ صفحہ ۳ باب من اختار الافراد ۔۔۔۔ وجلد ۴ صفحہ ۳۴۸۔ زاد المعاد جلد ا صفحہ ۲۴۷ فصل فی احلال من لم یکن ساق الھدی۔

جابر کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس پر زیادہ زور نہ دیا لیکن بیویوں کو شوہروں کے لیئے حلال قرار دیا۔ پھر نبی اکرمؐ کو یہ بات بتائی گئی کہ ہم (صحابہ) یہ کہہ رہے ہیں کہ اب ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ دنوں کا فاصلہ رہ گیا ہے مگر نبیؐ نے ہمیں ہماری عورتوں کے پاس جانے کا حکم دیا ہے، تو کیا ہم عرفات اس شکل میں جائیں گے کہ ہمارے آلہ تناسل سے منی کے قطرات ٹپک رہے ہوں گے؟

جابر کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

"تم جانتے ہو کہ میں تو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ سچا اور تو سب سے زیادہ نیک ہے اور اگر میں قربانیاں ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں بھی تمہاری طرح سے احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا۔ لہٰذا تم احرام کی پابندی سے آزاد ہو جاؤ، اگر میں بعد والا کام پہلے کرتا تو میں اپنے ساتھ قربانیوں کو لے کر ہی نہ آتا۔

صحیح بخاری کی چوتھی روایت میں مذکور ہے:

رسول خداؐ ماہ ذی الحجہ کی چار تاریخ کو مکہ آئے اور ہم آپ کے ساتھ حج کا قصد کیئے ہوئے تھے اور حج میں کسی چیز کو شامل نہیں کر رہے تھے۔ جب ہم مکہ آئے تو آپؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اسے عمرہ میں تبدیل کر دیں اور یہ کہ ہم اپنی بیویوں سے مباشرت کریں۔

آپ کے اس فرمان کے متعلق لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ نبیؐ کو لوگوں کے اعتراضات کی خبر ملی تو آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ اس طرح کی باتیں بنا رہے ہیں، خدا کی قسم میں ان سب سے زیادہ نیک اور خوف خدا رکھنے والا ہوں۔۔۔۔۔ الحدیث (۱)

سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور مجمع الزوائد میں صحابی براء بن عازب سے مروی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں یہ روایت ان الفاظ سے مذکور ہیں:

---

(۱) فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۰۸۔۱۰۹ باب نھی النبی علی التحریم من کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ صحیح مسلم ص ۸۸۳ باب وجوہ الاحرام حدیث ۱۴۱ سنن ابی داؤد، باب افراد الحج۔ ابن ماجہ باب التمتع بالعمرۃ۔ سنن بیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۳۸، جلد ۵ صفحہ ۱۹۔ زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۲۳۶۔ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۰۶

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۲ کتاب الشرکۃ، باب الاشتراک فی الھدی۔ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۹۹۲ حدیث ۲۹۸

خرج رسول اللهؐ واصحابه فاحرمنا بالحج فلما قدمنا مكة قال: اجعلوا حجكم عمرة فقال الناس: یارسول اللهؐ ! قد احرمنا بالحج فکیف نجعلها عمرة؟! قال: "انظرو اماامرکم به فافعلوا" فردوا علیه القول فغضب فانطلق ثم دخل علی عائشة غضبان فرأت الغضب فی وجهه فقالت: من اغضبک اغضبه اللہ! قال: " مالی لا اغضب وانا آمر أمر افلا اتبع"

"رسول اکرمؐ اوران کے اصحاب حج کی نیت سے روانہ ہوئے اور ہم نے حج کا احرام باندھا' جب ہم مکہ پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: تم اپنے حج کو عمرہ میں تبدیل کردو۔"

لوگوں نے کہا: یارسول اللہؐ! ہم تو حج کا احرام باندھ چکے ہیں ہم اسے عمرہ میں کیسے تبدیل کرسکتے ہیں؟

تو آپؐ نے فرمایا: دیکھو میں تمہیں جو حکم دے رہا ہوں تم اس پر عمل کرو۔

لوگوں نے آپ کا فرمان ماننے سے انکار کردیا۔ جس پر آپ غضب ناک ہوئے' اور حالتِ غضب میں عائشہ کے پاس گئے۔ جب بی بی عائشہ نے آپ کے چہرے پر غضب کے نشان دیکھے تو کہا: آپ کو جس نے غضب ناک کیا ہے خدا اسے غضب ناک کرے۔

آپ نے فرمایا: میں غضب ناک بھلا کیوں نہ ہوں جب کہ میں حکم دیتا ہوں لیکن میرے فرمان پر عمل نہیں کیا جاتا"

بی بی عائشہ نے اس واقعہ کو اپنی زبان سے بھی بیان کیا جیسا کہ صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ان سے یہ روایت مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

رسول اکرمؐ چار یا پانچ ذی الحجہ کو آئے اور میرے پاس غضبناک حالت میں آئے۔ میں نے کہا: یارسول اللہؐ! آپ کو کس نے غضب ناک کیا ہے؟ اللہ اسے دوزخ میں داخل کرے۔

آپ نے فرمایا:

اوماشعرت انی امرت الناس بامر فاذاھم یترددون

"کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ میں نے لوگوں کو ایک چیز کا حکم دیا ہے مگر وہ پس و پیش کر رہے ہیں؟" (۱)

ابن عمر نے صحابہ کے اعتراض کو یوں بیان کیا کہ انہوں نے رسول اکرمؐ سے کہا تھا:

یارسول اللہ یروح الی منیٰ و ذکرہ یقطر منیا؟!

"رسول اللہؐ! کیا کوئی انسان اس حالت میں منیٰ جائے کہ اس کے آلہ تناسل سے منی ٹپک رہی ہو؟!"

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں۔ پھر انگیٹھیاں جل اٹھیں۔ (۲)

انگیٹھیاں جلنے سے مراد یہ کہ انگیٹھیوں سے خوشبو کے جھونکے اٹھنے لگے، مقصد یہ ہے کہ بیویوں نے اپنے آپ کو بنا سنوار کر اپنے شوہروں کے سامنے پیش کیا۔

صحیح مسلم میں جابر سے منقول ہے:

ہم نے رسول خداؐ کے ساتھ حج کا احرام باندھا اور جب ہم مکہ پہنچے تو آپ نے فرمایا: تم اسے عمرہ میں بدل کر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاؤ۔ یہ بات ہمیں گراں گزری اور ہمارے سینوں میں اس سے تنگی محسوس ہوئی۔ نبی اکرم کو ہماری حالت کا علم ہو گیا ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ انہیں آسمان سے ہمارے متعلق آگاہ کیا گیا یا کچھ لوگوں نے انہیں ہماری حالت سے مطلع کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

ایھاالناس! احلوا فلولا الھدی الذی معی فعلت کما فعلتم

"اے لوگو! احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاؤ اور اگر میرے ساتھ قربانیاں نہ ہوتیں تو میں بھی وہی کرتا جو تم کر رہے ہو۔"

---

(۱) صحیح مسلم صفحہ ۸۷۹ باب بیان وجوہ الاحرام، وانہ یجوز افراد الحج...... حدیث ۱۳۰۔ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۴۷۔ سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹ باب من اختار التمتع بالعمرۃ الی الحج۔ منتخ المسجو و حدیث ۱۰۵۱۔

(۲) صحیح مسلم صفحہ ۸۸۳ باب بیان وجوہ الاحرام حدیث ۱۳۲۔ اسی سے ملتا جلتا مفہوم زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۴۸ فصل فی اعلالہ (ص) بالحج، سنن بیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۵۶ و جلد ۵ صفحہ ۴ اور المنتقیٰ حدیث ۲۳۳۶ اور مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ پر بھی موجود ہے۔

جابر کا بیان ہے:

اس کے بعد ہم احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گئے' یہاں تک کہ ہم نے بیویوں سے مباشرت کی اور ہم نے تمام افعال سرانجام دیئے جو کہ حج و عمرہ کے احرام سے آزاد شخص بجا لاتا ہے اور جب ترویہ کا دن ہوا تو ہم نے مکہ کو پیچھے چھوڑا اور حج کا احرام باندھا۔ (۱)

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ ہم (اصحاب) نے کہا: ہمیں کونسی چیزوں کی آزادی ہے؟

اور خوشبو کو سونگھا، اور جب ترویہ کا دن ہوا تو ہم نے حج کا احرام باندھا۔

(زادالمعاد جلد ۱ صفحہ ۲۴۶)

صحابہ کے اذہان میں مدت سے یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا کائنات کا بدترین فعل ہے، اسی لیے حضرت رسولؐ مقبول کے متعدد بار فرمانے پر ان کے ذہن صاف ہونے کے لئے آمادہ نہ تھے اور صدیوں سے چلی ہوئی رسم روایت کو ختم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ آخر کار رسولؐ مقبول کی مسلسل تبلیغ کی وجہ سے انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے اور حضرت کے فرمان پر عمل کرنے پر بڑی مشکل سے راضی ہوئے۔

اس سفر میں ام المومنین عائشہ کے ساتھ عجیب اتفاق یہ ہوا کہ وہ حج سے قبل عمرہ کرنے سے محروم رہیں' کیونکہ انہیں خون حیض آ گیا تھا۔ رسول اکرمؐ نے حج کے بعد انہیں عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ حسب ذیل روایات میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

ام المومنین عائشہ نے حج کے بعد عمرہ ادا کیا

صحیح مسلم میں ام المومنین عائشہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

ہم نبی اکرمؐ کے ساتھ روانہ ہوئیں ہمارا ارادہ حج کرنے کا تھا جب میں "سرف" یا اس کے قریب پہنچیں تو مجھے خون حیض جاری ہو گیا۔ نبی اکرمؐ میرے پاس آئے تو میں رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: کیا تجھے حیض آ گیا ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں۔

۱۔ صحیح مسلم طبع ۸۸۲ حدیث ۱۳۸ ۔ البیہقی حدیث ۲۳۰۰، ۳۶۱۵ باب اذنال الحج علی العمرۃ۔

آپ نے فرمایا: یہ چیز دختران آدمؑ پر لکھی گئی ہے، تم حج کے تمام اعمال بجالاؤ اور غسل کرنے تک بیت اللہ کا طواف نہ کرو۔(۱)

جب کہ اس سے سابقہ روایت میں ہے کہ جب ہم نے حج مکمل کر لیا تو رسول اکرمؐ نے مجھے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ہمراہ مقامِ تنعیم کی طرف روانہ کیا اور میں نے عمرہ ادا کیا تو آپؐ نے فرمایا: یہ تیرے عمرہ کی جگہ ہے۔

صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد کی ایک اور روایت میں اس سے زیادہ وضاحت کی گئی ہے کہ بی بی کا بیان ہے:

"حجۃ الوداع کے موقع پر ہم رسول اکرم کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ ہم نے عمرہ ادا کیا، پھر رسول اکرمؐ نے فرمایا: جس کے ساتھ قربانی کا جانور موجود ہو تو وہ حج و عمرہ کی نیت کرے، پھر جب تک مناسک حج و عمرہ مکمل نہ ہو جائیں اس وقت تک احرام کی پابندیوں سے آزاد نہ ہو۔

میں مکہ میں آئی، اس وقت مجھے حیض جاری تھا۔ اسی لیئے میں نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا اور صفا و مروہ میں سعی نہ کی۔ میں نے اس امر کی رسول اکرمؐ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

اپنے سر کو دھو لے اور کنگھی کر کے حج کی نیت کر لے اور عمرہ کو چھوڑ دے، بی بی کہتی ہیں کہ میں نے ایسے ہی کیا۔ جب ہم نے حج مکمل کر لی تو رسول خداؐ نے مجھے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ "تنعیم" (۲) روانہ کیا۔ میں نے عمرہ کیا۔ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا: یہ تیرے عمرہ کی جگہ ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم باب بیان وجوہ الاحرام حدیث ۱۱۹۔ یہی حدیث الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۴۔ اور سنن ابن ماجہ حدیث ۲۹۶۳: میں بھی مذکور ہے۔ "سرف" مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اور یہ جگہ مدینہ کی بہ نسبت مکہ کے زیادہ قریب ہے۔

(۲) "تنعیم" مکہ سے تین یا چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسے "تنعیم" اس لیئے کہا جاتا ہے کہ اس کے دائیں طرف جبل نعیم اور بائیں طرف جبل ناعم واقع ہے۔

بی بی نے کہا: پھر عمرہ کی نیت کرنے والوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ میں سعی کی۔ پھر وہ احرام سے آزاد ہو گئے۔ بعد ازاں وہ اپنے حج کے سلسلہ میں منیٰ سے واپس آئے، تو انہوں نے دوسرا طواف کیا۔(۱)

ایک اور روایت میں بی بی سے منقول ہے:

رسول اکرمؐ نے مجھے عبدالرحمٰن کے پیچھے ایک اونٹ پر بٹھا دیا۔ میں اپنے دوپٹہ کو اپنی گردن سے ہٹانے کے لیئے اونچا کرنے لگی، عبدالرحمٰن چابک میرے پاؤں پر مارتا تھا۔ میں نے اسے کہا: یہاں تجھے کوئی شخص دکھائی بھی دیتا ہے؟ بی بی کہتی ہیں: میں نے عمرہ کی نیت کی اور عمرہ مکمل کر کے آنحضرت کی خدمت میں آئی۔ آپ اس وقت مقام "حصبہ" میں تشریف فرما تھے۔(۲)

صحیح بخاری میں بی بی عائشہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:

یارسول اللہؐ! آپ نے عمرہ کر لیا جب کہ میں نے نہیں کیا؟

رسول اکرمؐ نے عبدالرحمٰن سے فرمایا: اپنی بہن کو "تنعیم" لے جاؤ اور انہیں عمرہ کراؤ۔ عبدالرحمٰن نے انہیں اپنی ناقہ پر سوار کیا اور بی بی نے عمرہ کیا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۸۲)

سنن ابی داؤد اور بیہقی میں ابن عباس سے یہ الفاظ مروی ہیں سنن ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں:

ما أعمر رسول الله(ص) عائشة ليلة الحصبة الا قطعا لامر اهل الشرک فانهم کانوا یقولون:

اذا برء الدبر و عفا الاثر و دخل صفر فقد حلت العمرة لمن اعتمر

"رسول اکرمؐ نے رمی جمرات کی رات بی بی عائشہ سے اس لئے عمرہ کرایا کہ آپ مشرکین کی رسم کو توڑنا چاہتے تھے کیونکہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ جب اونٹوں کے زخم مندمل ہو جائیں اور راستے سے ان کے قدموں کے نشان ختم ہو جائیں اور صفر شروع ہو جائے تو پھر عمرہ کرنے والوں کے لیئے عمرہ حلال ہوتا ہے۔"

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۳ باب فی افراد الحج حدیث ۱۷۸۱ ، منحۃ المعبود حدیث ۹۹۰۔ صحیح مسلم باب بیان وجوہ الاحرام حدیث ۱۱۱ صفحہ ۸۷۰۔

(۲) صحیح مسلم باب بیان وجوہ الاحرام حدیث ۱۳۳ صفحہ ۸۸۰

بیہقی میں ابن عباس سے یہ الفاظ منقول ہیں:

رسول اکرمؐ نے ماہ ذی الحجہ میں عائشہ سے اس لیئے عمرہ کرایا تاکہ اہل شرک کی رسم کو ختم کیا جاسکے کیونکہ قریش اوران کے دین کو قبول کرنے والے لوگ کہا کرتے تھے:

جب قدموں کے نشان مٹ جائیں اور اونٹوں کے زخم مندمل ہو جائیں اور صفر شروع ہو جائے تو عمرہ کرنے والوں کے لیئے عمرہ حلال ہو جاتا ہے۔ قریش اوران کے ہم نوا ذی الحجہ اور محرم میں عمرہ کو حرام قرار دیتے تھے۔

طحاوی میں ابن عباس سے یہ الفاظ منقول ہیں:

اللہ کی قسم! رسول خداؐ نے ماہ ذی الحجہ میں عائشہ سے عمرہ اس لیئے کرایا تاکہ اس ذریعہ سے آپ جاہلیت کی رسم کا خاتمہ کرسکیں۔ (۱)

❁............❁............❁

یہاں تک آپ نے حجۃ الوداع کے مناسک حج وعمرہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائی اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ روایات متواترہ کے مطابق رسول اکرمؐ نے حج کے مقصد کو عمرہ سے تبدیل کرایا اور عمرہ کی تکمیل کے بعد آپ نے یہ حکم صادر کیا کہ اب احرام کھول دیں اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں اور آپ نے انہیں ہر طرح کی آزادی دی' یہاں تک کہ انہیں حقوق زوجیت ادا کرنے کی بھی اجازت دے دی اور جب ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کا دن ہوا تو آپ نے حکم جاری کیا کہ اب حج کا احرام باندھ کر مناسک حج ادا کیئے جائیں۔

مذکورہ روایات میں آپ نے یہ بھی دیکھا کہ بہت سے لوگوں کو آپ کا عمرہ کرنا پسند نہ آیا، اگرچہ کتب حدیث میں اس بات کی وضاحت تو موجود نہیں ہے کہ آنحضرت کے فرمان پر تنقید کرنے والے کون تھے؟ لیکن آثار وقرائن یہ بتاتے ہیں کہ ایسا کرنے والے لوگوں کا تعلق مہاجرین قریش سے تھا' اور اس کا ثبوت یہ ہے:

۱۔ سنن ابی داؤد، باب العمرۃ جلد۲ صفحہ ۲۰۴۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۶۱ حدیث ۲۳۶۱۔ سنن کبریٰ بیہقی جلد۴ صفحہ ۳۴۵ باب العمرۃ فی اشہر الحج۔ مشکل الآثار طحاوی جلد۳ صفحہ ۱۵۵۔۱۵۶

۱۔ ابن عباس نے بیان کیا:

ان هذا الحی من قریش ومن دان دینهم کانوا یحرمون العمرة حتی ینسلخ ذوالحجة و محرم

"یہ قبیلہ قریش اور ان کے نظریات رکھنے والے افراد ذی الحجہ اور محرم کے دوران عمرہ کرنا حرام سمجھتے تھے۔"

۲۔ رسول اکرمؐ کے بعد جن لوگوں نے اس سے منع کیا ان کا تعلق بھی قریش خلفاء سے تھا (جیسا کہ اس کی وضاحت کی جائے گی)

اصل میں قریش کے اس نظریہ کے پیچھے ایک تاجرانہ ذہنیت کارفرما تھی، جسے بظاہر اسے احترام حج کا تقاضا کہہ کر اس کا جواز پیش کرتے تھے۔ قریش جو کہ بیت اللہ کے مدتوں سے متولی اور پروہت بنے ہوئے تھے وہ بنیادی طور پر تاجر تھے، اسی لیئے وہ چاہتے تھے کہ لوگ دور دراز مقامات سے سال میں دو مرتبہ آئیں۔ ایک مرتبہ حج کے لیئے مکہ آئیں اور ایک مرتبہ عمرہ کی غرض سے مکہ آئیں تا کہ لوگوں کی آمد ورفت کی وجہ سے ان کی تجارت کو فروغ حاصل ہو سکے۔

قریش کی ذہنیت کے متعلق یہ ہماری خود ساختہ رائے ہرگز نہیں ہے بلکہ جب حضرت عمر نے لوگوں کو عمرہ تمتع سے منع کیا تھا تو انہوں نے خود ہی اپنے حکم کی یہ توجیہ پیش کی تھی کہ مکہ میں کوئی زراعت وغیرہ تو ہوتی نہیں' ان کا دارومدار حج و عمرہ کے لیئے آنے والوں پر ہے، اسی لیئے جب لوگ دوبار مکہ آئیں گے تو اہل مکہ کا کاروبار خوب ترقی کرے گا اور انہیں معاشی فوائد حاصل ہوتے رہیں گے۔(۱)

۱۔ آئندہ صفحات میں اس کے حوالے پیش کیئے جائیں گے۔

سنتِ رسولؐ اور خلفائے مسلمین

حضرت ابو بکر کے عہد میں

زمانہ جاہلیت میں قریش یہ کہتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا فعل حرام، بلکہ کائنات کا بدترین جرم ہے، جب کہ اسلام نے اسے جائز قرار دیا اور رسول اکرمؐ نے اپنے عمل سے قریش کے نظریہ کو ہمیشہ کے لیئے مسترد کیا۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی افسوس ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اقتدار جیسے ہی قبیلہ قریش میں منتقل ہوا تو انہوں نے آنحضرتؐ کی سنت کو چھوڑ دیا اور قریش کے زمانہ جاہلیت کے نظریہ پر عمل کیا اور انہوں نے حج اور عمرہ کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا اور اس کام کی ابتداء قریشی خلیفہ حضرت ابو بکر سے ہوئی جیسا کہ بیہقی نے سنن کبریٰ میں عبدالرحمٰن بن اسود کی زبانی اس کے والد سے یہ روایت نقل کی کہ اس نے کہا:

جئت مع ابی بکر فجر د و مع عمر فجر د و مع عثمان فجرد (۱)

"میں نے حضرت ابو بکر کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے اکیلا حج کیا اور میں نے حضرت عمر کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی اکیلا حج کیا اور میں نے حضرت عثمان کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی اکیلا حج کیا۔"

حضرت عمر کے عہد حکومت میں حج تمتع

حضرت ابو بکر نے سب سے پہلے اکیلا حج کرنے کو رواج دیا تھا اور رسول اللہؐ کے بعد قریشی خلیفہ حضرت عمر نے مسلمانوں کو سب سے پہلے عمرہ تمتع سے منع کیا۔ جیسا کہ حسب ذیل روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ صحیح مسلم، مسند طیالسی اور سنن بیہقی وغیرہ میں مذکور ہے۔ صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

۱۔ سنن کبریٰ بیہقی جلد ۵ صفحہ ۵ باب من اختار الافراد ورواہ الفضل۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۳

عن جابر قال: تمتعنا مع رسول الله(ص) فلما قام عمر قال: ان الله كان يحل لرسوله ماشاء بماشاء وان القرآن قدنزل منازله فاتموا الحج والعمرة لله كما امركم الله وابتوا نكاح هذه النساء فلن اوتی برجل نکح امراة الی اجل الارجمته بالحجارة.

"ہم نے رسول اللہؐ کے ساتھ متعہ کیا تھا، جب حضرت عمر کا عہد اقتدار ہوا تو انہوں نے کہا: اللہ اپنے رسول کے لیئے جو چاہتا تھا اور جس طرح سے چاہتا تھا اشیاء کو حلال کر دیتا تھا، جب کہ قرآن مجید اپنے مقامات پر نازل ہو چکا ہے اور اللہ نے کہا ہے: تم حج وعمرہ کو اللہ کے لیئے مکمل کرو، اور ان عورتوں سے میعادی نکاح کرنے سے بھی پرہیز کرو، میرے پاس اگر کوئی ایسا شخص لایا گیا جس نے میعادی نکاح کیا ہوگا تو میں اسے پتھروں سے سنگسار کروں گا۔"

اس کے بعد صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے کہا:

فافصلوا حجکم عن عمرتکم فانه اتم لحجکم واتم لعمرتکم(۱)

"تم اپنے حج کو اپنے عمرہ سے جدا رکھو کیونکہ یہ چیز تمہارے حج وعمرہ کو زیادہ مکمل کرنے والی ہے۔"

بیہقی نے اس روایت کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے:

قال جابر: تمتعنا مع رسول الله (ص) ومع ابی بکر فلما ولی عمر خطب الناس فقال ان رسول الله هذا الرسول وان القرآن هذا القرآن وانهما کانتا متعتان علی عهد رسول الله وانا انهیٰ عنهما واعاقب علیهما: احدهما متعة النساء ولا اقدر علی رجل تزوج امراء ة الی اجل الاغیبة بالحجارة والاخریٰ متعة الحج. افصلوحجکم عن عمرتکم فانه اتم الحجکم وام لعمرتکم (۲)

---

(۱) صحیح مسلم ص ۸۸۵ باب فی المتعة بالحج والعمرة حدیث ۱۴۵۔ مسند طیالسی صفحہ ۲۴۷ حدیث ۱۷۹۲۔ سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۱

(۲) سنن بیہقی جلد ۷ ص ۲۰۶ باب نکاح المتعة۔

"جابر نے کہا: ہم نے رسول خداؐ اور ابوبکر کے دور میں متعہ کیا اور جب حضرت عمر کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اللہ کا رسول یہی رسول ہے اور قرآن یہی قرآن ہے، اور رسول خداؐ کے عہد میں دو متعے رائج تھے اور میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں اور خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دوں گا۔ ان میں سے پہلا عورتوں سے متعہ ہے۔ میں کسی ایسے شخص کو برداشت نہیں کروں گا جس نے کسی عورت سے میعادی شادی کی ہوگی۔ میں ایسے شخص کو پتھروں میں غائب کردوں گا اور دوسرا متعہ الحج ہے۔ اپنے حج کو اپنے عمرہ سے جدا رکھو، یہ چیز تمہارے حج اور عمرہ کو زیادہ مکمل کرنے والی ہے۔"

پہلی روایت میں حضرت عمر نے کہا تھا کہ اللہ نے صرف اپنے رسول کے لیے عمرہ تمتع کو حلال کیا تھا، کیونکہ رسول اکرمؐ اللہ کے محبوب تھے، اسی لیئے اللہ ان کے لیئے جو چاہتا تھا حلال کر دیتا تھا۔ جب کہ حج و عمرہ کو جمع کرنا زیادہ درست نہیں ہے۔ لہٰذا تم حج اور عمرہ کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھو اور یہ امر تمہارے حج و عمرہ کو زیادہ مکمل کرنے والا ہے۔ درج ذیل روایت سے حضرت عمر کی سختی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حج و عمرہ کو جمع کرنے کے کتنے مخالف تھے:

عن الاسود بن یزید قال: بینما انا واقف مع عمر بن الخطاب بعرفة عشیة عرفة فاذاهو برجل مرجل شعره یفوح منه ریح الطیب فقال له عمر: امحرم انت؟ قال نعم فقال عمر: ماھیئتک بھیئة محرم، انما المحرم الاشعث الاغبر الاذفر. قال انی قلدت متمتعا وکان معی اھلی وانما احرمت الیوم فقال عمر عندذلک لا تتمتعوا فی ھذه الایام فانی لورخصت لھم لعرسوا بھن فی الاراک ثم راحوابھن حجاجا: (۱)

(۱) زادالمعاد جلد ۱ صفحہ ۲۵۸۔۲۵۹ فصل ماجاء فی الحدمن خلاف اسود بن یزید بن قیس نخعی کی کنیت ابو عمر ویا ابو عبدالرحمٰن تھی۔ وہ مخضرم، ثقہ اور زیادہ احادیث بیان کرنے والا فقیہ تھا۔ اس کا تعلق طبقہ ثانیہ سے ہے تمام اصحاب صحاح نے اس کی روایات نقل کی ہیں ۷۴ھ یا ۷۵ھ میں اس کی وفات واقع ہوئی۔
(تقریب التہذیب جلد ۱ ص ۷۷)

"اسود بن یزید کا بیان ہے کہ میں شب عرفہ حضرت عمر کے ساتھ عرفات میں کھڑا تھا کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ جس نے بالوں کو خوب بنایا سنوارا ہوا تھا اور اس سے خوشبو کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں۔ حضرت عمر نے اس سے کہا: کیا تو حالت احرام میں ہے؟"

اس نے کہا: جی ہاں۔

حضرت عمر نے کہا: مگر تیری حالت تو احرام والوں جیسی نہیں ہے۔ احرام والے شخص کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہوتے ہیں اور اس کے بدن سے ناگوار بو آتی ہے۔

اس شخص نے کہا: میں نے عمرہ تمتع کیا تھا اور میری بیوی بھی میرے ساتھ تھی اور پھر میں احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گیا تھا اور میں نے آج ہی احرام باندھا ہے۔

اس وقت حضرت عمر نے کہا: ان ایام میں متعہ الحج نہ کیا کرو۔ اگر میں لوگوں کو متعہ الحج کی رخصت دے دوں تو لوگ ان پیلو کے درختوں میں بیویوں سے زفاف کریں گے اور پھر انہیں لے کر حج کے لیئے چل پڑیں گے۔"

اس روایت کے نقل کرنے کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ الحج کے متعلق حضرت عمر نے ایک علیحدہ رائے قائم کر لی تھی۔

ابن حزم نے کہا: آخر اس میں کونسی قباحت ہے جب کہ رسول اکرمؐ نے اپنی ازواج سے مباشرت کی اور صبح کے وقت آپ نے احرام باندھ لیا اور اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ احرام سے پلک جھپکنے کی دیر سے پہلے تک بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا جائز ہے۔

ابو موسیٰ اشعری اور خلیفہ صاحب کے درمیان متعہ الحج کے متعلق ایک مکالمہ ہوا جسے مسلم نے اپنی صحیح اور بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

ابو موسیٰ نے کہا: رسول خداؐ نے مجھے یمن کی طرف روانہ کیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر میں نے آنحضرتؐ سے ملاقات کی۔ آپ نے فرمایا: اے ابو موسیٰ! تو نے احرام باندھتے وقت کیا نیت کی تھی؟

میں نے کہا: میں نے کہا تھا:

لبیک اھلالا کاھلال النبی

"بے شک میں وہی نیت کر رہا ہوں جو نبی نے کی ہے۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تم قربانی ساتھ لائے ہو؟

میں نے کہا: نہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: جاؤ بیت اللہ کا طواف کرو اور صفا و مروہ میں سعی بجا لاؤ اور اس کے بعد احرام کھول دو۔۔۔۔۔

اس سے پہلی روایت میں حدیث کا تتمہ بھی مذکور ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا: میں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ میں سعی بجا لایا، بعد ازاں میں اپنی قوم کی ایک عورت کے پاس گیا جس نے میرے سر پر کنگھی کی اور میرا سر دھلایا۔

ایک اور روایت میں ہے:

پھر میں نے حج کی نیت کی:

احمد لکھتے ہیں: میں نے ترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کو حج کی نیت کی۔

ابو موسیٰ کا بیان ہے:

میں حضرت ابوبکر کے دور میں لوگوں کو احکام حج کے متعلق فتویٰ دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایام حج میں میں کھڑا مناسک حج بتلا رہا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا:

تجھے پتہ نہیں ہے کہ امیر المومنین نے مناسک کے متعلق نئی تبدیلی پیدا کی ہے؟

بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:

فبینا انا عندالحجر الاسود والمقام افتی الناس بالذی امرنی به

رسول اللہ (ص) اذجاء نی رجل فسارنی فقال: لاتعجل بفتیاک فان امیر المومنین احدث فی المناسک (سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۰)

"میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان لوگوں کو مناسک حج کے متعلق وہی فتوے دے رہا تھا جن کے بجالانے کا رسول اللہؐ نے مجھے حکم دیا تھا۔ اتنے میں ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھے سرگوشی کر کے کہا: جلدی نہ کر۔ امیرالمومنین نے مناسک میں تبدیلی کی ہے۔"

میں نے حاضرین سے کہا: لوگو! ہم نے جو فتوے دیے ہیں انہیں رہنے دو۔ امیرالمومنین تمہارے پاس آرہے ہیں تم ان کی پیروی کرو۔

جب عمرؓ آئے تو میں نے کہا:

امیرالمومنین! آپ نے مناسک میں کونسی تبدیلی کی ہے؟

بیہقی کے الفاظ یہ ہیں کہ ابو موسیٰ اشعری نے کہا: کیا مناسک حج میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے؟

حضرت عمر یہ سن کر غضب ناک ہوئے اور پھر کہا: ہمیں کتاب خدا کے فرمان پر عمل کرنا چاہیے۔ اللہ کی کتاب ہمیں عمرہ و حج کے اتمام کا حکم دیتی ہے۔ (۱)

ایک اور روایت کے مطابق حضرت عمر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

واتمو الحج والعمرة لله (البقرة ۱۹۶)

"تم حج و عمرہ کو اللہ کے لیے مکمل کرو"

اور ہمیں اپنے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ نبی کریمؐ نے بھی قربانی سے قبل احرام نہیں کھولا تھا۔ (۲)

---

(۱) سنن بیہقی جلد ۴ ص ۳۳۸ باب الرجل محرم بالحج تطوعا و جلد ۵ ص ۲۰ صفحہ المعبود حدیث ۱۵۰۲

(۲) صحیح مسلم حدیث ۱۵۶، ۱۵۵ باب فی فسخ التحلل ص ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ سنن نسائی باب التمتع جلد ۲ صفحہ ۱۵ و باب الحج بغیر نیۃ بعقد المحرم صفحہ ۱۸۔ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۹۳، ۳۹۵، ۴۱۰۔ سنن بیہقی جلد ۴ صفحہ ۸۸۔ کنزالعمال باب التمتع من کتاب الحج جلد ۵ صفحہ ۸۶۔ بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ بطور اختصار

خلیفہ ثانی نے حج وعمرہ کی تکمیل کا نسخہ ایک اور روایت میں بیان کیا ہے جسے مالک موطا اور بیہقی نے اپنی سنن میں عبداللہ بن عمر کی زبانی یوں نقل کیا ہے:

ان عمر بن الخطاب قال: افصلوابین حجکم و عمر تکم فان ذلک اتم لحج احدکم واتم لعمرته ان یعتمرفی غیراشھر الحج. (۱)

”حج وعمرہ میں فاصلہ رکھو، یہ بات تمہارے حج کے لئے زیادہ تکمیل کا ذریعہ ہے اور تمہارے عمرہ کی تکمیل اس میں ہے کہ حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرو۔“

دوسری روایت میں حضرت عمر سے یہ الفاظ مروی ہیں:

اجعلو االحج فی اشھر الحج واجعلوا العمرة فی غیر اشھر الحج اتم لحجکم و عمر تکم. (۲)

”حج کے مہینوں میں جلد بجا لاؤ اور حج کے مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں میں عمرہ ادا کرو۔ یہ بات تمہارے حج وعمرہ کی تکمیل کرنے والی ہے۔“

---

(۱) تفسیر سیوطی جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ در تفسیر ”الحج اشھر معلومات“ علی ابی شیبة۔

(۲) حلیة الاولیاء ابو نعیم جلد ۵ صفحہ ۲۰۵۔ شرح معانی الآثار مناسک الحج صفحہ ۳۷۵

حضرت عمر کا استدلال اور اس کی حیثیت

حضرت عمر یہ نظریہ رکھتے تھے کہ حج و عمرہ کہ جدا جدا ادا کرنا چاہیے اور وہ کہتے تھے کہ حج کے مہینے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں، لہذا حج کے مہینوں میں عمرہ نہیں کرنا چاہیے اور جب وہ مہینے گذر جائیں تو پھر دوسرے مہینوں میں عمرہ کرنا چاہیے اورس کے لیے انہوں نے ایک دلیل قرآن مجید اور ایک دلیل سنت نبوی سے پیش کی تھی۔

انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

واتموا الحج والعمرة لله: (ابقرہ ۱۹۶)

"اللہ کی رضا کے لیئے حج و عمرہ کو مکمل کرو۔"

حضرت عمر نے دوسری دلیل یہ پیش کی تھی کہ رسول اکرمؐ نے قربانی کے بعد احرام کھولا تھا۔لہذا حج و عمرہ کو علیحدہ رکھنا چاہیے اور عمرہ تمتع سے پرہیز کرنا چاہیے۔

جب کہ ان کا یہ استدلال صحیح نہیں تھا کیونکہ "واتموا الحج والعمرۃ للہ" کی آیت کا تعلق ان افراد سے ہے جو مطمئن ہو کر حج و عمرہ بجا لا رہے ہوں۔ اور وہ خائف نہ ہوں اور ان کے راستے میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہو اور قرآن مجید میں بھی یہ آیت مجیدہ اسی تناظر میں ہے۔

اور جہاں تک رسول اکرمؐ سے استدلال کا تعلق ہے تو وہ استدلال بھی انتہائی کمزور ہے۔کیونکہ رسول اکرمؐ نے اپنے عمل کی خود ہی یہ توجیہ پیش کی تھی کہ میں عمرہ تمتع اس

لیئے نہیں کر رہا کیونکہ میں اپنی قربانیاں ساتھ لا چکا ہوں اور اگر میری قربانیاں میرے ہمراہ نہ ہوتیں تو میں بھی اسے عمرہ تمتع میں تبدیل کر دیتا۔

علاوہ ازیں رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا:

دخلت العمرة فی الحج الی الابد

''عمرہ ہمیشہ کے لیئے حج میں داخل ہو چکا ہے۔''

حضرت عمر انتہائی ذہین شخص تھے، ان سے یہ دلائل ہرگز مخفی نہیں تھے۔ ویسے بھی انہوں نے ابن عباس کے سامنے یہ کہا تھا جیسا کہ سنن نسائی میں ابن عباس سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا:

واللہ انی لا نھاکم عن المتعة وانھا لفی کتاب اللہ ولقد فعلھامع رسول اللہ یعنی العمرة فی الحج.(۱)

''خدا کی قسم! میں تمہیں حج تمتع سے منع کرتا ہوں اور یہ کتاب اللہ میں موجود ہے اور میں نے رسول اکرم کے ساتھ بھی اسے ادا کیا تھا۔''

لہذا حضرت عمر کے اس اعتراف کے بعد کتاب وسنت سے ان کے استدلال کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عمر نے اپنے فرمان کی توجیہ کو خود ہی بیان کیا جیسا کہ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء اور متقی نے کنزالعمال میں ان کی زبانی نقل کیا ہے۔ حلیۃ الاولیاء کے الفاظ یہ ہیں:

ان عمر بن الخطاب نھی عن المتعة فی اشھر الحج و قال فعلتھا مع رسول اللہ(ص) وانا انھیٰ عنھا وذلک ان احدکم یاء تی من الفق من الافاق شعثا نصبامعمترااشھر الحج وانما شعثه و نصبه وتبلیته فی عمرته ثم یقدم فیطوف بالبیت ویحل ویلبس ویتطیب

---

(۱) نسائی کتاب الحج باب التمتع جلد ۲ صفحہ ۱۶۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ ابن کثیر لکھتے ہیں اس روایت کے اسناد جید ہیں مگر محدثین نے اسے روایت نہیں کیا۔

ويقع على اهله ان كا نوامعه حتى اذا كان يوم التروية اهل بالحج و خرج الى منىٰ يلبسى بحجة لا شعث فيها ولانصب ولا تلبية الايوما والحج افضل من العمرة، لو خلينا بينهم وبين هذا لعانقوهن تحت الاراک وان اهل البيت ليس لهم ضرع ولازرع وانمار بيعهم فى من يطرأ عليهم. (۱)

"عمر بن الخطاب نے حج کے مہینوں میں حج تمتع کو ممنوع قرار دیا اور کہا کہ میں نے رسول اکرم ؐ کے ساتھ تمتع کیا تھا، مگر اس کے باوجود میں اسے ممنوع قرار دیتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میں سے ایک شخص دور دراز جگہ سے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے لیے غبار آلود چہرے اور پراگندہ بالوں کے ساتھ تھکا ماندہ آئے۔ اس کے بالوں کی پرگندگی اور اس کی تھکان اور اس کا تلبیہ عمرہ کے لیے ہو اور جب وہ بیت اللہ کا طواف کرلے اور احرام کھول دے تو وہ بہترین لباس پہن لے گا اور خوشبو استعمال کرے گا اور اگر اس کی بیوی اس کے ساتھ ہوگی تو وہ اس سے حقوق زوجیت ادا کرے گا۔ اور جب روز ترویہ شروع ہوگا تو پھر وہ حج کا احرام باندھے گا اور تلبیہ کہہ کر منیٰ کی طرف چلا جائے گا جب کہ نہ تو اس کے بال پریشان ہوں گے اور نہ اسے تھکاوٹ کا احساس ہوگا اور اسے تلبیہ بھی صرف ایک دن کہنا پڑے گا، جب کہ حج، عمرہ سے افضل ہے۔ اگر ہم لوگوں کو عمرہ تمتع کی اجازت دے دیں تو لوگ پیلو کے ان درختوں کے نیچے اپنی بیویوں سے معانقہ کریں گے۔ اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اہل مکہ کے پاس کوئی زراعت اور بہار تو ہوتی نہیں ہے ان کی بہار کا ذریعہ تو صرف وہی لوگ ہیں جو باہر سے حج و عمرہ کے لیے ان کے پاس آتے ہیں۔"

ایک اور روایت میں حضرت عمر سے یہ الفاظ ہیں:

قد علمت ان النبی فعله واصحابه ولكن كرهت ان يظلو امعر

(۱) کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۸۶۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۵ صفحہ ۲۰۵

مسین بھن فی الاراک ثم یروحون فی الحج تقطرر و ئو سھم.(۱)

"مجھے معلوم ہے کہ رسولؐ اور ان کے صحابہ نے عمرہ تمتع کیا تھا لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اپنی بیویوں کو لے کر پیلو کے درختوں کے نیچے داد عیش دیتے رہیں پھر وہ حج کے لیئے اس حالت میں سفر کریں کہ ان کے سروں سے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوں۔"

مذکورہ دو روایات میں خلیفہ ثانی نے اپنے فرمان کی توجیہ میں دو باتیں پیش کیں:

(۱) احترام حج

احترام حج کو پیش نظر رکھ کر حضرت عمر نے عمرہ تمتع کو ممنوع قرار دیا، جب کہ ان کا یہ استدلال کوئی نیا نہیں تھا، یہی استدلال تو صحابہ کرام نے رسول اکرمؐ کے سامنے پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ انسان منیٰ اس عالم میں جائے کہ اس کے آلہ تناسل سے منی ٹپک رہی ہو، مگر رحمۃ اللعالمین نے ان کے استدلال کو ٹھکرا دیا تھا اور فرمایا تھا: کہ میں تمہیں جو حکم دے رہا ہوں تم اس پر عمل کرو اور یہ چہ میگوئیاں چھوڑ دو۔

رسول اکرمؐ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر نے بھی وہی سابقہ استدلال دہرایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ کے فرمان پر تنقید کرنے والے بھی مہاجرین قریش ہی تھے، جن کے اذہان میں صدیوں سے یہ بات گردش کر رہی تھی کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا کائنات کا بدترین فعل ہے۔

(۲) حضرت عمر نے اپنے فرمان کی دوسری توجیہ میں اہل مکہ کی معیشت کو پیش کیا اور کہا کہ اہل مکہ کے ہاں زراعت و حرفت تو موجود نہیں ہے، ان کی روزی کا دارومدار بیت اللہ کے زائرین پر ہے، اگر لوگ ایام حج میں عمرہ کر کے واپس چلے جائیں تو پھر پورا سال لوگوں کی مکہ میں آمدورفت نہیں رہے گی، جس کی وجہ سے اہل مکہ کی تجارت اور کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ حضرت عمر چاہتے تھے کہ لوگ دو مرتبہ مکہ آئیں۔ ایک مرتبہ حج کرنے آئیں اور پھر حج کے مہینوں کے بعد لوگ پھر عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ آئیں تا کہ اہل مکہ کا کاروبار چلتا رہے۔ اس سے ملتا جلتا

(۱) صحیح مسلم حدیث ۱۵۷ صفحہ ۸۹۶۔ مسند طیالسی حدیث ۵۱۶ ج ۲ صفحہ ۷۰۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۴۹-۵۰۔ سنن نسائی کتاب الحج باب التمتع جلد ۱ صفحہ ۱۶۔ سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۰۔ ابن ماجہ حدیث ۲۹۷۹ صفحہ ۶۹۲۔ کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۸۶

جواب انہوں نے حضرت علیؑ کو بھی دیا تھا۔ حضرت علیؑ نے ایک مرتبہ ان سے کہا تھا:

الهيت عن المتعة؟

"کیا تو نے حج تمتع کو ممنوع قرار دیا ہے؟"

حضرت عمر نے کہا تھا:

لا، ولكني اردت كثرة زيارة البيت

"نہیں، بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ بیت اللہ کی زیادہ سے زیادہ زیارت کی جا سکے۔"

اس کے جواب میں حضرت علیؑ نے کہا تھا:

من افرد الحج فحسن ومن تمتع فقد اخذ بكتاب الله وسنة نبيه

"جس نے تنہا حج کیا تو اچھا کیا اور جس نے حج تمتع کیا تو اس نے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت پر عمل کیا۔" (سنن بیہقی جلد ۵ ص ۲۱)

قارئین کرام! یہاں تک آپ نے حج تمتع کے متعلق حضرت عمر کے اس اجتہاد کا مطالعہ کیا جو انہوں نے کتاب وسنت کے مقابلہ میں کیا تھا اور اس سلسلہ میں ان کی توجیہات کا تذکرہ بھی پڑھا اور ہم نے ان کی توجیہات کی کمزوری کو بھی امکانی طور واضح کیا۔

حضرت عمر حج تمتع کے شدید مخالف تھے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں بھی دیتے تھے۔ (صحیح مسلم شرح نووی جلد ا صفحہ ۷۰ ا بحوالہ قاضی عیاض)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

صحابہ حضرت عمر سے بہت ڈرتے تھے اور ان کی مخالفت کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر کے عہد حکومت میں حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی کو ان کے حکم کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ صرف حضرت علیؑ ہی تھے کہ جنہوں نے ان کے سامنے یہ الفاظ کہے تھے: (تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۴۱)

ومن تمتع فقد اخذ بكتاب الله وسنة نبيه(ص)

"جس نے حج تمتع کیا تو اس نے اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت پر عمل کیا۔"

حضرت عمر کے بعد قریشی خلفاء نے اسے ہی اپنا دین بنا لیا۔ اس سلسلہ میں حضرت عثمان کی روش کو ملاحظہ فرمائیں

حضرت عثمان اور متعۃ الحج

حضرت عثمان نے اپنے دور اقتدار میں سنت عمر پر پورا پورا عمل کیا، کیونکہ حضرت عثمان بھی قریشی تھے اور حج و عمرہ کا علیحدہ رہنا قریش کے مالی مفادات کے لئے ضروری تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان کی کھل کر مخالفت کی تھی اور آپ نے اپنے ساتھیوں کو بھی حج تمتع کا حکم دیا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس مسئلہ میں صرف حضرت عثمان کی ہی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے تو حضرت عمر کے سامنے بھی یہ کلمہ حق بلند کیا تھا کہ جس نے عمرہ تمتع کیا اس نے کتاب و سنت پر عمل کیا۔

حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کی مخالفت کیسے کی اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مسند احمد میں عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میں مقام جحفہ پر عثمان بن عفان کے ساتھ تھا اور اس وقت ان کے سات اہل شام کا ایک گروہ موجود تھا جن میں حبیب بن مسلمہ فہری بھی شامل تھا کہ اسی اثنا میں حصر عثمان کے سامنے عمرہ تمتع کا ذکر چھڑا تو انہوں نے کہا:

حج و عمرہ کی مکمل شکل یہ ہے کہ انہیں علیحدہ علیحدہ ادا کیا جائے اور حج کے مہینوں میں عمرہ ادا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر تم عمرہ کو موخر کر دو اور حج کے مہینوں کے بعد اسے بجا لاؤ تو یہ افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیکی میں وسعت دی ہے۔

جب حضرت عثمان نے یہ باتیں کیں تو اس وقت حضرت علیؑ وادی میں اپنا اونٹ چرا رہے تھے، کسی نے انہیں عثمان کی گفتگو کی اطلاع دی۔ حضرت علیؑ یہ سن کر سیدھے حضرت عثمان کے پاس آئے اور انہوں نے کہا:

کیا تو رسول خداؐ کی سنت کو ختم کرنا چاہتا ہے اور خدا کی طرف سے بندوں کو ملنے والی رخصت کو ختم کر کے لوگوں پر تنگی کرنا چاہتا ہے جب کہ دور دراز کے لوگوں اور حاجت مند

افراد کو اس کی اشد ضرورت ہے؟

پھر حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کے سامنے حج وعمرہ دونوں کی نیت کی۔

اس وقت حضرت عثمان نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

کیا میں نے عمرہ تمتع سے منع کیا تھا؟ میں نے عمرہ تمتع سے کسی کو منع نہیں کیا تھا، میں نے تو اپنی رائے بیان کی تھی کہ جو چاہے اس پر عمل کرے اور جو چاہے اسے چھوڑ دے (۱)

مالک موطا میں لکھتے ہیں:

عن جعفر بن محمد عن ابیه ان المقداد بن الاسود دخل علی علی ابن ابی طالب بالسقیا وھو ینبسح بکرات له دقیقا و خبطا فقال له ھذا عثمان بن عفان ینھیٰ عن ان یقرن بین الحج والعمرة فخرج علی و علی یدیه اثر الدقیق والخبط فماانسیٰ اثر الدقیق و الخبط علی ذراعیه حتی دخل علی عثمان بن عفان فقال انت تنھیٰ عن یقرن بین الحج والعمرة فقال عثمان ذلک رایی فخرج علی مغضبا وھو یقول لبیک اللھم لبیک بحجة وعمرة معا .(۲)

"امام جعفر صادق نے اپنے والد سے روایت کی کہ مقداد بن الاسود سقیا نامی گاؤں میں حضرت علیؑ کے پاس آئے، اس وقت حضرت علیؑ اپنے اونٹوں کو گھلا ہوا آٹا اور پانی میں ملا ہوا چارہ کھلا رہے تھے۔ مقداد نے ان سے کہا: یہ عثمان بن عفان حج وعمرہ جمع کرنے سے منع کر رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عثمان کی طرف روانہ ہوئے ان کے ہاتھوں پر آٹے کے نشان تھے میں آج تک ان کے ہاتھوں پر آٹے کے نشانات کو نہیں بھول سکا۔ انہوں نے حضرت عثمان سے کہا: کیا تم حج وعمرہ کرنے سے منع کرتے ہو؟

---

(۱) مسند احمد جلد ا صفحہ ۹۲ حدیث نمبر ۷۰۷۔ ذخائر المواریث صفحہ ۲۱۶۔ جحفہ مکہ سے تین منازل کے فاصلہ پر مدینہ کے راستے میں واقع ہے۔

(۲) موطا مالک حدیث ۴۰ باب القران فی الحج صفحہ ۳۳۶۔ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۹

حضرت عثمان نے کہا: ہاں میری رائے یہی ہے۔

حضرت علیؓ غصے سے باہر نکلے اور باہر نکلتے وقت وہ کہہ رہے تھے:

لبیک اللھم لبیک بحجة وعمرة معاً:

''اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھ رہا ہوں۔(۱)

سنن نسائی، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں مرقوم ہے اور نسائی کے الفاظ یہ ہیں، کہ

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں:

حج علی و عثمان فلما کنا ببعض الطریق نھی عثمان عن التمتع فقال علی اذا رأ یتموہ اوتحل فارتحلو الفلبی علی واصحابه بالعمرة فلم ینھھم عثمان. فقال علی: الم اخبر انک تنھیٰ عن التمتع؟ قال بلیٰ قال له علی فلم تسمع رسول الله تمتع؟ قال: بلیٰ.

''حضرت علیؓ وعثمان اکٹھے حج پر گئے اور جب ہم نے راستہ طے کیا تو عثمان نے عمرہ تمتع سے منع کیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: جب تم دیکھو کہ اس نے کوچ کیا ہے تو تم بھی کوچ کرنا۔ حضرت علیؓ اور ان کے اصحاب نے عمرہ کا تلبیہ کہا لیکن حضرت عثمان نے منع نہ کیا۔''

حضرت علیؓ نے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ تم لوگوں کو عمرہ تمتع سے منع کرتے ہو؟

حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں۔

حضرت علیؓ نے کہا: تو کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ رسول اکرمؐ نے عمرہ تمتع کیا تھا؟

---

(۱) مؤطا کے اردو ترجمہ میں علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

(حضرت علی نے) ان کے سامنے یہ الفاظ کہے تا کہ معلوم ہو کہ قرآن درست ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ نسائی اور اسماعیل کی روایت میں ہے کہ عثمان نے کہا میں تو منع کرتا ہوں اور تم کرتے ہو۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ میں نبی کی سنت کو کسی کے کہنے سے نہیں چھوڑوں گا۔

(مؤطا مالک اردو ترجمہ علامہ وحید الزمان ص ۳۶۹۔ باب القران فی الحج (من المترجم)

حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں۔"

امام سندی حاشیہ پر لکھتے ہیں:

حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا:

"اذا رایتموہ قد ارتحل فارتحلوا"

اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا جب تم دیکھو کہ عثمان نے کوچ کیا ہے تو تم اس کے ساتھ عمرہ کا تلبیہ کہتے ہوئے کوچ کرو، تا کہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ تم نے اس کے قول کو سنت کے مقابلہ پر ترجیح نہیں دی ہے اور سنت کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت درست نہیں ہے۔" (۱)

اس روایت کو احمد نے دوسرے الفاظ سے بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"حضرت عثمان حج پر روانہ ہوئے جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو حضرت علیؑ کو بتایا گیا کہ عثمان نے لوگوں کو حج تمتع سے منع کیا ہے۔ حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: جب وہ کوچ کرے تو تم بھی کوچ کرو۔ حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں نے عمرہ کا تلبیہ کہا۔ حضرت عثمان نے ان سے کوئی کلام نہ کی۔ حضرت علیؑ نے کہا کیا مجھے یہ اطلاع نہیں ملی کہ تو تمتع سے منع کرتا ہے؟ کیا رسول اکرمؐ نے عمرہ تمتع کا حکم نہیں دیا تھا؟

راوی کا بیان ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ عثمان نے کیا جواب دیا تھا (۲)

درج بالا روایات میں آپ نے دیکھا کہ حضرت عثمان نے مخالفت کرنے والوں سے نرمی کا سلوک روا رکھا، جب کہ اسلامی مصادر میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اختلاف کرنے والوں سے سختی برتی تھی۔ جیسا کہ حسب ذیل روایات میں اس امر کی تصریح موجود ہے۔

---

(۱) سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۵ کتاب الحج، باب التمتع۔ مسند احمد جلد ا صفحہ ۵۷ حدیث ۴۰۲ در مسند عثمان۔ مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۴۷۲۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۹

(۲) امام سندی کا نام ابوالحسن محمد بن عبدالهادی الحنفی تھا۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کی تھی اور ۱۱۳۶ھ میں ان کی وفات واقع ہوئی۔

صحیح مسلم، مسند احمد، نسائی کے علاوہ دیگر کتب میں مذکور ہے۔ صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:
شعبہ نے قتادہ سے اس نے عبداللہ بن شقیق سے روایت کی کہ اس نے کہا:

کان عثمان ینھیٰ عن المتعۃ و کان علی یامر بھا فقال عثمان لعلی کلمۃ. ثم قال علی: لقد علمتَ انا قد تمتعنا مع رسول اللہ(ص) فقال اجل ولکنا کنا خائفین!

"عثمان عمرہ الحج سے منع کرتے تھے اور علیؑ اس کا حکم دیتے تھے، عثمان نے علیؑ سے ایک بات کہی، پھر علیؑ نے کہا: تو جانتا ہے کہ ہم نے رسول خداؐ کے ساتھ عمرہ تمتع کیا تھا؟ حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں، لیکن اس وقت ہم حالت خوف میں تھے۔"

مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ مرقوم ہیں:

فقال عثمان لعلی انک کذا و کذا

"عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا تو ایسا ویسا ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

فقال عثمان لعلی قولاً:

"عثمان نے حضرت علیؑ سے ایک بات کہی۔"

روایت کے آخر میں ہے:
شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ سے پوچھا: انہیں کس کا خوف تھا؟
قتادہ نے کہا:
مجھے کوئی علم نہیں ہے۔(۱)

۱۔ صحیح مسلم حدیث ۱۵۸ صفحہ ۸۹۶۔ باب جواز التمتع من کتاب الحج۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۹۷ حدیث ۷۵۶۔ دوسری روایت صفحہ ۲۰ اور حدیث کا نشان ۳۳۱ ہے۔ جب کہ ۴۳۲ حدیث میں بھی قریباً یہی مضمون دہرایا گیا ہے۔ سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۲۔ المنتقی حدیث ۲۳۸۲۔ کنزالعمال طبع اول جلد ۳ صفحہ ۳۳۔ شرح معانی الاخبار کتاب مناسک الحج صفحہ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۷ (بطور اختصار) ابن کثیر نے صفحہ ۱۲۹ پر حدیث بیان کرنے کے بعد لکھا۔
اس سے عثمان کی طرف سے حضرت علیؑ کی روایت کا اعتراف کرنا ثابت ہوتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت علیؑ نے حجۃ الوداع میں احرام باندھتے وقت یہ کہا تھا کہ میں نبی کی نیت کے مطابق نیت کرتا ہوں۔

محب خلفاء کے محدثین نے اپنی پرانی عادت کے مطابق حضرت عثمان کا وہ قول نقل نہیں کیا جو اس نے حضرت علیؑ سے کہا تھا اور اس گفتگو کی بجائے انہوں نے ''کذا و کذا'' جیسے مبہم الفاظ لکھ دیئے' اور دوسری روایت میں عثمانی گفتگو کو نقل کرنے کی بجائے لفظ ''قولا'' پر قناعت کی گئی۔

حضرت عثمان کے اس جواب نے محدثین کو پریشان کر دیا کہ ''ہم اس وقت حالت خوف میں تھے'' قتادہ جیسے محدث کو معلوم نہ ہو سکا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں اور رسول اکرمؐ کو کون سا خطرہ اور خوف لاحق تھا؟

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ صرف قتادہ کا ہی مسئلہ نہیں ہے بلکہ دنیا کا کوئی بھی باشعور شخص نہیں بتا سکتا کہ اسلام کے عروج کے وقت مسلمانوں کو کون سا خوف لاحق تھا اور وہ خوف کس کی طرف سے تھا؟

علمائے محدثین و مؤرخین تو ایک طرف رہے دنیا کا کوئی منجم بھی اس خوف کی توجیہ نہیں کر سکتا۔

حج تمتع کا حکم حجۃ الوداع میں دیا گیا تھا۔ اس وقت پورے جزیرہ نما عرب پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا اور شرک کی قوت کا خاتمہ ہو گیا تھا' مگر اس کے باوجود بھی اگر مسلمانوں کو خوف تھا تو آخر کس کا خوف تھا؟

ابن کثیر نے کہا:

ولست ادری علی مایحمل هذاالخوف من ای جهة کان؟ وقد الحمد لله له الاسلام و فتح البلد الحرام وقد نودی برحاب منیٰ ایام الموسم فی العام الماضی: ان لایحج بعدا العام شرک ولایطوفن بالبیت عریان.

''مجھے معلوم نہیں کہ اس خوف کو کس بات پر محمول کیا جائے اور اس خوف کا سرچشمہ کیا تھا؟ اس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا' جب کہ حجۃ الوداع کے وقت ارضی حقائق یہ تھے کہ اس وقت اسلام مکمل طور پر جزیرہ نما عرب پر چھا چکا تھا اور مکہ فتح ہو چکا تھا اور حجۃ الوداع سے ایک سال قبل مقام منیٰ کے

اجتماع میں یہ اعلان کیا جاچکا تھا کہ آئندہ سال کوئی مشرک حج کرنے نہیں آئے گا اور کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔" (۱)

سابقہ روایت میں آپ نے پڑھا کہ حضرت عثمان نے حج تمتع کو اس لئے تسلیم نہیں کیا کہ بقول ان کے "ہم حالت خوف میں تھے" اب حسب ذیل روایات کو ملاحظہ فرمائیں اس میں انہوں نے اپنے سابقہ عذر کو بیان نہیں بلکہ اپنے شدید غصہ اور نفرت کا اظہار کیا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، مسند طیالسی اور مسند احمد کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں مرقوم ہے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت ان الفاظ سے بیان کی گئی ہے:

عن سعید بن المسیب ، قال: اجتمع علی و عثمان بعسفان و کان عثمان ینھیٰ عن المتعة اوالعمرة، فقال علی: ماترید الی امر فعله رسول الله تنهی عنه؟ فقال عثمان: دعنا منک! قال: لااستطیع ان ادعک منی. فلمارای علی ذلک اهل بهما جمیعا.(۲)

"سعید بن میتب کا بیان ہے کہ علیؑ اور عثمان مقام عسفان پر اکٹھے ہوئے۔ عثمان متعہ یا عمرہ سے منع کرتے تھے۔ حضرت علیؑ نے کہا: جو کام رسول خداؐ نے کیا ہے تو اس سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہے؟"

عثمان نے کہا: آپ ہمیں معاف ہی رکھیں۔

حضرت علیؑ نے کہا: میں تجھے نہیں چھوڑ سکتا۔

جب حضرت علیؑ نے اس کا رویہ دیکھا تو انہوں نے حج و عمرہ دونوں کی نیت کی۔"

صحیح بخاری، سنن نسائی، دارمی، بیہقی، مسند احمد اور طیالسی وغیرہ میں مذکور ہے کہ صحیح بخاری میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

---

(۱) تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۷

(۲) صحیح مسلم صفحہ ۸۹۷۔ حدیث ۱۵۹ باب جواز التمتع۔ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۹۰۔ باب التمتع والاقران۔ مسند طیالسی جلد ۱ صفحہ ۱۶۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ حدیث ۱۱۳۶۔ سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۲۔ منحۃ المعبود جلد ۱ صفحہ ۲۱۰۔ باب ماجاء فی القران حدیث ۱۰۰۵ شرح معانی الآثار صفحہ ۳۷۱۔ زادالمعاد جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ فصل فی جمع بین الحج والعمرۃ۔ ابن قیم نے زادالمعاد کے صفحہ ۲۲۰ پر یہ عنوان قائم کیا۔ بحث فی انہ کان قارنا لا مفردا۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۹۔ عسفان جحفہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ معجم البلدان۔

عن مروان بن الحکم قال: شھدت عثمان و علیاوعثمان ینھی عن المتعة وان یجمع بینھما فلما رأی علی اھل بھما : لبیک بعمرة و حجة معا، قال: ماکنت لادع سنة النبی (ص) لقول احد.

"مروان بن الحکم کا بیان ہے کہ میں عثمان اور علیؑ کی گفتگو میں موجود تھا۔ عثمان حج التمتع سے منع کرتے تھے اور حج وعمرہ جمع کرنے سے روکتے تھے۔ جب حضرت علیؑ نے ان کا یہ رویہ دیکھا تو حج وعمرہ دونوں کی نیت کی اور کہا عمرہ و حج دونوں کے لیے ایک ہی احرام باندھتا ہوں' لبیک پھر انہوں نے کہا: میں کسی کے کہنے پر نبی اکرمؐ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

نسائی کے الفاظ یہ ہیں:

• عثمان نے حج التمتع اور حج وعمرہ کو یکجا کرنے سے منع کیا اور اس نے حضرت علیؑ سے کہا: میں منع کرتا ہوں اور آپ اس پر عمل کرتے ہیں؟

حضرت علی نے کہا: میں کسی انسان کے کہنے پر رسول اکرمؐ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

دوسری روایت میں ہے:

"لقولک"

یعنی تمہارے کہنے پر رسول خدا کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ابنِ قیم کا منصفانہ فیصلہ

مذکورہ احادیث نقل کرنے کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں:

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو بھی حج وعمرہ کو جمع کرتا تھا وہ ان کے نزدیک متمتع سمجھا جاتا تھا۔ اور رسول اکرمؐ نے اس پر عمل کیا تھا اور جب حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کے سامنے یہ استدلال پیش کیا کہ

کیا تو اس فعل سے روکنا چاہتا ہے جسے رسول خدا نے سرانجام دیا تھا؟

حضرت عثمان، حضرت علیؑ کے استدلال کو مسترد نہ کر سکے۔ انہیں حضرت علیؑ کے موقف کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اگر بالفرض رسول خداؐ نے حج وعمرہ کو جمع نہ کیا ہوتا تو حضرت عثمان، حضرت علیؑ سے یہ کہہ سکتے تھے کہ آنحضرتؐ نے ایسا کوئی فعل سرانجام نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت علی نے نبی اکرمؐ کی اقتدا کا قصد کیا اور حج وعمرہ دونوں کے لئے انہوں نے تلبیہ کیا حضرت علی نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ رسول خداؐ کی سنت منسوخ نہیں ہوئی، جبکہ عثمان تاویل کرتے ہوئے اس سے منع کر رہے تھے۔

(زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۱۸)

سابقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حج وعمرہ دونوں کی بلند آواز سے نیت کر کے خلیفہ کے اجتہاد کی مخالفت کی۔ اور خلیفہ نے حضرت علیؑ کے موقف کے سامنے کبھی خاموشی اور نرمی اختیار کی اور کبھی سختی اور درشتی اختیار کی۔

خلیفہ ثالث کی سختی اور نرمی کو ان کی خلافت کے دو ادوار کا عکس سمجھا جا سکتا ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کی نرمی کی پالیسی ان کے دور خلافت کے ابتدائی دور میں تھی اور بعد میں انہوں نے پر تشدد طریقہ اپنا لیا ہوگا؟ اور ان کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ وہ حج تمتع کرنے والوں کو کوڑے مارتے تھے اور تشہیر کی غرض سے ان کا سر منڈواتے تھے۔ چنانچہ ابن حزم لکھتے ہیں:

ان عثمان سمع رجلا يهل بعمرة و حج فقال علي بالمهل ، فضمر به و حلقه

"حضرت عثمان نے ایک شخص کو حج وعمرہ کا اجتماعی تلبیہ کہتے ہوئے سنا تو کہا اس تلبیہ کرنے والے کو میرے پاس لایا جائے، چنانچہ انہوں نے اسے مارا اور اس کا سر منڈوادیا۔"

خلیفہ ثالث نے اسے جسمانی تکلیف دینے کے لئے مارا پیٹا اور سے ذلیل و رسوا کرنے کی غرض سے اس کا سر منڈوادیا، مگر خلیفہ کی تمام تر کوششیں اکارت ثابت ہوئیں، کیونکہ حضرت علیؑ جیسی عظیم شخصیت نے اس مسئلہ میں ان کی بھرپور مخالفت کی، جس کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کو بھی حوصلہ ملا اور یوں سنت نبوی ضائع ہونے سے بچ گئی' اگر آج مسلمانوں کی اکثریت حج تمتع بجا لاتی ہے تو انہیں امیر المومنین علی علیہ السلام کا شکر گذار ہونا چاہیے۔ اگر آپ خلفاء کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر استقامت کا مظاہرہ نہ کرتے تو آج سنت نبوی کا کہیں نام ونشان تک نہ ہوتا، اس کی بجائے سنت عمر ہی مسلمانون پر راج کرتی ہوئی دکھائی دیتی۔

حضرت علیؑ کا دور خلافت اور حج تمتع

ملت اسلامیہ کی کتابیں آپ کے متعلق شد و مد سے گواہی دیتی ہیں کہ آپ نے خلیفہ دوم اور خلیفہ سوم سے حج تمتع کے مسئلہ پر ٹکر لی تھی اور جس دور میں حج تمتع کرنے والوں کو کوڑے مارے جاتے تھے اور انہیں ذلیل کرنے کے لیے ان کے سر منڈوائے جاتے تھے، اس پر آشوب ماحول میں رہ کر آپ نے خلفاء کے احکام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی لیے کتب حدیث و تاریخ میں آپ کے عہد حکومت میں حج تمتع کے متعلق کوئی تذکرہ دکھائی نہیں دیتا اور اس تذکرہ کی عدم موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں حج تمتع پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ البتہ آپ کے عہد حکومت کے بعد عہد معاویہ میں ہمیں وہ کشمکش دوبارہ دکھائی دیتی ہے۔ (المحلی ابن حزم جلد ۷ ص ۱۰۷)

حج تمتع عہد معاویہ میں

معاویہ اپنے آپ کو خلفائے ثلاثہ کے راستے ہی پر قرار دیتا تھا اور جب وہ دیکھتا تھا کہ فلاں مسئلہ میں اہل بیت نے خلفائے ثلاثہ سے اختلاف کیا تھا تو وہ اس مسئلہ پر زیادہ زور دیتا تھا اور اس کے اس طرح کے اقدامات کا اول و آخر مقصد حضرت علی علیہ السلام کے طرز عمل کی مخالفت ہوتا تھا۔ چنانچہ معاویہ کو معلوم تھا کہ اس کے ممدوح افراد نے حج تمتع پر پابندی عائد کی تھی اور ان کا حریف علی بن ابی طالبؑ حج تمتع کو جائز سمجھتا تھا۔ اسی لیے اس نے حضرت علیؑ کے فکر اور نظریہ کو ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اور اسی کام میں اس کے جلاد صفت ساتھی شامل تھے۔ جیسا کہ حسب ذیل کتب میں عمرہ تمتع کے متعلق معاویہ کی پالیسی کو اور بھی واضح کیا گیا ہے۔ نسائی ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

هذا معاوية ينهى الناس عن المتعة و قد تمتع النبيؐ .

"اس معاویہ کو دیکھو کہ یہ لوگوں کو حج تمتع سے روک رہا ہے جب کہ نبی کریمؐ نے حج تمتع کا حکم دیا تھا۔" (سنن نسائی باب التمتع)

سنن دارمی میں محمد بن عبداللہ بن نوفل سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

سمعت عام حج معاوية يسأل سعد بن مالک: كيف تقول بالتمتع بالعمرة الى الحج؟ قال :حسنة جميلة. قال: قد كان عمر

ینهیٰ عنهما، فانت خیر من عمر؟ قال عمر خیر منی وقد فعل ذلک النبی وهو خیر من عمر. (۱)

"جس سال معاویہ نے حج کیا، میں نے اس سے سنا کہ وہ سعد بن مالک سے پوچھ رہا تھا تو عمرہ و حج کے درمیان تمتع کے متعلق کیا عقیدہ رکھتا ہے؟"

اس نے کہا: میں اسے خوبصورت اور اچھا فعل سمجھتا ہوں۔

معاویہ نے کہا: عمر حج تمتع سے منع کرتے تھے کیا تو عمر سے افضل ہے؟

"سعد بن مالک نے کہا: عمر مجھ سے بہتر ہے لیکن رسول خداؐ نے اس پر عمل کیا ہے اور وہ عمر سے افضل تھے۔"

کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکالمہ صرف سعد بن مالک اور معاویہ تک ہی محدود نہیں رہا تھا بلکہ اس میں معاویہ کے کچھ فوجی سالار بھی شامل تھے۔ جیسا کہ حسب ذیل روایت سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے۔

موطا مالک، سنن نسائی، سنن ترمذی اور سنن بیہقی کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں مرقوم ہے اور موطا کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

محمد بن عبداللہ بن حارث نے کہا جس سال معاویہ نے حج کیا تھا اس سال میں نے سعد بن ابی وقاص اور ضحاک بن قیس کی حج تمتع کے متعلق گفتگو سنی کہ

ضحاک بن قیس نے کہا:

لایفعل ذلک الا من جهل امر الله عزوجل.

"حج تمتع صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو اللہ کے حکم سے جاہل ہو۔"

اس کے جواب میں سعد نے کہا:

بئس ماقلت یا بن اخی!

"بھتیجے! تم نے بہت ہی بری بات کی ہے۔"

---

(۱) سنن دارمی جلد ۲ صفحہ ۳۵ راوی کا شجرہ نسب یہ ہے محمد بن عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب۔ اس کا تعلق طبقہ ثالثہ سے تھا اور وہ مقبول الروایہ تھا۔ (تقریب التہذیب جلد ۲ ص ۱۷۵)

ضحاک نے کہا:

فان عمر بن الخطاب قدنهیٰ عن ذلک۔

"مگر عمر بن خطاب نے اس سے روک دیا تھا۔"

سعد نے کہا:

قد صنعها رسول اللہ(ص) وصنعنا ها معه(۱)

"رسول اللہ نے اس پر عمل کیا تھا اور ہم نے آپ کے ساتھ اس پر عمل کیا تھا۔"

واضح رہے کہ ضحاک بن قیس کا تعلق قبیلہ قریش کی شاخ فہر سے تھا، اس لئے سعد نے اسے بھتیجا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ ضحاک رسول اکرمؐ کی وفات سے سات سال قبل پیدا ہوا تھا، اور وہ معاویہ کی فوج کا ایک جرنیل تھا اور اس نے معاویہ کے ساتھ شامل ہو کر حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگیں کی تھیں۔ معاویہ نے حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں اسے فوجی دستہ دے کر عراق کی غارت گری کے لئے روانہ کیا تھا۔ اس نے سواد عراق پر غارت گری کی اور راستے میں اسے جتنے بھی اعراب ملے اس نے انہیں تہ تیغ کیا تھا۔ پھر اس نے عراقی حجاج کے قافلہ پر حملہ کیا اور ان میں سے بہت سے عازمین حج کو قتل کیا اور ان کا سامان لوٹ لیا۔ وہ معاویہ کی تدفین میں شامل تھا اور اسی نے یزید کو معاویہ کی موت کی اطلاع دی تھی۔ یزید کی موت کے بعد اس نے ابن زبیر کی بیعت کی اور "مرج راھط" میں اس نے مروان کے ساتھ جنگ کی اور ۶۴ھ میں وہ اسی جنگ میں قتل ہوا۔

معاویہ کے جلاد جرنیل سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ معاویہ کے نظریات کا دفاع کرے اور سنت نبوی کی مخالفت کرے۔

---

(۱) موطا مالک جلد ۱ ص ۳۴۴۔ باب ماجاء فی التمتع حدیث ۶۰، سنن نسائی جلد ۲ ص ۱۵، باب التمتع سنن ترمذی جلد ۴ ص ۳۸ باب ماجاء فی التمتع، سنن بیہقی جلد ۵ ص ۱۷، تفسیر قرطبی جلد ۲ ص ۳۸۸۔ قرطبی لکھتے ہیں ھذا حدیث صحیح "یہ حدیث صحیح ہے۔" زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۱۸ بدائع المنن حدیث ۹۰۳۔ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۷، ۱۳۵

معاویہ نے سنت عمری کے اِحیاء تک اپنی کوششوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ اس نے ایسی احادیث بھی وضع کی تھیں جن میں حج تمتع کی مخالفت کی گئی تھی ، چنانچہ بیہقی اور ابو داؤد نے اپنی اپنی سنن میں ان روایات کو بھی نقل کیا۔ چنانچہ سنن بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:

"ان معاویة قال لنفر من اصحاب رسول الله"

"معاویہ نے پیغمبر خداؐ کے صحابہ کی جماعت سے کہا":

جب کہ سنن ابی داؤد کے الفاظ یہ ہیں:

قال لاصحاب رسول الله أتعلمون.... ان رسول الله نهى عن صفف النمور ؟ قالوا: اللهم نعم

قال وانا اشهد. قال: أ تعلمون ان النبى نهىٰ عن لبس اللهب الامقطعا؟

قالوا: اللهم نعم

قال: أ تعلمون ان النبى (ص) نهيٰ ان يقرن بين الحج والعمرة؟

قالوا:

اللهم لا.

قال والله انها لمعهن.

"معاویہ نے اصحاب رسول سے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ نبی اکرمؐ نے زرہ کے نیچے چیتے کی کھال پہننے سے منع کیا تھا؟

صحابہ نے کہا: جی ہاں، یہ درست ہے۔

پھر معاویہ نے کہا: اچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ نبی اکرمؐ نے سونا پہننے سے منع کیا تھا؟ ہاں اگر ٹکڑے کی شکل میں ہو تو جائز ہے؟

صحابہ نے کہا: جی ہاں یہ بھی سچ ہے۔

پھر معاویہ نے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ نبی اکرمؐ نے حج و عمرہ جمع کرنے سے منع کیا تھا؟

صحابہ نے کہا: نہیں، رسول اکرمؐ نے منع نہیں کیا تھا۔
معاویہ نے کہا: خدا کی قسم! یہ بھی ان کے ساتھ ہے۔"
اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن قیم نے لکھا:
ہم خدا کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں یا تو معاویہ کو وہم ہوا تھا یا یہ معاویہ پر جھوٹ تراشا گیا ہے۔ رسول اکرمؐ نے حج تمتع سے ہرگز منع نہیں کیا تھا۔(۱)

ابن قیم کو معاویہ سے حسن ظن تھا اسی لیے اس نے مذکورہ تاویل کی ہے اگر ابن قیم عقیدت کی عینک اتار دیتے تو انہیں حقائق واضح صورت میں دکھائی دے سکتے تھے۔ اس سلسلہ کی عجیب ترین روایت وہ ہے کہ جو خود معاویہ سے مروی ہے، جس میں اس نے خود اپنے سابقہ بیان کی تکذیب کی ہے اور یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد میں مرقوم ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

عن ابن عباس قال: قال لی معاویة: اعلمت انی قصرت من راس رسول الله عندالمروة بمشقص؟ فقلت له: لاعلم هذا الاحجة علیک

"ابن عباس کا بیان ہے کہ معاویہ نے مجھ سے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے مروہ پر مقرض سے رسول خداؐ کے سر کے بالوں سے ایک لٹ کاٹی تھی؟"
میں (ابن عباس) نے کہا: یہ بات تو تیرے خلاف حجت ہے۔

المنتقیٰ میں **"فی ایام العشر بمشقص"** (۲)
"یعنی حج کے دس دنوں میں میں نے آنحضرتؐ کے سر کی تقصیر کی تھی۔"

---

(۱) سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۰ باب کراھیۃ من کرہ القران والتمتع۔ سنن ابی داؤد باب فی افراد الحج صفحہ ۱۵۷۔ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۲۹۔ مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۳۶ (بطور اختصار) تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۰۔ ۱۳۱ اجملۃ من احادیث الباب۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۰۷ باب الحلق والتقصیر صحیح مسلم باب التقصیر فی العمرۃ حدیث ۲۰۹۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۹۔ ۱۶۰ حدیث ۱۸۰۲۔ ۱۸۰۳ کتاب المناسک۔ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۹۶۔ ۹۸۔ المنتقیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ حدیث ۲۵۷۹۔ ۲۵۸۰۔ منحۃ المعبود حدیث ۱۵۰۲

مذکورہ روایت کے متعلق ابن قیم نے لکھا:

وھذا مماانکرہ الناس علی معاویۃ و غلطوہ فیہ: (۱)

"یہ بات ان باتوں میں شامل ہے جس کا لوگوں نے معاویہ کے متعلق انکار کیا ہے اور اسے غلط کہا ہے۔"

اتنی بات واضح ہے کہ معاویہ کی بیان کردہ دونوں روایات میں سخت تضاد پایا جاتا ہے اور اس کی بیان کردہ روایات ایک دوسرے سے پورے قطب کے فاصلہ پر دکھائی دیتی ہیں۔

سنت عمر کو زندہ کرنے کے شوق میں معاویہ کو سعد بن ابی وقاص کی سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ غنیم بن قیس کا بیان ہے:

سالت سعد بن ابی وقاص عن المتعۃ فقال فعلنا ھا وھذا یومئذ کافر بالعرش (۱)

"میں نے سعد بن ابی وقاص سے حج تمتع کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا ہم نے حج تمتع پر عمل کیا تھا اور اس وقت یہ (معاویہ) اقتدار خداوندی کا منکر تھا۔ یعنی کافر تھا۔"

راوی نے کہا کہ لفظ عرش سے مکہ کے گھر مراد ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ "ھذا" معاویہ مراد ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ یار لوگوں نے معاویہ کو بچانے کے لئے لفظ "عرش" پر دو پیش لگائے ہیں تا کہ اسے لفظ "عُرُوش" کی جمع باور کرایا جا سکے اور عربی زبان میں لفظ "عروش" کے معنی گھر کے ہیں، لہذا انہوں نے سعد بن ابی وقاص کے جملے کا یہ معنی کیا کہ ہم نے حج تمتع پر اس وقت عمل کیا تھا جب معاویہ مکہ کے گھروں میں بحیثیت کافر زندگی بسر کرتا تھا، جب کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یار لوگوں نے معاویہ کی محبت میں آ کر یہ خواہ مخواہ کا تکلف کیا ہے۔

۱۔ صحیح مسلم باب جواز التمتع حدیث ۱۲۲۴ صفحہ ۸۹۸۔ شرح الحدیث عند النووی جلد ۷ صفحہ ۲۰۲۔ المنتقی حدیث ۲۳۸۶۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۷، ۱۳۵

جب کہ یہ لفظ "عُروش" ہے اور سعد کی گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے اس وقت متعہ الحج کیا تھا، جب کہ معاویہ رب عرش کا منکر تھا۔

یہ سعد کا جگر تھا کہ اس نے بہت سے مقامات پر معاویہ سے کھل کر اختلاف کیا تھا، کیونکہ سعد کا بہر نوع ایک مقام تھا، وہ فاتح عراق اور قادسیہ کا ہیرو تھا اور وہ چھ نفری شوریٰ کا بھی ایک رکن تھا جسے حضرت عمر نے اپنی خلافت کے لئے نامزد کیا تھا، اسی لئے سعد کو کسی سے ڈرنے جھجکنے کی ضرورت نہیں تھی، جب کہ صحابہ میں سے ہر شخص سعد کی طرح سے مؤثر شخصیت کا مالک نہیں تھا، اسی لئے وہ بے چارے اپنے مافی الضمیر اظہار سے ڈرتے تھے، اس کے لئے ہم عمران بن حصین صحابی کی مثال کو مدنظر رکھتے ہیں اس بے چارے کی حالت یہ تھی کہ کھل کر حقیقت کو ظاہر نہیں کرسکتا تھا اور پوری زندگی دل کے ارمان دل میں ہی لئے رہا اور جب اس کی موت کا وقت آیا تو پھر اس نے دل میں چھپی ہوئی بات کو زبان پر لانے کی جسارت کی، جیسا کہ مسلم میں مطرف سے روایت ہے کہ اس نے کہا:

بعث الی عمران بن حصین فی مرضہ الذی توفی فیہ فقال انی کنت محدثک باحادیث لعل اللہ ان ینفعک بھابعدی فان عشت فاکتم عنی وان مت مخدث بھا ان شت انہ قد سلم علی واعلم ان نبی اللہ (ص) قدجمع بین حج و عمرۃ ثم لم ینزل فیھا کتاب ولم ینھنا عنھما رسول اللہ (ص) قال فیھا رجل برأیہ ماشاء. (۱)

"عمران بن حصین نے اپنی مرض وفات میں مجھے بلایا اور کہا: میں تجھے کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں، ممکن ہے ان کے ذریعہ سے میرے بعد اللہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا دے۔ اگر میں زندہ رہوں تو تم ان باتوں کو چھپائے رکھنا اور اگر میں مرجاؤں تو اگر تم چاہو تو انہیں بیان کرنا کیونکہ اس کے بیان سے مجھ پر کوئی

(۱) صحیح مسلم، باب جواز التمتع حدیث ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹ صفحہ ۸۹۹۔ شرح النووی صفحہ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ حضرت عمر نے عمران بن حصین کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا وہ مستجاب الدعوات تھے۔ مرض وفات میں فرشتے ان پر سلام کرتے تھے۔ ۵۲ھ کو انہوں نے عہد معاویہ میں بصرہ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۷)

اثر نہیں پڑے گا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ رسول خداؐ نے حج وعمرہ کو جمع کیا تھا، پھر کتاب خدا میں اس سے روکا نہیں گیا اور رسول اللہؐ نے بھی ہمیں اس سے منع نہیں کیا تھا۔ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا۔"

دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

انی لاحدثک بالحدیث الیوم ینفعک اللہ بہ بعد الیوم: واعلم ان رسول ؐاللہ قد اعمر طائفۃ من اهلہ فی العشر. ای عشرذی الحجۃ. فلم تنزل ایۃ تنسخ ذلک ولم ینہ عنہا حتی مضیٰ لوجهہ ارتائی کل امرئی بعد ماشاء ان یرتئی

"میں آج تجھے ایسی بات بتانا چاہتا ہوں جو آج کے بعد تجھے فائدہ دے گی۔ تجھے علم ہونا چاہیے کہ رسول خدا نے اپنے خاندان کے کچھ افراد کو ماہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں عمرہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ کسی آیت نے نازل ہو کر اس حکم کو منسوخ نہیں کیا اور رسول اکرمؐ نے اس سے منع نہیں کیا، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی، بعد میں جس شخص کے جی میں جو کچھ آیا اس نے کہہ دیا۔"

الغرض معاویہ کے دور میں حج تمتع پر پابندی جاری رہی۔ معاویہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا یزید اس کا جانشین ہوا۔ اس نے اقتدار سنبھالتے ہی امام حسین علیہ السلام کو شہید کردیا اور ان کے خاندان کو شہر بہ شہر تشہیر کرایا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس نے شہر پیغمبر پر فوج کشی کی جس میں صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت قتل ہوئی اور مدینہ منورہ کو لوٹا گیا اور صحابہ وتابعین کی بہو بیٹیوں کی عصمتیں تارتار ہوئیں۔ پھر اس نے ابن زبیر کے مقابلہ کے لیئے مکہ پر لشکر کشی کی اور انہی دنوں میں وہ ہلاک ہوگیا۔

اس کی موت کے ساتھ ہی عبداللہ بن زبیر کی قوت میں اضافہ ہوا اور وہ پورے حجاز کا بلا شرکت غیرے مالک بن گیا۔

ابن زبیر حضرت ابوبکر کا نواسہ تھا۔ اس نے عمرہ تمتع کے متعلق خلفاء کی پالیسی پر عمل کیا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

عبداللہ بن زبیر کے عہد حکومت میں حج تمتع

عبداللہ بن زبیر کا تعلق قریش کی شاخ اسد سے تھا، اس کی کنیت ابوبکر اور ابو خبیب تھی۔ اس کی والدہ اسماء دختر ابوبکر تھیں اور اس کی خالہ ام المومنین عائشہ تھیں۔ ہجرت کے بعد وہ مدینہ میں پیدا ہوا۔ وہ جنگ جمل کے محرکین میں سے تھا اور اس پورے معرکہ دار و گیر میں اپنی خالہ عائشہ کے ساتھ رہا، حضرت علی علیہ السلام نے اس کے متعلق فرمایا تھا:

"مازال الزبیر منا اهل البیت حتی نشا ابنه عبدالله"

"زبیر کا تعلق ہمیشہ ہم اہل بیت سے رہا یہاں تک کہ اس کا بیٹا عبداللہ جوان ہو گیا۔"

معاویہ کی موت کے بعد ابن زبیر نے مکہ میں پناہ لے لی تھی اور اس نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تھا۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس نے لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت دی۔ یزید نے اہل مدینہ اور اہل مکہ کی بغاوت فرو کرنے کے لیئے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر نے پہلے پہل مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور وہاں دل کھول کر غارت کی۔ مدینہ کی مہم سے فراغت پانے کے یزیدی لشکر نے مکہ کا رخ کیا اور ۲۶ محرم ۶۴ھ کو یزیدی لشکر نے مکہ کا محاصرہ کیا اور فریقین کی لڑائی کی وجہ سے خانہ کعبہ کا اکثر حصہ نذر آتش ہو گیا اور حضرت اسماعیل کے فدیہ میں آنے والے مینڈھے کے دونوں سینگ جو کہ کعبہ کی چھت پر نصب تھے، جل گئے۔ اسی اثنا میں یزید واصل جہنم ہوا اور اس کی موت کے بعد ابن زبیر کی خلافت کو خوب فروغ حاصل ہوا، اور اس کی حکومت حجاز، یمن، عراق اور خراسان پر قائم ہوئی۔ جب عبدالملک بن مروان کی حکومت مستحکم ہوئی تو اس نے اپنے عراقی گورنر حجاج بن یوسف کو ابن زبیر کے مقابلہ کے لیئے روانہ کیا اور حجاج اور ابن زبیر کے لشکروں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جس کے نتیجہ میں چودہ جمادی الثانی ۷۳ھ کو ابن زبیر قتل ہوا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۶۱-۱۶۳)

ابن زبیر نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی، اس نے اور اس کے بھائیوں نے اس دوران مسلمانوں کو عمرہ تمتع سے روکنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ ان کی اسی روش کی وجہ سے ان کے اور حضرت علیؑ کے پیروکاروں کے درمیان کئی زوردار مناظرے ہوئے، جن میں چند مناظروں کی روئیداد حسب ذیل روایات میں بیان کی گئی ہے۔ صحیح مسلم میں مذکور ہے:

کان ابن عباس یاء مر بالمتعة و کان ابن الزبیر ینھیٰ عنھا.... الحدیث (صحیح مسلم ص ۸۸۵ حدیث ۱۴۵)

"ابن عباس متعہ کا حکم دیتے تھے اور ابن زبیر اس سے منع کرتا تھا۔"

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ابو جمرۃ الضبعی سے منقول ہے کہ اس نے کہا:

تمتعت فنھانی ناس عن ذلک فاتیت ابن عباس فسالته عن ذلک فامرنی بھا، قال ثم انطلقت الی البیت فنمت فاتانی ات فی منامی فقال عمرة متقبلة و حج مبرور. قال فاتیت ابن عباس فاخبر ة بالذی رأیت فقال الله اکبر سنة ابی القاسم. (۱)

"ابو جمرہ ضبعی کا بیان ہے کہ میں نے حج تمتع کیا۔ مجھے لوگوں نے اس سے منع کیا، میں ابن عباس کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے مجھے عمرہ تمتع بجالانے کا حکم دیا۔ پھر میں بیت اللہ گیا اور وہاں سو گیا۔ میرے خواب میں ایک آنے والا آیا اور کہا: عمرہ منظور اور حج مقبول ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں ابن عباس کے پاس گیا اور میں نے انہیں اپنا خواب سنایا۔ انہوں نے کہا: اللہ اکبر۔ ابو القاسم کی سنت پر عمل ہوا ہے۔"

---

(۱) صحیح مسلم باب جواز العمرۃ فی اشھر الحج حدیث ۲۰۳ صفحہ ۹۱۱۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۴۱۔ سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب ۸۰۔ دارمی باب ۳۱۔ بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۰۔ ابو جمرہ نصر بن عمران ضبعی بصری نزیل خراسان کا تعلق رواۃ کے طبقہ ثالثہ سے ہے۔ ۱۲۸ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ تمام اصحاب صحاح نے اس کی روایات نقل کی ہیں۔ (تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۰۰)

مسند احمد اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے کہ ابن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب نے ان سے کہا: آپ اپنے اس قول کی وضاحت کریں کہ جس شخص کے ساتھ قربانی نہ ہو اور وہ حج پر جائے تو بیت اللہ کے طواف کے بعد احرام سے آزاد ہو جاتا ہے اور جو اپنے ساتھ قربانی لے کر جائے تو اسے عمرہ و حج دونوں کرنے چاہیں، جب کہ دوسرے لوگ یہ نظریہ نہیں رکھتے۔ابن عباس نے جواب میں کہا: تجھ پر افسوس حضرت رسول خدا اور آپ کے صحابہ مدینہ سے نکلے تو وہ حج کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتے تھے۔جن لوگوں کے پاس قربانیاں موجود نہ تھیں تو رسول اکرم نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ بیت اللہ کا طواف کر کے احرام سے آزاد ہو جائیں اور وہ اسے عمرہ قرار دیں۔رسول اللہ کا یہ فرمان سن کر ایک شخص کہنے لگا:

یا رسول اللہ! یہ تو حج ہے؟

رسول خدا نے فرمایا: ''یہ حج نہیں یہ عمرہ ہے۔'' (۱)

(۱) مسند احمد جلد ۱ ص ۲۶۱۔مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۳۳۔ابو رشدین کریب بن ابی مسلم کا تعلق رواۃ کے طبقہ ثالثہ سے ہے، تمام اصحاب صحاح نے اس سے احادیث نقل کی ہیں۔

(تقریب التہذیب جلد ۲ ص ۱۳۴)

عمرہ تمتع کے متعلق ابن عباس اور ابن زبیر کا مباحثہ

مسلم نیشاپوری نے اپنے اسناد سے مسلم القری سے روایت کی کہ میں نے ابن عباس سے حج تمتع کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کی اجازت دی، جب کہ عبداللہ بن زبیر حج تمتع سے منع کرتا تھا۔ میں نے یہی بات ابن عباس سے کہی تو اس نے کہا:

ابن زبیر کی ماں موجود ہے اور وہ یہ بھی روایت کرتی ہے کہ رسول خدا نے اس کی اجازت دی تھی، تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے یہ مسئلہ پوچھ لو۔

راوی کہتا ہے کہ ہم اس کے پاس گئے وہ بہت بھاری بھر کم اور نابینا خاتون تھیں، اس نے کہا: رسول خدا نے اس کی اجازت دی تھی۔(۱)

زاد المعاد میں ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے لوگوں سے کہا کہ تم حج و عمرہ علیحدہ علیحدہ بجا لاؤ اور اس سلسلہ میں اپنے اس اندھے (ابن عباس) کی باتوں کو چھوڑ دو، یہ سن کر ابن عباس نے کہا: تو دل کا اندھا ہے، تو یہی مسئلہ اپنی ماں سے کیوں نہیں پوچھ لیتا؟

ابن زبیر کی ماں کے پاس پیغام بھجوایا گیا تو اس نے کہا:

ابن عباس نے سچ کہا ہے۔ ہم رسول خدا کے ساتھ حج کا مقصد لے کر روانہ ہوئے تھے ہم نے اسے عمرہ میں بدلا تھا اور ہم احرام کی پابندیوں سے مکمل طور پر آزاد ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان انگیٹھیاں جلنے لگی تھیں (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، باب فی متعہ الحج حدیث ۱۹۴، سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۱-۲۲۔ مسلم بن مخراق العبدی القری البصری کا تعلق رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ہے۔ (تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۴۶)

(۲) زاد المعاد جلد صفحہ ۲۴۸ فصل فی احلال من لم یکن ساق الهدی۔ زوائد المسانید الثمانیہ جلد ۱ص ۳۳۰ حدیث ۱۱۰۸ میں "اِلیٰ اُمِّکَ" یعنی تو اپنی ماں سے پوچھ، کے لفظ مرقوم ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۱۰۳ پر "اعمی الله قلبه وعینه" کے الفاظ مرقوم ہیں یعنی ابن زبیر نے ابن عباس کے متعلق کہا تھا کہ اللہ نے اسے آنکھوں اور دل کا اندھا بنایا ہے۔

آخری عمر میں ابن عباس کی بینائی ختم ہو گئی تھی، اسی لیے ابن زبیر نے ان پر تعریض کرتے ہوئے انہیں اندھا کہا تھا۔

ابن زبیر اور ابن عباس کا مباحثہ

مسند احمد میں ہے کہ عروہ بن زبیر نے ابن عباس سے کہا:

ابن عباس آخر تو کب تک لوگوں کو گمراہ کرتا رہے گا؟

انہوں نے کہا: "عریہ" وہ کیسے؟

اس نے کہا: تو نے حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جب کہ ابوبکر و عمر نے اس سے منع کیا تھا؟

ابن عباس نے کہا: رسول خدا ؐ نے اس پر عمل کیا تھا۔۔۔ الحدیث (۱)

دوسری روایت میں یہ الفاظ مرقوم ہیں کہ ابن عباس نے کہا:

اراهم سيهلكون اقول: قال رسول الله صلى عليه واله وسلم ويقول: نهى ابو بكر وعمر (۲)

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہلاک ہو جائیں گے، میں ان سے کہتا ہوں کہ رسول خدا ؐ نے فرمایا اور جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نے منع کیا۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قال عروة: الاتتقى الله ترخص فى المتعة؟ فقال ابن عباس: سل امک يا عروة! فقال عروة: اما ابو بكر و عمر فلم يفعلا. فقال ابن عباس: احدثكم عن رسول الله وتحد ثونى عن ابى بكر و عمر. (۳)

"عروہ نے ابن عباس سے کہا: کیا متعہ کی اجازت دیتے ہوئے تجھے خدا کا خوف لاحق نہیں ہوتا؟ ابن عباس نے کہا: عروہ! اپنی ماں سے پوچھ لے۔"

عروہ نے کہا: مگر ابوبکر و عمر نے ایسا نہیں کیا تھا؟

---

(۱) مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۵۲ حدیث ۲۲۷۷۔ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۵۷۔ لفظ "عریہ" عروہ کی تصغیر ہے۔ عروہ، زبیر بن العوام کا بیٹا تھا اس کی کنیت ابوعبداللہ تھی ۹۳ھ میں اس نے وفات پائی۔ اصحاب صحاح نے اس سے روایات نقل کی ہیں۔ (تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۹۔)

(۲) مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۳۷۔ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ باب ما جاء فی المحدمن خلاف۔

(۳) زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۵۷۔ المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۰ حدیث ۱۲۱۴۔ (چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ)

ابن عباس نے کہا: میں تمہیں رسول اکرمؐ کے متعلق بتاتا ہوں اور تم مجھے ابوبکر وعمر کی روش کے متعلق بتاتے ہو؟"

ایک اور روایت میں عروہ کے ساتھ مباحثہ کرنے والے شخص کا نام نہیں بتایا گیا۔ ابن قیم نے زادالمعاد میں لکھا:

عروہ بن زبیر نے رسول خدا کے ایک صحابی سے کہا تو لوگوں کو ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں عمرہ کا حکم دیتا ہے جب کہ ان دنوں عمرہ جائز نہیں ہے؟

رسول خداؐ کے صحابی نے کہا: اسی لیے تم ہلاک ہوئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب تم پر عذاب نازل کرے گا۔ میں تمہیں رسول خداؐ کے عمل کے متعلق بتاتا ہوں اور تم مجھے ابوبکر وعمر کے عمل کی خبر دیتے ہو۔

عروہ نے کہا: ابوبکر وعمر تجھ سے رسول اکرمؐ کی سنت کو زیادہ جاننے والے تھے، اس شخص نے خاموشی اختیار کر لی۔ (زادالمعاد جلد ۱ صفحہ ۲۵۷)

میرا خیال یہ ہے کہ وہ شخص ابن عباس ہی ہوں گے۔

مجمع الزوائد میں ہے کہ عروہ ابن عباس کے پاس گیا اور ان سے کہا:

ابن عباس! تو بڑے عرصہ سے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے؟

ابن عباس نے کہا: عروہ! وہ کیسے؟

عروہ نے کہا: ایک شخص حج وعمرہ کا احرام باندھ کر آتا ہے اور جب وہ طواف کر لیتا ہے تو تیرا خیال یہ ہے کہ وہ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے جب کہ ابوبکر وعمر اسی سے منع کرتے تھے؟

ابن عباس نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کیا ان کا عمل تیرے نزدیک زیادہ اہمیت رکھتا ہے یا اللہ کی کتاب کا فرمان اور جو کچھ رسول خداؐ نے اپنے اصحاب اور اپنی امت میں عمل کر کے دکھایا ہے، اس کی زیادہ اہمیت ہے؟

عروہ نے کہا: ابوبکر وعمر اللہ کی کتاب اور رسول خدا کو مجھ سے اور تجھ سے زیادہ بہتر طور پر جانتے تھے۔

راوی کہتا ہے کہ عروہ نے ابن عباس سے جھگڑا کیا۔

عُروہ عمرہ تمتع سے منع کرتا ہے

صحیح مسلم میں محمد بن عبدالرحمٰن کی روایت ہے کہ ایک عراقی نے اس سے کہا کہ تم عروہ بن زبیر سے یہ سوال کرو کہ ایک شخص حج کے لیئے احرام باندھتا ہے تو کیا بیت اللہ کے طواف کے بعد وہ احرام کھول سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ تجھے یہ کہے کہ وہ احرام نہیں کھول سکتا تو پھر اس سے کہنا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ وہ احرام کھول سکتا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۳۷)

چنانچہ میں (محمد بن عبدالرحمٰن) نے عروہ سے یہ مسئلہ پوچھا، تو اس نے کہا: حج کا احرام حج کے مناسک مکمل کر کے ہی کھولا جا سکتا ہے۔

میں نے اس سے کہا:

ایک شخص کہتا ہے کہ بیت اللہ کے طواف کے بعد بھی احرام کھولا جا سکتا ہے۔

عروہ نے کہا: اس نے بہت ہی بُرا کہا۔

اس کے بعد وہ شخص مجھے ملا اور اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے اس تک عروہ کا جواب پہنچایا۔ اس شخص نے کہا اس سے کہو کہ ایک شخص رسول اکرم کے متعلق یہ بیان کرتا ہے کہ انہوں نے ایسا کیا تھا اور اسماء اور زبیر نے بھی ایسا کیا تھا۔ میں پھر عروہ کے پاس گیا اور میں نے اس شخص کا جواب اسے سنایا:

عروہ نے کہا: یہ باتیں کرنے والا کون ہے؟

میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟

عروہ نے کہا: اس نے جھوٹ بولا۔ رسول خدا ؐ نے حج کیا، مجھے بی بی عائشہ نے اس کے متعلق بتایا کہ آنحضرت نے مکہ آتے ہی سب سے پہلے وضو کیا، پھر بیت اللہ کا

طواف کیا، پھر ابوبکر نے حج کیا تو اس نے سب سے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، اس کے علاوہ اور کچھ نہ کیا (یعنی عمرہ وغیرہ نہیں کیا) پھر عمر نے بھی ایسے ہی کیا، پھر عثمان نے حج کیا تو میں نے اسے دیکھا اس نے عمرہ کر کے احرام نہیں کھولا، ابن عمر تو لوگوں میں موجود ہے، یہ لوگ خود اس سے کیوں نہیں پوچھ لیتے؟ وہ تمام افراد جو پہلے گذر چکے ہیں وہ بھی مکہ میں داخل ہو کر طواف بیت اللہ سے قبل کوئی کام نہیں کرتے تھے پھر طواف کے بعد احرام نہیں کھولتے تھے، میں نے اپنی والدہ اور خالہ کو دیکھا ہے کہ وہ مکہ آ کر سب سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرتی تھیں اور طواف کے بعد احرام نہیں کھولتی تھیں۔ میری والدہ نے مجھے یہ بتایا کہ وہ خود، اس کی بہن اور زبیر اور فلاں فلاں شخص عمرہ کے لیئے کبھی نہیں آئے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے رکن کو مسح کر کے احرام کھولا ہو۔

مذکورہ روایت کا جائزہ

اس روایت میں عروہ نے غلط بیانی سے کام لیا' کیونکہ اس نے رسول خدا ؐ کے متعلق تفصیل سے نہیں بتایا کہ انہوں نے طواف کے بعد کیا کیا تھا، اور جہاں تک ابوبکر، عمر، عثمان اور معاویہ کا تعلق ہے تو انہوں نے وہی کچھ کیا جو اس نے بیان کیا اسی طرح سے اس کا یہ کہنا کہ جو لوگ گذر چکے ہیں وہ بھی طواف کے بعد احرام نہیں کھولتے تھے اور میں نے اپنی والدہ اور خالہ کو بھی دیکھا کہ انہوں نے بھی طواف کے بعد احرام نہیں کھولے تھے۔

اس روایت میں عروہ نے بالکل کذب وافتراء سے کام لیا کیونکہ ہم سابقہ روایات سے اس کی کذب بیانی واضح کر چکے ہیں اور اس نے اپنی والدہ اور خالہ کے متعلق بھی کذب بیانی سے کام لیا ہے کیونکہ عروہ کی اس روایت کے بعد صحیح مسلم میں اس کی والدہ کا بیان موجود ہے۔ اس نے کہا:

(۱) صحیح مسلم ص ۹۰۶ _ ۹۰۷ حدیث ۱۹۰ _ باب مایلزم من طاف بالبیت وسعی من البقاء علی الاحرام وترک التحلل من کتاب الحج۔ شرح نووی جلد ۸ ص ۲۱۰ _ ۲۲۱

خرجنا محرمين فقال رسول الله (ص) "من كان معه هدى فليقم على احرامه ومن لم يكن معه هدى فليحلل" فلم يكن معي هدى فحللت وكان مع الزبير هدى فلم يحلل. قالت: فلبست ثيابي ثم خرجت فجلست الى الزبير فقال: قومي عني. فقلت اتخشى ان اثب عليك؟

ہم حج کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"جس کے پاس قربانی موجود ہو تو وہ اپنے احرام پر قائم رہے اور جس کے پاس قربانی نہیں وہ احرام کھول دے میرے پاس قربانی موجود نہیں تھی اسی لیئے میں نے احرام کھول دیا جب کہ زبیر کے پاس قربانی موجود تھی اس نے احرام نہ کھولا۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور جا کر زبیر کے پاس بیٹھ گئی۔ زبیر نے کہا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ میں نے کہا کیوں؟ کیا تجھے یہ خطرہ ہے کہ میں تجھ پر چڑھ جاؤں گی؟"

اس کے بعد کی دوسری روایت میں یہ الفاظ مرقوم ہیں کہ زبیر نے مجھ سے کہا:

استرخی عنی، استرخی عنی. فقلت ان اثب علیک

"مجھ سے دور ہو جا، مجھ سے دور ہو جا، میں نے کہا: کیا تجھے یہ خوف ہے کہ میں تجھ پر چڑھ جاؤں گی؟"

اس کے بعد اسماء بنت ابی بکر کے آزاد کردہ غلام عبداللہ کی حسب ذیل روایت مروی ہے کہ اس نے اسماء کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے جب بھی وہ مقام "حجون" سے گذرتی تھی تو کہا کرتی تھی:

صلی الله علی رسوله وسلم. لقد نزلنا معه هاهنا ونحن یومئذ

خفاف الحقائب قليل ظهرنا، قليلة ازوادنا فاعتمرت انا واختی و عائشة والزبير و فلان و فلان فلما مسحنا بالبيت احللنا ثم اهللنا من العشی بالحج.(۱)

"اللہ تعالیٰ کا درود وسلام ہو اس کے نبی پر، ہم یہاں اترے تھے اور اس وقت ہم نہایت دبلے پتلے تھے اور ہمارے پاس تھوڑا سا زادراہ تھا۔ میں اور میری بہن عائشہ اور زبیر اور فلاں فلاں نے عمرہ کیا' جب ہم نے بیت اللہ کو ہاتھ لگایا تو ہم نے احرام کھول دیا۔ پھر شام کے وقت ہم نے حج کا احرام باندھا"

عروہ نے ابن عمر کے متعلق کہا کہ ابن عمر موجود ہے' یہ لوگ خود اس سے کیوں نہیں پوچھ لیتے؟ وہ بھی عمرہ تمتع کو میری طرح سے ناجائز کہتا ہے۔ ابن عمر کا موقف عروہ سے بالکل جدا تھا جیسا کہ آپ حسب ذیل روایات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

۱۔ صحیح مسلم احادیث ۱۹۱۔۱۹۳ص ۹۰۷۔۹۰۸۔ آخری حدیث صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۱۲ پر بھی موجود ہے۔

متعہ الحج کے متعلق ابن عمر کا موقف

صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، نسائی، ترمذی اور بیہقی کے علاوہ دیگر محدثین نے لکھا صحیح مسلم کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

عن ابن عمر قال: تمتع رسول الله فی حجة الوداع بالعمرة الی الحج فکان من الناس من اهدی فساق الهدی و منهم من لم یهد فلما قدم رسول الله (ص) مکة قال للناس من کان منکم اهدی فانه لایحل من شئی حرم منه حتی یقضی حجه و من لم یکن منکم اهدی فلیطف بالبیت وبالصفا والمروة ولیقصر ولیحلل ثم لیهل ولیهد.... الحدیث (۱)

"ابن عمر کا بیان ہے کہ رسول خدا ؐ نے حجۃ الوداع میں عمرہ تمتع کیا تھا، کیونکہ کچھ افراد اپنے ساتھ قربانی لے کر نہیں آئے تھے جب رسول اللہ ؐ مکہ آئے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

"تم میں سے جو قربانی لایا ہے تو وہ حج کرنے سے پہلے احرام نہ کھولے اور جو قربانی لے کر نہیں آیا تو وہ بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ میں سعی کرے پھر بال کٹوا کر احرام سے آزاد ہو جائے۔ اس کے بعد حج کے لیے احرام باندھے اور قربانی کرے۔"

---

۱) صحیح مسلم، باب وجوب الدم علی المتمتع حدیث ۱۷۲۳ صفحہ ۹۰۱۔ شرح نووی جلد ۸ صفحہ ۲۰۸۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ باب فی الاقران حدیث ۱۸۰۔ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۵ باب التمتع۔ سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۳۹ باب ماجاء فی التمتع۔ ترمذی لکھتے ہیں هذا حدیث صحیح۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۷ باب من اختار التمتع بالعمرة الی الحج ـــــ جلد ۵ صفحہ ۲۰، ۲۳۔ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ فصل فی جمعه بین الحج والعمرة وصفحہ ۲۳۶۔ المنتقی حدیث ۲۳۲۷، ۲۳۲۶

محدث ترمذی بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر کے اس حقیقت پسندانہ موقف کی وجہ سے لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور اسے اس کے باپ کی ممانعت کے حکم کے طعنے دیے، چنانچہ ابن عمر کے فرزند سالم سے روایت ہے:

انه سمع رجلا من اهل الشام وهو يسأل عبدالله بن عمر عن التمتع بالعمرة الى الحج فقال عبدالله بن عمر: هى حلال. فقال الشامى: ان اباک قدنهیٰ عنها. فقال عبدالله بن عمر أرأيت ان كا ن ابى نهى عنها وصنعها رسول الله(ص) أ أمر أبى اتبع ام امر رسول الله (ص)؟ فقال الرجل : بل امر رسول الله (ص). فقال : لقد صنعها رسول الله. (سنن ترمذی جلد۲ صفحہ ۳۸ ماجاء فی التمتع)

"ایک شامی نے عبداللہ بن عمر سے عمرہ تمتع کے متعلق سوال کیا تو عبداللہ بن عمر نے کہا: وہ حلال ہے۔ شامی نے کہا: تیرے باپ نے اس سے منع کیا تھا؟ عبداللہ بن عمر نے کہا: بھلا یہ بتاؤ اگر میرے باپ نے اس سے منع کیا ہو اور رسول خدا ؐ نے اس پر عمل کیا ہو تو کیا میں اپنے باپ کے فرمان پر عمل کروں، یا رسول اللہ ؐ کے فرمان پر عمل کروں؟ شامی نے کہا: نہیں، رسول خدا ؐ کے فرمان پر عمل کرنا چاہیے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا: تو سن لو رسول خدا ؐ نے اس پر عمل کیا تھا۔

ایک اور روایت میں ابن عمر سے یہ الفاظ منقول ہیں:

"اعتمر النبى (ص) قبل ان يحج" (سنن بیہقی جلد۴ ص ۳۵۴)

"نبی کریم ؐ نے حج سے قبل عمرہ کیا تھا۔"

ابن کثیر لکھتے ہیں:

حضرت عمر کا فرزند عبداللہ اس مسئلہ میں اپنے باپ کا مخالف تھا۔ اس سے کہا گیا تیرا باپ اس سے روکتا تھا! وہ اس کے جواب میں کہتا تھا:

"مجھے تمہارے متعلق یہ خطرہ ہے کہ کہیں تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو، رسول اکرم ؐ نے اس پر عمل کیا تھا۔ تو ہم رسول اللہ ؐ کی سنت کی پیروی کریں یا عمر بن الخطاب کی سنت کی پیروی کریں؟" (تاریخ ابن کثیر، جلد ۵ ص ۱۴۱)

بعض محدثین نے عبداللہ بن عمر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں اپنے والد کا ہم نوا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں' اگر محدثین کا یہ قول درست ہے تو پھر اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ابن عمر نے وقت اور مصلحت کے تحت علیحدہ علیحدہ موقف قائم کیئے ہوں گے۔ مثلاً اگر اس سے اس کے والد یا خلافت عثمان کے عہد میں عمرہ تمتع کے متعلق پوچھا گیا ہوگا، تو اس نے حکومتی موقف کی تائید کی ہوگی اور بعد ازاں بنی امیہ اور ابن زبیر کے عہد میں اس نے سابقہ حکومتی موقف کو چھوڑ کر حقیقت پسندانہ موقف اختیار کیا ہوگا۔ اور اس دور میں حکومتی موقف سے اختلاف نسبتاً آسان تھا۔

الغرض ابن زبیر کے عہد میں اس نے معرکۃ الاراء مسئلہ کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ حکومتی اراکین اور ان کے ہمنوا اس سے منع کرتے تھے، اور کچھ حقیقت پسند افراد اس مسئلہ میں حکومت سے موافقت کرنے پر آمادہ نہیں تھے، وہ عمرہ تمتع کی کھل کر اجازت دیتے تھے اور ان کا موقف یہ تھا کہ رسول خدا ؐ نے اس کا حجۃ الوداع میں حکم دیا تھا، اور اس گروہ میں رسول اکرم ؐ کے بچے کچھے صحابہ پیش پیش تھے اور ان میں جابر بن عبداللہ انصاری کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح میں ابونضرہ کی زبانی یہ روایت نقل کی کہ اس نے کہا:

میں جابر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ابن زبیر اور ابن عباس نے دو متعوں (متعہ الحج اور متعہ النساء) میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت جابر نے کہا: ہم نے رسول خدا ؐ کے ساتھ دونوں پر عمل کیا تھا۔ پھر عمر نے ہمیں ان دونوں سے منع کیا تو ہم انہیں دوبارہ بجا نہ لائے۔ (صحیح مسلم حدیث ۱۲۴۹)

فریقین میں یہ اختلاف ایک طویل عرصہ تک چلتا رہا اس کا اظہار موسیٰ بن نافع اسدی کی روایت سے ہوتا ہے کہ اس نے کہا:

میں حج تمتع کے مقصد سے مکہ آیا اور میں روز ترویہ سے تین دن قبل مکہ آیا۔ مکہ کے رہنے والوں نے مجھ سے کہا کہ تیرا حج مکی قرار پائے گا کیونکہ تو مکہ سے احرام باندھے گا اور تو

میقات سے احرام باندھنے کی فضیلت سے محروم رہ جائے گا۔

یہ سن کر میں فتویٰ حاصل کرنے کے لئے عطاء بن ابی رباح کے پاس گیا اس نے کہا:

مجھ سے جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ اس نے رسول خدا ؐ کی معیت میں حج ادا کیا تھا اور رسول خدا ؐ قربانیاں لے کر آئے تھے اور حضور کے تمام ساتھیوں نے حج مفرد کی نیت سے احرام باندھے تھے۔ رسول خدا نے انہیں فرمایا: تم بیت اللہ کا طواف اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کر کے اپنا احرام کھول دو اور احرام باندھ لو اور درمیانی ایام سے فائدہ اٹھاؤ۔

صحابہ نے کہا تھا: یا رسول اللہ! ہم درمیانی ایام سے استفادہ کیسے کر سکتے ہیں کیونکہ ہم نے تو حج کا قصد کیا ہوا ہے؟

رسول خدا ؐ نے فرمایا: میں نے تمہیں جو حکم دیا ہے تم اس پر عمل کرو، اور اگر میں اپنے ساتھ قربانیاں لے کر یہاں نہ آیا ہوتا تو میں بھی وہی کچھ کرتا جس کا تمہیں حکم دیا ہے۔ لیکن میں قربانی کئے بغیر آزاد نہیں ہو سکتا۔ رسول خدا ؐ کا یہ فرمان سن کر لوگوں نے اس پر عمل کیا تھا۔ ابن زبیر کی مخالفت کے باوجود سنت رسول اللہ ؐ کو فروغ حاصل ہونے لگا تھا اور لوگ عمرہ تمتع کو ترجیح دینے لگے تھے اور اس کا پتہ صحیح مسلم کی حسب ذیل روایت سے چلتا ہے بنی ہجیم کے ایک شخص نے ابن عباس سے کہا:

آپ کا یہ فتویٰ لوگوں میں بڑا مقبول ہو چکا ہے کہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد انسان احرام اتار دے۔

ابن عباس نے کہا: خواہ یہ ناپسند ہی کیوں نہ ہو مگر یہ تمہارے نبی ؐ کی سنت ہے، اس کے بعد والی روایت میں یہ بیان کیا گیا:

یہ بات لوگوں میں مقبول ہو چکی ہے کہ بیت اللہ کا طواف کے بعد احرام کھولا جا سکتا ہے اور یہ کہ طواف عمرہ ہے۔ (صحیح مسلم حدیث ۲۰۶ ص ۹۱۲)

ابن قیم نے ابن عباس کی روایت کو سراہتے ہوئے لکھا:

ابن عباس نے بالکل درست کہا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا طواف کرے اور اس کے ساتھ قربانی موجود نہ ہو تو خواہ وہ حج قران ہو یا حج افراد ہو یا تمتع کرنے آیا ہو تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے، خواہ وجوبی ہو یا حکمی ہو۔

۱۔ سنن بیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۵۶ ۔ باب المتمتع بالعمرة الی الحج اذا قام بمكة حتى ينشئ الحج ان شاء من مكة لا من الميقات ۔ صحیح مسلم صفحہ ۸۸۸ حدیث ۱۴۳

یہ رسول خدا کی وہ سنت ہے جس سے مفر ممکن نہیں اور اس کا انکار درست نہیں ہے، اور اس کا حکم بھی روزہ کے اس حکم کی طرح سے ہے۔ نبی اکرم ؐ نے فرمایا:

"اذا ادبر النهار من ھاھنا واقبل الليل من ھاھنا فقد افطر الصائم"

"جب دن یہاں سے گذر جائے اور رات یہاں تک آجائے تو روزہ دار کا روزہ کھل جاتا ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ جب دن کی سرخی سر سے گذر جائے اور رات کی سیاہی سر پر آجائے تو اس وقت روزہ کھولنے کا وقت ہو جاتا ہے۔ اب یہ روزہ دار پر موقوف ہے کہ کچھ کھا کر روزہ افطار کرے اور اگر بالفرض کوئی روزہ دار اس وقت کچھ نہ بھی کھائے تو اس کے نہ کھانے سے افطار کا حکم ختم نہیں ہوگا، اس کا روزہ ہر حال میں ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح سے جو شخص اپنے ساتھ قربانی لے کر نہ آیا ہو جب وہ بیت اللہ کا طواف کرے گا تو وہ خود بخود احرام سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ احرام کھولے یا نہ کھولے وہ احرام سے بہر نوع آزاد ہوگا۔

ابوالشعثاء نے ابن عباس سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:

من جاء مهلا بالحج فان الطواف بالبيت يصيره الى عمرة شاء او ابیٰ (صحیح مسلم حدیث ۲۰۶۔۲۰۷ صفحہ ۹۱۲۔۹۱۳)

"جو کوئی حج کی نیت کر کے آئے تو بیت اللہ کا طواف اسے عمرہ میں بدل دے گا خواہ وہ چاہے یا انکار کرے۔"

راوی کہتا ہے کہ میں نے ان سے کہا:

ان الناس ينكرون ذلك عليك. قال: هي سنة نبيهم وان رغموا.

(زاد المعاد جلد ا صفحہ ۲۳۹)

"مگر لوگ تو آپ کے اس فتوئی کو درست نہیں سمجھتے؟ انہوں نے کہا: یہ ان کے نبی کی سنت ہے خواہ وہ اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔"

ابن عباس نے اپنے دور میں نبی اکرم ؐ کی سنت کو ضائع ہونے سے بچانے کی پوری کوشش کی اور حضرت جابر بن عبداللہ انصاری جیسے مکتب امامت کے پیروکاروں نے بھی

ان کی تائید کی۔ چنانچہ ان کی ان انتھک کوششوں کی وجہ سے مکتب خلفاء سے وابستہ افراد کو بھی عمرہ تمتع قبول کرنا پڑا۔ چنانچہ ابن حزم نے منصور بن معتمر کا یہ قول نقل کیا:

حسن بصری نے حج کیا اور اس سال میں نے بھی اس کے ساتھ حج کیا اور جب ہم مکہ پہنچے تو ایک شخص حسن بصری کے پاس آیا اور اس نے کہا:

"اے ابو سعید! میں خراسان کے رہنے والا ہوں اور میرے لیئے یہاں بار بار آنا مشقت کا کام ہے جب کہ میں حج کا احرام باندھ کر آیا ہوں۔"

حسن بصری نے کہا: اسے عمرہ میں تبدیل کردو اور احرام سے آزاد ہو جاؤ۔

لوگوں پر حسن بصری کا یہ فتویٰ ناگوار گزرا مگر اس کا فتویٰ لوگوں میں پھیل گیا۔ جب عطاء بن ابی رباح سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا:

صدق الشیخ ولکنا نفرق ان نتکلم بذلک.

"شیخ نے سچ کہا لیکن ہم بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔"(۱)

جب بنی امیہ کا اقتدار ختم ہوا، اور بنی عباس برسر اقتدار ہوئے تو یہ خوف ختم ہو گیا اور ان کے دور حکومت میں عمرہ تمتع کے نظریہ کو فروغ حاصل ہوا، اور ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ ان کے مورث اعلیٰ عبداللہ بن عباس کا موقف تھا اور اسی عباسی عہد حکومت میں احمد بن حنبل نے کھل کر عمرہ تمتع کی حمایت کی اور اس طرح سے حنابلہ میں عمرہ تمتع کا رجحان پیدا ہوا، اور اسی بات کی گواہی ابن قیم نے ان الفاظ سے دی ہے:

حج تمتع کی نبی اکرمؐ سے روایت ان اصحاب نے کی ہے ان کے نام ہم بیان کر چکے ہیں اور ان کے علاوہ بزرگ تابعین نے بھی اس کی اس درجہ روایت کی ہے جس سے ہر

---

(۱) المحلیٰ ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۱۰۳۔ منصور بن معتمر ابو عتاب السلمی الکوفی کی روایات تمام اصحاب نے نقل کی ہیں ۱۳۲ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ (تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۷۷۔) حسن بصری ارسال اور تدلیس سے کام لیتا تھا۔ اس کا تعلق رواۃ کے طبقہ ثالثہ سے تھا۔ اس نے نوے برس کے قریب عمر پائی تھی۔ اصحاب صحاح نے اس سے روایات نقل کی ہیں تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۶۵۔ عطاء بن ابی رباح قریش کے آزاد کردہ غلام تھے ۱۱۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ تمام اصحاب نے اس سے احادیث نقل کی ہیں (تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۲)

طرح کے شخص کے شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور یقین حاصل ہوتا ہے اور اتنی گواہیوں کے بعد کسی کے لئے اس کا انکار کرنا ممکن نہیں ہے اور کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حج تمتع واقع نہیں ہوا تھا کیونکہ یہ رسول خداؐ کے اہل بیت کا مذہب ہے اور یہی امت کے سمندر اور حبر الامہ ابن عباس اور ابو موسیٰ اشعری اور امام اہل سنت و حدیث احمد بن حنبل اور اس کے پیروکاروں اور اس کے ساتھ تمام اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔(۱)

اور یوں بڑی مشکل سے امت کے لیئے سنت رسولؐ پر عمل کرنا آسان ہوا اور آج خدا کے فضل سے امت کی اکثریت حج تمتع ادا کر کے خلیفہ ثانی کے اجتہاد کو مسترد کر چکی ہے۔

---

(۱) زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۴۹۔ ہم ابن قیم کی یہ خوش فہمی دور کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ابو موسیٰ اشعری کا مذہب ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے ابو موسیٰ حج تمتع کے جواز کا فتویٰ دیتا تھا لیکن جب خلیفہ ثانی نے اس کی ممانعت کی تو ابو موسیٰ نے اس کی مخالفت نہ کی بلکہ اس کی رائے کی پیروی اختیار کر لی۔

خلفاء کے موقف کے اثبات کے لیئے حدیث سازی

رسول اکرمؐ نے اپنی ان تھک کوششوں سے مشرکین قریش کے اس نظریہ کو باطل قرار دیا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے۔ آپؐ نے ہزاروں انسانوں کو عمرہ تمتع کا حکم جاری فرمایا اور اس ذریعہ سے مشرکین مکہ کے غلط نظریہ کا ابطال کیا۔

آنحضرت کے بعد ایک ایسا وقت بھی آیا جب آپ کی خلافت کے دعویداروں نے رسم جاہلیت کو ایک بار پھر زندہ کیا اور اس کے ساتھ امت میں بحث و مباحثہ کا ایک دروازہ کھل گیا کہ آیا حج تمتع جائز ہے یا نہیں ہے؟

مکتب خلفاء کے پیروکار اس بات پر بضد رہے کہ عمرہ تمتع نہیں ہونا چاہیے، جب کہ مکتب آئمہ کے پیروکار اور احیائے سنت کے شیدائیوں کا یہ موقف تھا کہ یہ رسول اکرم کی سنت ہے اور اسے ہر حال میں جاری رہنا چاہیے۔

اس دوران مکتب خلفاء کے پیروکاروں نے اپنے ممدوح افراد کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لیئے حدیث سازی سے بھی دریغ نہ کیا۔ ان میں سے ایسی ہی چند طرفہ روایات یہاں نقل کی جاتی ہیں:

"رسول خداؐ نے حج افراد ادا کیا تھا۔"

(۱) مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی و دیگر محدثین نے قاسم بن محمد بن ابی بکر کی سند سے ام المومنین عائشہ سے یہ روایت نقل کی کہ بی بی نے کہا:

ان رسول الله افرد الحج (۱)

۱۔ صحیح مسلم حدیث ۱۲۲ صفحہ ۸۷۵۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ حدیث ۱۷۷۷۔ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۳ باب افراد الحج صفحہ ۹۸۸ حدیث ۲۹۶۴۔ ترمذی جلد ۳ صفحہ ۳۶ باب ماجاء فی افراد الحج۔ بیہقی جلد ۵ صفحہ ۳ باب من اختار الافراد۔ المنتقی حدیث ۲۳۸۹ جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۶۔ موطا مالک باب افراد الحج جلد ۲ صفحہ ۳۳۵ حدیث ۳۷

”رسول اللہ نے حج افراد ادا کیا تھا۔“ یعنی اس میں عمرہ شامل نہیں تھا۔

(۲) عروہ بن زبیر نے بی بی عائشہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا:

ان رسول الله افرد الحج:(۱)

(۳) امام جعفر صادق نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے والد امام زین العابدینؑ سے انہوں نے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی

ان رسول الله افراد الحج

”رسول خداؐ نے حج افراد ادا کیا تھا۔“ (سنن ابن ماجہ صفحہ ۹۸۹ حدیث ۲۹۶۶۔)

(۴) عبداللہ بن عمر سے روایت ہے:

(الف) رسول خداؐ، ابوبکر، عمر اور عثمان نے حج افراد کیا

(ب) ہم نے رسول خداؐ کے ساتھ حج افراد کا تلبیہ کہا (سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۶ باب ماجاء فی افراد الحج)

ایک اور روایات میں کہا گیا کہ رسول خدا نے حج افراد کے لیے احرام باندھا اور تلبیہ کہا۔ (صحیح مسلم صفحہ ۹۰۴۔۹۰۵ حدیث ۱۸۴۳۔ المغنی جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ حدیث ۱۳۹۱)

(۵) سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ ایک صحابی نے حضرت عمر کے پاس گواہی دی کہ رسول خدا نے اپنی مرض موت میں عمرہ تمتع سے منع کیا تھا (۲)

(۶) جابر کا بیان ہے کہ رسول خداؐ، ابوبکر اور عثمان نے حج افراد کیا تھا۔

(سنن ابن ماجہ حدیث ۲۹۶ صفحہ ۹۸۹)

(۷) محمد حنفیہ کے دو فرزندوں عبداللہ اور حسن نے اپنے والد کی سند سے روایت کی کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

یا بنی افرد الحج

”بیٹا حج افراد ادا کرنا۔“

(۸) ابوذر سے منقول ہے:

---

(۱) سنن ابن ماجہ صفحہ ۹۸۸ حدیث ۲۹۶۵۔ موطا مالک جلد ۲ صفحہ ۳۳۵ حدیث ۳۸۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۰۔۱۲۳۔ اس میں عمرہ تمتع کی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ حدیث ۱۷۹۳۔ سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹ باب من کرہ القران والتمتع۔

"حج کا متعہ صرف اصحاب محمد کے لیے مخصوص تھا۔"

(۹) ایک روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

کانت لنا رخصة یعنی المتعة فی الحج

"حج کا متعہ صرف ہمیں اجازت دی گئی تھی۔"

(۱۰) ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں:

لاتصلح المتعتان الالنا خاصة:

"دو متعے ہمارے علاوہ کسی اور کو زیب نہیں دیتے۔"

---

(۱) سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۵ باب من اختار الافراد۔ عبداللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب کا تعلق رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ہے۔ ۹۹ھ میں اس نے شام میں وفات پائی۔ (تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۴۴۸) اس کے بھائی حسن کا تعلق رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ہے۔ اس نے ۱۰۰ھ وفات پائی تھی۔ ان دونوں سے اصحاب صحاح نے روایات نقل کی ہیں۔ (تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۷۱)

(۲) دسویں اور گیارہویں روایتیں صحیح مسلم میں متصل مذکور ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں صحیح مسلم حدیث ۱۶۰۔۱۶۳ صحیح مسلم شرح نووی جلد ۸ صفحہ ۲۰۳۔ ابن ماجہ صفحہ ۹۹۴ حدیث ۲۹۸۵۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۸۹۷۔ سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۲ حدیث ۹۔۱۰، ۲۱۔ جلد ۴ صفحہ ۱۶۱ حدیث ۱۸۰۷۔ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ۔ المنتقی حدیث ۲۳۳۰۔ عبدالرحمٰن، ابوالشعثاء سلیم بن اسود محاربی کا بیٹا تھا۔ ۳۳۵ باب العمرة فی اشھر الحج۔ ابن حجر نے لکھا کہ اس کی روایات مقبول ہیں۔ تہذیب جلد ۶ صفحہ ۱۹۴۔ تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۴۸۴۔ ابراہیم بن یزید بن عمرو الکوفی النخعی المتوفی ۹۵ھ یا ۹۶ھ۔ (تہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۷۷ التقریب جلد ۱ صفحہ ۴۶ والجمع بین رجال الصحیحین جلد ۱ صفحہ ۱۸۔۱۹)

ابراہیم تیمی غالباً وہ ابو اسماء الکوفی ابن یزید بن شریک کا تعلق تیم الرباب نامی قبیلہ سے تھا اور ۹۲ھ یا ۹۴ھ کو حجاج کے زندان میں اس نے وفات پائی۔ تہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۷۶ التقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۴۶۔ الجمع بین رجال الصحیحین جلد ۱ صفحہ ۱۹

(۳) ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ کتاب المناسک، باب الرجل یھل بالحج ثم یجعلها عمرة حدیث ۱۸۰۸ ابن ماجہ صفحہ ۹۹۴ حدیث ۲۹۸۴۔ المنتقی جلد ۲ صفحہ ۲۳۸ حدیث ۲۳۲۹۔ حارث بن بلال بن حارث المزنی کا تعلق رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ہے۔ کچھ اصحاب صحاح نے اس سے روایات نقل کی ہیں (تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۳۹)

(۱۱) عبدالرحمن بن ابی الشعثاء نے کہا کہ میں ابراہیم نخعی اور ابراہیم تیمی کے پاس گیا اور
ان سے کہا کہ میں حج و عمرہ اکٹھے بجالانے کا ارادہ رکھتا ہوں؟
ابراہیم نخعی نے کہا: لیکن تیرا والد یہ ارادہ نہیں کر سکتا تھا۔
تیمی نے اپنے والد سے روایت کی کہ اس کا ربذہ میں ابوذر کے پاس گذر ہوا اور
اس نے ابوذر کے سامنے متعۃ الحج کا تذکرہ کیا تو ابوذر نے کہا:

انما كانت لنا خاصة دونكم
"متعۃ الحج کی سہولت صرف ہمیں دی گئی تھی، تمہارے لیے نہیں ہے۔"

سنن بیہقی میں ہے کہ ابوذر کہا کرتے تھے کہ جو حج کے ارادہ سے نکلا پھر اس نے
اسے عمرہ میں بدل دیا تو یہ سہولت صرف ان قافلہ والوں کو ملی تھی جو رسول اللہ ؐ کے ساتھ
تھے۔(۲)

(۱۲) حارث بن بلال کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا سے پوچھا:

فسخ الحج لنا خاصة ام للناس عامة قال: "بل لنا خاصة"
کیا حج کو عمرہ میں بدلنے اور احرام سے آزاد ہونے کا حکم صرف ہمارے لیے مخصوص
ہے یا تمام لوگوں کے لیئے یہی حکم ہے؟ آنحضرت ؐ نے فرمایا:
یہ حکم صرف ہمارے لیئے مخصوص ہے(۳)

مذکورہ روایات کا جائزہ

امام الحنابلہ احمد حنبل نے بارہویں روایت کے متعلق لکھا:

حدیث بلال بن الحارث عندی غیر ثابت ولااقول به ولانعرف هذاالرجل یعنی الحارث بن بلال.

وقال: راء یت لو عرف الحارث بن الحارث بن بلال، الاان احد عشر رجلا من اصحاب النبی (ص) یروون مایروون من الفسخ، این یقوم الحارث بن بلال منهم؟ (۱)

''بلال بن حارث کی حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں ہے اور نہ ہی میں یہ نظریہ رکھتا ہوں اور نہ ہی ہم اس راوی حارث بن بلال کو پہچانتے ہیں۔''

امام احمد نے کہا: اگر بالفرض حارث بن حارث بن بلال مضبوط راوی ثابت بھی ہو جاتے تو بھی ہم اس کی روایت کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ اس کی مخالفت میں گیارہ صحابہ پیغمبر نے حج کے جواز کی روایت کی ہے۔ بھلا گیارہ صحابہ کے مقابلہ میں حارث بن بلال کے قول کی کیا اہمیت ہے؟

مؤلف کتاب ہذا عرض کرتا ہے کہ امام الحنابلہ احمد بن حنبل نے یہ کہا ہے کہ گیارہ صحابہ حج کے قائل ہیں لہذا ان کے قول کے سامنے حارث کے قول کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور امام احمد کا یہ کہنا کہ وہ اس راوی کو نہیں پہچانتے، اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ راوی کو بطور ثقہ نہیں پہچانتے۔

احمد بن حنبل نے حدیث ابوذر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم کرے اسے یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ عمرہ تمتع کا حکم صرف صحابہ کے لیے ہے اور باقی مسلمانوں کے لیئے نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہہ دیا ہے:

فمن تمتع بالعمرة الى الحج.

امام الحنابلہ یہ کہہ رہے ہیں کہ آیت مجیدہ میں عمومی حکم بیان کیا گیا ہے۔ لہذا اس حکم کو صرف گروہ صحابہ سے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔ ابوذر نے غلط فہمی کی وجہ سے آیت قرآن کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ ابوذر قرآن کی مخالفت میں کبھی بھی فتویٰ نہیں دے سکتے تھے البتہ یہ روایت حامیان خلفاء نے ان کی طرف غلط منسوب کی ہے۔

مکتب خلافت کے پیروکار وضع حدیث سے کبھی نہیں چوکتے تھے' اور ان کی کذب بیانی کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کی طرف یہ جھوٹ منسوب کیا کہ انہوں نے اپنے فرزند سے کہا تھا کہ فرزند حج افراد ادا کرنا۔

جب کہ حضرت علیؑ نے اسی مسئلہ پر حضرت عمر سے کھل کر اختلاف کیا تھا اور حضرت عثمان کے روکنے کا باوجود انہوں نے حج تمتع کے لیئے بلند آواز سے تلبیہ کہا تھا۔

مکتب خلافت کے پیروکاروں نے ہمیشہ جھوٹ کا سہارا لیا ہے اور اسی سلسلہ میں سعید بن مسیب کی طرف یہ بات منسوب کی گئی کہ ایک صحابی پیغمبر نے حضرت عمر کے سامنے یہ گواہی دی تھی کہ رسول خدا ؐ نے اپنی مرض موت میں حج تمتع سے منع کر دیا تھا۔ اس طرح کا سفید جھوٹ تراشنے والوں کو یہ حیا نہیں آئی کہ وہ کم از کم اس صحابی ہی کا نام بتا دیتے جس نے حضرت عمر تک مذکورہ حدیث روایت کی تھی۔ اور اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو حضرت عمر اس صحابی کو پیش کر کے کہہ سکتے تھے کہ حج تمتع کو میں اپنی طرف سے ممنوع قرار نہیں دے رہا بلکہ اس صحابی نے مجھے کہا ہے کہ رسول اکرم ؐ نے اپنے مرض موت میں اس کو ممنوع قرار دیا تھا۔

۱۔ سنن ابن ماجہ صفحہ ۹۹۴ باب من قال کان فسخ الحج لهم خاصة من كتاب المناسک۔ ابن تیمیہ نے المنتقیٰ من اخبار المصطفیٰ کی حدیث ۲۳۲۹ پر حاشیہ میں یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں المنتقیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۳۸۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۶۔

اور اگر کوئی صحابی اس بات کا راوی ہوتا تو حضرت عثمان اور زبیر کے دونوں بیٹے اور معاویہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتے لیکن کسی نے بھی اسے پیش کرنے کی جسارت نہیں کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت خالصتاً مکتب خلفاء کے پیروکاروں کی ساختہ پرداختہ ہے۔

ابن قیم نے زاد المعاد اور ابن حزم نے المحلیٰ میں بہت ہی حقیقت پسندانہ فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ ابن قیم لکھتے ہیں:

نحن نشهد الله علينا انا لو حرمنا بحج لرأ ينا فرضا علينا فسخه الى عمرة تفاديا من غضب رسول الله (ص) و اتباعا لا مره........

''ہم اللہ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اگر ہم نے تنہا حج کا احرام بھی باندھا تو بھی ہم اپنے لئے یہ بات فرض سمجھیں گے کہ ہم اسے عمرہ میں بدل دیں تا کہ ہم رسول خدا ؐ کی ناراضگی سے بچ سکیں اور ان کے فرمان کی اتباع کی سعادت حاصل کر سکیں۔''

خدا کی قسم عمرہ تمتع نہ تو آپ کی زندگی میں منسوخ ہوا اور نہ ہی آپ کے بعد منسوخ ہوا، اور اس کی مخالفت میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سراسر باطل ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت ؐ نے عمرہ تمتع کے لیے صرف اپنے صحابہ کو ہی مخصوص نہیں کیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سراقہ کی زبان پر یہ سوال جاری کرایا کہ کیا عمرہ تمتع صرف ان کے لیئے ہی مخصوص ہے؟ اس کے جواب میں رسول خدا ؐ نے فرمایا تھا:

ذلک کائن لابد الابد

''یہ ہمیشہ کے لیئے ہے۔''

ان احادیث کی موجودگی میں ہم بھلا خود ساختہ احادیث کو ان پر کیسے ترجیح دے سکتے ہیں، جب کہ رسول خدا ؐ نے حج تمتع کی تاکید کی تھی اور اعتراض کرنے والوں پر ناراض

ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ امام احمد کا بھلا کرے جب ان سے سلمہ بن شبیب نے کہا تھا:

اے ابوعبداللہ! آپ کی تمام باتیں مجھے پسند ہیں لیکن آپ کی ایک بات مجھے ناپسند ہے۔

امام نے کہا: وہ کون سی بات ہے؟

سلمہ بن شبیب نے کہا: آپ حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے کا جو نظریہ رکھتے ہیں وہ مجھے ناپسند ہے۔

امام احمد نے کہا: اس سلسلہ میں میرے پاس گیارہ صحیح السند احادیث موجود ہیں کیا۔ میں تیرے کہنے پر انہیں چھوڑ دوں گا؟!(۱)

ابن قیم لکھتے ہیں:

حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے کی روایت رسول خدا کے چودہ صحابیوں سے منقول ہے اور ان کی احادیث صحیح ہیں اور ان رواۃ کے نام یہ ہیں:

- ام المومنین عائشہ۔
- ام المومنین حفصہ۔
- حضرت علی بن ابی طالب۔
- حضرت فاطمۃ الزہرا (سلام اللہ علیہا)
- اسماء بنت ابوبکر۔
- جابر بن عبداللہ انصاری۔
- ابوسعید الخدری۔
- براء بن عازب۔
- عبداللہ بن عمر۔
- انس بن مالک۔
- ابوموسیٰ اشعری۔
- عبداللہ بن عباس
- سبرہ بن معبد جہنی۔
- سراقہ بن مالک المدلجی (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ۔ ۲۴۶)

ابن حزم لکھتے ہیں:

رسول اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ جو لوگ اپنے ساتھ قربانی نہیں لائے وہ اپنے حج کو عمرہ سے بدل دیں اور یہ روایت جابر بن عبداللہ انصاری اور چندرہ دیگر صحابہ سے مروی ہے

ا۔ زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۲۴۷ فصل فی احلال من لم یکن ساق الھدی معہ۔ المحلی ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۱۰۰۔ ۱۱۰۔

اور ان سے بیس سے زیادہ تابعین نے نقل کیا، پھر ان سے تبع تابعین کی اتنی بڑی تعداد نے یہ روایت نقل کی ہے جن کی تعداد کو اللہ ہی بخوبی جانتا ہے۔ اسی لیے اس متواتر خبر کا انکار کرنا کسی طرح سے بھی درست نہیں ہے۔ (المحلیٰ ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۱۰۱)

ابن حزم مزید لکھتے ہیں:

جو لوگ اپنے ساتھ قربانی لے کر نہیں آتے تھے ان کے لیئے رسول اللہ ؐ نے عمومی طور پر یہ حکم دیا تھا کہ وہ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیں اور یہ مکہ کے کوہ صفا پر آنحضرت ؐ کا آخری حکم تھا۔ اور آپ ؐ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ تمتع کا عمل قربانی لانے کے عمل سے افضل ہے اور آپ ؐ نے قربانی لانے پر افسوس کا اظہار کیا تھا اور آپ ؐ نے یہ فرمایا کہ یہ حکم قیامت تک جاری رہے گا۔

اور یہ بات واضح ہے کہ جس امر کی رسول خدا ؐ نے اتنی تاکید کی ہو وہ کسی طرح سے منسوخ نہیں ہو سکتا اور جو شخص اتنے واضح حکم کو بھی منسوخ کہتا ہے تو وہ دراصل رسول اکرم ؐ پر جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتا ہے اور آنحضرت ؐ پر جھوٹ تراشنا واضح کفر ہے۔

آنحضرت ؐ نے فرمایا: عمرہ حج میں داخل ہو چکا ہے، اور ہمارا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ حج سے پہلے عمرہ کرنا ضروری ہے، خواہ وہ عمرہ تمتع ہو یا حج کے ساتھ متصل عمرہ ہو۔ (المحلیٰ ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۱۰۳ (بطور خلاصہ)

ابن حزم اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

ابو موسیٰ اشعری دور ابو بکر اور حضرت عمر کے دور خلافت کے ابتدائی ایام میں عمرہ تمتع کا فتویٰ دیتے رہے، اور جب انہیں حضرت عمر کا سرکاری فرمان پہنچا کہ عمرہ تمتع ناجائز ہے تو انہوں نے بڑی جرأت سے حضرت عمر سے پوچھا تھا کہ آپ نے مناسک حج میں کون سی نئی بات داخل کر دی ہے؟

ابو موسیٰ کی اس بات کی حضرت عمر بھی تردید نہیں کر سکے تھے، اور جہاں تک حضرت عمر کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "واتموا الحج والعمرة لله" تو اتمام حج و عمرہ کی بھی وہی صورت صحیح ہو گی جسے اللہ نے اپنے رسول کو تعلیم دی ہے۔ یہ آیت

رسول خدا ؐ پر ہی نازل ہوئی اور آپ ہی اس آیت کا مفہوم بہتر جانتے تھے، آپ نے اس آیت کی موجودگی میں بھی لوگوں کو تمتع کا حکم دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ تمتع حج و عمرہ کے اتمام میں شامل ہے۔

حضرت عمر نے دوسری دلیل یہ پیش کی تھی کہ رسول اکرم ؐ نے جب تک قربانی نہیں کی تھی اس وقت تک آپ نے احرام نہیں کھولے تھا۔

حضرت عمر کی یہ دلیل بھی زیادہ وزن نہیں رکھتی کیونکہ ام المومنین حفصہ بنت عمر نے آنحضرت کے فعل کی وجہ بیان کی ہے،

اور انہوں نے کہا: کہ میں نے رسول خدا ؐ سے پوچھا تھا:

ماشان الناس حلوا ولم تحل من عمر تک؟

''لوگ عمرہ کر کے احرام کھول چکے ہیں لیکن آپ نے عمرہ کر کے احرام کیوں نہیں کھولا؟''

رسول اکرم ؐ نے فرمایا تھا:

انی قلدت ھدیی فلا احل حتی انحر. (المحلی جلد ۷ صفحہ ۱۰۲)

''میں اپنی قربانی کو قلادہ ڈال چکا ہوں لہذا جب تک میں قربانی نہیں کروں گا اس وقت تک میں احرام نہیں کھولوں گا۔''

حضرت علیؑ سے بھی یہی منقول ہے:

پھر ابن حزم نے فیصلہ کرتے ہوئے لکھا:

''فھذا اولی ان یتبع من رای راہ عمر''

''قول رسول ؐ پر عمل کرنا حضرت عمر کی قائم کردہ رائے سے کہیں بہتر ہے۔''

ابن حزم نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس نے اپنی کتاب ''المحلی'' میں ان روایات کا تذکرہ بھی کیا جن میں یہ کہا گیا کہ حج کو عمرہ سے بدلنے کا اختیار صرف اصحاب رسول ؐ کو دیا گیا تھا' باقی امت کے لیے عمرہ تمتع ممنوع ہے ابن حزم نے ایسی تمام راویات کی تردید کی اور کہا ان روایات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ سراقہ نے رسول خدا سے پوچھا تھا:

یارسول اللہ ؐ! یہ حکم صرف اس سال کے لیئے ہے یا ہمیشہ کے لیئے ہے؟
رسول خدا ؐ نے فرمایا تھا: بل لابد الابد "یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ہے۔"
اس کے بعد ابن حزم لکھتے ہیں:

تخصیص و نسخ باطل ثابت ہوگئی اور یہ بات کتنی عجیب سی محسوس ہوتی ہے کہ رسول اکرم ؐ کے اسی فرمان کے مدمقابل کسی دوسرے شخص کے کلام کو پیش کیا جائے خواہ وہ کلام عائشہ وحفصہ جیسی امہات المومنین کا ہو یا ان کے والدین کا ہو۔ بہر نوع رسول اکرم ؐ کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کے قول کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں نے کچھ ایسے جھوٹ بھی تراشے جو کہ مکڑی کے گھر سے بھی زیادہ کمزور ہیں مثلاً حارث بن بلال کی زبان سے ایک روایت بیان کرائی گئی۔۔۔۔ہم نہیں جانتے کہ یہ لوگ کون تھے اور ان کی کیا حیثیت تھی۔

جب رسول اکرم ؐ نے واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا تھا:

"دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیامة"

"عمرہ قیامت تک کے لیئے حج میں داخل ہو چکا ہے۔"

اس واضح حدیث کے بعد کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ اس حدیث سے رسول اکرم ؐ نے درحقیقت یہ کہنا چاہا ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے۔ بعض لوگوں نے جابر اور ابن عباس پر یہ تہمت تراشی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ حج کو عمرہ سے بدلنے کا اختیار صرف اصحاب رسول کو دیا گیا تھا ان کے علاوہ کسی دوسرے کے لیئے عمرہ تمتع جائز نہیں ہے۔ الغرض یہ اور اس طرح کی تمام تاویلات رسول اکرم ؐ پر جھوٹ تراشنے کی بدترین مثالیں ہیں اور جو بھی اس طرح کی بات کرتا ہے وہ رسول خدا پر جھوٹ تراشتا ہے۔

ابن حزم مزید لکھتے ہیں:

ان میں سے ایک نے تو قیامت برپا کی ہے اس نے ابن عباس کی بیان کردہ روایت کہ مشرکین قریش حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو روئے زمین کا بدترین فعل تصور کرتے تھے، کے متعلق کہا کہ رسول خدا نے اسی لیئے لوگوں کو عمرہ کا حکم دیا تھا تا کہ مشرکین کے دعویٰ

کی قول وفعل سے تردید کی جائے۔

یقیناً اس تاویل کرنے والے نے بہت بڑی زیادتی کی ہے کیونکہ رسول خدا ؐ اس سے قبل حج کے مہینوں میں عمرہ کر چکے تھے، اسی لیئے حجۃ الوداع کے وقت اس کی مزید ضرورت ہی نہیں تھی، اور اگر بالفرض ہم اس کی اس تاویل کو مان لیں تو ہم اس تاویل کرنے والے سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ خدارا وہ ہمیں یہ بتائے کہ رسول اکرم ؐ نے اس کا حکم دے کر حق کا حکم دیا تھا یا باطل کا حکم دیا تھا؟

اگر کوئی کہے کہ نعوذ باللہ آپ نے باطل کا حکم جاری کیا تھا تو وہ کافر قرار پائے گا، اور اگر اس کے جواب میں وہ لوگ یہ کہیں کہ رسول ؐ نے حق کا حکم دیا تھا، تو ہم یہ کہیں گے کہ رسول اکرم ؐ نے جس بھی سبب کے پیش نظر حکم دیا تھا تو آپ کا حکم وجوب کی حیثیت رکھتا ہے۔

رسول اکرم ؐ کے فرمان کی غلط توجیہ پیش کرنے والوں سے ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر رسول اکرم ؐ عمرہ تمتع کے ذریعہ سے صرف مشرکین کی ایک رسم کو ختم کرنا چاہتے تھے تو وہ لوگ ہمیں یہ بتائیں کہ رسول خدا ؐ نے یہ حکم تمام حاضرین کو کیوں نہ دیا اور آپ نے یہ تخصیص کیوں فرمائی کہ جو قربانی کا جانور نہ لایا ہو وہ طواف اور سعی کے بعد احرام کھول دے؟

یہ قیامت ڈھانے والے جاہلوں کو شاید معلوم نہیں ہے کہ رسول اکرم ؐ نے فتح مکہ سے قبل مسلسل دو سال تک ذی قعدہ میں عمرہ کیا تھا اور جس سال مکہ فتح ہوا اس سال بھی آپ نے ذی قعدہ میں عمرہ کیا تھا۔ پھر جب آپ حجۃ الوداع کے لیئے تشریف لائے تو آپ نے ذی الحلیفہ کے مقام پر فرمایا:

تم میں سے جو عمرہ کا احرام باندھنا چاہے وہ عمرہ کا احرام باندھ لے اور جو حج وعمرہ کا احرام باندھنا چاہے تو وہ دونوں کا احرام باندھ لے اور جو صرف حج کا احرام باندھنا چاہے تو حج کا احرام باندھ لے۔(۱)

---

(۱) مقصد یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ تمتع کا حکم تخییری تھا اور جب رسول خدا ؐ نے صفا و مروہ کی سعی مکمل کی تو اس وقت عمرہ تمتع کا لازمی حکم نازل ہوا۔

اب ان جاہلوں سے ہمارا یہ سوال ہے کہ حجۃ الوداع سے قبل ماہ حج میں صحابہ تین بار عمرہ ادا کر چکے تھے اور حجۃ الوداع کے آغاز میں رسول خدا نے تمام صحابہ کو عمرہ و حج یکجا کرنے یا صرف عمرہ و حج میں سے کسی ایک کے احرام باندھنے کا حکم دیا تو کیا (نعوذ باللہ) صحابہ اتنے بے وقوف اور احمق تھے کہ انہیں ابھی تک یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا بھی جائز ہے؟

اور مذکورہ تاویل علیل کرنے والے غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسلسل عمرے کرنے کے باوجود صحابہ کو ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا تھا کہ ماہ حج میں عمرہ جائز ہے، اسی لیئے رسول خداؐ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ جس کے پاس قربانی نہیں ہے وہ اپنے حج کو عمرہ میں تبدیل کر دے، تا کہ صحابہ کو اس بات کا علم ہو جائے کہ ماہ حج میں عمرہ کرنا بھی جائز ہے۔!!

خدا ایسے لوگوں سے سمجھے، حیوان بھی اپنا راستہ پہنچان لیتے ہیں مگر یہ لوگ حقیقی راستہ پہچاننے پر آمادہ نہیں ہیں۔ یہ لوگ تقلید کی مدد کے لیئے اتنے بڑے اقدام کی جسارت کر رہے ہیں۔ یہ لوگ کبھی تو واضح جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی مشہور حماقتوں اور کبھی رطب و یابس کا سہارا لیتے ہیں،

حسبنا اللہ ونعم الوکیل " انتہیٰ قولہ

عرض مؤلف:

مؤلف کتاب ہذا عرض کرتا ہے کہ ابن قیم اور ابن حزم اور امام احمد مکتب کے دوسرے پیروکاروں نے ایک مرکزی نکتہ کو مدنظر نہیں رکھا، جس کی وجہ سے لوگوں نے عمرہ تمتع کا انکار کیا ہے۔

اصل بات یہ نہیں ہے کہ عمرہ تمتع کا انکار کرنے والوں کو احادیث صحیحہ و متواترہ کا علم نہیں تھا جیسا کہ ابن قیم اور ابن حزم نے سمجھ لیا ہے اور اس لیئے انہوں نے احادیث صحیحہ کے حوالے دیئے ہیں۔ اور عمرہ تمتع کے منکرین کے متعلق یہ رائے رکھنا بھی صحیح

نہیں کہ انہیں احادیث کے مدلول و مفہوم کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ عمرہ تمتع کا انکار کرنے والوں نے اپنے ممدوح خلفاء کی مدد کے لیئے یہ سارے پاپڑ بیلے تھے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے خلفاء کے طرز عمل کو سچا ثابت کرنے کے لیئے جھوٹی احادیث بنائیں۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنے ممدوح خلیفہ کے طرز عمل کا دفاع کرنے کے لئے کئی عذر تراشے مثلاً آپ بیہقی کو ہی دیکھ لیں اس نے کہا:

حضرت عمر نے عمرہ تمتع سے اس لیئے لوگوں کو روکا تھا کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ عمرہ کو بھی مکمل شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے، اس کے علاوہ آپ یہ چاہتے تھے کہ لوگ بیت اللہ کی زیارت کے لیئے دوبارہ مکہ آئیں، کیونکہ آپ نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اگر عمرہ تمتع کو رواج دیا گیا تو پھر ایام حج کے علاوہ پورے سال تک بیت اللہ کی زیارت کو کوئی نہیں جائے گا۔

بیہقی نے حضرت عمر کی وکالت تو مذکورہ الفاظ کے ساتھ کی لیکن دوسرے خلفاء کی اس نے وکالت کرتے ہوئے کہا:

دوسرے خلفاء نے حضرت عمر کے فرمان کو مدنظر رکھ کر عمرہ تمتع سے منع کیا تھا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ حضرت عمر کی اتباع میں ثواب اور بھلائی مضمر ہے۔

علماء میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوا جنہوں نے اس مسئلہ میں حق و باطل کو مخلوط کیا اور انہوں نے صحیح وسقیم کا فرق نہیں کیا اور انہوں نے اس درجہ تک اضطراب کا مظاہرہ کیا کہ اپنے ہی اقوال کی تردید کر بیٹھے۔

کچھ علماء ایسے بھی گذرے ہیں جنہوں نے خلفاء کے کردار کو اسلامی شریعت کا مصدر سمجھ کر اس سے احکام شرعی کا استنباط کیا، اور جب کوئی محقق علماء کی آراء کا جائزہ لینے بیٹھتا ہے تو اسے قدم قدم پر ان کے اضطراب دکھائی دیتے ہیں اور وہ ایک مضبوط اور صحیح رائے ثابت قدم دکھائی نہیں دیتے۔

اگر آپ ہماری اس رائے کی دلیل طلب کرنے کے خواہش مند ہوں تو ہم اپنی دلیل کے لیئے شرح مسلم میں سے امام نووی کے بیان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

امام نووی لکھتے ہیں:

''حج کی تین اقسام کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ ان میں سے کون سی قسم افضل ہے۔ شافعی، مالک اور بہت سے دیگر علماء کا فیصلہ ہے کہ ان میں سے افضل افراد ہے پھر تمتع ہے پھر قران کا درجہ ہے۔

احمد اور دوسرے علماء کا نظریہ یہ ہے کہ ان تمام میں سے تمتع کو فضیلت حاصل ہے۔

ابو حنیفہ اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ان میں سے افضل قران ہے۔

امام شافعی کے کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۱)

صحیح یہ ہے کہ افراد سب سے افضل ہے، پھر تمتع کا درجہ ہے اور آخر میں قران کا درجہ ہے۔

نبی اکرمؐ کا حج کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کے متعلق بھی علماء کے تین نظریات ہیں۔ بعض کے نزدیک رسول خداؐ نے حج تمتع کیا تھا، بعض کہتے ہیں کہ آپ حج افراد بجا لائے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ نے حج قران کیا تھا۔

جو اہل علم حج افراد کو ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد خلفائے راشدین نے حج افراد کیا تھا۔ (۱)

حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان حج افراد بجا لائے تھے، البتہ حضرت علیؑ کا فعل ان سے مختلف تھا۔ لہذا اگر افراد افضل نہ ہوتا تو اسلام کے یہ رہنما حج افراد پر اصرار نہ کرتے، کیونکہ ان بزرگواروں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے سنت رسولؐ سے ہٹ کر اپنے لیئے کوئی اور روش اپنائی ہو۔ البتہ حضرت علیؑ نے خلفائے ثلاثہ کے عمل سے اس لیئے

۱۔ شافعی کے اقوال کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس حکم شرعی میں حیرت کا شکار تھا۔ اسی لیئے وہ ایک رائے پر قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

اختلاف کیا تھا تا کہ امت کو یہ بتایا جا سکے کہ حج افراد کے علاوہ حج کے دوسرے طریقوں پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔(۱)

حج افراد کے افضل ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس حج میں قربانی نہیں کرنی پڑتی جب کہ حج تمتع اور حج قران میں قربانی کرنی پڑتی ہے، اور قربانی سے دراصل میقات سے جاتا ہے اس لیے اس کی تلافی کے لیئے کسی قربانی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

حج افراد کی فضیلت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ حج افراد درست ہے جب کہ حج تمتع اور قران کو عمر اور عثمان ناپسند کرتے تھے، اسی لیئے حج افراد سب سے افضل ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع جو کہ آنحضرتؐ کا واحد حج ہے اور اس میں ہزاروں افراد آنحضرتؐ کے ساتھ شامل تھے آخر اس میں لوگوں نے کوتاہی اور تکلف کا مظاہرہ کیا۔ کچھ لوگوں نے طوالت سے کام لیا اور بعض افراد نے ضرورت سے زیادہ اختصار کو مدنظر رکھا۔

اس مسئلہ کے متعلق ابوجعفر طحاوی حنفی نے زیادہ تفصیلی گفتگو کی اور اس نے اس مسئلہ پر ایک ہزار اوراق پر مشتمل بحث کی۔ اسی طرح سے ابوجعفر طبری، ابوعبداللہ بن ابی صفرہ، مہلب، قاضی ابوعبداللہ مرابط، قاضی ابوالحسن بن قصار بغدادی اور حافظ ابوعمر بن عبداللہ ابر وغیرہ نے بھی اس مسئلے پر تفصیلی اظہار کیا۔(۲)

---

(۱) ان لوگوں کی نظر میں غالباً سنت رسولؐ کی کوئی حیثیت نہیں تھی ان کے ہاں صرف خلفائے ثلاثہ کے عمل کو اہمیت حاصل تھی۔

(۲) ابن قیم نے زاد المعاد اور ابن حزم نے المحلی میں بھی اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور ان دونوں نے بحث کا حق ادا کیا ہے۔ اور ہم نے بھی دونوں علماء کے چند اقتباس یہاں نقل کیئے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان چودہ صدیوں میں اس مسئلہ کے متعلق لاکھوں اوراق سیاہ کیئے جا چکے ہیں لیکن اگر مسلمان قرآن کے واضح حکم اور سنت رسولؐ کو اپنا رہنما قرار دیتے تو ان کے لیئے ایک چھوٹا سا ورق بھی کافی ہو سکتا تھا۔

قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ مذکورہ تمام مباحث کو پڑھنے کے بعد اور متفرق احادیث کے مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ رسول اکرمؐ کے اپنی مختلف احادیث کے ذریعہ سے حج کی تینوں اقسام کو مباح قرار دیا اور سب کو جواز کی سند عطا کی۔ اگر نبی اکرم صرف ایک ہی قسم کا حکم جاری کرتے تو اس سے یہ مترشح ہوتا کہ باقی دو اقسام صحیح نہیں ہیں اسی لیئے آپ نے حج کی تینوں اقسام کو مباح ثابت کرنے کے لیئے مختلف احادیث فرمائیں۔ جب کہ طبقہ علماء میں سے ہر ایک نے ایک مخصوص قسم کی احادیث کو اپنے پیش نظر رکھا اور اسے نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا۔ اور اس کی وجہ یا تو حکم رسولؐ کو قرار دیا گیا یا پھر فرمانِ پیغمبر کی تاویل سے استدلال کیا گیا۔ (۱)

نووی اپنی شرح میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

مازری نے کہا: جس متعۃ الحج سے حضرت عمر نے منع کیا تھا اس کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حج کو عمرہ میں تبدیل کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے حج کے مہینہ میں عمرہ کرنا اور اسی سال حج کرنا مراد ہے۔

حضرت عمر نے اس سے اس لیئے منع کیا تھا کہ آپ اس ذریعہ سے لوگوں کو حج کی افضل صورت یعنی حج افراد کی ترغیب دینا چاہتے تھے، اور حضرت عمر متعۃ الحج کو باطل یا حرام نہیں سمجھتے تھے۔ (۲)

قاضی عیاض کہتے ہیں:

---

(۱) رب العالمین گواہ ہے کہ قاضی عیاض کا یہ موقف غلط ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں رسول اکرمؐ نے صرف حج تمتع کا حکم دیا تھا اور دوسرے طریقوں سے منع کیا تھا۔ یہ تمام تر اقوال تاویلات صرف اپنے بزرگوں کی حمایت میں تراشے گئے ہیں۔ یہاں تک ہم نے شرح نووی جلد ۸ صفحہ ۱۳۲ سے ۱۳۷ تک کا جامع خلاصہ پیش کیا۔

(۲) مازری کا یہ موقف حقیقت سے آنکھیں بند کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اسلامی کتابوں میں اس امر کی وضاحت موجود ہے۔ انہوں نے عمرہ تمتع کو ممنوع ہی قرار نہیں دیا تھا بلکہ عمرہ تمتع کرنے والوں کو سزا بھی دیتے تھے۔ مازری جیسے علماء نے حضرت عمر کے فعل کو سند جواز دینے کے لیئے اس طرح کی بے سروپا باتیں کی ہیں ورنہ ان باتوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جابر، عمران اور ابو موسیٰ کی حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس متعۃ الحج میں انہوں نے اختلاف کیا تھا اسے حج کو عمرہ میں تبدیل کرنا تھا۔ اسی لیئے عمر لوگوں کو مارتے تھے وہ حج کے مہینوں میں محض استفادہ کرنے کی وجہ سے نہیں مارتے تھے، کیونکہ حضرت عمر یہ سمجھتے تھے کہ حج کو عمرہ میں تبدیل کرنا صرف اسی سال کے لیئے ہی مخصوص تھا اور اس کی حکمت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ **فمن تمتع الی الحج فما استیسر من الھدیٰ** کی آیت مجیدہ میں جس "تمتع" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا مراد ہے، جب کہ اس تمتع میں حج قران بھی شامل ہے کیونکہ اس کے لیئے بھی دوسری بار سفر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ علاوہ ازیں تمتع سے حج کو عمرہ میں تبدیل کرنا بھی مراد ہے۔ (یہاں تک قاضی کا کلام تمام ہوا) میں (نووی) کہتا ہوں کہ عمر اور عثمان اور ان کے علاوہ دوسرے خلفاء جس متعہ سے منع کرتے تھے اس سے حج کے مہینے میں عمرہ کرنا اور اسی سال حج بجالانا مراد ہے، اور وہ دراصل لوگوں کو اس سے اس لیئے روکتے تھے کہ لوگوں کو حج افراد کی ترغیب دی جاسکے کیونکہ حج افراد افضل ہے۔ "**انتھی قول النووی بتلخیص**"

عرض مئولف

مئولف کتاب ہذا کہتا ہے کہ علماء نے اس مسئلہ پر ہزاروں اوراق سیاہ کیئے ہیں جب کہ انہوں نے "**فمن تمتع بالعمرة الی الحج**" کی آیت مجیدہ بھی پڑھی ہوئی تھی اور ان کے سامنے رسول اکرمؐ کی متواتر اور صحیح احادیث بھی موجود تھیں، جن میں آپ نے بڑی سختی سے لوگوں کو متعۃ الحج کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح سے ان علماء نے بھی پڑھا تھا کہ حضرت عمر

نے اس سے منع کیا تھا اور جو بھی حجۃ الحج بجا لاتا اس کی تواضع کوڑوں سے کرتے تھے اور وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ عمرہ اور حج کو علیحدہ رکھنا زیادہ مناسب ہے اور مزید یہ کہ اس سے اہل مکہ کی روٹی پانی وابستہ ہے۔ یہ مذکورہ باتیں آئینہ کی طرح سے بالکل صاف وشفاف ہیں، مگر مکتب خلفاء کے علماء نے اس مسئلہ کو چیستان بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور رسول اکرم سے متضاد اقوال نقل کیئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو آپ نے حج تمتع اور کچھ لوگوں کو حج افراد اور کچھ لوگوں کو حج قران کا حجۃ الوداع میں حکم دیا تھا۔

چنانچہ ان مختلف اور متضاد اقوال کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ علماء کے اقوال میں بھی تضاد اور اختلاف پیدا ہوا' اور انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت عمر نے حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے سے منع کیا تھا اور انہوں نے حج تمتع سے کسی کو نہیں روکا تھا۔ کسی نے کہا کہ حضرت عمرو عثمان لوگوں کو حج تمتع سے روک کر حج افراد کی ترغیب دیتے تھے کیونکہ وہ افضل ہے۔

خدارا کوئی دانشور ہمیں یہ سمجھائے کہ کتاب وسنت کا مخالف حکم افضل کیسے بن گیا اور مزید یہ کہ مار پیٹ کا سہارا لے کر کسی چیز کی طرف رغبت دلانے کو دانش مندی کی کون سی قسم کا نام دیا جائے؟

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے؟

اس کے باوجود ہم مکتب خلفاء کے پیروکار علماء کو ابن حزم کی طرح سے سخت الفاظ میں ملامت نہیں کریں گے۔ ہم ان کے متعلق صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا اس میں ان کی نیت بالکل درست تھی کیونکہ انہوں نے تمام تر تشتت وافتراق اور جھوٹی احادیث صرف اس لیئے گھڑی تھیں کہ ان کا مقصد نیک تھا اور وہ مقصد اپنے خلفاء کا دفاع کرنا تھا۔ لہذا ان بے چاروں نے اپنے خلفاء کے دفاع کے لیئے بڑے پاپڑ بیلے، بڑے جتن کیئے،

جھوٹی احادیث بنائیں، غلط تاویلات کا سہارا لیا، رسول اکرمؐ کے حج جیسے فعل کو چیستان بنایا۔ الغرض یہ سب کچھ خلفاء کے اجتہاد کو سہارا دینے کی غرض سے کیا گیا اور آخر میں ان بے چاروں نے کہا کہ خلفاء نے جو اجتہاد کیا اسمیں دین اور امت کی بھلائی تھی۔ (شرح نووی جلد ۸ صفحہ ۱۸۰)

ہم بھی ان کی آواز میں آواز ملا کر یہی کہتے ہیں کہ خلفاء کے وکلائے صفائی نے اس سلسلہ میں ہاتھ کی جو بھی صفائی دکھائی ہے اس میں بھی بھلائی ہی بھلائی ہے۔

سابقہ مباحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسولؐ کی طرف منسوب احادیث کی وجہ سے کتنا اختلاف پیدا ہوا اور وہ اختلاف صدیوں تک امت اسلامیہ میں کس طرح سے جاری رہا۔ ذیل میں ہم اس کی کچھ مزید وضاحت کرتے ہیں۔

اختلاف کا سرچشمہ کیا ہے
اور اس کے ختم کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

ابتدائی دور کے مسلمانوں نے رسول اکرمؐ کی زبان مبارک سے عمرہ تمتع کا حکم سنا چنانچہ انہوں نے اس حکم کو لوگوں کے سامنے اس طرح سے بیان کیا جیسا کہ انہوں نے سنا تھا۔ حضرت رسول اکرمؐ نے صرف عمرہ تمتع کا حکم ہی نہیں دیا تھا بلکہ آپ نے اس کے احکام وفرائض اور سنن بھی لوگوں کے سامنے بیان فرمائے تھے جنہیں حاضرین نے اچھی طرح سے ذہن نشین کیا تھا اور انہوں نے اس کا طریقہ لوگوں کو بتایا۔

چنانچہ حجۃ الوداع سے شروع ہونے والا عمل حضرت ابوبکر کے دور میں بھی رائج رہا اور حضرت عمر کے دورِ حکومت کے ابتدائی سالوں میں بھی حج تمتع لوگوں میں سے مسلسل جاری وساری رہا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب خلیفہ ثانی نے لوگوں کو حج تمتع سے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ عمل رسول اللہؐ کی زندگی میں جاری تھا' لیکن میں اس سے منع کر رہا ہوں اور جو بھی اس پر عمل کرے گا میں اسے سزا دوں گا۔

حضرت عمر کی جاری کردہ ممانعت صرف ان کے اپنے دور تک محدود نہ رہی۔ ان کی وفات کے بعد خلیفہ ثالث اور ان کے بعد معاویہ اور فرزندان زبیر نے بھی ان کی پالیسی کو دین کا حصہ بنا کر جاری رکھا۔ جب ایک طویل عرصہ تک حکومتی پالیسی میں کوئی فرق نہ آیا تو پھر خوشامدی افراد نے خلفاء کے طرز عمل کو سند جواز دینے کے لیئے جھوٹی احادیث وضع کیں

اور جھوٹی احادیث تراشنے والوں کے ضمیر اتنا مردہ تھا کہ وہ اسے کار خیر سمجھ کرانجام دیتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حج اکبر کی احادیث کے ساتھ ساتھ اس کی ممانعت کی خود ساختہ حدیثیں بھی منظر عام پر آ گئیں۔ اور کچھ عرصہ تک دو متضاد قسم کی احادیث ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز کا دورِ خلافت شروع ہوا اور انہوں نے تدوین حدیث کا شاہی فرمان جاری کیا اور محدثین نے احادیث کی تدوین شروع کی اور اس دوران دونوں طرح کی روایات مکتب خلفاء کی کتب صحاح وسنن و مسانید میں شامل ہو گئیں اور ان متضاد احادیث کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج مزید وسیع ہو گئی۔ اور امت اسلامیہ کے اتحاد کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ جتنی بھی احادیث سنت رسول ؐ کے مقابلہ میں لائی گئی ہیں انہیں کتب حدیث سے خارج کیا جائے اور جب تک خود ساختہ احادیث کتب حدیث میں موجود رہیں گئیں۔ اس وقت تک مسلمانوں میں اتحاد کا خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سنت رسول کو رہنما اصول تسلیم کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں کسی بھی خلیفہ یا صحابی اور تابعی کے قول و فعل کو اہمیت نہ دی جائے۔

سنت رسول کے مقابلہ میں خلفائے راشدین کی سنت کو دین کا حصہ نہیں سمجھنا چاہیے۔

خلفائے راشدین کی اتباع کی حدیث اور اس کا جائزہ

ہمارے سابقہ بیانات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یار لوگوں نے خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کی جو حدیث وضع کی ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ حدیث کچھ اس طرح سے گھڑی گئی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

"فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ" (۱)

"تم میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرو اور سختی سے اس پر قائم رہو۔"

مذکورہ حدیث اگرچہ کتب صحاح و مسانید میں مرقوم ہے پھر بھی یہ حدیث قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ خلفائے راشدین کی کچھ سنتیں ایسی بھی ہیں جو کہ سنت رسولؐ سے متصادم ہیں، اور یہ بات ناممکن ہے کہ رسول خداؐ ایسی کسی سنت کی پیروی کا حکم صادر کریں جو خود ان کی سنت سے متصادم ہو۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اس لیئے بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ

(۱) کتاب ہذا کی جلد اول کے باب اصطلاحات میں ہم لفظ خلافت و خلیفہ کے ضمن میں

۱۔ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ سنن دارمی۔ مقدمہ۔ باب اتباع السنۃ جلد ۱ صفحہ ۴۴۔ ۴۵ سنن ابن ماجہ۔ مقدمہ۔ باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین جلد ۱ صفحہ ۱۵۔ ۱۶۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ حدیث ۴۶۰۷۔ سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ واجتناب البدع جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ واضح رہے کہ آخری تین کتابیں کتب خلفاء کی صحاح ستہ میں سے شمار ہوتی ہیں۔

یہ عرض کر چکے ہیں کہ رسول خداؐ کے زمانہ میں اور اس وقت کے محاورات اور صدر اول حتیٰ کہ خلیفہ دوم کے زمانہ تک لفظ خلیفہ حاکم المسلمین کے معانی میں استعمال ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہ لفظ قرآن وحدیث اور صدر اول میں لغوی معنوں میں استعمال ہوتا تھا یعنی یہ لفظ ہمیشہ مضاف کی شکل میں استعمال ہوتا تھا اور مضاف الیہ کے جانشین کے معنوں میں ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ جب کہ مذکورہ روایت میں یہ لفظ حاکم المسلمین کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ روایت اس وقت گھڑی گئی جب لفظ خلیفہ لغوی معنی سے گذر کر حاکم کے معنی میں استعمال ہونے لگا تھا۔

(۲) اس حدیث میں خلفاء کو موصوف بنا کر "راشدین" کو اس کی صفت بنایا گیا ہے یعنی رشد وہدایت والے خلیفے، اور لفظ راشدین کی قید اس وقت لگائی گئی جب اموی اور عباسی ظالم خلفاء امت اسلامیہ کی تقدیر کے وارث بنے، چونکہ ظالم اموی اور عباسی حکام بھی اپنے آپ کو خلیفہ ہی کہلاتے تھے، اسی لیے انہیں چار خلفاء سے علیحدہ رکھنے کے لیئے چار خلفاء کو خلفائے راشدین کا لقب دیا گیا۔

رسول اکرمؐ کے زمانہ میں جب کہ غیر راشد خلفاء ہی نہیں تھے تو پھر رسول اکرم نے خلفائے راشدین کے جملے کیسے فرمائے؟

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت رسول کے ساتھ ساتھ خلفائے رشدین کی سنت بھی اسلامی شریعت کا مصدر اور سرچشمہ ہے، جب کہ رسول خدا کی سنت تو اس لیئے دین کا سرچشمہ ہے کہ آپ معصوم تھے، اور خلفائے راشدین تو غیر معصوم تھے لہٰذا ان کی سنت کو دین کا سرچشمہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

(۴) اگر رسول خداؐ نے یہ فرمایا ہوتا کہ تم خلفائے راشدین کی سنت پر سختی سے عمل کرنا تو یہ "نقیضین" پر عمل کرنے کا حکم قرار پاتا کیونکہ جب خلفائے راشدین سے مراد ابتدائی چار خلفاء ہیں اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ بہت سے مسائل میں ان کا ایک دوسرے سے اختلاف تھا۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ،عمرہ تمتع کے متعلق حضرت علیؑ نے حضرت عمر اور عثمان سے کھل کر اختلاف کیا تھا اور حضرت عثمان کے سخت احکام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی انہوں نے عمرہ تمتع کا احرام باندھا تھا اور اس کا تلبیہ کہا تھا ۔ جب خلفائے راشدین کی سنت ایک دوسرے سے ملتی ہی نہیں تو رسول خداؐ نے ان کی سنت پر عمل کرنے کا حکم کیسے دیا تھا؟ رسول اکرمؐ کسی متضاد سنت پر عمل کرنے کا حکم نہیں دے سکتے تھے۔ اس سلسلہ کی اصل حقیقت بس اتنی سی ہے کہ لوگوں نے خلفاء کے عمل کو شریعت اسلامی کا سرچشمہ قرار دینے کے لیئے اور ان کے ہر عمل کو سند جواز فراہم کرنے کی غرض سے اس طرح کی احادیث اپنی طرف سے گھڑی تھیں۔

صدر اسلام کے پہلے خلفاء اور معاویہ اور ابن زبیر یہ سب کے سب رسول اکرمؐ کے صحابی تھے، مگر انہوں نے اپنے اجتہادات و سنن میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف کیا تھا، اسی لیئے مکتب خلفاء کا یہ نظریہ نا قابل قبول ہے کہ صحابہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہیں اور ان سب سے احکام اسلام لینا درست ہے۔ عدالت صحابہ کی تفصیلی بحث کے لیئے کتاب ہذا کی جلد اول کی طرف رجوع فرمائیں۔

عمرہ تمتع کے مسئلہ میں ہم نے دیکھا کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کے موقف سے

کھلا اختلاف کیا اور ان کی شدید ممانعت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ عمرہ تمتع بجالائے۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کا موقف یہ تھا کہ وہ سنت رسول کے مقابلہ میں کسی کے قول کو اہمیت نہیں دے سکتے۔

مکتب امامت نے ہمیشہ سنت رسول کو دین کا سرچشمہ سمجھا اور اس کا دفاع کیا۔ اسی طرح سے ابن زبیر اور ابن عباس کے تلخ و تند مباحثوں میں بھی ہمیں یہی نکتہ دکھائی دیتا ہے کہ ابن زبیر افراد کے عمل کو دین میں حجت قرار دیتا تھا جب کہ ابن عباس حضرت علی کے شاگرد تھے اور وہ مکتب امامت سے وابستہ تھے اسی لیے وہ افراد کے عمل کو دین کا حصہ ماننے پر آمادہ نہیں تھے' وہ دین کے لیے سنت رسول کو ہی مصدر و ماخذ تسلیم کرتے تھے' جب کہ مکتب خلفاء کے افراد سنت رسول کو بائی پاس کر کے خلفاء کو دین کا سرچشمہ قرار دیتے تھے۔

اسی طرز تفکر کی وجہ سے اسلام میں دو مکتب فکر وجود میں آئے' ان میں سے ایک مکتب فکر کی نمائندگی کرنے والوں کو سنت رسول کے احیاء کی فکر تھی اور ان کا موقف یہ تھا کہ سنت رسول کے مقابلہ میں کسی کا اجتہاد قابل قبول نہیں ہے۔ اس مکتب فکر کی نمائندگی اہل بیت طاہرینؑ کرتے تھے' جب کہ اس کے مقابلہ میں ایک اور مکتب فکر وجود میں آیا جو یہ نظریہ رکھتا تھا کہ صاحب اقتدار صحابہ کو سنت رسول کے مقابلہ میں اجتہاد کرنے کا پورا حق حاصل ہے اور وہ حکمران صحابہ کے اجتہاد کو دین کا حصہ تسلیم کرتا تھا' اور یہ مکتب' مکتب خلفاء کہلایا۔

دونوں مکاتب فکر میں ہمیشہ سنت رسول کے حوالے سے بحثیں ہوتی ہیں' آج امت اسلامیہ کے اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ ہم سنت رسول کو خالص کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کریں اور سنت رسول کے ساتھ خلفاء کے اجتہادات کا جو خس و خاشاک مدت سے شامل ہو چکا ہے اسے علیحدہ کریں۔ خلفاء کے اجتہادات کے ساتھ ساتھ مجتہدین کے خود ساختہ اجتہادات کو دین کا سرچشمہ ماننے سے انکار کر دیں اور صرف اللہ کی کتاب اور سنت رسول کو

ہی اپنے لیے لائحہ عمل قرار دیں۔

اور ہم چالیس سالوں سے مسلسل اسی امر کی دعوت دینے میں مصروف ہیں اسی لیے اگر کوئی دوست ہماری اس روش پر ناراض ہوتا ہے تو ہمیں اس کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں اور ہمیں اس روش میں معذور سمجھا جائے۔

خلاصہ بحث

حضرت عمر کے اجتہادات کے ضمن میں ہم نے عمرہ تمتع کو بطور مثال بیان کیا ہے اور ہم نے سابقہ اوراق میں اپنے قارئین کرام کو یہ بتایا کہ دور جاہلیت میں قریش حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو حرام سمجھتے تھے اور وہ اسے روئے زمین کا بدترین گناہ تصور کرتے تھے، اور وہ کہا کرتے تھے کہ جب ماہ صفر ختم ہو جائے تو پھر عمرہ جائز ہو جاتا ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین قریش سے اختلاف کیا اور آپ نے ہجرت کے بعد چار عمرے کئے اور چاروں عمرے حج کے مہینوں میں ادا کئے۔

جہاں تک عمرہ تمتع کا معاملہ ہے تو کتاب اللہ میں اس کے متعلق نص موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فمن تمتع بالعمرة الیٰ الحج......" حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں لوگوں کو اس کی تفصیل سے مطلع فرمایا۔

حجۃ الوداع کی تفصیل بیان کرتے ہوئے علمائے اسلام نے لکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد 9 برس تک حج ادا نہیں کیا تھا اور جب ہجرت کا دسواں سال ہوا اور اسلام پورے جزیرہ نما عرب اور یمن تک پھیل گیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام علاقہ کے لوگوں کو خط لکھ کر مطلع کیا کہ وہ اس سال حج پر جانا چاہتے ہیں، لہٰذا لوگ ان کے ساتھ حج ادا کرنے کے خواہش مند ہوں تو وہ ان کے قافلہ میں شامل ہو جائیں۔

آپ کے اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ چاروں طرف سے قبائل ٹوٹ کر مدینہ

ہوئے، آنحضرت مدینہ سے اپنی ازواج، افرادِ خاندان اور مہاجرین و انصار اور قبائل عرب کے جم غفیر کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔(امتاع الاسماع مقریزی صفحہ ۵۱۰-۵۱۱) اور اس سفر میں آپ کے ساتھ اتنی زیادہ خلق خدا تھی جس کی تعداد کو ان کا خالق و رازق ہی بہتر جانتا ہے۔(سیرت ابن سید الناس جلد ۲ صفحہ ۲۷۳)

آپ جیسے جیسے راستے طے کرتے گئے راستے میں بہت سے قبائل جوق در جوق آپ کے قافلہ میں شامل ہوتے گئے اور جہاں جہاں تک نظر جاتی تھی انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دیتا تھا۔

(زادالمعاد جلد ۲ صفحہ ۲۱۳۔فصل فی حجه بعد هجرته۔تاریخ ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۱۰۹)

جابر کہتے ہیں کہ قافلہ کے پیچھے پیچھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ تھے اور آپ پر قرآن نازل ہو رہا تھا اور آپ اس کی تاویل کو جانتے تھے۔آپ نے تاویل قرآن کے تحت جو بھی عمل کیا ہم نے اس عمل میں آپ کی پیروی کی۔

جب آپ مدینہ سے نکل کر وادی عقیق میں پہنچے تو آپ نے عمر بن الخطاب سے فرمایا: میرے رب کی طرف سے آنے والا آیا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے کہا:

قل عمرة فی حجة، فقد دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیامة"

"آپ (نیت میں) کہیں عمرہ، حج میں، کیونکہ عمرہ قیامت کے دن تک حج میں داخل ہو چکا ہے۔"

اور جب آپ مقام "عسفان" پر پہنچے تو سراقہ نے آپ سے عرض کیا:

"آپ ہمارے لیے مناسک حج کا ایسا فیصلہ کریں جیسا کہ ہم نے دنیا میں آج ہی جنم لیا ہو۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ان اللہ تعالیٰ قد ادخل علیکم فی حجکم ھذا عمرۃ فاذا قلمتم فمن تطوف بالبیت وبین الصفا والمروۃ فقد حل الامن کان معہ ھدی"

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس حج میں عمرہ کو داخل کیا ہے لہٰذا جب تم مکہ پہنچو تو جو شخص بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لے تو وہ احرام سے آزاد ہو جائے گا البتہ جو قربانی اپنے ساتھ لایا ہو تو وہ حج کے مناسک ادا کر کے ہی احرام سے آزاد ہو گا۔"

جب آپ مقام "سرف" پر پہنچے تو آپ نے اپنے صحابہ میں یہ اعلان کیا:

من لم یکن معہ ھدی فاحب ان یجعلھا عمرۃ فلیفعل

"جس کے ساتھ قربانی موجود نہیں اور وہ اسے عمرہ میں بدلنا چاہے تو وہ بدل دے۔"

بی بی عائشہ کا بیان ہے کہ کچھ صحابہ نے آپ کے فرمان پر عمل کیا اور کچھ نے آپ کے فرمان کو چھوڑ دیا۔

پھر آپ جب مکہ کے مضافات میں پہنچے تو آپ نے پھر اس مسئلہ کی تبلیغ کرتے ہوئے فرمایا:

من شاء ان یجعلھا عمرۃ فلیجعلھا

"جو اس حج کو عمرہ میں بدلنا چاہے تو وہ اسے بدل دے۔"

مؤلف کہتا ہے کہ سابقہ روایات کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا نے عمرہ تمتع کا حکم درجہ بدرجہ دیا۔ آپ نے مقام عقیق میں حضرت عمر کو بلا کر بتایا کہ آپ کو وحی الٰہی کے تحت حج و عمرہ جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مقام عسفان میں آپ نے سراقہ سے فرمایا کہ وہ جس حج کے ارادہ سے نکلے ہیں

اللہ نے ان کے حج میں عمرہ کو داخل کر دیا ہے، لہٰذا جس کے پاس قربانی موجود نہ ہو تو وہ بیت اللہ کے طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد احرام کھول دے اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے۔

مقام سرف پر پہنچ کر آپ نے اپنے تمام اصحاب کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا جس پر بی بی عائشہ کے بقول کچھ صحابہ نے عمل کیا اور کچھ صحابہ نے عمل نہ کیا۔

اور ہم سمجھتے ہیں کہ عمل نہ کرنے والوں کا تعلق مہاجرین قریش سے تھا کیونکہ وہ یہ بات صدیوں سے سنتے آرہے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنا کائنات کا سب سے بڑا جرم ہے۔

لوگوں کی اسی نفسیاتی حالت کی وجہ سے آنحضرت نے مصلحت نبوت کے تحت درجہ بدرجہ اس مسئلہ کی تبلیغ کی۔ بہر نوع جب آپ صفا و مروہ کے درمیان پہنچے اور مروہ پر آخری چکر مکمل ہوا تو آپ نے اپنے حتمی فیصلہ کا ان الفاظ میں اعلان کیا:

"لوگو! تم میں سے جو شخص قربانی ساتھ لے کر نہیں آیا وہ احرام کھول دے اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے، اور اگر میں نے بعد والے کام کو پہلے کیا ہوتا تو میں بھی اپنے ساتھ قربانیاں لے کر یہاں نہ آتا، لیکن بات یہ ہے کہ میں اپنے سر پر گوند چپکا چکا ہوں اور قربانیاں بھی ساتھ لے آیا ہوں، اسی لیے قربانی کرنے سے قبل میں خود احرام نہیں کھول سکتا۔"

سراقہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ایسا فیصلہ کر کے جائیں گویا ہم نے آج ہی جنم لیا ہو، کیا ہمارا عمرہ صرف اسی سال کے ساتھ مخصوص ہے یا ہمیشہ کے لیے یہی حکم ہے؟

آپ نے دو مرتبہ فرمایا: "لا، بل للابد" "نہیں یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔"

پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر کے دو مرتبہ فرمایا:

"دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیامة"

"عمرہ قیامت کے دن تک کے لیے حج میں داخل ہو چکا ہے۔"

آنحضرت کے اس اعلان کی دیر تھی کہ ایک قیامت کھڑی ہو گئی، کیونکہ آپ کے صحابہ میں وہ افراد بھی موجود تھے جن کے باپ دادا کی عمریں یہ کہتے ہوئے بسر ہوئی تھیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ بہت بڑا گناہ ہے۔

آنحضرت کے اس حتمی اعلان سے ان کے سینوں میں جلن سی اٹھی اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ای الحل؟

"یا رسول اللہ! ہمیں کس کس کام کی آزادی حاصل ہو گی؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الحل کلہ

"احرام سے پہلے تمہیں جن کاموں کی اجازت تھی اب تمہیں ان تمام کاموں کی آزادی حاصل ہو گی۔"

یہ ہمارا عمرہ تمتع ہے، جو اپنے ساتھ قربانی لے کر نہ آیا ہو تو وہ احرام کھول کر مکمل طور پر آزاد ہو جائے کیونکہ عمرہ قیامت کے دن تک کے لیے حج میں داخل ہو چکا ہے۔

اور آپ نے فرمایا:

اقیموا حلالا حتی اذا کان یوم الترویة فاهلوا بالحج واجعلوا التی قدمتم متعة

"تم احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو کر قیام کرو، اور جب ترویہ کا دن آئے تو حج کے لیے احرام باندھو اور درمیانی ایام سے استفادہ کرو۔"

لوگوں نے کہا:

کیف نجعلها متعة و قدسمینا الحج

"ہم اسے متعہ کیسے قرار دیں کہ ہم نے تو حج کی نیت کی ہے؟"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

افعلو ما امرکم به لو لا انی سقت الهدی لفعلت مثل الذی امرتکم به

"میں جو تمہیں حکم دے رہا ہوں تم اس پر عمل کرو اور اگر میں قربانیاں ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جس کا تمہیں حکم دیا ہے۔"

پھر آپ نے فرمایا:

احلو او اصیبوا النساء

"احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاؤ اور اپنی عورتوں سے حقوق زوجیت ادا کرو۔"

رسول اسلام کے اس حکم کو سن کر لوگوں نے باتیں بنانی شروع کیں اور کہنے لگے:

عجیب بات ہے کہ عرفہ سے صرف پانچ دن باقی رہ گئے ہیں بھلا ایسے وقت میں ہم احرام سے آزاد ہو کر بیویوں سے مباشرت کیسے کریں اور عرفہ اس حالت میں جائیں کہ ہمارے آلہ تناسل سے مادہ منویہ ٹپک رہا ہو؟

جب لوگوں نے آنحضرت کے فرمان کو اس طرح کی دل آزار باتوں سے مسترد کیا تو آپ غضب ناک ہوئے اور اسی غضب میں ام المومنین عائشہ کے پاس تشریف لے گئے جب ام المومنین نے آپ کو عالمِ غضب میں دیکھا تو انہوں نے کہا:

"آپ کو کس نے غضب ناک کیا، خدا اسے غضب ناک کرے؟"

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: اللہ اسے دوزخ میں ڈالے۔

آپ نے فرمایا:

مالی لا اغضب و انا آمر فلا اتبع

"میں آخر غصہ کیوں نہ کروں حالت یہ ہے کہ میں حکم دیتا ہوں لیکن میرے حکم کی تعمیل نہیں ہو رہی۔"

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں، خدا کی قسم میں ان سب سے زیادہ نیک اور خدا خوفی رکھنے والا ہوں۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے والا، زیادہ سچ بولنے والا، اور زیادہ نیکوکار ہوں، اگر میں اپنے ساتھ قربانی لے کر نہ آیا ہوتا تو میں بھی احرام کھول دیتا۔"

لوگوں نے کہا:

"یا رسول اللہ! کیا ہم اس عالم میں منیٰ جائیں کہ ہمارے آلہ تناسل سے منی ٹپک رہی ہو؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"جی ہاں، تم احرام کھول دو اور خوشبو استعمال کرو اور عورتوں سے مباشرت کرو اور ایسے تمام افعال بجالاؤ جو احرام سے آزاد شخص بجالاتا ہے، اور جب ترویہ کا دن ہو تو حج کے لیے احرام باندھو اور تلبیہ کہو۔"

رسول اکرم کی مسلسل تبلیغ سے لوگ بصد مشکل ایام حج میں عمرہ ادا کرنے پر آمادہ ہوئے، البتہ ام المومنین بی بی عائشہ کو ماہواری شروع ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے وہ عمرہ نہ کر سکی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حج کرنے کا حکم دیا، جب وہ ماہواری سے پاک ہو گئیں اور مناسک حج سے فارغ ہو گئیں تو رسول خدا نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ وہ اپنی بہن کو منزل تنعیم پر لے جائیں اور انہیں عمرہ کرائیں تا کہ وہ حج مفردہ کے ساتھ واپس گھر نہ جائیں۔

حجۃ الوداع کے کچھ عرصہ بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی اور حضرت ابوبکر خلیفہ بنے تو انہوں نے حج تمتع پر عمل چھوڑ دیا اور سنت رسول کو پس پشت ڈال کر

حج مفردہ ادا کیا۔

ان کی وفات کے بعد حضرت عمر خلیفہ بنے تو انہوں نے بھی حج مفردہ ادا کیا۔

انہوں نے اپنے دور اقتدار میں ایک شخص کو عرفات میں دیکھا جس نے بالوں کو خوب بنا سنوار رکھا تھا اور اس کے بدن سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ انہوں نے اس سے پوچھا کیا تو نے احرام باندھ رکھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے عمرہ تمتع کیا ہے اور میں نے آج ہی حج کا احرام باندھا ہے۔

حضرت عمر نے کہا: ان ایام میں حج تمتع نہ کرو کیونکہ اگر میں نے لوگوں کو حج تمتع کی اجازت دے دی تو وہ ان پیلو کے درختوں کے نیچے بیویوں سے زفاف کرنے لگ جائیں گے۔ پھر انہیں حج پر لے جائیں گے۔

حضرت عمر نے کہا: اپنے حج اور عمرہ کو جدا جدا رکھو، حج کے مہینوں میں حج کرو اور حج کے مہینوں کے علاوہ دوسرے ایام میں عمرہ بجالاؤ۔ یہ تمہارے حج و عمرہ کے لیے زیادہ تکمیل کا سبب ہے۔

ابوموسیٰ اشعری نے خلیفہ دوم سے کہا تھا: آپ نے مناسک حج میں کون سی تبدیلی کر دی ہے؟

اس کے جواب میں حضرت عمر نے دو دلیلیں پیش کیں۔ پہلی دلیل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: "واتموا الحج والعمرة لله" (اللہ کی رضا کے لیے حج و عمرہ کو مکمل کرو) دوسری دلیل انہوں نے یہ دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کر کے ہی احرام کھولا تھا۔

حضرت عمر کا رعب اتنا زیادہ تھا کہ ابوموسیٰ اس کے جواب میں یہ نہ کہہ سکا کہ آپ کو سنت رسول سے استشہاد کرنے میں مغالطہ ہوا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اپنے فعل کی توجیہ خود ہی کر دی تھی اور فرمایا تھا اگر میں قربانی ساتھ لے کر نہ آیا ہوتا تو میں بھی احرام کھول دیتا۔

ابوموسیٰ، حضرت عمر سے خوف زدہ تھے، ورنہ وہ ان کے جواب میں کہہ سکتے تھے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں واضح طور پر تمتع کا حکم موجود ہے۔

حضرت علی علیہ السلام، حضرت عمر سے ذرہ بھی خوف زدہ نہیں تھے۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کلمہ حق کہا تھا:

"من تمتع فقد اخذ بکتاب اللہ و سنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

"جس نے حج تمتع کیا تو اس نے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت پر عمل کیا۔"

پھر جب حضرت عمر نے یہ محسوس کیا کہ وہ کتاب وسنت سے اپنے فرمان کی توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہیں تو انہوں نے شاہی اختیارات استعمال کرنے کا اعلان کیا اور کہا:

متعتان کانتا علی عھد رسول اللہ (ص) وانا انھیٰ عنھما واعاقب علیھما وھما: متعۃ الحج و متعۃ النساء

"دو متعے رسول خدا کے عہد میں رائج تھے اور میں ان دونوں سے روک رہا ہوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو سزا دوں گا اور وہ ہیں۔ متعۃ الحج اور متعۃ النساء"

واللہ انی لانھا کم عن المتعۃ وانھا لفی کتاب اللہ ولقد فعلتھا مع رسول اللہ

"خدا کی قسم! میں تمہیں متعہ سے روک رہا ہوں جب کہ یہ اللہ کی کتاب میں موجود ہے اور رسول خدا کی معیت میں، میں اسے بجا بھی لایا تھا۔"

حضرت عمر کے اس تہدیدی حکم کا مقصد غالباً یہی تھا کہ لوگ حضرت علیؑ کی پیروی۔

کریں، مگر انہوں نے اپنے اختتامی حکم میں اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ حج تمتع کا حکم کتاب و سنت میں موجود ہے۔

انہوں نے اپنے حکم کی یہ توجیہ پیش کی کہ اگر میں نے لوگوں کو حج تمتع سے نہ روکا:

کرھت ان یظلوا معرسین بھن تحت الاراک ثم یروحون فی الحج تقطر رؤسھم

"لوگ پیلو کے ان درختوں کے نیچے اپنی بیویوں سے زفاف منائیں گے پھر وہ انہیں لے کر حج پر روانہ ہوں گے، اس وقت ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے۔"

خلیفہ ثانی نے اپنے حکم کی دوسری توجیہ یہ پیش کی:

ان اھل البیت. اھل مکۃ. لیس لھم ضرع ولازرع وانما ربیعھم فی من یطرا علیھم

"اہل مکہ کے پاس کوئی زراعت اور بہار موجود نہیں ہے، ان کی بہار ان لوگوں سے وابستہ ہے جو ان کے پاس آتے ہیں۔"

حضرت عمر نے حج تمتع کی بندش کے لیے جو دو دلائل پیش کیے در حقیقت یہ کوئی نئے دلائل نہیں تھے بلکہ یہ انہی اعتراضات کی بازگشت تھی جو رسول خدا کے سامنے کیے گئے تھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ خلیفہ ثانی نے عمرہ تمتع کو ممنوع قرار دے کر اہل مکہ کی تجارت کو سہارا دیا، کیونکہ مکہ میں قریش آباد تھے اور وہ خلیفہ کے اہل خاندان تھے۔ مسلمانوں کو چار و ناچار ان کے فرمان پر عمل کرنا پڑا اور انہیں حج مفردہ ادا کرنا پڑا۔

حضرت عمر کی وفات کے بعد زمام اقتدار حضرت عثمان کے ہاتھوں میں آئی۔ ان کا تعلق بھی خاندان قریش سے تھا، وہ حج تمتع جاری کر کے اپنے قبیلہ کو معاشی نقصان نہیں دینا چاہتے تھے، اسی لیے انہوں نے اپنے پیش رو کی پالیسی کو جاری رکھا اور انہوں نے لوگوں سے کہا: حج و عمرہ کو علیحدہ رکھنے سے ان کے مناسک کی تکمیل ہوتی ہے اور اگر تم لوگ عمرہ کو حج

سے علیحدہ رکھو گے تو تمہیں دو مرتبہ بیت اللہ کی زیارت کا شرف حاصل ہو سکے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے ان کی خود ساختہ توجیہات سن کر فرمایا:

"اعمدت الی سنة سنها رسول الله تنهیٰ عنها و قد کانت للذی الحاجة ولنائی الدار"

"کیا تو نے سنت رسول کو روکنے کا مقصد کرلیا ہے، جب کہ حاجت مند اور مکہ سے دور رہنے والوں کو اس کی شدید ضرورت ہے؟"

پھر حضرت علیؑ نے حج وعمرہ کی زور سے نیت کی اور ان کے لیے تلبیہ بلند کیا۔

جب حضرت عثمان نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کسی طرح سے بھی ان کے بھرے میں نہیں آئے انہوں نے کہا: میں نے اس سے منع تھوڑا کیا تھا، میں نے تو صرف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمان سے کہا:

انک تنهیٰ عن التمتع؟ قال بلیٰ: قال: الم تسمع رسول الله تمتع قال بلیٰ فلبّی علی واصحابه بالعمرة

"کیا آپ تمتع سے منع کرتے ہیں؟"

حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں۔

حضرت علیؑ نے کہا: کیا تو نے نہیں سنا کہ رسول اکرم نے تمتع کا حکم دیا تھا؟

حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں۔

پھر حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں نے عمرہ کے لیے تلبیہ کہا۔"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ مرقوم ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمان سے کہا:

لقد علمت انا تمتعنا مع رسول الله فقال اجل ولکنا کنا خائفین.

"تجھے معلوم ہے کہ ہم نے رسول اللہ کے ساتھ تمتع کیا تھا" حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں، لیکن ہم اس وقت خوف کی حالت میں تھے۔"

ایک اور روایت میں اس سرگزشت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمان سے کہا:

ماترید الی امر فعله رسول الله تنهیٰ عنه فقال عثمان دعنا منک قال: لااستطیع ان ادعک منی. فلما رأی علی ذلک اهل بهما جمیعا.

"جس کام کو رسول خدا بجالائے تھے تم اس سے روک رہے ہو؟

حضرت عثمان نے کہا: آپ ہمیں رہنے دیں۔

حضرت علیؑ نے کہا: میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔

جب حضرت علی نے ان کا رویہ دیکھا تو انہوں نے حج وعمرہ دونوں کے لیے لبیک کہی۔"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ عثمان حج سے روک رہے ہیں تو انہوں نے دونوں کے لیے نیت کی اور عمرہ اور حج دونوں کے لیے لبیک کہی۔ حضرت عثمان نے ان سے کہا:

اتفعلها وانا انهیٰ عنها

"کیا میرے منع کرنے کے باوجود بھی آپ اسے بجالا رہے ہیں؟"

حضرت علی نے فرمایا:

لم اکن لادع سنة رسول الله لقول احد من الناس

"میں کسی شخص کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

حضرت عثمان، حضرت علی کو تو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے لیکن انہوں نے یہ حکم جاری کیا کہ حج کے مہینوں میں جو بھی عمرہ کا تلبیہ کہے اسے مارا پیٹا جائے اور اس کا سر منڈ دیا جائے۔

عہد معاویہ میں سعد نے معاویہ سے کہا تھا: عمرہ تمتع ایک اچھی اور خوبصورت چیز ہے۔ اس کے جواب میں معاویہ نے کہا: عمر اس سے منع کرتے تھے۔

معاویہ کے ایک فوجی سالار نے سعد سے کہا تھا: عمرہ تمتع وہی بجالائے گا جو اللہ کے فرمان سے جاہل ہوگا، اور دلیل میں اس نے حضرت عمر کی ممانعت کو پیش کیا۔

معاویہ نے رسول اسلام کی زبانی ایک روایت تراشی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج و عمرہ جمع کرنے سے منع کیا تھا اور جب اس نے صحابہ سے اس کی تصدیق کرانا چاہی تو صحابہ نے اس کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر معاویہ اپنی بات پر بدستور جما رہا۔

حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ تمتع کے متعلق معاویہ کے عہد میں بڑی سختی برتی جاتی تھی، اسی لیے صحابہ رسول عمران بن حصین نے اس حقیقت کو اپنی سانسوں تک چھپا رکھا تھا اور جب اس نے دیکھا کہ اب اس کی زندگی کے آخری لمحات ہیں تو اس نے ایک شخص کو بلا کر کہا کہ میں تم سے ایک حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن تم پہلے مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ میری زندگی میں اسے بیان نہیں کرو گے۔ جب اس نے وعدہ کر لیا تو اس وقت عمران بن حصین نے کہا کہ سنو:

> ان رسول الله جمع بين الحج والعمرة ثم لم ينه عنهما ولم ينزل كتاب ينسخها حتى اذا توافى (ص) قال فيها رجل برأيه ماشاء ان يقول
>
> "رسول خدا نے حج و عمرہ کو جمع کیا تھا اور آپ نے اس سے منع کیا تھا اور نہ ہی کتاب اللہ میں اسے منسوخ کیا گیا اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی تو ایک شخص نے اپنی رائے سے جو کہنا

تھا کہہ دیا۔"

عہد معاویہ کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ ادوار کی بہ نسبت اس کا دور چند امور کی وجہ سے ممتاز تھا:

(۱) دور معاویہ میں سنت عمر کو دین کا درجہ دے دیا گیا تھا اور اس کا کھلے بندوں اظہار بھی کیا جاتا تھا، جیسا کہ معاویہ کے ایک سالار ضحاک نے سعد سے کہا تھا:

"لایفعل ذلک الامن جهل امر الله"

اس پر وہی عمل کرے گا جو اللہ کے فرمان سے جاہل ہوگا۔"

سعد نے جواب میں کہا: تم غلط کہتے ہو، رسول اللہ نے یہ عمل کیا تھا۔

اس کے جواب میں معاویہ اور اس کے فوجی سالار نے کہا کہ عمر نے اس سے روکا تھا۔

(۲) معاویہ دور کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس دور میں حضرت عمر کے افعال کی سند جواز دینے کے لیے حدیث بنانے اور پھر خود ساختہ حدیث کو بیان کرنے کی داغ بیل ڈالی گئی۔ معاویہ نے جس پالیسی کا اجراء کیا تھا اس کی موت کے بعد بھی مکتب خلفاء میں وہی پالیسی جاری رہی۔ مثلاً زبیر کے دو بیٹوں عبداللہ اور عروہ کو ہی دیکھ لیں۔ انہوں نے بھی لوگوں کو عمرہ تمتع سے منع کیا اور دلیل میں ابوبکر اور عمر کی ممانعت کو پیش کیا، جب کہ دوسری طرف عبداللہ بن عباس جن کا تعلق مکتب آئمہ سے تھا وہ عمرہ تمتع کے جواز پر اصرار کرتے رہے۔

فرزندانِ زبیر کی سرکشی کی انتہا یہ تھی کہ ان میں سے ایک نے ابن عباس سے کہا تو کب تک لوگوں کو عمرہ تمتع کے متعلق گمراہ کرتا رہے گا جب کہ ابوبکر اور عمر نے اس سے روکا تھا؟

ابن عباس نے کہا: میرا خیال ہے کہ یہ لوگ عنقریب ہلاک ہو جائیں گے، کیونکہ میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اور یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر اور عمر نے

اس سے منع کیا۔ اس کے بعد دونوں میں سخت الفاظ اور گالی گلوچ کو تبادلہ ہوا۔

عروہ بن زبیر نے ایک جھوٹی حدیث تراشی اور کہا کہ رسول اکرم اور ان کے ساتھیوں نے حجۃ الوداع میں حج افراد کیا تھا، اور اس نے مزید کہا کہ میری والدہ اور میری خالہ اس امر کی گواہ ہیں، لیکن عروہ کو اس وقت سخت شرمندگی سے دوچار ہونا پڑا جب مذکورہ خواتین سے حج کی نوعیت معلوم کی گئی تو انہوں نے کہا:

''ہم نے حجۃ الوداع میں عمرہ ادا کیا تھا۔''

مکتب خلفاء کے پیروکار حدیث سازی کے میدان کے شہسوار تھے، انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ کے متعلق یہ جھوٹ تراشا کہ انہوں نے حج افراد کیا تھا اور دونوں بزرگوار لوگوں کو حج افراد کا حکم دیتے تھے۔

مکتب خلفاء کے پیروکاروں کے جال سے صید نہ چھوٹا۔ جس مظلوم ابوذر کو حضرت عثمان نے ربذہ کے صحرا میں جلاوطن کر کے بھیجا تھا، اس مظلوم کی زبانی بھی انہوں نے یہ کہلوایا کہ عمرہ تمتع صرف اصحاب رسول کے لیے مخصوص تھا۔

حدیث سازی مکتب خلفاء کے پیروکاروں کا پرانا اور مجرب حربہ ہے۔ انہوں نے عمرہ تمتع کے سب سے بڑے پاسدار حضرت علی پر بھی یہ جھوٹ تراشا کہ انہوں نے اپنے فرزند محمد حنفیہ سے فرمایا تھا کہ بیٹا حج افراد ادا کرنا۔

اس مکتب سے وابستہ افراد نے کذب و افتراء کی تمام حدیں پھلانگتے ہوئے ایک روایت یہ بنائی کہ ایک صحابی پیغمبر نے حضرت عمر کو بتایا تھا کہ رسول اکرم نے اپنی مرضی موت میں عمرہ تمتع سے منع کر دیا تھا مگر مذکورہ روایت بنانے والوں نے آج تک اس صحابی کا نام پردۂ راز میں رکھا ہوا ہے۔ جس نے حضرت عمر کو مذکورہ روایت سنائی تھی اور اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمر عمرہ تمتع سے ممانعت کی ساری ذمہ داری اپنے ہی سر پر لینے کی بجائے اس راوی کو پکڑ کر

لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے کہ اس نے کہا ہے کہ رسول خدا نے اپنی مرض موت میں عمرہ تمتع سے ممانعت کر دی تھی۔

مکتب خلفاء کے پیروکاروں نے متعۃ الحج کی ممانعت کے لیے بڑے ہاتھ پاؤں مارے، بڑے جتن کیے لیکن حضرت علی علیہ السلام اور ان کے شاگرد عبداللہ بن عباس کے دلائل قاہرہ کے سامنے ان کا چراغ نہ جل سکا۔ مکتب خلفاء کے پیروکاروں کی تمام کوششیں آخر کار اکارت ثابت ہوئیں، لوگوں کے دل حج تمتع سے لگے رہے۔

ہم یہاں یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حج تمتع کی طرف لوگوں کے میلان کی وجہ سے نہیں تھی کہ وہ سنت عمر سے تنگ آ گئے تھے، اصل بات یہ تھی کہ حضرت عمر نے متعۃ الحج پر پابندی عائد کر کے لوگوں کو سخت زحمت و مشقت میں ڈال دیا تھا اور ان کے حکم پر عمل کرنا لوگوں کے لیے دشوار ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت حضرت عمر سے عقیدت رکھنے کے باوجود یہ استطاعت نہیں رکھتی تھی کہ وہ ایک مرتبہ حج کے لیے مکہ آئیں اور پھر چند ماہ بعد عمرہ کرنے کے لیے دوبارہ مکہ آئیں۔ یہ چیز لوگوں کے لیے سخت گراں تھی، جیسا کہ روایات میں ہے کہ ایک خراسانی نے حسن بصری سے کہا تھا کہ میرا گھر یہاں سے بہت زیادہ فاصلہ پر واقع ہے اور مجھے دوبارہ مکہ آنے کے لیے شدید زحمت اور مشقت اٹھانی پڑے گی......

اسی طرح سے ایک اور شخص نے مجاہد سے کہا تھا:

میں حج کے مقصد سے یہاں آیا ہوں، تو کیا میں حج سے عمرہ کر لوں یا پھر حج کے بعد کئی مہینوں تک مکہ میں بے کار پڑا رہوں اور جب حج کے مہینے گذر جائیں تو عمرہ کر کے اپنے گھر کو لوٹوں؟

تمام مسلمانوں کا گھر حجاز میں تو نہیں تھا، وہ آسانی سے عمرہ کرنے کے لیے دوسری مرتبہ مکہ آئے جب کہ بہت سے ایسے مسلمان بھی تھے جنہیں زندگی میں ایک مرتبہ ہی مکہ آنے

کی استطاعت نصیب ہوئی تھی۔ اب ایسے افراد کے لیے دوبارہ مکہ آ کر عمرہ کرنا نہایت دشوار تھا۔ ان حالات میں سنت عمر پر عمل ہوتا تو کس طرح سے ہوتا؟

دانشوروں کا پرانا مقولہ ہے کہ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری اطاعت نہ ہو تو پھر اس چیز کا حکم دے جو لوگوں کی استطاعت سے باہر ہو۔ (المحلی جلد ۷ صفحہ ۱۰۳)

عمرہ تمتع کے لیے بھی مسلمانوں کے لیے وہی مسئلہ بن گیا، ایک طرف دور دراز کی مسافت تھی اور دوسری طرف سنت عمر کے تقاضے تھے۔ اسی لیے مسلمانوں نے سوچا کہ سنت عمر پر عمل کرنا ان کی استطاعت سے باہر ہے۔ یہی سوچ کر انہوں نے آہستہ آہستہ ان کے فرمان سے بغاوت شروع کر دی اور امام احمد نے کھل کر اس کی مخالفت کی۔

امام احمد کی دیکھا دیکھی دوسرے علماء نے بھی اطاعت عمر کا قلادہ اپنی گردن سے نکالنا شروع کیا اور پھر کچھ اس طرح کی تاویلات منظر عام پر آئیں کہ خلفاء بے چارے حج تمتع کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے، وہ تو اس لیے ممانعت کرتے اور لوگوں کو مار پیٹ کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں میں حج افراد کا شوق پیدا ہو۔ مزید یہ کہ خلفاء کا فعل اجتہاد پر مبنی تھا اور یہ مسئلہ اجتہادی مسئلہ ہے اور خلیفہ نے اس مسئلہ میں اجتہاد کیا تھا۔ یعنی اللہ نے بھی حکم نازل کیا اور اس کے مطابق رسول نے بھی اپنی سنت قائم کی اور حضرت عمر نے بھی اس کے متعلق اجتہاد کیا تھا اور انہوں نے اپنے اجتہاد کو بزعم خویش شرعی حکم سمجھ لیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مقامِ عبرت

حجۃ الوداع کے موقع پر ستر ہزار سے لے کر ایک لاکھ انسان شامل تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر سب نے عمرہ تمتع کیا تھا اور اتنی بڑی تعداد نے یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور جب وہ واپس آئے تو انہوں نے لوگوں کو بھی اس عمل سے آگاہ کیا تھا، لیکن حکومت کا اثر اتنا زیادہ تھا کہ جب حضرت عمر نے اس پر پابندی عائد کی تو ستر ہزار

افراد خاموش ہو گئے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اگر تمام لوگ مل کر ان کے حکم کی مخالفت کرتے تو انہیں اپنا حکم فوراً واپس لینا پڑتا۔

اور اتنے متواتر عمل پر جب حکومت کی طرف سے پابندی عائد کی گئی تو چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ اس پابندی کو چیلنج کرنے کی بجائے بہت سے لوگوں نے اس کے حق میں جھوٹی احادیث بنائیں تاکہ کتاب وسنت کے مقابلہ میں ہونے والے اجتہاد کو سند جواز عطا کی جاسکے۔ جب کہ عمرہ تمتع کسی بھی خلیفہ کے اقتدار کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھا، اور اس کے برعکس حدیث غدیر خلفاء کے اقتدار کے لیے چیلنج تھی۔ جب لوگوں نے ایک بے ضرر سے حکم کو دیکھنے کے بعد بھی حکومت کے خوف سے بیان کرنا اور اس کی بنیاد پر احتجاج کرنا پسند نہ کیا تو ایسے افراد سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ حدیث غدیر کی نشر واشاعت کریں گے اور حدیث غدیر پڑھ کر سقیفائی خلافت کے خلاف سراپا احتجاج بن جائیں گے؟

فاعتبروا یااولی الالباب

(ب) متعہ النساء

حضرت عمر کے اس قول کو خبر متواتر کی حیثیت حاصل ہے جو انہوں نے کہا تھا:

متعتان کانتا علی عهد رسول الله (ص) وانا انهی عنهما واعاقب علیهما، متعة الحج ومتعة النساء (۱)

"رسول خدا کے عہد میں دو طرح کے متعے رائج تھے اور میں ان سے منع کرتا ہوں اور جو یہ بجالائے گا اسے سزا دوں گا اور وہ ہیں متعہ الحج اور متعہ النساء"

سابقہ صفحات میں ہم نے متعہ الحج کی بحث کی اور حضرت عمر کے اجتہاد کا تذکرہ کیا، جبکہ اس فصل میں متعہ النساء اور اس کے متعلق حضرت عمر کے اجتہاد کا جائزہ لیں گے۔ بحث کے آغاز میں ہم کتب خلفاء کی کتابوں سے متعہ النساء کی تعریف پیش کریں گے۔ پھر کتب اہل بیت کی کتابوں سے اس کی تعریف پیش کریں گے۔ اس کے بعد ہم یہ بحث کریں گے کہ کتاب و سنت میں اس کا حکم کیا ہے۔

(۱) متعہ الحج کی بحث کے آغاز میں ہم نے بہت سی کتابوں کے حوالے دیے ہیں، جہاں چند حوالوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی جلد ۲ صفحہ ۳۸۸۔ تفسیر رازی جلد ۲ صفحہ ۱۶۷، جلد ۳ صفحہ ۲۰۱۔۲۰۲۔ کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳۔۲۹۴۔ البیان والتبیین جاحظ جلد صفحہ ۲۲۳۔

مکتب خلفاء اور نکاح متعہ

تفسیر قرطبی میں ہے:

لم یختلف العلماء من السلف والخلف فی ان المتعة نکاح الی اجل لامیراث فیه والفرقة تقع عندانقضاء الاجل من غیرطلاق وقال ابن عطیة: وکانت المتعة ان یتزوج الرجل المرأة بشاهدین واذن الولی الی اجل مسمی وعلی ان لامیراث بینهما ویعطیها مااتفقا علیه فاذا انقضت المدة فلیس علیها سبیل و تستبری رحمها لان الولد لاحق فیه بلاشک فان لم تحمل حلت لغیره

"گزشتہ اور بعد والے علماء کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ متعہ میعادی نکاح کو کہا جاتا ہے، جس میں میراث نہیں ہوتی اور جب میعاد پوری ہو جائے تو ان میں خود بخود جدائی واقع ہو جاتی ہے اور اس کے لیے طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ابن عطیہ نے کہا: متعہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی عورت کے ولی کی اجازت سے دو گواہوں کی موجودگی میں ایک مخصوص مدت تک کے لیے نکاح کرنے اور مزید یہ کہ ان کے درمیان میراث نہیں ہوتی اور حق مہر میں وہ اسے اتنی رقم دے گا جس پر دونوں نے اتفاق کیا ہوگا اور جب ان کی مدت ختم ہو جائے تو مرد کو عورت پر کوئی تسلط حاصل نہ ہوگا اور عورت ماہواری کا انتظار کرے گی کیونکہ ہونے والا بچہ اپنے باپ سے ملحق ہوگا اور اگر عورت حاملہ نہ ہو تو وہ دوسرے مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔"

(تفسیر قرطبی، جلد ۵ ص ۱۳۲)

صحیح بخاری میں حضرت رسول اکرم لم یختلف العلماء من السلف والخلف فی ان المتعة نکاح الی اجل لامیراث فیه والفرقة تقع عندانقضاء سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

ایما رجل وامرأة توافقا فعشرة مابینهما ثلاث لیال فان احبا

ان يتز ايدا أويتتار كا (صحیح بخاری، جلد۳، ص۱۶۴)

''کوئی مرد اور عورت باہمی رضامندی سے دس یا تین راتوں کا معاہدہ کرلیں، اگر چاہیں تو اس میں اضافہ کرلیں چاہیں تو مدت چھوڑ دیں۔''

مصنف عبدالرزاق نے جابر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

اذا انقضی الاجل فبدالهما ان يتعاودو فليمهرها مهرًا آخر فسئل كم تعتد؟ قال حيضة واحدة كن يعتددنها للمستمتع منهن. (مصنف عبدالرزاق جلد۷، ص۴۹۹ باب المتعہ)

''اگر مقررہ کردہ میعاد پوری ہو جائے اور میاں بیوی اس میعاد کو بڑھانا چاہیں تو بیوی کو دوسرا حق مہر ادا کرنا ہوگا۔ پوچھا گیا: متعہ والی عورت کی عدت کی میعاد کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ایک ماہواری۔ عورتیں ایک ماہواری کی عدت رکھا کرتی تھیں۔''

تفسیر قرطبی میں ابن عباس سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:

عدتها حيضة وقال: لايتوار ثان (تفسیر قرطبی جلد۵، ص۱۳۲)

''متعہ والی عورت کی عدت ایک ماہواری ہے اور انہوں نے کہا: وہ دونوں ایک دوسرے سے میراث حاصل نہیں کریں گے۔''

تفسیر طبری میں سدی سے منقول ہے کہ اس نے کہا:

فما استمتعتم به منهن (الی اجل مسمی) فاتوهن اجورهن فريضة ولاجناح عليكم فی ماتراضيتم به من بعد الفريضة (النساء ۲۴) فهذه المتعة

''پس تم نے جن عورتوں سے (ایک مخصوص مدت تک کے لیے) تمتع کیا ہے، ان کی اجرت بطور فریضہ انہیں دو اور فریضہ کے بعد آپس میں رضامندی ہو جائے تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے، یہی تو متعہ ہے۔''

ایک مرد کسی عورت سے نکاح کرے ایک مخصوص مدت کی شرط پر اور نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں کرے اور عورت کے ولی کی اجازت سے نکاح کرے اور جب مقرر کردہ مدت پوری ہو جائے تو مرد کو اس عورت پر کوئی تسلط حاصل نہ ہوگا۔ عورت کو چاہیے کہ وہ

ماہواری کا انتظار کرے اور ان دونوں میں میراث نہیں ہے اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی میراث حاصل نہیں کرے گا۔ (تفسیر طبری، جلد ۵، ص ۹)

زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں:

قيل نزلت في المتعة التي كانت ثلاثة ايام حتى فتح الله مكة على رسوله عليه الصلوٰة والسلام ثم نسخت كان الرجل ينكح المرأة وقتاً معلوماً ليلة اوليلتين او اسبوعا بثوب اوغير ذلک ويقضي منها وطره ثم يسرحها، سميت متعة لاستمتاعه بها اولتمتيعه لها بمايعطيها...... (۱)

"کہا گیا کہ یہ آیت اس متعہ کے بارے میں نازل ہوئی جو تین دن تک جاری رہا، یہاں تک کہ اللہ نے اپنے رسول کے لیے مکہ فتح کر دیا، پھر متعہ منسوخ کر دیا گیا، اور متعہ کی شکل یہ ہوتی تھی کہ مرد کسی عورت سے مقررہ میعاد کے لیے ایک رات یا دو راتوں یا ایک ہفتہ کے لیے نکاح کرتا تھا اور اس کے بدلے میں اسے کپڑا یا کوئی اور چیز دیتا تھا اور اس سے اپنی جنسی تسکین بجھاتا تھا، پھر اسے کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کر دیتا تھا۔ اس کو (متعہ) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مرد عورت سے فائدہ حاصل کرتا ہے یا پھر وجہ یہ ہے کہ عورت مرد سے کچھ مال حاصل کرنے کا فائدہ حاصل کرتی ہے۔" (تفسیر کشاف جلد ۱، ص ۵۱۹)

کتب خلفاء کے مصادر میں متعۃ النساء اور نکاح متعہ کی یہی تعریف کی گئی ہے اور کتب اہل بیت میں اس کی تعریف حسب ذیل ہے۔

---

(۱) مصنف جلد ۷ صفحہ ۴۹۷۔ ۴۹۸ باب المتعۃ۔ تالیف عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی موالی حمیر (۱۲۶۔۲۱۱ھ) طبع ۱۳۹۰ھ۔۱۳۹۲ھ منشورات المجمع العلمی بیروت صحاح ستہ کے مؤلفین نے اس سے احادیث نقل کی ہیں۔ اس کے مزید حالات کے لیے الجمع بین رجال الصحیحین اور تقریب التہذیب اور ابن رشد کی بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۶۳ کی طرف رجوع کریں۔

مکتب امامت میں متعہ کی تعریف

"نکاح متعہ یا متعۃ النساء یہ ہے کہ عورت خود یا اس کا وکیل یا اس کا ولی بشرطیکہ عورت نابالغ ہو، کسی مرد سے نکاح کرے تو وہ عورت اس مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔ اور نکاح متعہ کے لیے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ مرد اور عورت کا نکاح شرعی طور پر جائز ہو، اس میں کسی نسب یا سبب یا رضاعت یا عدت یا شوہر دور ہونے کی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ متعہ میں حق مہر اور وقت مقرر کرنا ضروری ہے اور جب میعاد مکمل ہو جائے یا مرد عورت کو کچھ میعاد بخش دے تو ان میں جدائی ہو جائے تو وہ دو طہر عدت رکھے گی، ورنہ پینتالیس دن عدت رکھے گی، اور اگر مرد نے عورت کو مس نہ کیا ہو تو اس کے لیے کوئی عدت نہیں ہے اور اس کی مثال رخصتی سے قبل طلاق حاصل کرنے والی عورت کی سی ہوگی۔"

نکاح متعہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو نکاح دائم سے پیدا ہونے والے بچے کو حاصل ہوتے ہیں۔

کتاب اللہ اور نکاح متعہ

اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں فرمایا:

فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة ولاجناح عليكم فى ماتراضيتم به من بعدالفريضة ان الله كان عليما حكيماه (النساء ۲۴)

"ان میں سے جن عورتوں کے سات تم نے تمتع کیا ہے تو ان کا مقرر کردہ حق مہر انہیں ادا کرو اور اگر حق مہر مقرر کرنے کے بعد تمہاری آپس میں رضامندی ہو جائے تو پھر تم پر کوئی حرج نہیں ہے، یقیناً اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔"

آیت متعہ اور تفاسیر اہلسنّت

(۱) عبدالرزاق نے مصنف میں عطاء سے روایت کی کہ ابن عباس اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے:

"فما استمتعتم به منهن. الی اجل. فاٰتوھن اجورھن"

"یعنی جن عورتوں سے تم نے ایک مخصوص وقت تک کے لیے فائدہ حاصل کیا ہے تو ان کی اجرت انہیں دے دو۔"

(۲) تفسیر طبری میں حبیب بن ابی ثابت سے مروی ہے کہ اس نے کہا: ابن عباس نے مجھے قرآن کریم کا نسخہ دیا اور کہا یہ قرأت ابی کے مطابق ہے اور اس میں آیت متعہ یوں لکھی ہوئی تھی:

"فما استمتعتم به منهن. الی اجل مسمی" (تفسیر طبری در ضمن آیت متعہ جلد ۵ صفحہ ۹)

"جن عورتوں سے تم نے ایک مخصوص عرصہ کے لیے استفادہ کیا ہے۔"

(۳) تفسیر طبری میں ابونضرہ سے دو طریقوں سے روایت مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابن عباسؓ سے متعہ النساء کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا:

اماتقرأ سورة النساء. قال: قلت: بلی قال: فماتقرأ فیها "فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی"؟ قلت: لوقرأ تها کذلک ماسالتک قال: فانها کذلک.

کیا تم سورۂ نساء نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔

ابن عباس نے کہا تو کیا تم نے اس میں یہ آیت نہیں پڑھی؟

"فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی"

"جن عورتوں سے تم نے مخصوص مدت تک کے لیے فائدہ اٹھایا ہے۔"

میں (ابونضرہ) نے کہا: اگر میں نے اس آیت کو یوں ہی پڑھا ہوتا تو پھر میں آپ سے سوال ہی نہ کرتا۔

ابن عباس نے کہا: وہ اسی طرح سے ہی ہے۔

(۴) ابونضرہ سے مروی ہے کہ میں نے ابن عباس کے سامنے "فما استمتعتم به منهن" کی آیت پڑھی تو ابن عباس نے کہا: "الی اجل مسمی"

میں نے کہا: کہ میں تو ایسا نہیں پڑھتا۔

ابن عباس نے تین مرتبہ کہا: واللہ لانزلها الله كذلك

"خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے ہی نازل کیا تھا۔"

(۵) عمیر اور ابو اسحاق کا بیان ہے کہ ابن عباس نے پڑھا:

"فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى"

"یعنی جن عورتوں سے تم نے مخصوص مدت کے لیے فائدہ اٹھایا ہے۔"

(۶) مجاہد نے کہا:

"فما استمتعتم به منهن" قال: يعنى نكاح المتعة"

"فما استمتعتم به منهن" کی آیت سے نکاح متعہ مراد ہے۔"

(۷) عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ اس نے سعید بن جبیر کو یہ آیت یوں پڑھتے ہوئے پایا:

فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى"

"یعنی جن عورتوں سے تم نے مخصوص مدت کے لیے فائدہ اٹھایا ہے۔"

(۸) قتادہ نے کہا: ابی بن کعب کی قرأت میں یہ آیت یوں ہے:

فما استمتعتم به منهن الى اجل مسمى

"یعنی جن عورتوں سے تم نے مخصوص مدت کے لیے فائدہ اٹھایا ہے۔"

(۹) شعبہ بن حکم کا بیان ہے کہ میں نے قتادہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہے؟

اس نے کہا: نہیں۔

وضاحت ہم نے دو سے لے کر نو تک کی روایات کو تفسیر طبری سے نقل کیا ہے اور بعض روایات کو ہم نے بطور اختصار نقل کیا ہے۔

(۱۰) جصاص احکم القرآن میں لکھتے ہیں:

ابو نصر اور ابو ثابت نے ابن عباس سے متعہ کے جواز کو نقل کیا ہے اور ابی بن کعب کی قرأت سے بھی متعہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (احکام القرآن جصاص جلد ۱ ص ۱۴۷)

(۱۱) بیہقی نے سنن کبریٰ میں محمد بن کعب سے نقل کیا کہ ابن عباس نے کہا:

کانت المتعة فی اول الاسلام و کانوا یقرأ ون هذه الآیة فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۲۰۵)

"متعہ اسلام کے ابتدائی دور میں رائج تھا اور لوگ اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے: "فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی"

"جن عورتوں سے تم نے ایک مخصوص مدت کے لیے فائدہ حاصل کیا ہے۔"

(۱۲) نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

وفی قراة ابن مسعود. فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی......

"ابن مسعود کی قرأت میں بھی "الی اجل" کے الفاظ موجود تھے۔ یعنی جن عورتوں سے تم نے ایک مخصوص مدت کے لیے فائدہ حاصل کیا ہے۔"

(شرح نووی علی صحیح مسلم، ص ۱۷۹)

(۱۳) زمخشری لکھتے ہیں:

وقیل نزلت فی المتعة التی کانت ثلاثة ایام...... وقال: سمیت متعة لاستمتاعه بها وقال وعن ابن عباس هی محکمة یعنی لم تنسخ، و کان یقراء "فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی"

(کشاف زمخشری جلد ۱، ص ۵۹

بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت اس متعہ کے متعلق نازل ہوئی جو تین دن جاری رہا تھا...... اور اس نے کہا اسے متعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مرد عورت سے فائدہ حاصل کرتا ہے، اسی فائدہ اور تمتع کی وجہ سے اسے متعہ کہا گیا۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیت محکم ہے یعنی یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی اور ابن عباس اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے:

"فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی"

"یعنی جن عورتوں سے تم نے مخصوص عرصہ کے لیے فائدہ اٹھایا ہے تو ان کا مقرر کردہ حق مہران کو۔"

(۱۴) قرطبی لکھتے ہیں:

وقال الجمهور المراد نکاح المتعة الذی کان فی صدر الاسلامَ وقرأ ابن عباس وابی و ابن جبیر: فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی فاتوهن اجورهن فریضة

(تفسیر قرطبی جلد۵، ص۱۳۰)

"علماء کی اکثریت کا بیان ہے کہ اس سے مراد نکاح متعہ ہے جو کہ صدر اسلام میں رائج تھا۔"

ابن عباس، ابن کعب اور سعید بن جبیر اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے:

فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی فاتوهن اجورهن فریضة

"جن عورتوں سے تم نے مخصوص عرصہ کے لیے فائدہ حاصل کیا ہے ان کا مقرر کردہ حق مہران کے سپرد کرو۔"

(۱۵) ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وکان ابن عباس و ابی بن کعب و سعید بن جبیر والسدی یقرأون فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی فاتوهن اجورهن فریضة وقال مجاهد: نزلت فی نکاح المتعة

(تفسیر ابن کثیر جلد ۱، ص ۴۷۴)

ابن عباس، ابی بن کعب اور سعید بن جبیر اور سدی اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے:

فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی فاتوهن اجورهن فریضة

"یعنی جن عورتوں سے تم نے مقرر کردہ مدت تک کے لیے فائدہ حاصل کیا ہے تو ان کا مقرر کردہ حق مہران کے سپرد کرو۔"

اور مجاہد نے کہا: یہ آیت نکاح متعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۱۶) سیوطی لکھتے ہیں:

ابوثابت، ابونضرہ کی حدیث اور قتادہ اور سعید بن جبیر اور ابی بن کعب کی قرأت اور مجاہد اور سدی کی روایت اور ابن عباس سے عطاء کی روایت اور یہ فیصلہ کہ آیت منسوخ نہیں ہے، اس سے متعہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

عطاء نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ سورہ نساء کی آیت "فما استمتعتم به منهن" سے مراد یہ ہے کہ جن عورتوں سے مخصوص عرصہ اور مخصوص حق مہر پر نکاح کیا جائے ان دونوں میں وراثت نہیں ہوتی۔ اگر مقررہ مدت گذرنے کے بعد وہ مدت میں اضافہ کرنا چاہیں تو انہیں اس کا حق حاصل ہے اور اگر مقررہ عرصہ کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہیں تو بھی درست ہے۔(۱)

عرض مؤلف

مؤلف کتاب ہذا عرض کرتا ہے کہ مذکورہ تمام مفسرین اور ان کے علاوہ کچھ دیگر مفسرین (۱) نے آیت مجیدہ کی تفسیر میں اس سے نکاح متعہ مراد لیا ہے۔ ابن عباس، ابی بن کعب، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ نے اس آیت مجیدہ کو "الی اجل مسمی" کے الفاظ کے ساتھ پڑھا ہے، اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "الی اجل مسمی" کے الفاظ بطور تفسیر میں بطور تنزیل نہیں ہیں، جیسا کہ سیوطی کی روایت میں اس آیت مجیدہ کے متعلق ابن عباس کا یہ قول منقول ہے:

"فما استمتعتم به منهن الی کذا و کذا من الأجل علی کذا و کذا"

ابی اپنی قرأت میں ان الفاظ کو اس لیے شامل کرتے تھے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیت کی تفسیر میں "الی اجل مسمی" کے الفاظ سنے تھے۔ بہرنوع یہ الفاظ آیت مجیدہ کا حصہ نہیں ہیں اس کا تفسیری حاشیہ ہیں۔

---

(۱) تفسیر در منثور سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۔ ۱۴۱ وما جاء من عطاء فی المصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۹۷۔ بدایۃ المجتہد ابن رشد جلد ۲ صفحہ ۶۳

حدیث رسولؐ اور متعہ

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، سنن بیہقی اور دیگر کتب حدیث کے باب نکاح المتعہ میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

کنا نغزو مع رسول اللہ (ص) لیس لنا نساء فقلنا: الانستخصی؟ فنھانا عن ذلک ثم رخص لنا ان تنکح المرأۃ بالثوب الی اجل ثم قرأ عبداللہ یا ایھا الذین آمنوا لاتحرموا طیبات مااحل اللہ لکم ولاتعتدوان اللہ لایحب المعتدین (المائدہ۔۸۷) (۱)

''ہم رسول خدا کے ساتھ غزوات میں جاتے تھے اور ہمارے ساتھ ہماری عورتیں نہیں تھیں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: کیا ہم خصی ہو جائیں؟ آپ نے ہمیں اس سے منع کیا۔ پھر آپ نے ہمیں اجازت دی کہ ہم ایک کپڑے کے عوض کسی عورت سے ایک مخصوص مدت تک کے لیے نکاح کرلیں۔''

پھر عبداللہ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

یاایھا الذین امنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین (المائدہ ۸۷)

''اے ایمان والو! خدا کی حلال کی ہوئی پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور زیادتی نہ کرو یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

---

(۱) مثلاً قاضی ابوبکر اندلسی المتوفی ۵۴۳ھ نے احکام القرآن جلد۱ صفحہ ۱۶۲، بغوی شافعی المتوفی ۵۱۰ھ نے اپنی تفسیر میں جو کہ خازن کے حاشیہ پر ہے جلد۱ صفحہ ۴۲۳، اور آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ نے تفسیر آلوسی جلد۵ صفحہ ۵ پر اسی مفہوم کو نقل کیا ہے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مصنف عبدالرزاق کی یہ روایت ہے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت ان الفاظ سے مذکور ہے کہ جابر بن عبداللہ مسلمہ بن اکوع نے کہا:

خرج علینا منادی رسول الله (ص) فقال: ان رسول الله (ص) قد اذن لکم ان تستمتعوا، یعنی متعة النساء (۲)

"رسول خدا کی طرف سے ندا دینے والا ہمارے پاس آیا اور کہا: رسول اللہ نے تمہیں متعہ کرنے کی اجازت دی ہے یعنی عورتوں سے متعہ۔"

صحیح مسلم، مسند احمد اور سنن بیہقی میں سبرۃ الجہنی سے روایت ہے کہ اس نے کہا:

اذن لنا رسول الله (ص) بالمتعة فانطلقت انا ورجل الی امرأة من بنی عامر. کانها بکرة عیطاء فعرضنا علیها انفسنا فقالت: ماتعطی؟ فقلت ردائی وقال صاحبی ردائی وکان داء صاحبی اجود من ردائی وکنت اشب منه فاذا نظرت الی رداء صاحبی اعجبها واذا نظرت الی عجبتها ثم قالت: انت ورداء ک یکفینی. فمکثت معها ثلاثا. ثم ان رسول الله

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح حدیث ۱۴۰۴ صفحہ ۱۰۲۲۔ متعدد اسناد کے ساتھ۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۸۵ در تفسیر آیت بالا۔ صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ باب مایکرہ من التبتل (الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ) مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۶ (کچھ اضافی الفاظ کے ساتھ)۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۴۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۴۲۰۔ حاشیہ پر مذکور ہے کہ ابن مسعود نکاح متعہ کو حلال سمجھتے تھے اور مسند کے صفحہ ۴۳۲ میں بھی اختصار سے یہی روایت مرقوم ہے۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲ حدیث پر حاشیہ بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۸۷)

(۲) صحیح مسلم صفحہ ۱۰۲۲۔ حدیث ۱۴۰۵۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۶۴ باب نهی رسول الله عن نکاح المتعة اخیراً۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ کنا فی جیش فاتانا رسول رسول الله: ہم لشکر میں تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہمارے پاس آیا۔ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۵۱ اور صفحہ ۴۷ پر بھی روایت انہیں الفاظ سے موجود ہے۔ مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۹۸ میں بھی الفاظ کے معمولی اختلاف سے یہ حدیث موجود ہے۔

(ص) قال من كان عنده شئى من هذه النساء التى يتمتع فليخل سبيلها(۱)

''رسول خداؐ نے ہمیں متعہ کی اجازت دی تو میں اور ایک اور شخص بنی عامر کی ایک عورت کے پاس گئے وہ تو خیز اور لمبی گردن رکھنے والی تھی ہم نے اس کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس نے کہا: تو کیا دے گا؟''

میں نے کہا: میں اپنی چادر حق مہر میں دوں گا۔ میرے دوست نے بھی کہا کہ میں بھی اپنی چادر حق مہر میں دوں گا۔ میرے دوست کی چادر مجھ سے زیادہ اچھی تھی جب کہ میں اس کی بہ نسبت جوان تھا۔

جب وہ میرے دوست کی چادر کو دیکھتی تو اسے وہ چادر بھلی لگتی اور جب وہ مجھے دیکھتی تو میں اسے بھلا لگتا تھا۔ آخر کار اس نے کہا: تو اور تیری چادر میرے لیے کافی ہے۔ پھر میں نے اس کے ساتھ تین دن بسر کیے، اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے پاس متعہ والی کوئی عورت موجود ہو تو وہ اسے آزاد کر دے۔''

مسند طیالسی میں مسلم قرشی سے روایت ہے کہ اس نے کہا:

دخلنا على اسماء بنت ابى بكر فسأ لنا ها عن متعة النساء فقالت فعلناها على عهد النبى (مسند طیالسی حدیث ۱۶۳۷)

''ہم خلیفہ اول حضرت ابوبکر کی بیٹی اسماء کے پاس گئے اور ان سے متعۃ النساء کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: ہم نے عہد رسول میں متعہ کیا تھا۔''

مسند احمد میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ اس نے کہا:

كنا نتمتع على عهد رسول الله بالثوب(۱)

''ہم عہد پیغمبر میں ایک کپڑا حق مہر دے کر متعہ کیا کرتے تھے۔''

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح حدیث ۱۴۰۶ صفحہ ۱۰۲۲ا۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۲۔۲۰۳۔ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۰۵۔ مذکورہ الفاظ کے بعد ''مغفار قتھا'' الفاظ مذکور ہیں۔

(۲) مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۲۔ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۶۴۵ رواہ احمد والبزار

مصنف عبدالرزاق میں مرقوم ہے:

لقد كان احدنا يتمتع بمل القدح سويقاً

(مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۴۵۸)

"ہم ایک بھرے ہوئے ستو کے پیالے کے عوض متعہ کیا کرتے تھے۔"

صحیح مسلم بخاری اور مسند احمد وغیرہ میں مرقوم ہے۔ صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

قال عطاء: قدم جابربن عبدالله معتمرًا فجئناه في منزله فسأ له القوم عن اشياء ثم ذكرو االمتعة فقال نعم استمتعا على عهد رسول الله (ص) و ابى بكر و عمر

"عطاء کا بیان ہے کہ جابر بن عبداللہ عمرہ کرنے آئے تو ہم انہیں ملنے کے لیے ان کے گھر گئے، لوگوں نے ان سے بہت سے مسائل پوچھے، پھر متعہ کی بحث شروع ہوئی تو انہوں نے کہا:

جی ہاں، ہم نے رسولؐ، ابوبکر و عمر کے عہد میں متعہ کیا تھا۔" (۱)

احمد نے بعد میں یہ الفاظ لکھے:

حتى اذا كان في آخر خلافة عمر

"یعنی ہم خلافت عمر کے آخری حصہ تک تعہ کرتے رہے۔"

بدایۃ المجتہد کے الفاظ یہ ہیں:

ونصفاً من خلافة عمر ثم نهى عنها عمر الناس

"اور ہم حضرت عمر کی خلافت کے نصف حصہ تک متعہ کرتے رہے' اس کے بعد عمر نے لوگوں کو اس سے روک دیا۔" (بدایۃ المجتہد ابن رشد جلد ۲ ص ۶۳)

حضرت عمر نے متعہ کی ممانعت کیوں کی؟

صحیح مسلم، مصنف عبدالرزاق، مسند احمد، سنن بیہقی اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے۔ صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ جابر بن عبداللہ سے منقول ہے:

كنا نستمتع بالقبضة من التمر والدقيق الايام على عهد رسول

---

(۱) صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث ۱۴۰۵ صفحہ ۱۰۲۳۔ شرح نووی جلد ۹ ص ۱۸۳۔ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۸۰ ابوداؤد، باب الصداق میں لکھتے ہیں۔ ہم نے عہد رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور عہد ابوبکر اور خلافت عمر کے نصف حصہ تک متعہ کیا پھر عمر نے اس سے روک دیا۔ (عمدۃ القاری عینی جلد ۸ صفحہ ۳۱۰)

الله (ص) وابی بکر حتی نهیٰ عنه عمر فی شان عمرو بن حریث. (۱)

"ہم رسول خداؐ کے عہد میں کھجوروں کی مٹھی اور آٹے کی مٹھی کے حق مہر کے بدلہ میں متعہ کیا کرتے تھے اور عہد ابوبکر میں بھی ہم نے متعہ کیا یہاں تک کہ عمرو بن حریث کے واقعہ کی وجہ سے عمر نے اس سے روک دیا۔"

عبدالرزاق نے مصنف میں عطاء کی زبانی جابر سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اس نے کہا:

ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم، ابوبکر اور عمر کے عہد میں متعہ کیا، خلافت عمر کے آخری ایام میں عمرو بن حریث نے ایک عورت سے متعہ کیا تھا جس کا نام جابر نے بیان کیا تھا لیکن مجھے اس کا نام بھول گیا۔ وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ حضرت عمر کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو انہوں نے اس عورت سے پوچھا تو اس نے کہا: جی ہاں، یہ سچ ہے۔

حضرت عمر نے کہا: متعہ کے گواہ کون تھے؟

عطا (راوی) کہتا ہے کہ اس نے کہا تھا میری ماں گواہ تھی، یا پھر اس نے کہا کہ میرا ولی گواہ تھا۔ حضرت عمر نے کہا: ان کے علاوہ اور گواہ کیوں نہ بنائے؟

راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اس سے فتنے جنم لیں گے۔

دوسری روایت میں بیان کیا گیا کہ جابر نے کہا:

عمرو بن حریث کوفہ سے آیا اور اس نے ایک کنیز سے متعہ کیا۔ اس کنیز کو عمر کے پاس لایا گیا وہ حاملہ تھی۔ حضرت عمر نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا: عمرو بن حریث نے میرے ساتھ متعہ کیا تھا۔ پھر جب حضرت عمر نے عمر بن حریث سے پوچھا تو اس نے کوئی واضح جواب نہ دیا اسی لیے حضرت عمر نے متعہ کرنے سے لوگوں کو منع کر دیا۔ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، باب نکاح المتعہ حدیث ۱۴۰۵ صفحہ ۱۰۲۳۔ شرح نووی جلد ۹ صفحہ ۱۸۳ مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۰ اور اس کے لفظ یہ ہیں (ایام عہد النبی) سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۳۷ باب مایجوز ان یکون مہرا۔ مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۰۴ اور اس کے لفظ یہ ہیں حتی نہانا عمر اخیرا۔ اس واقعہ کو اجمالی طور پر تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۱ میں موسیٰ بن مسلم کے واقعات میں بیان کیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۷۶۔ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۰۵۔ کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳۔)

ایک اور روایت میں محمد بن اسود بن خلف سے منقول ہے کہ عمرو بن حوشب نے بنی عامر بن لوی کی ایک کنواری کنیز سے متعہ کیا اور وہ حاملہ ہو گئی۔ حضرت عمر کو اس معاملہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس سے حاملہ ہونے کا سبب پوچھا۔ اس نے بتایا کہ اس سے عمر بن حوشب نے متعہ کیا۔ پھر حضرت عمر نے عمر بن حوشب سے پوچھا تو اس نے اعتراف کیا۔

حضرت عمر نے پوچھا: تو نے متعہ کا گواہ کسے مقرر کیا تھا؟

اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ شاید اس کی ماں، بہن یا اس کے بھائی کو بتایا ہوگا۔

حضرت عمر منبر پر چڑھے اور کہا:

لوگوں نے یہ کیسی روش اپنائی ہے کہ متعہ کرتے ہیں لیکن عادل گواہ مقرر نہیں کرتے۔ اب اگر آئندہ کسی نے متعہ کیا تو میں اس پر حد شرعی جاری کروں گا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے یہ روایت اس شخص سے سنی ہے۔ جس نے حضرت عمر کے منبر کے نیچے بیٹھ کر یہ ساری تقریر سنی تھی۔(۱)

کنز العمال میں ام عبداللہ دختر ابی خیثمہ سے منقول ہے کہ یک شخص شام سے آیا اور اس کے ہاں اس نے قیام کیا اور کہا: میں کافی دنوں سے بیوی سے جدا ہوں اور جنسی خواہش نے مجھ پر غلبہ کیا ہوا ہے لہٰذا میرے لیئے کوئی ایسی عورت تلاش کرو جس سے میں متعہ کر سکوں۔ میں نے اسے ایک عورت کا پتہ بتایا۔ اس نے اس کے ساتھ شرطیں طے کیں اور عادل گواہ مقرر کیئے، اور جتنا عرصہ خدا کو منظور تھا وہ اس کے پاس ٹھہرا رہا۔ پھر وہ چلا گیا۔

پھر عمر بن الخطاب کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنے ہاں طلب کیا اور پوچھا جو کچھ تم نے بیان کیا ہے کیا یہ درست ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر انہوں نے کہا اب جب وہ دوبارہ آئے تو مجھے اس کی آمد کی اطلاع دینا۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۹۶ ۔ ۴۹۷ باب المتعہ

(۲) مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۰ ۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۱ صفحہ ۷۶۔

ا۔ مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۰ - ۵۰۱ میرا خیال ہے کہ عمرو بن حوشب تحریف ہے اصل صحیح نام عمرو بن حریث ہے۔

جب وہ آیا تو میں نے اس کے آنے کی انہیں اطلاع دی۔ انہوں نے اسے اپنے ہاں بلایا۔

اس نے کہا: تو نے جو کچھ کیا اس پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا؟

اس نے کہا: رسول اکرمؐ کی معیت میں میں نے متعہ کیا تھا اور آنحضرت نے ہمیں اس سے منع نہیں کیا تھا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ پھر میں نے ابوبکر کی معیت میں متعہ کیا۔ انہوں نے بھی زندگی کے آخری لمحات تک ہمیں اس سے منع نہ کیا۔ پھر آپ کے ساتھ بھی میں نے متعہ کیا اور آپ نے بھی آج تک ہمیں اس سے نہیں روکا۔

حضرت عمر نے کہا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں پہلے سے منع کر چکا ہوتا تو آج تجھے سنگسار کر دیتا۔ کھل کر نکاح کرو تاکہ نکاح اور زنا کا فرق واضح ہو سکے۔ (۱)

عبدالرزاق نے مصنف میں عروہ سے روایت نقل کی کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف نے مدینہ کی کنیز زادیوں میں سے ایک لڑکی سے شادی کی اور نکاح کے لیئے دو عورتوں کو گواہ بنایا۔ ان میں سے ایک خولہ بنت حکیم تھی اور وہ نیک خاتون تھی۔ انہیں اس وقت شدید پریشانی ہوئی جب وہ لڑکی حاملہ ہو گئی۔ خولہ نے عمر بن خطاب سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

عمر یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور ان کی چادر کا پہلو غصہ کی وجہ سے زمین پر لگ رہا تھا اور وہ منبر پر آئے اور کہا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ربیعہ بن امیہ نے مدینہ کی ایک "مولدہ" سے دو عورتوں کی گواہی سے شادی کی ہے۔ اگر میں پہلے حکم جاری کر چکا ہوتا تو میں اسے سنگسار کر دیتا۔ (۲)

موطا مالک اور سنن بیہقی میں مروی ہے اور موطا کے الفاظ یہ ہیں خولہ بنت حکیم عمر بن خطاب کے پاس گئی اور انہیں بتایا کہ ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا ہے اور وہ حاملہ ہو گئی ہے۔

یہ سن کر عمر اس حالت میں باہر آئے کہ ان کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی اور انہوں نے کہا:

---

(۱) کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۴ طبع دائرۃ المعارف جلد حیدرآباد دکن ۱۳۱۲ھ

(۲) مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۳۔ مسند شافعی صفحہ ۱۳۲۔ الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۵۱۴ در حالات ربیعہ بن امیہ

یہ متعہ ہے اگر میں نے پہلے سے اس کی مخالفت کا اعلان کیا ہوتا تو میں سنگسار کرتا (۱)

اصابہ میں ہے کہ سلمہ بن امیہ نے حکیم بن امیہ بن اوقص کی کنیز سلمیٰ سے متعہ کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا باپ نے اپنے بیٹے کا انکار کر دیا۔ جب حضرت عمر کو واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے نکاح متعہ سے روک دیا۔ (۲)

مصنف عبدالرزاق میں ابن عباس سے روایت ہے:

امیر المومنین کو ام ارا کہ نے خوفزدہ کر دیا۔ وہ حاملہ ہو کر آئی۔ عمر نے اس سے اس کے حمل کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ مجھ سے سلمہ بن امیہ بن خلف نے متعہ کیا ہے۔ (۳)

مصنف ابن شیبہ میں علاء بن میسب نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت عمر نے کہا:

اگر میرے پاس متعہ کرنے والا شادی شدہ شخص لایا گیا تو میں اسے سنگسار کروں گا اور اگر کنوارہ شخص لایا گیا تو میں اسے کوڑے ماروں گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۳)

سابقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا "فما استمتعتم به منهن" کی آیت مجیدہ کے متعلق اجماع ہے کہ اس سے نکاح متعہ مراد ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ مٹھی بھر کھجور اور آٹے کی چٹکی حق مہر میں دے کر نکاح متعہ کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر کے عہد حکومت میں بھی متعہ پر کوئی قدغن نہیں لگائی گئی تھی حضرت عمر کے خلافت کے ابتدائی پانچ برسوں میں بھی متعہ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی اور جب عمرو بن حریث کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے متعہ پر پابندی عائد کر دی۔

واقعات کی ترتیب دیکھ کر ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے متعہ پر اچانک پابندی عائد نہیں کی تھی۔ انہوں نے اس سلسلہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھا تھا۔ ابتدا میں

---

(۱) موطا مالک صفحہ ۵۴۲ حدیث ۴۲ باب نکاح المتعہ۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۶ اور اس میں "لرجمتہ" کے الفاظ ہیں یعنی میں ربیعہ کو سنگسار کر دیتا۔ (کتاب الام شافعی جلد ۷ صفحہ ۲۱۹ تفسیر سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۔)

(۲) الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۳۱۹ البتہ اس مقام پر سلمیٰ کے شجرہ نسب کو بیان نہیں کیا گیا جب کہ سلمہ بن امیہ کے حالات الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۶۱ میں مذکور ہیں۔

(۳) مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ [illegible]

وہ متعہ کے لیئے عادل گواہوں کے نہ ہونے پر اعتراض کرتے تھے۔ جیسا کہ سابقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے آہستہ آہستہ نکاح متعہ پر مکمل پابندی عائد کردی اور یہ موقف اختیار کیا کہ اگر میں نے پہلے سے ممانعت کا اعلان کیا ہوتا تو میں متعہ کرنے والوں کو سنگسار کردیتا۔

حضرت عمر کی ممانعت کے بعد اسلامی معاشرہ میں متعہ حرام ہوگیا اور خلیفہ صاحب زندگی کے آخری لمحات تک اپنی رائے پر قائم رہے اور نصیحت کرنے والوں کی نصیحت سے ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہوئے۔

طبری نے سیرت عمر کے باب میں عمران بن سوادہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ اس نے حضرت عمر سے ملاقات کی اجازت طلب کی اور وہ خلیفہ کے گھر میں داخل ہوا اور خلیفہ سے کہا۔ میں آپ کی خیر خواہی کے لیئے آپ کو نصیحت کرنے آیا ہوں۔

حضرت عمر نے کہا: نصیحت کرنے والے کو ہماری طرف سے ہر صبح وشام خوش آمدید ہو۔

عمران نے کہا: امت آپ کی چار غلطیاں گنوا رہی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے درہ کا ایک سرا اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور اس کا دوسرا سرا اپنی ران پر رکھا پھر کہا وہ غلطیاں بیان کرو۔

عمران نے کہا: امت یہ کہہ رہی ہے کہ آپ نے حج کے مہینوں میں عمرہ پر پابندی عائد کردی ہے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ابوبکر نے ایسا نہیں کیا تھا اور وہ شرعی طور پر بھی حلال ہے۔

حضرت عمر نے کہا: واقعی وہ حلال ہے لیکن ذرا یہ تو سوچو کہ اگر تمام لوگ حج سے پہلے عمرہ کرلیں اور عمرہ کو حج کے قائم مقام سمجھ لیں تو ایام حج میں مکہ کی حیثیت اس انڈے کی سی ہو جائے گی جس میں سے چوزہ برآمد ہوچکا ہے جب کہ لوگوں کا حج کے لیئے آنا ایک زینت اور رونق کا ذریعہ ہے اور میں نے عمرہ پر پابندی عائد کرکے صحیح کام کیا ہے۔

عمران نے کہا: امت آپ کا یہ شکوہ کر رہی ہے کہ آپ نے متعۃ النساء پر پابندی عائد

کر دی ہے جب کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک رخصت تھی ہم ایک مٹھی حق مہر دے کر متعہ کر لیتے تھے۔ پھر تین دن بعد ایک دوسرے سے آزاد بھی ہو جاتے تھے۔

حضرت عمر نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے احتیاج وضرورت کے زمانہ میں حلال کیا تھا۔ پھر لوگوں کو وسعت اور فراخی مل گئی۔ مجھے کسی مسلمان کے متعلق علم نہیں ہے جس نے اس پر عمل کیا ہو اور نہ ہی کسی نے متعہ کی طرف دوبارہ رجوع کیا۔ اب بھی اگر کوئی چاہے تو ایک مٹھی (کھجوریں یا آٹا دے کر) کسی سے نکاح کر لے اور تین دن کے بعد طلاق دے کر اس سے علیحدگی حاصل کرے اور میں نے یہ ممانعت عائد کر کے درست کیا ہے۔---------

سابقہ روایت میں ہم نے یہ دیکھا کہ حضرت عمر نے عمران بن سودہ کے جواب میں عمرہ تمتع پر اپنی طرف سے عائد کردہ پابندی کا دفاع کرتے ہوئے یہ جواب دیا کہ اگر میں لوگوں کو حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کی اجازت دوں تو یہ لوگ عمرہ کو ہی اپنے لیئے کافی سمجھ لیں گے اور حج نہیں کریں گے اور ایام حج میں مکہ ویران وسنسان دکھائی دے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر کا یہ جواب صحیح نہیں ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی وزن نہیں ہے۔ البتہ انہوں نے اس پابندی کا جواز پیش کرتے ہوئے جو دوسری روایت میں جواب دیا تھا وہ ضرور وزن رکھتا ہے۔

انہوں نے اپنے فیصلہ کا دفاع کرتے ہوئے کہا:

اہل مکہ زراعت وحرفت والے لوگ نہیں ہیں ان کے رزق' روزی کا ذریعہ تو بیت اللہ کے زائرین ہیں' اگر لوگ حج کے مہینوں میں ہی عمرہ کر کے چلے گئے تو مکہ والے کیا کھائیں گے؟

حضرت عمرؓ ایام حج میں عمرہ تمتع پر پابندی عائد کر کے اہل مکہ بالخصوص قریش کو مالی مفاد دیا اور ان کی تجارت کو چار چاند لگائے۔

متعۃ النساء کے ممانعت کے فیصلہ کا انہوں نے دفاع کرتے ہوئے کہا:

---

(۱) طبری جلد ۵ صفحہ ۳۲ باب شئی من سیرہ ممالم یمض ذکرھا من حوادث سنۃ ۲۳۔

کہ رسول خداؐ نے متعہ کو ضرورت واحتیاج کی وجہ سے حلال کیا تھا اب ضرورت باقی نہیں رہی اس لیئے نکاح متعہ پر پابندی صحیح ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر کے اس جواب میں ذرہ برابر بھی وزن نہیں ہے' کیونکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے غزوات اور سفر میں نکاح متعہ کیا تھا۔

غزوات کا سلسلہ حضرت عمر کے دور میں بھی جاری تھا اور آج تک جاری ہے' علاوہ ازیں سفر کا سلسلہ رسول خداؐ کے زمانہ تک محدود نہیں تھا' انسان آج بھی سفر کر رہے ہیں۔ لہٰذا اگر سفر کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے صحابہ کو متعہ کی اجازت دی تھی تو حضرت عمر کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ خدا کی طرف سے ملنے والی سہولت کو مسلمانوں کے لیے حرام قرار دے دیں۔

انسان نے جب سے اس زمین پر قدم رکھا ہے اسے ہمیشہ سفر کی ضرورت رہی ہے اور کبھی اس کا سفر ہفتوں اور مہینوں سے گذر کر سالوں پر بھی محیط ہو جاتا ہے۔ جب انسان سفر میں ہو تو وہ اپنے جنسی جذبہ کو کیسے تسکین فراہم کرے؟

جنسی جذبہ ایسی چیز تو نہیں ہے جب انسان اپنی بیوی سے جدا ہو کر سفر پر جانے لگے تو اس جذبہ کو بھی اپنے گھر میں رکھ کر روانہ ہو جائے اور جب سفر سے واپس آئے تو جنسی جذبہ کو دوبارہ اپنا لے!!

جنسی جذبہ گھر میں رکھنے کی تو چیز نہیں ہے انسان جہاں جائے گا یہ جذبہ بھی اس کے ساتھ جائے گا۔ جب یہ جذبہ انسان کے ساتھ ہو تو پھر انسان سفر میں اپنے آپ کو کیسے محفوظ رکھے گا؟

ہم یہ بات تو مان لیتے ہیں کہ کچھ شاذ و نادر افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو سفر میں رہ کر بھی پاکدامن رہتے ہیں' ورنہ انسانوں کی بھاری اکثریت اس طاقتور جذبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ اب جب کہ انسان سفر میں ہو اور بیوی کے پاس آنا ممکن نہ ہو اور بیوی کو بھی اپنے پاس نہ بلا سکتا ہو تو ان حالات میں ایک نوجوان اپنے جنسی جذبات کے متعلق کیا کرے گا؟

اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ایسا انسان جنسی جذبہ سے مجبور ہو کر معاشرہ کے ساتھ خیانت کرے گا۔

لیکن اسلام اللہ کا بنایا ہوا دین ہے اور اس کے احکام انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام نوجوانوں کو خصی ہونے کا حکم نہیں دیتا اور انہیں معاشرے سے خیانت کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ اسلام نے اس مسئلہ کا مناسب حل نکالا ہے اور وہ حل میعادی نکاح ہے اور اسی میعادی نکاح کو متعہ کہا جاتا ہے۔

اس لیئے حضرت علی علیہ اسلام نے فرمایا:

لو لا نهی عمر عنها مازنی الاشقی (او: شفی)

"اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتا تو کسی بد بخت کے علاوہ کوئی بھی زنا نہ کرتا"

(یا چند افراد کے علاوہ باقی لوگ زنا کا ارتکاب نہ کرتے)

یہ شرف صرف دین اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے متعہ جائز کر کے جنسی تسکین کا جائز ذریعہ متعارف کرایا۔ جب کہ غیر اسلامی معاشروں نے تو اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیئے زنا کو جائز قرار دیا ہے۔

متعہ کی ضرورت صرف سفر کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ بہت سے ایسے افراد ہیں جنہیں اپنے وطن میں بھی عقد دائمی کی خوشیاں حاصل نہیں ہوتیں اور ایسے تمام مردوں اور عورتوں کے لیئے اسلام نے زواج موقت کو متعارف کرایا۔ اگر ایسے افراد کے لیئے زواج موقت کو ممنوع قرار دیا جائے تو اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں جنسی بے راہ روی جنم لے گی اور اسلامی معاشرہ میں انارکی پھیلے گی جب کہ قرآن مجید نے مردوں اور عورتوں دونوں سے عفت کا تقاضا کیا ہے اسی لیئے مردوں کو حکم دیا گیا ہے۔

"وَلَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا" عورتوں سے چوری چھپے وعدے نہ کرو۔

اسلام نے عورتوں کی عفت کی اس نکتہ میں بیان کیا ہے

"وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ" وہ چوری چھپے کسی سے دوستی رکھنے والیاں نہ ہوں۔

حضرت عمر نے اس کا جو علاج تجویز کیا وہ یہ تھا کہ مرد بے شک ایک مٹھی کھجوریں حق مہر میں دے کر عقد دائم کریں۔ پھر تین دن عورت کو اپنے ہاں ٹھہرا کر طلاق جاری کر دیں۔

حضرت عمر کے تجویز کردہ نسخہ میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں اس میں تیسری کوئی شکل موجود نہیں ہے۔

(۱) یا تو میاں بیوی دونوں کو پہلے سے یہ علم ہو کہ وہ تین دن کے لیئے ہی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو رہے ہیں پھر دونوں کی راہیں جدا ہو جائیں گی۔ اگر صورت حال یہی ہو تو اسے ہی زواج موقت اور متعہ کہا جاتا ہے۔

(۲) مرد اس نیت سے کسی عورت سے نکاح کرے کہ وہ دو تین دن بعد اسے طلاق جاری کردے گا اور عورت کو اپنے ارادہ سے مطلع نہ کرے تو یہ عورت کے ساتھ دھوکہ اور فریب ہے اور عورت ذات کی تحقیر و توہین ہے۔ اور اگر معاشرہ میں مرد یہی کچھ کرنے لگیں تو عورتوں کا مردوں پر سے اعتماد اٹھ جائے گا اور وہ نکاح پر کنواری رہنے کو ترجیح دینے لگ جائیں گی۔

جب ہم تاریخ و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات تو دکھائی دیتی ہے کہ حضرت عمر نے متعہ الحج اور متعہ النساء پر پابندیاں عائد کی تھیں اور حکومتی قوت سے ان کا قلع قمع کیا لیکن وہ اس مسئلہ کے متعلق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک بھی حدیث پیش نہ کر سکے جس سے ان کے موقف کی تائید ہوتی ہو۔ اور اس کے ساتھ عجیب بات یہ ہے کہ ان کے ہزاروں حامیوں میں سے بھی کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنے ممدوح کی تائید میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کوئی قول پیش کرتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ متعہ الحج اور متعہ النساء کی ممانعت کے متعلق جتنی بھی حدیث سازی ہوئی ہے وہ حضرت عمر کے بعد ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر ان کی زندگی میں مذکورہ روایات موجود ہوتیں تو وہ سر بلند کر کے اپنے ناقدین سے یہ کہہ سکتے تھے کہ دونوں متعوں پر میں نے پابندی تھوڑی عائد کی ہے ان پر تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پابندی لگائی تھی۔

حضرت عمر نے پوری ریاستی قوت سے متعہ النساء اور متعہ الحج کو ممنوع قرار دیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان برسر اقتدار آئے تو انہوں نے تو اقتدار حاصل ہی اس شرط پر کیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر سیرت شیخین پر عمل کرنے کے پابند ہوں گے۔ اسی لیئے انہوں نے بھی حضرت عمر کی پالیسی کو ریاستی جبر و قوت کے ساتھ جاری رکھا۔ اور ان کی بارہ سالہ حکومت

اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ایسا انسان جنسی جذبہ سے مجبور ہو کر معاشرہ کے ساتھ خیانت کرے گا۔

لیکن اسلام اللہ کا بنایا ہوا دین ہے اور اس کے احکام انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام نوجوانوں کو خصی ہونے کا حکم نہیں دیتا اور انہیں معاشرے سے خیانت کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ اسلام نے اس مسئلہ کا مناسب حل نکالا ہے اور وہ حل میعادی نکاح ہے اور اسی میعادی نکاح کو متعہ کہا جاتا ہے۔

اس لیئے حضرت علی علیہ اسلام نے فرمایا:

لو لا نهى عمر عنها مازنى الاشقى (او: شفى)

"اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتا تو کسی بد بخت کے علاوہ کوئی بھی زنا نہ کرتا"

(یا چند افراد کے علاوہ باقی لوگ زنا کا ارتکاب نہ کرتے)

یہ شرف صرف دین اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے متعہ جائز کر کے جنسی تسکین کا جائز ذریعہ متعارف کرایا۔ جب کہ غیر اسلامی معاشروں نے تو اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیئے زنا کو جائز قرار دیا ہے۔

متعہ کی ضرورت صرف سفر کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ بہت سے ایسے افراد ہیں جنہیں اپنے وطن میں بھی عقد دائمی کی خوشیاں حاصل نہیں ہوتیں اور ایسے تمام مردوں اور عورتوں کے لیئے اسلام نے زواج موقت کو متعارف کرایا۔ اگر ایسے افراد کے لیئے زواج موقت کو ممنوع قرار دیا جائے تو اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں جنسی بے راہ روی جنم لے گی اور اسلامی معاشرہ میں انارکی پھیلے گی جب کہ قرآن مجید نے مردوں اور عورتوں دونوں سے عفت کا تقاضا کیا ہے اسی لیئے مردوں کو حکم دیا گیا ہے۔

"وَلَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا" عورتوں سے چوری چھپے وعدے نہ کرو۔

اسلام نے عورتوں کی عفت کی اس نکتہ میں بیان کیا ہے

"وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ" وہ چوری چھپے کسی سے دوستی رکھنے والیاں نہ ہوں۔

حضرت عمر نے اس کا جو علاج تجویز کیا وہ یہ تھا کہ مرد بے شک ایک مٹھی کھجوریں حق مہر میں دے کر عقد دائم کریں۔ پھر تین دن عورت کو اپنے ہاں ٹھہرا کر طلاق جاری کر دیں۔

حضرت عمر کے تجویز کردہ نسخہ میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں اس میں تیسری کوئی شکل موجود نہیں ہے۔

(۱) یا تو میاں بیوی دونوں کو پہلے سے یہ علم ہو کہ وہ تین دن کے لیئے ہی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو رہے ہیں پھر دونوں کی راہیں جدا ہو جائیں گی۔ اگر صورت حال یہی ہو تو اسے ہی زواج موقت اور متعہ کہا جاتا ہے۔

(۲) مرد اس نیت سے کسی عورت سے نکاح کرے کہ وہ دو تین دن بعد اسے طلاق جاری کردے گا اور عورت کو اپنے ارادہ سے مطلع نہ کرے تو یہ عورت کے ساتھ دھوکہ اور فریب ہے اور عورت ذات کی تحقیر و توہین ہے۔ اور اگر معاشرہ میں مرد یہی کچھ کرنے لگیں تو عورتوں کا مردوں پر سے اعتماد اٹھ جائے گا اور وہ نکاح پر کنواری رہنے کو ترجیح دینے لگ جائیں گی۔

جب ہم تاریخ و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات تو دکھائی دیتی ہے کہ حضرت عمر نے متعہ الحج اور متعہ النساء پر پابندیاں عائد کی تھیں اور حکومتی قوت سے ان کا قلع قمع کیا لیکن وہ اس مسئلہ کے متعلق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک بھی حدیث پیش نہ کر سکے جس سے ان کے موقف کی تائید ہوتی ہو۔ اور اس کے ساتھ عجیب بات یہ ہے کہ ان کے ہزاروں حامیوں میں سے بھی کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنے ممدوح کی تائید میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کوئی قول پیش کرتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ متعہ الحج اور متعہ النساء کی ممانعت کے متعلق جتنی بھی حدیث سازی ہوئی ہے وہ حضرت عمر کے بعد ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر ان کی زندگی میں مذکورہ روایات موجود ہوتیں تو وہ سر بلند کر کے اپنے ناقدین سے یہ کہہ سکتے تھے کہ دونوں متعوں پر میں نے پابندی تھوڑی عائد کی ہے ان پر تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پابندی لگائی تھی۔

حضرت عمر نے پوری ریاستی قوت سے متعہ النساء اور متعہ الحج کو ممنوع قرار دیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان برسر اقتدار آئے تو انہوں نے تو اقتدار حاصل ہی اس شرط پر کیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر سیرت شیخین پر عمل کرنے کے پابند ہوں گے۔ اسی لیئے انہوں نے بھی حضرت عمر کی پالیسی کو ریاستی جبر و قوت کے ساتھ جاری رکھا۔ اور ان کی بارہ سالہ حکومت

میں ابتدائی چھ سالوں تک مذکورہ سختی قائم رہی اور کسی کو بھی تعمیری تنقید کی اجازت نہ تھی۔ اس پورے عرصہ میں زبانوں پر تالے لگائے گئے اور ہونٹ بند تھے۔ اس عرصہ میں جب نئی نسل جوان ہوئی تو ان کی نظر میں خلفاء کا کردار ہی اسلام تھا۔

حکومت نے اپنی طرف سے مذکورہ مسائل کو ریاستی قوت سے دبائے رکھا لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

حضرت عمر کے بعد نکاح متعہ

حضرت عثمان کے اقتدار کے جب چھ برس پورے ہوئے تو ان کے انتظامی ڈھانچے میں دراڑیں پڑ گئیں اور ام المومنین بی بی عائشہ، طلحہ، زبیر اور عمرو بن العاص اور ان کے پیروکاروں نے حزب اختلاف کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا، جب کہ حضرت عثمان کے حامیوں کا گروہ مروان اور بنی العاص کی اولاد اور دیگر بنی امیہ پر مشتمل تھا' اور آہستہ آہستہ دو دھڑے ایک دوسرے کے مقابلہ پر آ گئے۔ جس سے مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا اور مدت سے بند زبانیں کھل گئیں اور ایسی تمام احادیث بھی منظر عام پر آنے لگیں جن کے بیان پر حکومت نے پابندی عائد کر رکھی تھیں اور جوان نسل کے سامنے بہت سے ایسے حقائق آشکار ہوئے جن سے پہلے وہ نابلد تھا۔ اس عرصہ میں نشر حدیث کے لیئے حضرت علیؑ نے قائدانہ کردار ادا کیا اور انہوں نے متعہ الحج کو اپنے عمل سے زندہ کیا۔

ذیل میں ہم متعہ النساء کے متعلق چند مخالفتوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

عبدالرزاق نے مصنف میں ابن جریج کی زبانی عطاء سے یہ روایت نقل کی' اس نے کہا کہ میں نے متعہ کا نام سب سے پہلے صفوان بن یعلیٰ کی زبانی سنا۔ اس نے کہا:

معاویہ نے طائف میں ایک عورت سے متعہ کیا۔ میں نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر ہم ابن عباس کے پاس گئے اور ہم میں سے ایک شخص نے ان سے متعہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ لیکن میرے دل کو پھر بھی تسلی حاصل نہ ہوئی۔ پھر جابر بن عبداللہ آئے۔ ہم ان سے ملاقات کرنے کے لیئے ان کے گھر گئے۔ لوگوں نے ان سے بہت سی چیزوں کے متعلق دریافت کیا۔ پھر ان کے سامنے متعہ کا ذکر

چھیڑا تو انہوں نے کہا: جی ہاں۔ ہم نے عہد پیغمبر اور عہد ابوبکر اور عمر میں متعہ کیا تھا اور جب عمر کی خلافت کے آخری ایام آئے تو عمرو بن حریث نے متعہ کیا۔۔۔ اسی روایت کا ایک حصہ یہ ہے کہ معاویہ نے طائف میں ابن حضرمی کی کنیز سے متعہ کیا، جس کو "معانہ" کہا جاتا تھا۔ وہ "معانہ" معاویہ کی حکومت میں زندہ و سلامت تھی۔ معاویہ ہر سال اس کے پاس انعام و اکرام کی رقم بھیجا کرتا تھا اور یہ سلسلہ "معانہ" کی موت کی وجہ سے اختتام پذیر ہوا۔

(عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۹ باب المتعۃ)

عبدالرزاق اپنی کتاب مصنف میں رقم طراز ہیں:

عبداللہ بن عثمان بن خثیم کا بیان ہے کہ مکہ میں ایک عراقی عورت رہتی تھی اور اس کا ایک بیٹا تھا جسے ابوامیہ کہا جاتا تھا۔ اور سعید بن جبیر کی اس عورت کے پاس زیادہ آمد و رفت رہتی تھی۔

میں (راوی) نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! آپ اس عورت کے پاس زیادہ آتے جاتے ہیں؟

سعید بن جبیر نے جواب دیا:

انا قد نکحنا ھا ذلک النکاح . المتعۃ. قال واخبرنی
ان سعیدًا قال لہ: ھی احلّ من شرب الماء. المتعۃ.

"ہم نے اس سے نکاح متعہ کیا ہوا ہے، اور سعید نے مزید کہا کہ نکاح متعہ پانی پینے سے بھی زیادہ حلال ہے۔"

چنانچہ اس دور میں متعہ النساء کے جواز اور اس کی حلّیت کے فتاویٰ کو فروغ نصیب ہوا۔ عبدالرزاق مصنف میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کوفہ میں کہا تھا:

لا لو ما سبق من رأی عمر بن الخطاب. اوقال: رأی ابن
الخطاب لأمرت بالمتعۃ ثم مازنیٰ الاشقی. (۱)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۰۔ بعض کتابوں میں "شقی" کی بجائے "شفی" لکھا ہوا ہے جس کے معنی "قلیل" کے ہوتے ہیں یعنی اگر عمر نے متعہ کو بند نہ کیا ہوتا تو سوائے چند افراد کے اور کوئی زنا نہ کرتا۔

''اگر عمر بن خطاب نے متعہ کے متعلق اپنی رائے کو پیش نہ کیا ہوتا تو میں متعہ کا حکم جاری کر دیتا۔ پھر کسی بد بخت کے علاوہ اور کوئی بھی شخص زنا نہ کرتا۔''

تفسیر طبری، تفسیر نیشا پوری، تفسیر رازی کے علاوہ ابو حیان اور سیوطی نے لکھا۔ تفسیر طبری کے الفاظ یہ ہیں:

لولاان عمر نهىٰ عن المتعة مازنىٰ الاشقى. (۱)

''اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتے تو بد بخت کے علاوہ اور کوئی زنا ہی نہ کرتا۔''

تفسیر قرطبی میں منقول ہے:

قال ابن عباس : ما كانت المتعة الا رحمة من الله تعالىٰ،

رحم بهاعباده ولولا نهىٰ عمر عنها مازنىٰ الاشقى. (۲)

''ابن عباس نے کہا: متعہ اللہ کی طرف سے ایک رحمت تھی۔ اس کے ذریعہ سے اللہ نے اپنے بندوں پر رحم کیا تھا۔ اور اگر عمر اس سے منع نہ کرتے تو کسی بد بخت کے علاوہ اور کوئی زنا نہ کرتا۔''

مصنف عبدالرزاق، احکام القرآن جصاص، بدایۃ المجتہد ابن رشد، در منثور سیوطی کے علاوہ نہایۃ اللغۃ ابن اثیر، لسان العرب اور تاج العروس میں مادہ ''شفی'' کے تحت، روایت مذکور ہے:

عن عطاء قال سمعت ابن عباس يقول: رحم الله عمرما كانت المتعة الا رحمة من الله تعالىٰ رحم الله بها امة محمد ولولا نهيه لما احتاج الى الزنا الاشفا

''عطاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے سنا وہ کہا کرتے تھے۔ اللہ عمر پر رحم کرے متعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت تھی اس کے ذریعہ سے اللہ نے امتِ مصطفیٰ پر رحم کیا تھا اور اگر ان کی ممانعت نہ ہوتی تو انتہائی قلیل افراد کے علاوہ کسی کو زنا کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔''

---

(۱) تفسیر طبری جلد ۵ ص ۹۔ نیشا پوری بر حاشیہ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۷۔ تفسیر نیشا پوری جلد ۵ صفحہ ۱۶۔ تفسیر سازی جلد ۳ صفحہ ۲۰۰۔ تفسیر ابی حیان جلد ۳ صفحہ ۲۱۸۔ در منثور سیوطی جلد ۲ صفحہ ۴۰

(۲) تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۱۳۰

مصنف میں "رحمۃ" کی بجائے "رخصۃ من اللہ" کے الفاظ وارد ہیں

بدایۃ المجتھد کے الفاظ یہ ہیں:

ولو لا نھیٰ عمر ما اضطر الی الزنا الاشفی

"اور اگر عمر نے متعہ سے نہ روکا ہوتا تو قلیل افراد کے علاوہ کسی کو زنا کی احتیاج ہی نہ ہوتی۔" (۱)

حضرت عمر کی ممانعت کے بعد بھی متعہ جائز سمجھنے والے افراد

ابن حزم "المحلیٰ" میں لکھتے ہیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد سلف میں سے صحابہ کی ایک جماعت متعہ کو حلال کہتی تھی اور متعہ کو حلال کہنے والوں میں اسماء بنت ابی بکر صدیق، جابر بن عبداللہ، ابن مسعود، ابن عباس، معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن حریث، ابوسعید خدری اور امیہ بن خلف کے دونوں بیٹے سلمہ اور معبد شامل ہیں۔ جب کہ جابر نے تو عہد پیغمبر اور عہد ابوبکر اور عہد عمر کے ابتدائی دور کے متعلق بیان کیا کہ اس پورے عرصہ میں تمام صحابہ متعہ کو جائز سمجھتے تھے۔

ابن حزم مزید لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کو متعہ پر اس وقت اعتراض ہوتا تھا جب اس کے دو عادل گواہ نہ ہوں اور دیگر دو عادل گواہ موجود ہوتے تو انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

تابعین میں سے طاؤس، عطاء سعید بن جبیر اور مکہ کے دوسرے فقہاء اسے جائز سمجھتے تھے۔ (۲)

قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

(۱) احکام القرآن جصاص جلد ۲ صفحہ ۱۴۷۔ تفسیر سیوطی در ضمن آیت متعہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۔ بدایۃ المجتھد جلد ۲ صفحہ ۶۳۔ نہایۃ اللغۃ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۹۔ لسان العرب جلد ۱۴ صفحہ ۲۶۔ تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۰۔ فائق زمخشری جلد ۱ صفحہ ۳۳۱۔ علاوہ ازیں تفسیر طبری ثعلبی، رازی، ابی حیان، نیشاپوری اور کنز العمال میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

(۲) المحلیٰ ابن حزم جلد ۹ صفحہ ۵۱۹۔ ۵۲۰ مسئلہ ۱۸۵۴۔ نووی نے شرح مسلم جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۶ پر ابن مسعود کی رائے کا ذکر کیا ہے۔

نکاح متعہ کی اجازت عمران بن حصین اور بعض صحابہ اور اہل بیت میں سے ایک گروہ کے علاوہ کسی نے نہیں دی۔

ابو عمر نے کہا مکہ اور یمن سے تعلق رکھنے والے ابن عباس کے تمام شاگرد ابن عباس کے مذہب کے مطابق متعہ کو حلال جانتے تھے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۱۳۳)

ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا: ابن عباس سے منقول ہے کہ متعہ جائز ہے اور اس کے اکثر شاگردوں جن میں عطاء وطاؤس بھی شامل ہیں، کے نزدیک نکاح متعہ حلال ہے۔ ابن جریج کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ اور ابو سعید حذری اور جابر سے بھی یہی منقول ہے اور شیعوں کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی اجازت دی تھی۔ (المغنی ابن قدامہ جلد ۷ صفحہ ۵۷۱)

متعہ کی ممانعت میں حضرت عمر سے اتفاق کرنے والے افراد

ایسے لوگوں میں عبداللہ بن زبیر پیش پیش تھا۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ابن ابی ذئب سے ابن زبیر کا یہ قول نقل کیا کہ اس نے اپنے خطبہ میں کہا:

ان الذئب یکنّیٰ ابا جعدة الاوان المتعة هی الزنا

"بھیڑیے کو ابو جعدہ کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ متعہ ہی زنا ہے۔"(۱)

ابن صفوان بھی متعہ کو حرام سمجھتا تھا۔ اس کی وضاحت آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔

عبداللہ بن عمر سے متعہ کے متعلق دو اقوال منقول ہیں۔ اس کی وضاحت بھی آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔

حضرت عمر کی رائے سے اتفاق اور اختلاف کرنے والوں میں کئی بار گرما گرم بحثیں ہوئیں جن میں سے چند بحثوں کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

متعہ کو حلال اور حرام سمجھنے والوں کے مباحثے

نکاح متعہ کے متعلق ابن عباس اور ایک جماعت کے درمیان بحث ہوئی اور اس

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۲ فی نکاح المتعہ وحرمتہا۔

جماعت میں عبداللہ بن زبیر سرفہرست تھے۔ جیسا کہ مسلم نے اپنی صحیح اور بیہقی نے اپنی سنن میں لکھا۔ صحیح مسلم میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

عن عروۃ ابن الزبیر قال: ان عبداللہ بن الزبیر قام بمکۃ فقال: ان ناسًا اعمی اللہ قلوبھم کما اعمیٰ ابصارھم یفتون بالمتعۃ یعرض بالرجل فناداہ فقال: انک لجلف جاف . فلعمری لقد کانت المتعۃ تفعل علی عھد امام المتقین (یرید رسول اللہ) فقال لہٗ ابن الزبیر: فجرب بنفسک فواللہ لئن فعلتھا لارجمنک باحجارک

قال ابن شھاب فاخبرنی خالد بن مھاجربن سیف اللہ ، انہ بینا ھو جالس عندرجل جاء ہ رجل فاستفتاہ فی المتعۃ فامرہ بھا فقال لہ ابو عمرۃ الانصاری مھلا، قال ماھی؟ واللہ لقد فعلت عھد امام المتقین. (۱)

"عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں تقریر کی اور اس نے کہا: کچھ لوگوں کی آنکھوں کے ساتھ اللہ نے ان کے دلوں کو بھی اندھا کر دیا ہے اور وہ آنکھوں اور دل کے اندھے متعہ کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ ان کے الفاظ سے ابن زبیر ایک شخص پر اعتراض کر رہا تھا۔ (۲)

اس شخص نے پکار کر کہا: تو سنگ دل اور تنگ نظر ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! امام المتقین یعنی رسول خدا کے عہد میں متعہ پر عمل کیا جاتا تھا۔

---

(۱) صحیح مسلم، باب نکاح المتعہ صفحہ ۱۰۲۶ حدیث ۲۷ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ ابوعمرہ انصاری کا استدلال مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۲ پر مرقوم ہے۔

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کو خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ اپنے خطبہ میں ابن عباس کے متعہ کے فتویٰ پر تنقید کر رہا تھا۔ ابن عباس نے اس سے کہا:

"اگر یہ سچا ہے تو پھر اپنی ماں سے جا کر پوچھ لے۔"

ابن زبیر نے اپنی والدہ سے پوچھا تو اس نے کہا: ابن عباس نے سچ کہا ایسا ہی تھا۔

ابن عباس نے کہا: اگر میں چاہوں تو قریش میں سے ان افراد کے نام بتا سکتا ہوں جو متعہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ (شرح معانی الآثار طحاوی فی باب نکاح المتعہ)

(۲) وہ شخص حبر الامہ عبداللہ بن عباس تھے۔

ابن زبیر نے اس سے کہا: تو خود تجربہ کر کے دیکھ لے' خدا کی قسم! اگر تو نے متعہ کیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔

ابن شہاب راوی ہیں انہوں نے کہا کہ مجھے خالد بن مہاجر بن سیف نے خبر دی کہ وہ ایک شخص (1) کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اور شخص نے اس سے متعہ کے متعلق فتوئی دریافت کیا۔ اس نے اسے اس کا حکم دیا۔

ابو عمرہ انصاری نے فتوئی پوچھنے والے سے کہا: رک جا۔ اس نے کہا: کیا بات ہے؟ ابو عمرہ انصاری نے کہا: میں "امام المتقین (رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے عہد میں متعہ کیا تھا۔" (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۲)

مذکورہ بالا تند و تیز مباحثہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکالمہ اس وقت ہوا جب ابن زبیر کی حکومت قائم تھی اور وہ بیت اللہ الحرام میں خطبہ دیتا تھا۔

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن عباس اس کی مجلس میں آنا پسند نہیں کرتے تھے البتہ وہ خطبہ جمعہ میں حاضر ہوتے تھے۔

مذکورہ مکالمہ خطبہ جمعہ کے دوران ہوا' اور اس وقت ہزاروں افراد مسجد الحرام میں جمع تھے۔

فریقین کے استدلال کے انداز میں بڑا فرق ہے' کیونکہ ابن عباس نے متعہ کے جواز میں سنت پیغمبر اور اجازت پیغمبر کا حوالہ دیا۔ اگر ابن زبیر اور اس کے ہم نواؤں کے پاس متعہ کے حرام ہونے کی کوئی شرعی دلیل ہوتی تو وہ ابن عباس کے مقابلہ پر اسے ضرور پیش کرتے' لیکن ان کا شرعی دلیل پیش نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پاس حضرت عمر کے سرکاری حکم کے علاوہ کوئی شرعی دلیل موجود نہیں تھی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ابن عباس رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت کا حوالے دیتے تھے جب کہ ان کے حریف انہیں اپنی حکومتی قوت سے ڈرانے دھمکانے میں مصروف تھے اور کوئی بھی شخص تشدد کا سہارا اس

(1) صحیح مسلم باب نکاح المتعہ صفحہ ۱۰۲۶ حدیث ۲۷۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۵۰۲

وقت لیتا ہے جب اس کے پاس دلیل موجود نہ ہو۔

صحیح مسلم، مسند احمد، مسند طیالسی، سنن بیہقی اور دیگر کتب حدیث میں مذکورہ ہے۔ صحیح میں ابونضرہ سے روایت کی گئی کہ اس نے کہا:

کنت عند جابر بن عبدالله فاتاه ات فقال: ابن عباس وابن الزبير اختلافغي المتعتين . فقال جابر: مع رسول الله (ص) ثم نهانا عنهما عمر فلم نعد لهما (۱)

''میں جابر بن عبد اللہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آنے والے نے آ کر کہا کہ ابن عباس اور ابن زبیر نے دو متعوں (متعہ الحج اور متعہ النساء) کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ جابر نے کہا: ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ یہ دو متعے کیئے تھے، پھر عمر نے ہمیں ان دونوں سے روک دیا تھا۔ ہم نے پھر ان پر عمل نہ کیا۔''

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: میں (راوی) نے جابر سے کہا کہ ابن زبیر متعہ سے منع کرتا ہے اور ابن عباس متعہ کا حکم دیتا ہے۔

جابر نے کہا: میرے سامنے ہی یہ باتیں ہوئی ہیں۔ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد میں متعہ کیا۔ پھر جب عمر برسر اقتدار آئے تو اس نے کہا، اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے لیئے جو چاہتا تھا حلال کر دیتا تھا اور قرآن نازل ہو چکا ہے۔ تم اپنے حج کو عمرہ سے جدا رکھو اور ان عورتوں کے نکاح سے باز آ جاؤ۔ میرے پاس اگر کوئی ایسا شخص لایا گیا جس نے مقررہ مدت کے لیئے نکاح کیا ہوگا تو میں اسے سنگسار کر دوں گا۔ (۲)

سنن بیہقی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

---

(۱) صحیح مسلم، باب نکاح المتعہ حدیث ۱۴۰۵ صفحہ ۱۰۲۳۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۵۲۔ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ۔ جلد ۳ صفحہ ۳۲۵۔ ۳۵۶۔ ۳۶۳ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۶ شرح معانی الآثار کتاب مناسک الحج صفحہ ۴۰۱۔ کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۳۔ ۲۹۴

(۲) صحیح مسلم، باب فی المتعہ بالحج صفحہ ۸۸۵ حدیث ۱۴۵۔ مسند طیالسی حدیث ۱۷۹۲ صفحہ ۲۴۷ مذکورہ بالا روایت مسند طیالسی سے لی گئی ہے۔ احکام القرآن جصاص جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۔ تفسیر سیوطی جلد ۱ صفحہ ۲۱۶۔ کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۴۔ تفسیر رازی جلد ۳ صفحہ ۲۶

تمتعنا مع رسول الله و ابی بکر فلما ولی عمر خطب الناس فقال، ان رسول الله (ص) هذا الرسول وان القرآن هذا القرآن وانهما كانتا متعتان على عهد رسول الله (ص) وانا انهیٰ عنهما واعاقب علیها احداهما متعة النساء ولا أقدر على رجل تزوّج اِمرأة الى اجل اِلّأغیبة بالحجارةً والأخرى متعة الحجّ. افصلوا حجكم عن عمر تكم فانه اتم لحجكم واتم لعمر تكم. (سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۶)

''ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ابو بکر کے عہد میں متعہ کیا۔ جب حضرت عمر کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہی رسول ہیں اور قرآن یہی قرآن ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد میں دو متعے رائج تھے اور میں ان دونوں سے روک رہا ہوں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دوں گا ان میں سے ایک متعہ النساء ہے اور اگر میرے ہاتھ کوئی ایسا شخص لگ گیا جس نے مدت مقرر کر کے کسی عورت سے نکاح کیا ہوگا تو میں اسے پتھروں میں گم کردوں گا۔ اور دوسرا متعہ الحج ہے۔ تم اپنی حج کو اپنے عمرہ سے علیحدہ رکھو اور یہ چیز تمہاری حج اور تمہارے عمرہ کے زیادہ مکمل ہونے کا ذریعہ ہے۔''

ابن عباس اور کچھ دیگر ناقدین

مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے:

(ابن) صفوان نے کہا: یہ ابن عباس زنا کے حلال ہونے کا فتویٰ دے رہا ہے۔ ابن عباس نے کہا: میں زنا کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیتا تو کیا (ابن) صفوان کو ''ام اراکہ'' بھول گئی ہے؟ اس کا بیٹا متعہ کی پیدائش ہے۔ تو کیا اس نے زنا کیا تھا؟ ''ام اراکہ'' کے

ساتھ بنی جمح کے ایک اور مرد نے بھی متعہ کیا تھا۔(۱)

ایک دوسری روایت میں ہے:

عن طاووس قال قال ابن صفوان: یفتی ابن عباس بالزّنا قال: فعدد ابن عباس رجالا کانوا من اهل المتعة ، قال فلاأذکر ممن عدد غیر معبد بن امیة.

(مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۹۹)

"طاؤس کا بیان ہے کہ ابن صفوان نے کہا کہ ابن عباس زنا کے حلال ہونے کا فتویٰ جاری کر رہا ہے۔ ابن عباس نے بہت سے لوگوں کے نام گنوائے جو کہ متعہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ ابن عباس نے جن لوگوں کے نام گنوائے ان میں سے مجھے صرف معبد ابن امیہ کا نام یاد رہ گیا۔"

معبد کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ معبد بن سلمہ بن امیہ

دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس نے کہا:

لم یرع امیر المومنین عمر الاّامّ اراکة خرجت حبلی فسأ لها عمر عن حملها. فقالت: استمتع بی سلمة بن امیّة بن خلف فلما انکر (ابن) صفوان علی ابن عباس مایقول فی ذلک ، قال فسل عمّک.

(مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۹۹)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۹۸ باب المتعہ۔ بنی جمح میں سے متعہ کرنے والے کا نام سلمہ بن امیہ تھا۔ لفظ "صفوان" میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ صحیح لفظ "ابن صفوان" ہے جیسا کہ دوسری روایت میں "ابن صفوان" ہی مرقوم ہے۔ کیونکہ صفوان کی موت مکہ میں واقع ہوئی تھی ابھی ابن صفوان اس پر مٹی ڈال رہا تھا کہ عثمان کی موت کی خبر سننا پڑی۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ "ابن صفوان" سے صفوان کا بیٹا عبداللہ اکبر مراد ہے اور وہ ابن زبیر کا قریبی ساتھی رہا... ان کے ساتھ قتل ہوا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۱۵۹۔۱۶۰۔ ہم نے صفوان کی بجائے ابن صفوان پر اس لیئے زور دیا ہے کیونکہ ابن زبیر کے ساتھ ابن عباس کے مباحثے اس وقت ہوتے تھے جب ابن زبیر مکہ پر قابض تھا۔ اور اس وقت صفوان مر چکا تھا۔

"حضرت عمر کو ام اراکہ نے پریشان کر دیا جب وہ حاملہ ہو کر باہر آئی تو حضرت عمر نے اس سے اس کے حمل کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا مجھ سے سلمہ بن خلف نے متعہ کیا تھا۔ جب (ابن) صفوان نے ابن عباس پر تنقید کی تو ابن عباس نے کہا: اپنے چچا سے پوچھ لو۔"

ابن حزم نے جمہرۃ انساب میں لکھا:

امیہ بن خلف جمحی کی اولاد میں علی، صفوان، ربیعہ، مسعود اور سلمہ تھے۔

سلمہ سے اس کا بیٹا معبد بن سلمہ پیدا ہوا۔ اس کی ماں ام اراکہ تھی، جس سے سلمہ نے حضرت عمر یا حضرت ابوبکر کے عہد حکومت میں متعہ کیا تھا۔ جس سے معبد پیدا ہوا۔ صفوان بن امیہ سے عبداللہ اکبر پیدا ہوا۔"

عبداللہ بن عمر اور ابن عباس

متعہ النساء کے متعلق ابن عمر سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے ایک اس کا وہ قول ہے جسے احمد نے اپنی مسند میں نقل کیا۔

عبدالرحمن بن نعیم اعرجی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے متعہ النساء کے متعلق پوچھا۔ میں اس وقت ان کے پاس موجود تھا۔ ابن عمر یہ سن کر ناراض ہوئے اور کہا: خدا کی قسم! ہم رسول اکرمؐ کے زمانہ میں زنا کار اور شہوت پرست نہیں تھے۔ (۱)

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ابن عمر سے کہا گیا کہ ابن عباس متعہ النساء کی اجازت دیتے ہیں۔ ابن عمر نے کہا: میں یہ نہیں سمجھتا کہ ابن عباس اسے جائز سمجھتا ہو گا۔ لوگوں نے کہا: خدا کی قسم یہ بات سچ ہے اور وہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ابن عمر نے کہا:

۔ جمہرۃ انساب العرب ابن حزم جلد ۲ صفحہ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ طبع دوم میں صفحہ ۱۵۰ پر یہ سلسلہ نسب مرقوم ہے۔

(۱) مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۹۵ حدیث ۵۶۹۴ جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ حدیث ۵۸۰۸۔ مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۳۳۳۔ ۳۳۲ علاوہ ازیں مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۶۵ میں ہے کہ ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا حرام ہے۔ اس سے کہا گیا کہ ابن عباس اسے حلال کہتے ہیں۔ ابن عمر نے کہا کہ ابن عباس کو یہ بات معلوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خیبر میں اسے ممنوع قرار دیا تھا اور ہم زنا کار نہیں تھے۔ طبرانی نے اس کی روایت کی ہے اور اس کے سلسلہ رواۃ میں منصور بن دینار ہے اور وہ ضعیف ہے۔

خدا کی قسم! وہ یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا اور عمران باتوں پر سزا دیتے تھے اور میری نظر میں متعہ زنا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۲)

مصنف ابن ابی شیبہ اور در منثور میں مروی ہے۔ مصنف کی روایت ان الفاظ سے مروی ہے: عبداللہ بن عمر سے متعہ النساء کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا حرام ہے۔ ان سے کہا گیا کہ ابن عباس اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔

ابن عمر نے کہا: اس نے یہ بات عمر کے عہد میں کیوں نہ گنگنائی؟

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۳۔ تفسیر سیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰)

سنن بیہقی میں عبداللہ بن عمر سے حرام کے فتویٰ کے بعد لکھا ہے کہ ابن عمر نے کہا:

اما ان عمر ابن الخطاب لو اخذ فیها احدًا لرجمه بالحجارة. (سنن بیہقی جلد ۷، ص ۲۰۶)

"اگر عمر بن خطاب کسی کو متعہ کرتے پکڑ لیتے تو وہ اسے سنگسار کر دیتے۔"

تحریم متعہ کے لیئے حدیث سازی

حضرت عمر کے دور سے لے کر حضرت عثمان کے دور تک اور حضرت عثمان کے دور سے لے کر معاویہ کے عہد حکومت تک اور معاویہ کے عہد حکومت سے لے کر ابن زبیر کے دور اقتدار تک حکومت جبر و تشدد سے متعہ النساء کا راستہ روکنے کی کوششیں ہوتی رہیں۔

اس کے بعد اس مسئلہ کے لیئے حکومتی جبر میں کچھ کمی واقع ہوئی اور مکتب خلفاء کے پیروکاروں نے اچانک اپنی پالیسی بدل دی اور انہوں نے حکومتی جبر پر انحصار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی پرانی روش کو اس مسئلہ کے لیئے دہرایا اور متعہ کو حرام ثابت کرنے کے لیئے کرایہ کے راویوں سے جھوٹی روایات و حکایات تخلیق کرائیں۔ حدیث سازی اور تحریف کی ہمارے پاس بہت سی مثالیں ہیں جن میں سے ہم چند ایک نمونے اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ہم صرف چند مثالوں پر اکتفا کر رہے ہیں ورنہ مکتب خلفاء کی خود ساختہ روایات و احادیث کی تفصیل کے لیئے کئی ضخیم مجلدات کی ضرورت ہے۔

(۱) سنن بیہقی میں ہے کہ ابن عباس متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے جب کہ دوسرے اہل

علم ان کے فتویٰ کو بری نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ابن عباس کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ آخرکار اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک شاعر نے اپنے اشعار میں ابن عباس کا مضحکہ اڑایا اور اس نے نظم لکھی:

یا صاح هل لک فی فتیا ابن عباس

هل لک فی ناعم خود مبتلة

تکون مثواک حتی مصدر الناس

"اے دوست! کیا تجھے ابن عباس کے فتویٰ کی ضرورت ہے اور کیا تجھے نازک مزاج پری چہرہ عورتوں کی ضرورت ہے۔ اگر تو ابن عباس کی طرح سے فتویٰ دے سکتا ہے تو تیرا گھر بھی لوگوں سے بھر سکتا ہے۔"

ان اشعار کا اثر یہ ہوا کہ اہل علم کو متعہ سے زیادہ کراہت و نفرت محسوس ہونے لگی۔

(سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۵۰۳)

مصنف عبدالرزاق میں زہری سے منقول ہے کہ جب کسی شاعر نے "یا صاح هل لک فی فتیا ابن عباس" کی نظم لکھی تو متعہ سے علماء کی نفرت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۳)

مذکورہ دو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم نے ابن عباس کے مذکورہ فتویٰ پر تنقید کی تو ابن عباس نے ان کی تنقید کی کوئی پرواہ نہ کی اور شعراء نے اپنی نظموں میں ان کا مضحکہ اڑایا تو بھی ان کے اشعار کا ابن عباس کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑا۔

اب حسب ذیل روایت پڑھیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابن عباس پر مذکورہ اشعار کا پورا اثر ہوا اور انہوں نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔

(ب) یار لوگوں نے سعید بن جبیر سے روایت کی کہ میں نے ابن عباس سے کہا: آپ نے کیا کیا اور کیا فتویٰ دیا؟ آج حالت یہ ہے کہ آپ کے فتویٰ پر محفلوں میں گفتگو ہو رہی ہے اور شعراء نے اس پر نظمیں قلمبند کر کے آپ کے فتویٰ کا مضحکہ اڑایا ہے؟

ابن عباس نے کہا: شعراء نے کیا لکھا ہے؟

میں نے کہا: انہوں نے یہ نظم قلمبند کی ہے:

یا صاح ھل لک فی فتیا ابن عباس

یا صاح ھل لک فی بیضاء بھکنۃ

تکون مثواک حتی مصدر الناس

یہ شعر سن کر ابن عباس نے کہا: اناللہ و انا اللہ راجعون. میں نے یہ فتویٰ تو نہیں دیا تھا اور نہ ہی میرا یہ ارادہ تھا۔ میں تو مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی طرح سے متعہ کو حرام سمجھتا ہوں۔ البتہ جس طرح سے مذکورہ تینوں حرام چیزیں حالت اضطرار میں حلال ہو جاتی ہیں' اسی طرح سے متعہ بھی مجبوری کی حالت میں جائز ہو جاتا ہے۔

ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ ابن عباس نے اٹھ کر خطبہ دیا اور کہا کہ متعہ مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی مانند ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی اجازت کو منسوخ کر دیا تھا۔ (المغنی ابن قدامہ جلد ۷ صفحہ ۵۷۳)

اس روایت کا جائزہ

مکتب خلفاء کے پیروکاروں نے ابن عباس کی وفات کے ایک طویل عرصہ بعد ڈھکوسلہ تخلیق کیا اور ان کی کذب بیانی کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے اس روایت کو سعید بن جبیر کی زبانی نقل کیا۔ جب کہ انہیں یہ بات یاد نہ رہی کہ ابن عباس کے مکی اور یمنی شاگرد ابن عباس کے مذہب کے مطابق متعہ کو حلال سمجھتے تھے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۱۳۳)

اس کے علاوہ ان غریبوں کو شاید یہ بات بھی بھول گئی جس سعید بن جبیر کی زبانی انہوں نے یہ روایت تخلیق کی ہے اسی سعید بن جبیر نے مکہ میں متعہ کیا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۴۹۶)

اور اگر یار لوگوں کی بنائی ہوئی گفتگو میں کچھ وزن ہوتا تو ابن عباس کے اجلہ تلامذہ مثلاً عطاء اور طاؤس ساری زندگی متعہ کی حلت کا اعلان ہی کیوں کرتے۔

(المغنی ابن قدامہ جلد ۷ صفحہ ۵۷۱)

ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس روایت کو ماننے سے اس لیئے انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس روایت کا ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہے اور وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔

(مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۶۵)

حجاج راوی کے متعلق تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

كان يرسل عن يحيىٰ بن ابى كثير و مكحول ولم يسمع منهما وانما يعيب الناس منه التدليس. ليس يكا دله حديث إلّافيه زيادة وقال ابن المبارک: كان الحجّاج يدلس فكان يحدثنا بالحديث عن عمرو بن شعيب مما يحد ثه العرزمي. متروک. وقال يعقوب بن ابى شيبة: واهى الحديث فى حديثه اضطراب كثير.

(تہذیب التہذیب جلد۲ صفحہ ۱۹۶۔۱۹۸)

"وہ یحیٰی بن ابی کثیر اور مکحول کی طرف روایت کا "ارسال" کرتا تھا جب کہ اس نے ان سے روایت نہیں سنی تھی۔ لوگ اس پر تدلیس کا عیب لگاتے ہیں۔ اس کی کوئی بھی روایت اضافہ سے خالی نہیں ہے۔

ابن مبارک نے کہا: حجاج "تدلیس" کرتا تھا۔ وہ ہمارے سامنے عرزمی کی روایات کو عمرو بن شعیب کی طرف منسوب کر کے بیان کرتا تھا۔ وہ متروک الحدیث ہے۔

یعقوب بن ابی شیبہ نے اس کے متعلق کہا:

اس کی حدیث واہی جاہی پر مشتمل ہے اور اس کی حدیث میں بہت زیادہ اضطراب پایا جاتا ہے۔"

(ج) ترمذی و بیہقی کی روایت

ترمذی و بیہقی نے موسیٰ بن عبیدہ سے اور اس نے محمد بن کعب سے اس نے ابن عباس سے یہ بات نقل کی کہ ابن عباس نے کہا:

متعہ اسلام کے ابتدائی ایام میں جائز تھا، جب کوئی شخص کسی ایسے شہر جاتا جہاں اس کی جان پہچان نہ ہوتی تو وہ اپنی رہائش کے دنوں کا اندازہ کر کے اتنے ہی دنوں کے لیئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تھا اور وہ عورت اس کے سازوسامان کی حفاظت کرتی تھی اور جب "اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ" کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو بیوی اور کنیز

کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ حرام قرار پائی۔

(ترمذی جلد ۵ صفحہ ۵۰ نکاح المتعہ۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۵۔۲۰۶)

اس روایت کا جائزہ

سند حدیث میں موسیٰ بن عبیدہ بطور راوی موجود ہے۔ تہذیب التہذیب میں مرقوم ہے:

قال احمد: منکر الحدیث، لاتحل الروایۃ عندی عنہ،

حدث باحادیث منکرۃ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۶۔۳۶۰)

"احمد بن حنبل نے کہا کہ وہ مجہول احادیث بیان کرتا تھا اور میرے نزدیک اس سے روایت حاصل کرنا درست نہیں ہے اس نے کئی مجہول قسم کی روایات بیان کی ہیں۔"

آیئے ایک مرتبہ پھر متن روایت کو ایک نظر دیکھ لیں:

ابن عباس نے کہا کہ متعہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں حلال تھا۔۔۔۔ اور جب "الاعلیٰ ازواجھم او مالکت ایمانھم" کی آیت مجیدہ نازل ہوئی اس آیت کے بعد صرف بیوی اور کنیز سے ہی جنسی استفادہ حلال قرار پایا باقی ہر طرح کا جنسی استفادہ حرام قرار دیا گیا۔ (یعنی اس آیت نے متعہ کو منسوخ کر دیا۔)

خدارا کوئی عقل مند ہمیں یہ تو بتائے کہ اگر ابن عباس کا یہی نظریہ تھا جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے تو پھر انہیں اس آیت مجیدہ کے نزول کے نصف صدی بعد ابن زبیر سے اختلاف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ویسے بھی اس آیت مجیدہ سے متعہ کی حرمت کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت مجیدہ میں ازواج اور کنیزوں کی اجازت دی گئی ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ متعہ والی عورت بھی زوجہ ہوتی ہے۔

اور اگر یہ روایت درست ہے کہ ابن عباس کا نظریہ یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد مبارک میں جب "الاعلی ازواجھم او ملکت ایمانھم" کی آیت نازل ہوئی تو متعہ منسوخ ہو گیا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ابن عباس کا نظریہ یہ تھا کہ وہ عہد رسولؐ میں ہی متعہ کی منسوخی کے قائل تھے تو یار لوگوں کی اس روایت کا کیا مقصد ہوگا کہ جب حضرت علیؑ نے اپنے عہد حکومت میں دیکھا کہ ابن عباس متعہ کے متعلق نرم گوشہ رکھتے ہیں تو حضرت علیؑ نے ان سے کہا تھا "انک امرؤ تائه" "تم تو ایک سرگردان شخص ہو۔

احادیث صحیحہ کے زیر عنوان اس روایت پر بحث کریں گے۔

مجمع الزوائد اور فتح الباری کی روایت

کتب خلفاء کے پیروکاروں نے حرمت متعہ کے لیے حسب ذیل یہ روایت بھی تخلیق کی۔

جابر کا بیان ہے: خرجنا و معنا النساء التی استمتعنا بهن فقال رسول الله (ص): "هن حرام الی یوم القيامة" فودعننا عند ذلک، فسمیت عندذلک ثنية الوداع وماكانت قبل ذلک الاثنية الركاب. (مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲۶۴ فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۴۳)

"ہم نکلے اور ہمارے ساتھ ہماری عورتیں بھی تھیں جن سے ہم نے متعہ کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: "یہ قیامت کے دن تک حرام ہیں" ان عورتوں نے اس وقت ہمیں الوداع کہا۔ اسی دن سے اس جگہ کا نام (ثنیۃ الوداع) مشہور ہو گیا جب کہ اس سے پہلے اس جگہ کو (ثنیۃ الرکاب) کہا جاتا تھا۔"

اس روایت کی حقیقت

ہیثمی لکھتے ہیں: اسے طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے اور اس کے سلسلہ رواۃ میں ایک راوی صدقہ بن عبداللہ ہے۔ اس کے متعلق احمد بن حنبل نے کہا "ليس يسوى شيئا" وہ کچھ بھی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ اس کی روایات مجہولات ومناکیر پر مشتمل ہیں۔

مسلم کہتے ہیں: "منكر الحديث" وہ مجہول قسم کی روایات بیان کیا کرتا تھا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۱۶ درحالات صدقہ)

متن حدیث میں جابر کی زبانی یہ کہلایا گیا "هن حرام الی یوم القيامة" متعہ والی

عورتیں قیامت تک حرام ہیں' جب کہ روایات صحیحہ میں جابر سے یہ روایت منقول ہے:

"تمتعنا علی عهد النبی (ص) وابی بكر وعمر حتی نهانا عمر فی شان عمرو بن الحريث"

"ہم نے نبی اکرمؐ ابوبکر اور عمر کے عہد میں متعہ کیا یہاں تک کہ عمرو بن حریث کے واقعہ کی وجہ سے عمر نے ہمیں اس سے روک دیا۔"

(د) بیہقی اور ہیثمی کی روایت

بیہقی نے سنن کبریٰ اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں حسب ذیل روایت نقل کی ہے۔

بیہقی کے الفاظ یہ ہیں: ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

خرجنا مع رسول الله (ص) فی غزوة تبوک فنزلنا بثنية الوداع فراء ی نساء يبكين فقال: ماهذا؟ قيل: نساء تمتع بهن ازواجهن ثم فارقوهن، فقال رسول الله: (ص) حرّم اوهدم المتعة النكاح والطلاق والعدة والميراث

"ہم رسول اکرمؐ کے ساتھ جنگ تبوک میں گئے اور ہم ثنیۃ الوداع پر پہنچے تو آنحضرت نے عورتوں کو روتا ہوا دیکھا۔ آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے ان کے شوہروں نے متعہ کیا تھا پھر انہوں نے ان سے جدائی اختیار کر لی۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: متعہ کو نکاح، عدت اور میراث نے حرام کر دیا یا ان چیزوں نے متعہ کو منہدم کر دیا۔"

مجمع الزوائد میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

فراٴ ی رسول الله (ص) مصابیح وراٴ ی النساء یبکین

(سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۷۔ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۶۴۔ فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۷۳)

"رسول خدا نے کچھ چراغ جلتے ہوئے دیکھے اور آپ نے عورتوں کو روتے ہوئے دیکھا۔"

مذکورہ روایت کی حیثیت

سند حدیث میں مؤمل بن اسماعیل ہے اور وہ عبدالرحمٰن العدوی نزیل مکہ ہے۔ اس نے ۲۰۵ھ یا ۲۰۶ھ میں وفات پائی تھی۔ تہذیب التہذیب میں اس کے متعلق لکھا ہوا ہے:

قال البخاری: "منکر الحدیث" وہ مجہول قسم کی حدیثیں بیان کرتا تھا۔

بخاری کے علاوہ ایک اور صاحب علم نے کہا: اس کی کتابیں دفن کر دی گئی تھیں اور اپنے حافظہ کے زور پر احادیث بیان کرتا تھا۔ اسی لیے اس سے نقل حدیث میں بہت زیادہ غلطیاں ہوئیں۔

اہل علم پر واجب ہے کہ وہ اس کی بیان کردہ احادیث سے واقفیت حاصل کریں کیونکہ وہ اپنے ثقہ شیوخ سے مجہول قسم کی روایات بیان کرتا ہے۔ اور یہ سب سے بڑی آفت ہے۔ اگر یہ مجہول قسم کی روایات کمزور اور ضعیف راویوں کی طرف منسوب ہوتیں تو ہم اس کو معذور سمجھ سکتے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۰-۳۸۱)

مذکورہ حدیث علم جغرافیہ کے بھی خلاف ہے

جابر اور ابو ہریرہ کی روایات میں بیان کیا گیا کہ ہم "ثنیۃ الوداع" پہنچے۔

معجم البلدان میں جو کہ جغرافیہ کی مشہور کتاب ہے مذکور ہے:

ثنیۃ الوداع ایک گھاٹی ہے جو کہ مکہ مدینہ کے راستہ پر واقع ہے اور صحیح یہ ہے کہ دور جاہلیت میں ہی اس گھاٹی کو "ثنیۃ الوداع" کا نام دیا گیا تھا یہاں مسافر اہل مدینہ سے الوداع کرتے تھے۔ (معجم البلدان در مادہ ثنیۃ الوداع)

اس بیان کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو انصار کی لڑکیوں نے یہ گیت گا کر آنحضرت کا استقبال کیا تھا:

طلع البدر علینا　　　من ثنیات الوداع (۱)

۱۔ (ملاحظہ فرمائیں حمیری کی الروض المعطار در مادہ ثنیۃ الوداع)

"شعیۃ الوداع سے ہمارا چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔"

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ شعیۃ الوداع مدینہ کے قریب ایک گھاٹی ہے جہاں اہل مدینہ اپنے دوستوں کو الوداع کرتے تھے۔ اور اس گھاٹی کا نام اسلام سے پہلے شعیۃ الوداع تھا۔ اسلام آنے کے بعد یہ نام نہیں رکھا گیا۔

یہ بات ایک حقیقت ہے کہ شعیۃ الوداع مدینہ کے قریب ایک گھاٹی کا نام ہے۔ اب ذرا سوچئے کہ صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے برآمد ہوئے اور جب وہ شعیۃ الوداع نامی گھاٹی پر پہنچے تو ان کی ممتوعہ بیویاں انہیں الوداع کرنے کے لیئے آئی ہوئی ہیں اور وہ ان کی جدائی میں رو رہی تھیں۔

روایت تراشنے والوں کو یہ عقل نہیں آئی کہ آخر ممتوعہ بیویاں ہی اپنے شوہروں کو الوداع کرنے کے لیئے شعیۃ الوداع تک کیوں آئی تھیں۔ ان کی نکاح دائمی والی بیویاں شوہروں کو الوداع کہنے کے لیئے گھروں سے باہر کیوں نہ ہوئیں؟ کیا مکتب خلفاء کا کوئی دانشور ہمیں اس سوال کا جواب دینے کی زحمت کرے گا؟

(د) حضرت علیؑ پر افتراء پردازی

بیہقی نے حضرت علی بن ابی طالب سے نقل کیا کہ: آپؑ نے فرمایا:

نھیٰ رسول اللہ (ص) عن المتعة قال: وانما كان لمن لم يجد فلما انزل النكاح والطلاق والعدة والميراث بين الزوج والمرؤة نسخت. (سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۳۶)

"حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے متعہ سے منع کیا۔ حضرت علیؑ نے کہا: پہلے متعہ کی اجازت اس کے لیئے تھی جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اور جب اللہ نے نکاح طلاق، عدت اور شوہر بیوی کی میراث کے احکام نازل کیئے تو متعہ منسوخ کر دیا گیا۔"

روایت کا ضعف

سند حدیث میں موسیٰ بن ایوب شامل ہے۔ عقیلی نے اس ضعفاء میں سے شمار کیا اور یحییٰ بن معین اور ساجی نے اس کے متعلق کہا "منکر الحدیث" وہ مجہول روایات

بیان کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب درحالات موسیٰ بن ایوب جلد اصفحہ ۳۳۶)

متن حدیث میں حضرت علیؑ کی زبانی یہ کہلوایا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے متعہ سے منع کیا تھا جب کہ حضرت علیؑ کا مشہور زمانہ فرمان کتب حدیث کی زینت ہے۔ آپ نے فرمایا تھا:

"لولا ماسبق من رأ ی عمر بن الخطاب لأمرت بالمتعة ثم مازنی الا شقیّ"

"اگر متعہ کے متعلق عمر کی رائے پہلے سے موجود نہ ہوتی تو میں متعہ کا حکم جاری کر دیتا' پھر کسی بد بخت کے علاوہ کوئی بھی زنا نہ کرتا۔"

(ز) عبداللہ بن مسعود پر افتراء پردازی

بیہقی نے عبداللہ سے مسعود کا یہ قول نقل کیا:

المتعة منسوخة نسخها الطلاق و الصداق والعدّة و المیراث

"متعہ منسوخ ہے، اسے طلاق، حق مہر، عدت اور میراث نے منسوخ کیا ہے۔"

مذکورہ روایت ضعیف ہے

اس روایت کو حجاج بن ارطاۃ نے حکم سے اور اس نے ابن مسعود کے شاگردوں سے بیان کیا ہے۔

حجاج بن ارطاۃ کے متعلق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ علمائے رجال نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تدلیس کرتا تھا اور اپنی طرف سے احادیث میں اضافہ کرتا تھا اور پھر ستم یہ ہے کہ اس نے اپنی روایت میں یہ بتانے کی زحمت ہی نہیں کی کہ اس نے یہ روایت ابن مسعود کے کس شاگرد سے سنی تھی۔

دوسری روایت ابن مسعود کی سند ملاحظہ فرمائیں:

"قال بعض أصحابنا عن الحکم بن عتیبة عن عبداللہ بن مسعود"

"ہمارے بعض ساتھیوں نے حکم بن عتیبہ سے روایت کی کہ اس نے عبداللہ سے مسعود کا یہ بیان نقل کیا۔"

"ہمارے بعض ساتھیوں" سے کون سی ذات شریف مراد ہیں اس کی کہیں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے!!

اور اس روایت میں دوسرا سقم یہ ہے کہ حکم بن عتیبہ نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی جب کہ حکم نے ساٹھ سال سے دو تین سال زیادہ عمر پائی تھی اور اس کی وفات ۱۱۳ھ میں واقع ہوئی اور ابن مسعود نے ۳۲ھ میں وفات پائی تھی اور اگر ۱۱۳ سے ۶۳ نفی کیئے جائیں تو جواب پچاس آتا ہے: ۶۳۔۱۱۳ تو اس لحاظ سے حکم بن عتیبہ ۵۰ھ میں پیدا ہوا جب کہ ابن مسعود نے ۳۲ھ میں وفات پائی تھی تو ابن مسعود کی وفات سے اٹھارہ برس بعد پیدا ہونے والے شخص نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیسے سن لی تھی؛ جب کہ درمیان میں اس نے کسی دوسرے راوی کا نام بھی نہیں لیا۔؟

اگر اس سوال کا جواب کتب خلافت کے کسی "بزر انشور" کے پاس موجود ہو تو وہ ہمیں مطلع فرمائیں!!(۱)

جب کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود حضرت عمر کی ممانعت کے بعد بھی پوری زندگی متعہ کو حلال سمجھتے رہے اور وہ آیت متعہ کو یوں پڑھا کرتے تھے:

"فما استمتعتم به منهن الی اجل"

احادیث مذکور میں بیان کیا گیا کہ نکاح، طلاق اور میراث نے متعہ کو منہدم یا منسوخ کر دیا۔

عبارت بالا کا دوسرے الفاظ میں مفہوم یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے نکاح دائم اور طلاق و میراث کے احکام نازل نہیں کیئے تھے اس وقت تک رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سمیت تمام صحابہ کے نکاح اور ان کے ازدواجی کے تعلقات متعہ پر قائم تھے!!!

---

(۱) حکم اور ابن مسعود کے حالات کے لیئے ملاحظہ فرمائیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۹۲۔۳۵۹)

کیا کتب خلافت کا کوئی دانشور اس بات کو تسلیم کرنے پر آمدہ ہے؟ اگر یہ بات صحیح نہیں ہے تو پھر مذکورہ تینوں روایات بھی صحیح نہیں ہیں۔

(ح) زید بن خالد الجہنی کی روایت

مجمع الزوائد میں زید بن خالد الجہنی سے یہ روایت منقول ہے:

کنت انا وصاحب لی نماکس امراء ة فی الاجل وتما کسنا فاتانا آت فاخبرنا ان رسول اللہ (ص) حرم نکاح المتعة و حرم اکل کل ذی ناب من السباع و الحمر الانسیة. (مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۶۶)

"میں اور میرا ایک ساتھی ایک عورت کے ساتھ میعاد مقرر کرنے میں بحث مباحثہ کر رہے تھے اور ہم نے میعاد طے بھی کر لی تھی کہ پھر ایک آنے والے نے ہمیں آ کر بتایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نکاح متعہ اور پنجے رکھنے والے درندوں اور گدھوں کے کھانے کو حرام قرار دے دیا ہے۔"

مذکورہ روایت صحیح نہیں ہے

مسند حدیث میں ہیثمی نے لکھا "رواہ الطبرانی" طبرانی نے اسے روایت کیا، اس روایت کے سلسلہ رواۃ میں "موسیٰ بن عبیدہ ربذی" شامل ہے اور وہ ضعیف ہے۔[۲] ہم سابقہ صفحات میں اس کے ضعف کی نشاندہی کر چکے ہیں۔

متن حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے موجد نے فتح مکہ والی سبرة الجہنی اور روز خیبر کی روایت کا ایک ملغوبہ تیار کیا ہے۔ اور درندوں کی حرمت کے حکم کو دونوں کی طرف منسوب کیا اور دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات کو ایک ہی سند اور ایک ہی ردیف میں بیان کیا۔

(ط) حارث بن غزیہ کی روایت

مجمع الزوائد میں حارث بن غزیہ سے منقول ہے کہ اس نے کہا:

سمعت النبی یوم فتح مکة یقول: "متعة النساء حرام"
ثلاث مرات

''میں نے فتح مکہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا ''متعۃ النساء حرام ہے۔'' آپ نے تین بار یہ جملے ارشاد فرمائے۔''

ضعفِ روایت

ہیثمی نے اس روایت کی تخریج طبرانی سے کی ہے اور اس کے سلسلہ رواۃ میں اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ بھی شامل ہے۔(۱) اور اس کے متعلق علمائے رجال کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

یروی احادیث منکرة ، لایحتجون بحدیثه، ترکوه ، لاتحل الروایة عنه، لایکتب حدیثه...(۲)

''وہ مجہول قسم کی احادیث بیان کرتا ہے' علماء اس کی حدیث کو قابل قبول نہیں سمجھتے علماء نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ اس کی حدیث کو لکھنا درست نہیں ہے۔''

(ی) کعب بن مالک کی روایت

مجمع الزوائد میں کعب بن مالک سے منقول ہے کہ اس نے کہا:

نهیٰ رسول الله (ص) عن متعة النساء.

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے متعۃ النساء سے منع فرمایا۔''

مذکورہ حدیث ایک کذاب کی تخلیق ہے۔

ہیثمی لکھتے ہیں: رواه الطبرانی وفیه یحییٰ بن انیة

''طبرانی نے اسے روایت کیا اور اس کے سلسلہ رواۃ میں یحییٰ بن انیہ شامل ہے۔''

علمائے رجال نے اس کے حالات میں تحریر کیا:

---

(۱) حدیث اور راوی کی تعریف کے لیے مجمع الزوائد جلد۴ صفحہ ۲۶۶ کی طرف رجوع فرمائیں

(۲) (تہذیب التہذیب جلد۱ صفحہ ۲۴۰) در حالات اسحاق

کان ضعیفا، اصحاب الحدیث لایکتبون حدیثه، انه
کذّاب، متروک الحدیث...

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۳۔۱۸۴ در حالات یحییٰ)

"وہ ضعیف تھا، محدثین اس کی حدیث نہیں لکھتے تھے، وہ کذاب اور متروک الحدیث تھا...."

(ک) ابنِ عمر کی روایت

بیہقی سنن کبریٰ میں عبداللہ بن عمر کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا:
حضرت عمر منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد کہا:

مابال رجال ینکحون هذه المتعة وقد نهیٰ رسول الله (ص) عنها؟ الا لااوتی باحد نکحها الا رجمته.

(سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۶)

"ان لوگوں کو کیا ہوا ہے یہ متعہ کیوں کر رہے ہیں جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سے منع کیا تھا۔ میرے پاس اگر نکاح متعہ کرنے والا کوئی شخص لایا گیا تو میں اسے سنگسار کروں گا۔"

روایت پر جرح

اس حدیث کے سلسلہ رواۃ میں منصور بن دینار شامل ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے اس کے متعلق لکھا "ضعیف الحدیث" وہ حدیث میں ضعیف تھا یعنی ضعیف احادیث بیان کرتا تھا۔ نسائی نے کہا: "لیس بالقوی" وہ قوی نہیں ہے۔ بخاری نے اس کے متعلق کہا: "فی حدیثه نظر" اس کی حدیث میں نظر ہے۔ یعنی اس کی بیان کردہ احادیث مشکوک ہیں۔ عقیلی نے اسے ضعفاء میں سے شمار کیا۔(۱)

ممانعت کی احادیثِ صحیحہ

یہاں تک ہم نے حرمت متعہ کی وہ روایات نقل کی ہیں جن کی سند پر خود کتب خلفاء

(۱) الجرح والتعدیل رازی جلد ۴ رق ۱ صفحہ ۱۷۱۔ میزان الاعتدال صفحہ ۶ صفحہ ۱۴۸۔ لسان المیزان جلد ۴ صفحہ ۹۵ در حالات منصور بن دینار

کے پیروکار و علماء نے جرح کی ہے۔ اور اب ہم کتب خلافت کی کتب میں سے وہ روایات نقل کرتے ہیں، جو بقول ان کے احادیث صحیحہ ہیں اور جن کے سلسلہ اسناد پر علمائے رجال نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اور وہ احادیث حسب ذیل ہیں۔ ہم احادیث نقل کرنے کے بعد ان کا علمی جائزہ لیں گے۔

پہلی حدیث

صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن بیہقی اور مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے۔ اور مصنف میں یہ روایت اس طرح سے منقول ہے:

عن ابن شهاب الزهری عن عبدالله والحسن ابن محمد
بن علی عن ابیهما انه سمع اباه علی بن ابی طالب یقول
لابن عباس: انک امرؤ تائه ان رسول الله نهیٰ عنها یوم
خیبر و عن اکل لحوم الحمر الانسیة. (۱)

''ابن شہاب زہری نے محمد حنفیہ کے دو فرزندوں عبداللہ اور حسن سے نقل کیا۔ انہوں نے اپنے والد محمد حنفیہ سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے اپنے والد حضرت علی علیہ السلام سے سنا وہ ابن عباس سے فرما رہے تھے: تو سرگردان انسان ہے۔ رسول خدا نے خیبر کے دن متعہ اور گدھوں کے گوشت کھانے سے منع کیا تھا۔''

معمولی سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت اسی مسند کے ساتھ صحیح بخاری، سنن ابی داؤد ابن ماجہ، ترمذی، دارمی، موطا، مصنف ابن شیبہ، مسند احمد اور طیالسی وغیرہ میں بھی منقول ہے۔ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح باب نکاح المتعہ صفحہ ۱۰۲۸ حدیث ۳۱۔۳۲۔ سنن نسائی باب تحریم المتعہ۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۱۔ مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۱۔ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۶۵۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر جلد ۳ صفحہ ۱۶۴ باب نہی رسول الله عن نکاح المتعة اخیرا. وباب لحوم الحمر الانسیة جلد ۳ صفحہ ۲۰۸، جلد ۴ صفحہ ۱۵۳ باب الحیلة فی النکاح۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۹۰ باب تحریم المتعہ وفیہ قال ابن المثنی ''یوم حنین'' سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۳ حدیث ۱۹۶۱۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۴۸۔۴۹۔ موطا ۵۴۲ حدیث ۴۱

انما احلت لنا اصحاب رسول الله (ص) متعة النساء

ثلاثة ایام ثم نهی عنها رسول الله (ص).

(سنن بیہقی جلد ۷ ص ۲۰۷)

دوسری حدیث

ابوذر غفاری سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:

وانه قال: کانت المتعة الخوفنا ولحربنا

(سنن بیہقی جلد ۷ ص ۲۰۷)

"اصحاب رسول کے لیئے تین دنوں کے لیئے متعہ حلال کیا گیا تھا' پھر رسول خدا نے اس سے منع کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا: متعہ ہمارے خوف اور ہماری جنگ کے لیئے جائز کیا گیا تھا۔"

تیسری حدیث

صحیح مسلم، سنن دارمی، ابن ماجہ اور ابوداؤد وغیرہ میں یہ روایت مروی ہے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت ان الفاظ سے منقول ہے:

سبرۃ الجہنی کا بیان ہے کہ میں فتح مکہ کے وقت آنحضرت کے ساتھ ہم رکاب تھا۔ اور ہم نے وہاں پندرہ دن (تیس دن رات) قیام کیا۔ رسول خدا نے وہاں ہمیں عورتوں سے متعہ کی اجازت دی۔ چنانچہ میں اور میری قوم کا ایک شخص نکل پڑے (میں اس سے زیادہ حسین تھا جب کہ وہ ضرورت سے زیادہ سرخ تھا) اور ہم میں سے ایک کے پاس ایک ایک چادر تھی' میری چادر پرانی تھی جب کہ میرے چچا زاد کی چادر نئی اور خوبصورت تھی۔ جب ہم مکہ کے نشیبی یا بلندی والے حصے پر پہنچے تو ہمیں نیل گائے کی طرح سے دراز گردن رکھنے والی ایک نوجوان لڑکی ملی۔ ہم نے اس سے کہا: کیا تو ہم میں سے کسی ایک کے ساتھ متعہ کرے گی؟

اس نے کہا: تم کیا خرچ کرو گے؟

ہم میں سے ہر ایک نے اپنی چادر پھیلائی۔ وہ دونوں مردوں کو دیکھنے لگی۔ میرے دوست نے اس سے کہا: اس کی چادر پرانی ہے جب کہ میری چادر نئی اور خوبصورت ہے اس

نے کہا: اس کی چادر میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس نے یہ جملے دو یا تین بار دہرائے۔ پھر میں نے اس سے متعہ کیا۔ میں ابھی مکہ سے نہیں نکلا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے متعہ کو حرام قرار دے دیا۔(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

یا ایھا الناس! انی کنت قداذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ قدحرم ذلک الی یوم القیامۃ. (۲)

"لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور اللہ نے اسے قیامت کے دن تک حرام قرار دے دیا ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

رایت رسول اللہ (ص) قائماً بین الرکن والباب وھو یقول...(۳)

"میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رکن اور کعبہ کے دروازہ کے درمیان دیکھا اور آپ یہ کہہ رہے تھے۔۔۔۔"

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

امرنا رسول اللہ بالمتعۃ عام الفتح حتی دخلنا مکۃ ثم لم نخرج حتی نھانا عنھا. (۴)

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ہمیں متعۃ النساء کا حکم دیا یہاں تک کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور ابھی ہم مکہ سے نکلنے نہ پائے تھے کہ آپ نے ہمیں اس سے منع کر دیا۔"

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح المتعہ صفحہ ۱۰۲۳۔ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۶۴ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۲

(۲) صحیح مسلم، کتاب نکاح المتعہ صفحہ ۱۰۲۵۔ سنن دارمی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۔ سنن ابن ماجہ صفحہ ۶۳۱ حدیث ۱۹۶۲۔ چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہی روایت طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۳۴۸ میں بھی مروی ہے۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب النکاح المتعہ صفحہ ۱۰۲۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۲۔

(۴) صحیح مسلم کتاب النکاح باب المتعہ صفحہ ۱۰۲۵۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۲۔۲۰۴ صحیح مسلم صفحہ ۱۰۲۶ پر بھی اس کے قریب روایت مروی ہے۔

ایک اور روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

قد کنت استمتعت فی عهد رسول الله امرأة من بنی عامر ببردین احمرین، ثم نهانا رسول الله عن المتعة. (۱)

"میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بنی عامر کی ایک عورت سے دو سرخ چادروں کے بدلے میں متعہ کیا تھا۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں متعہ سے منع کر دیا تھا۔"

ایک اور روایت اس طرح سے ہے:

ان رسول الله (ص) نهیٰ یوم الفتح عن متعة النساء. (۲)

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے روز متعہ النساء سے منع کیا تھا۔"

ایک اور روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

ان رسول الله نهیٰ عن المتعة و قال: انها حرام من یومکم هذا الی یوم القیامة. (۳)

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ سے منع کیا اور فرمایا: یہ آج سے لے کر قیامت کے دن تک حرام ہے۔"

ابوداؤد، بیہقی اور دیگر محدثین نے لکھا۔ ابوداؤد کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

عن ربیع بن سبرة قال: اشهد علی ابی انه حدثث انّ رسول الله (ص) نهیٰ عنها فی حجة الوداع. (۴)

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح باب المتعہ صفحہ ۱۰۲۷۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۵ اس سے ملتی جلتی روایت صحیح مسلم صفحہ ۱۰۲۶ پر بھی مرقوم ہے۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب النکاح باب المتعہ صفحہ ۱۰۲۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۲

(۳) صحیح مسلم، کتاب النکاح باب المتعہ صفحہ ۱۰۲۷۔ اس سے زیادہ تفصیل مصنف عبدالرزاق جلد ۷ صفحہ ۵۰۶ اور سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۳ میں مذکور ہے۔

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ باب فی نکاح المتعہ۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۳۔۲۰۵۔ طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۳۴۸

"ربیع بن سبرہ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے متعلق یہ گواہی دیتا ہوں اس نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے متعہ سے "حجۃ الوداع" کے موقع پر روکا تھا"

چوتھی حدیث

صحیح مسلم، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند احمد وغیرہ سے مروی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن سلمة بن الاكوع ، قال: رخص رسول الله عام أوطاس في المتعة ثلاثاثم نهیٰ عنها. (١)

"سلمہ بن اکوع کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جنگ اوطاس کے سال تین دن کے لیئے متعہ جائز قرار دیا تھا۔ پھر آپ نے اس سے منع کر دیا۔"

واضح رہے کہ اوطاس طائف کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔

مذکورہ روایات کا تجزیہ

کتب صحاح و مسانید، مصنفات حضرت علیؑ سے مروی روایات سے بھری پڑی ہیں جنہیں ہم نے چودہ مصادر سے نقل کیا ہے۔ اور مذکورہ روایات میں یہ بیان کیا گیا کہ رسول اکرمؐ نے جنگ خیبر میں دو چیزیں حرام قرار دی تھیں

(۱) متعة النساء (۲) "گدھوں کے گوشت کا کھانا"

جنگ خیبر کے حوالہ سے متعہ کی حرمت کی روایت جہاں بھی ہے وہاں اس کے ساتھ گدھوں کے گوشت کی حرمت کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ جب کہ کتب حدیث میں ایسی احادیث بھی کثرت سے موجود ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خیبر میں گدھوں کے گوشت کی حرمت کا اعلان کیا تھا' لیکن ان میں متعہ النساء کی حرمت کے متعلق ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ ذیل میں ہم دونوں چیزوں کی حرمت کا جائزہ لیتے ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح باب المتعہ صفحہ ۱۰۲۳ حدیث ۱۴۰۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۲۔ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۵۵۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۰۴۔ فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۷۳

(الف) خیبر میں متعہ کی حرمت کی حقیقت

خیبر میں متعہ کی تحریم تاریخی واقعات سے مطابقت نہیں رکھتی' جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے اس کی وضاحت کی ہے۔ ابن قیم نے اپنی کتاب زادالمعاد میں ایک فصل قائم کی ہے جس کا عنوان یہ ہے۔ متعہ کب حرام ہوا؟

مذکورہ فصل میں ابن قیم لکھتے ہیں:

خیبر میں متعہ کا حرام ہونا درست نہیں ہے' کیونکہ خیبر میں صحابہ نے یہودی عورتوں سے متعہ کیا تھا اور نہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی تھی۔ کسی بھی سیرت نگار نے اس طرح کا ایک واقعہ بھی نقل نہیں کیا کہ فلاں صحابی نے خیبر میں متعہ کیا تھا، اسی لیئے جب غزوہ خیبر میں متعہ پر عمل ہی نہیں ہوا تو اس کی حرمت کہاں سے آ گئی؟ (زادالمعاد جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ فصل فی بحث زمن تحریم المتعہ)

ابن قیم مزید لکھتے ہیں:

خیبر میں مسلم عورتیں موجود نہیں تھیں، وہاں تو صرف یہودی عورتیں رہتی تھیں اور جنگ خیبر تک اہل کتاب عورتوں سے نکاح حلال نہیں ہوا تھا۔ اہل کتاب عورتوں سے نکاح حجۃ الوداع کے دوران یا اس کے بعد حلال ہوا اور اس سلسلہ میں سورۂ مائدہ کی یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔ وَالْمُحصنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ....... (المائدہ۔۵)

''جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تو ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو۔۔''

جنگ خیبر اس آیت کے نزول سے بہت عرصہ پہلے واقع ہوئی تھی، اس لیئے اس وقت یہودی عورتوں سے نکاح جائز ہی نہیں ہوا تھا۔ اور جب خیبر میں اہل کتاب خواتین سے نکاح سرے سے ہی ناجائز تھا تو صحابہ نے ان سے نکاح کیسے کیا اور رسول اکرمؐ نے خیبر میں متعہ سے منع کیسے کیا؟؟ (زادالمعاد جلد ۲ صفحہ ۲۰۴ فی فصل فی اباحۃ متعۃ النساء ثم تحریمھا المتعۃ)

ابن حجر لکھتے ہیں:

''خیبر کے دن متعۃ النساء کا موقع ہی نہیں تھا کیونکہ اس جنگ میں عورتوں سے متعہ کی

نوبت ہی نہیں آئی تھی۔" (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۳۴)

ابن حجر نے "باب نهی رسول الله عن نكاح المتعة آخراً" میں سہیلی کا قول نقل کیا۔

اس حدیث میں اشکال پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ جنگ خیبر میں رسول خداؐ نے متعہ کو ممنوع قرار دیا تھا اور یہ ایک ایسی چیز ہے جسے اہل سیر اور محدثین تسلیم نہیں کرتے۔ (فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۷۲ باب نہی رسول اللہ عن نکاح المتعہ اخرا)

اس کے بعد ابن حجر نے ابن قیم کا مذکورۃ الصدر قول نقل کیا۔

(ب) جنگ خیبر میں گدھوں کی حرمت کا جائزہ

ابن حجر نے ابن عباس کے متعلق نقل کیا کہ وہ گدھے کے گوشت کو حلال سمجھتے تھے اور وہ دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھتے تھے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ.

(فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۴۷)

"آپ کہہ دیں کہ میری طرف جو وحی اتاری گئی ہے اس میں میں کسی کھانے والے کے لیے مردار، بہتے خون یا خنزیر کے گوشت کے علاوہ کسی اور چیز کو حرام نہیں پاتا۔"

مؤلف کہتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خیبر کے گدھوں کے گوشت کو حسب ذیل اسباب کی وجہ سے حرام کیا تھا جیسا کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں ابی اوفی سے منقول ہے کہ اس نے کہا:

خیبر میں ہمیں بھوک نے آگھیرا اور ہانڈیاں ابل رہی تھیں جب کہ کچھ ہانڈیاں پک کر تیار بھی ہو گئی تھیں۔ اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے اعلان کرنے والا آیا اور کہا:

گدھوں کا گوشت نہ کھاؤ اسے زمین پر پھینک دو۔ ابن ابی اوفی نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے گوشت سے اس لیے منع کیا تھا کیونکہ ان کا خمس نہیں نکالا

گیا تھا جب کہ بعض نے کہا کہ گدھوں کے گوشت سے رسول اکرم ؐ نے اس لیئے منع کیا تھا کہ وہ پاخانہ کھاتی تھیں۔ (صحیح بخاری باب لحوم الخیل، شرح فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۴۲)

ممکن ہے کہ اس کی حرمت کا سبب وہ ہو جسے ابوداؤد نے اپنی سنن کے کتاب الخراج کے باب تعشیر اهل الذمه میں عرباض بن ساریہ سلمی (۱) سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا:

ہم خیبر گئے اور آنحضرت کے ساتھ ان کے اصحاب بھی تھے اور خیبر کا قلعہ دار ایک برا اور سرکش انسان تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا:

اے محمدؐ! کیا تمھیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہمارے گدھوں کو ذبح کرو اور ہمارے پھل کھا جاؤ اور ہماری عورتوں کو مارو پیٹو؟

نبی اکرم ناراض ہوئے اور فرمایا:

اے ابن عوف! اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اعلان کرو کہ جنت مومن کے علاوہ کسی کے لیئے حلال نہیں ہے اور یہ کہ نماز کے لیئے جمع ہو جاؤ۔

راوی کا بیان ہے کہ ساری فوج جمع ہو گئی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

کیا اپنے سرہانے پر تکیہ لگانے والا یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے صرف وہی چیز حرام کی ہے جو قرآن میں ہی مذکور ہے۔ آگاہ رہو میں نے نصیحت کی ہے اور بہت سی چیزوں کا حکم دیا ہے اور بہت سی چیزوں سے منع کیا ہے۔ یہ بھی قرآن کی مانند ہے یا اس سے زیادہ ہے۔ اور یاد رکھو اللہ نے تمہارے لیئے اہل کتاب کی اجازت کے بغیر ان کے گھروں میں داخل ہونا اور ان کی عورتوں کو مارنا جائز قرار نہیں دیا اور ان کے پھلوں کا کھانا بھی تمہارے لیئے جائز نہیں سوائے اس حق کے جو ان پر واجب ہے۔ جب وہ تمہیں ادا کریں تو تم اس میں سے کھا سکتے ہو۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۶۳)

---

(۱) ابو نجیح عرباض بن ساریہ سلمی سے ۳۱ احادیث رسول مروی ہیں۔ بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر اصحاب صحاح نے اس سے احادیث نقل کی ہیں۔ اس نے ۷۵ھ یا فتنہ ابن زبیر میں وفات پائی تھی۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۹۔ جامع المسانید ۵ صفحہ ۲۸۱ تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۷)

چنانچہ ابن ابی اوفی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ خیبر میں شامل اصحاب نے گدھوں کے گوشت کی حرمت کی توجیہ یہ پیش کی تھی کہ ابھی ان میں سے خمس ادا نہیں کیا گیا تھا' اور اسی نظریہ کی تائید مال غنیمت کی خیانت کی احادیث سے ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں خیبر میں گدھوں کے گوشت سے ممانعت کی ایک امکانی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اصحاب نے وہ لوٹ لیئے ہوں گے اور لوٹنے کے بعد انہیں ذبح کر کے پکانے لگ گئے ہوں گے جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ایک انصاری سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں روانہ ہوئے۔ لوگوں کو سخت احتیاج اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں بکری دکھائی دی تو انہوں نے وہ لوٹ لی۔ ہماری ہانڈیاں جوش کھا رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کمان کا سہارا لے کر چلتے ہوئے آئے۔ آپ نے اپنی کمان سے ہماری ہانڈیوں کو الٹ دیا۔ پھر آپ نے گوشت میں خاک کو ملانا شروع کر دیا۔ اور فرمایا:

"ان النهبة لسيت باحل من الميتة".

لوٹ کا مال مردار سے زیادہ حلال نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۲۶)

گدھوں کی حرمت کی توجیہ کچھ صحابہ نے یہ پیش کی تھی کہ وہ پاخانہ کھاتے تھے۔

بہر نوع مذکورہ بالا روایات اور ان کی توجیہات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گدھوں کی حرمت کا تعلق صرف خیبر کے ساتھ ہی تھا۔

اسی طرح سے خیبر میں جہاں تک حرمت متعہ کا تعلق ہے تو یار لوگوں نے بھی اس سلسلہ میں بات کا بتنگڑ بنایا ہے۔ کیونکہ ابھی آپ نے عرباض ساریہ کی روایت میں ملاحظہ فرمایا کہ ایک قلعہ دار یہودی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے شکایت کرتے ہوئے کہا تھا: "کیا تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ تم ہمارے گدھے ذبح کرو اور ہمارے پھل توڑ کر کھا جاؤ اور ہماری عورتوں کو زدوکوب کرو۔"

اس کی شکایت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا:

اہل کتاب کی اجازت کے بغیر ان کے گھروں میں داخل ہونا تمہارے لیئے حلال نہیں ہے' اور ان کی عورتوں کو زدوکوب کرنا بھی تمہارے لیئے جائز نہیں ہے اور اپنے مخصوص

حق کے علاوہ تمہارے لیئے ان کے پھلوں کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔

اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت نے صحابہ کو جزیہ ادا کرنے والے یہودیوں کی عورتوں کو زدوکوب کرنے سے منع کیا تھا۔

اصل بات بس اتنی سی تھی لیکن مکتب خلافت کے محدثین نے خلیفہ ثانی کے حکم کو تقویت فراہم کرنے کے لیئے لکھ دیا کہ رسول خدا نے جنگ خیبر میں متعہ النساء سے منع کیا تھا۔

جنگ خیبر میں نہ تو کسی نے متعہ کیا تھا اور نہ ہی رحمۃ اللعالمین نے اس سے منع کیا تھا۔

مکتب خلافت سے وابستہ "بقراطوں" پر ہمیں یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے محمد حنفیہ کے دو فرزندوں کی زبانی یہ روایت تراشی کہ جب ابن عباس نے متعہ کی اجازت دی تو اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

"انک امرئو تائہ" تو ایک سرگردان انسان ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خیبر میں گدھوں کے گوشت اور نکاح متعہ کو حرام کر دیا تھا۔

شاید اس روایت کے موجد "بقراطوں" کو یہ بات بھول گئی تھی کہ حضرت علی علیہ السلام نکاح متعہ کے پرزور حامی تھے اور آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے:

لولا ان عمر نھیٰ عن المتعۃ مازنیٰ الاشقی

"اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتا تو کسی بدبخت کے علاوہ دنیا میں کوئی زنا نہ کرتا۔"

ایک اور عجیب اتفاق ملاحظہ فرمائیں کہ جن لوگوں نے محمد حنفیہ کے فرزندوں کی زبانی حرمت متعہ کی روایت تخلیق کی ہے انہوں نے محمد حنفیہ کے فرزندوں کی زبانی یہ بھی کہلوایا کہ حضرت علی نے اپنے فرزند محمد حنفیہ کو یہ نصیحت کی تھی کہ فرزند! حج افراد بجالانا اور عمرہ علیحدہ ادا کرنا۔

معلوم ہوتا ہے کہ دونوں روایات فرد واحد کی تخلیق شدہ ہیں۔

(۲) حضرت ابوذرؓ سے مروی دونوں روایات یعنی متعہ الحج صرف اہم اصحاب محمدؐ کے لیے مخصوص تھا اور ہمیں ہی اس کی اجازت دی گئی تھی اور اسی طرح سے ان سے متعہ النساء کے لیے یہ الفاظ روایت کیئے گئے کہ متعہ النساء صرف ہم اصحاب محمد کے لیے

تین دنوں کے لیے حلال ہوا تھا اس کے بعد رسول خداؐ نے اس سے منع کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں ابوذر کی زبان سے یہ جملے کہلائے گئے کہ متعہ ہمارے خوف اور ہماری جنگ کے لیئے تھا۔

ایک عجیب مرحلہ فکر یہ ہے کہ متعہ الحج کی روایت کے راوی ابراہیم تیمی اور عبدالرحمٰن بن اسود ہیں اور متعہ النساء کی روایت کے راوی بھی یہی دونوں افراد ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی روایت تراشنے والے نے اپنے مکتب فکر کو سہارا دینے کے لیئے دونوں روایات تراشی ہیں۔

(۴،۳) جہاں تک سبرہ جہنی کی روایت کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ کی صحیح روایت وہ ہے جسے ہم نے باب کے آغاز میں مسلم، احمد اور بیہقی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس نے بنی عامر کی ایک عورت سے اپنی چادر کے عوض متعہ کیا تھا اور اس عورت کے ساتھ تین دن بسر کیئے تھے۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اعلان کیا تھا۔

من کان عندہ شیٔ من ھذہ النساء التی یتمتع بھا فلیخل سبیلھا.

جس کسی کے پاس کوئی متعہ والی عورت ہو تو وہ اس سے علیحدگی اختیار کرلے۔

آنحضرت کے اس فرمان کا سیدھا سا مطلب یہی ہے کہ اب ہمیں مدینہ واپس جانا ہے لہذا اب تم کوچ کی تیاری کرو۔

جب حضرت عمر نے متعہ پر پابندی عائد کی تو اس پابندی کے اعلان کے کئی برس بعد مکتب خلفاء کی طرف سے جب روایت سازی کی مہم چلائی گئی تو سبرہ جہنی کی اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کر کے خلیفہ ثانی کے موقف کی تائید کی گئی۔

انھا حرام من یو مکم ھذا الی یوم القیامۃ،

"یعنی یہ عورتیں آج سے لے کر روز قیامت تک تمہارے لیئے حرام ہیں۔"

سبرہ جہنی کی طرف منسوب اس روایت سے یہ تاثر ابھارنے کی کوشش کی گئی کہ فتح مکہ کے موقع پر متعہ حرام کیا گیا تھا' جب کہ ہم نے سابقہ روایات میں پڑھا کہ متعہ جنگ خیبر میں حرام کیا گیا تھا۔ بعض روایات میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ متعہ حجۃ الوداع میں حرام

کیا گیا اور کچھ اور دوسری روایات میں یہ باور کرایا گیا ہے کہ متعہ جنگ اوطاس میں حرام کیا گیا۔

متعہ کی حرمت کی روایات میں شدید تضاد پایا جاتا ہے اور اس طرح کے تضاد سے پوری شریعت اسلامی کی صحت پر ہی سوالیہ نشان لگتا ہے۔ چنانچہ مکتب خلفاء کے "عبقریوں" نے اس تضاد کو دور کرنے کے لیئے یہ نظریہ پیش کیا کہ متعہ صدر اسلام میں کئی بار حلال ہوا اور کئی بار حرام ہوا۔ جس کی تفصیل کچھ یہ ہے۔

متعہ کا دو یا دو سے زیادہ بار حلال اور حرام ہونا

مسلم نیشاپوری نے اپنی صحیح میں ایک باب کا عنوان یہ قائم کیا نکاح متعہ کا باب اور اس بات کا بیان کہ اسے حلال کیا گیا پھر منسوخ کیا گیا۔ پھر حلال کیا گیا اور پھر منسوخ کیا گیا اور اس کی منسوخی کا حکم قیامت تک کے لیئے قائم رہا۔ (صحیح مسلم، کتاب النکاح صفحہ ۱۰۲۲)

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا:

شافعی علماء کے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ متعہ حلال کیا گیا' پھر منسوخ ہوا پھر حلال کیا گیا اور پھر منسوخ کیا گیا۔ یعنی متعہ دو بار حلال ہوا اور دو بار حرام ہوا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ا صفحہ ۴۷۴ در تفسیر (فما استمتعتم)

ابن عربی نے کہا۔ متعہ دو مرتبہ منسوخ ہوا' پھر حرام قرار دیا گیا اور زمخشری نے بھی کشاف میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (تفسیر کشاف جلد ا صفحہ ۵۱۹)

کچھ دوسروں نے کہا کہ متعہ دو سے زیادہ بار منسوخ ہوا۔(۱)

جی ہاں اگر ایک چیز کئی بار حلال ہو سکتی ہے اور کئی بار حرام ہو سکتی ہے۔ جیسے غیر علمی نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر متضاد روایات کے باہمی تناقض کو دور کرنے کے لیئے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ متعہ کی حلت و حرمت دو مرتبہ تک محدود نہیں تھی بلکہ ایک ہی مسئلہ کو اللہ نے کئی بار حلال کیا اور کئی بار حرام کیا۔ البتہ ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو کون سی مجبوری لاحق تھی کہ وہ ایک ہی چیز کو بار بار حلال و حرام کیوں کرتے رہے؟!

قرطبی نے ابن عربی کے قول کو نقل کرنے کے بعد کہا:

اس کے علاوہ احادیث جمع کرنے والے علماء نے کہا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) ابن رشد کے قول کے مطابق متعہ پانچ مرتبہ حلال ہوا اور پانچ مرتبہ منسوخ ہوا۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۶۳)

متعہ سات بار حلال ہوا اور سات بار حرام ہوا۔ چنانچہ ابن عمرہ نے روایت کی کہ متعہ صدر اسلام میں حلال تھا۔ سلمہ بن اکوع نے کہا کہ متعہ جنگ اوطاس میں حلال ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ متعہ خیبر میں حرام ہوا۔ ربیع بن سبرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے وقت متعہ کی اجازت دے دی گئی تھی۔

یہ تمام روایات صحیح مسلم میں موجود ہیں۔ کچھ محدثین نے حضرت علیؑ سے روایت کی کہ متعہ کو غزوہ تبوک میں ممنوع قرار دیا گیا۔ سنن ابی داؤد میں ربیع بن سبرہ کی روایت میں سے میرے نزدیک یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ عمرو نے حسن سے روایت کی نہ اس سے پہلے متعہ حلال ہوا تھا اور نہ اس کے بعد۔ اور اس نے سبرہ سے بھی روایت کی ہے۔ یہ سات مقامات ہیں جن میں متعہ حلال کیا گیا اور پھر حرام کیا گیا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۱۳۰۔۱۳۱)

یوں کتب خلافت سے وابستہ لوگوں کو بزعم خویش صحیح کتابوں کی روایات کے تحت ایک حکم شرعی کو سات بار حلال اور سات بار حرام ماننا پڑا' اور ابن قیم نے تو حد کر دی' اس نے کہا:

وهذا النسخ لا عهد بمثله في الشريعة البتة' ولا يقع مثله فيها. (زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۲۰۴)

''اس نسخ کی شریعت میں کوئی مثال نہیں ملتی اور دنیائے شریعت میں اس کی مثال واقع نہیں ہوگی۔''

بلیغ بیان اور نسخ و منسوخ کو اچھی طرح سمجھنے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ متعہ کا تعلق شریعت کے عجیب مسائل سے ہے کیونکہ یہ دو بار منسوخ ہوا ہے۔

(شرح ترمذی جلد ۵ صفحہ ۴۸۔۵۱)

دعوتِ فکر

قارئین آپ نے یہ روایات پڑھی ہیں جن میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ متعہ عہد رسالت میں ہی منسوخ ہوا تھا لیکن جب حضرت عمر کا یہ سرکاری فرمان دکھائی دیتا ہے تو یہ تمام روایات دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور صاف دکھائی دینے لگتا ہے کہ یہ روایات

"ایجاد بندہ" ہیں اور یہ کسی "نظریہ ضرورت" کی پیداوار ہیں۔

حضرت عمر نے کہا تھا:

متعتان کانتا علی عهد رسول الله أناأنهیٰ عنهما، متعة النساء ومتعة الحج.

"دو متعے عہد رسول میں رائج تھے اور میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں اور وہ ہیں متعہ النساء اور متعہ الحج"

- ایک دوسری روایت میں "واحرمھما" کے الفاظ بھی موجود ہیں، یعنی میں انہیں حرام قرار دیتا ہوں۔

حضرت جابر نے فرمایا:

استمتعنا علی عهد رسول الله و ابی بکر و عمر.

"ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر و عمر کے عہد میں متعہ کیا۔"

دوسری روایت میں ہے:

حتی اذا کان فی اخر خلافة عمر.

"یہاں تک کہ عمر کی خلافت کے آخر میں اس سے روکا گیا۔"

ایک اور روایت میں جابر نے کہا:

کنا نستمتع بالقبضة من التمر و لد قیق الایّام علی عهد رسول الله و ابی بکر حتی نهیٰ عنه فی شان عمر وبن حریث (مذکورہ روایات کے مصادر سابقہ صفحات میں کیئے جا چکے ہیں۔)

"ہم رسول خدا اور ابوبکر کے عہد میں کھجوروں کی مٹھی یا آٹے کی مٹھی کے عوض کئی دن کے لیئے متعہ کیا کرتے تھے، پھر عمرو بن حریث کے واقعہ کی وجہ سے اس سے روک دیا گیا۔"

قارئین کرام! چند لمحات کے لیئے رک جائیں اور سوچیں اگر کتب خلافت کے پیروکاروں کی بیان کردہ یہ روایات سچی ہوتیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد میں ہی متعہ منسوخ ہو گیا تھا تو پھر حضرت عمر متعہ بند کرنے کی ذمہ داری اپنی گردن پر کیوں ڈالتے۔ وہ تو آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ متعہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بند کیا تھا

میں اس پر پابندی تھوڑی لگا رہا ہوں۔

ابن زبیر کے عہد حکومت تک کسی صحابی اور تابعی کو مذکورہ روایات کا کوئی علم نہیں تھا' ورنہ وہ وہ حضرت عمر کی تائید کے لیئے ان روایات کی بیان کرتے اور حضرت عمر خود ہی انہیں گواہی کے لیئے پیش کرتے۔ لیکن انہوں نے کسی صحابی کو گواہی کے لیئے پیش نہیں کیا۔ بعد میں عہد عثمان اور عہد معاویہ میں بھی اس مسئلہ پر معرکتہ الآراء بحثیں ہوئیں' لیکن کسی صحابی اور تابعی نے عہد رسالت کے متعلق یہ گواہی نہیں دی کہ متعہ عہد رسالت میں منسوخ کر دیا گیا تھا' جب کہ ابن عباس، جابر اور ابن مسعود جیسے بزرگ صحابہ اسے برسر عام سنت رسول کہتے تھے اور انہیں اپنی صداقت پر اتنا ناز تھا کہ انہوں نے ابن زبیر سے کہا تھا کہ جا کر اپنی والدہ سے یہ مسئلہ پوچھ لو۔

حضرت علیؑ اور ابن عباس نے ببانگِ دہل یہ کہہ دیا تھا:

لولا نهيٰ عمر عن المتعة لمازني الا شقي.

"اگر عمر نے متعہ سے نہ روکا ہوتا تو کسی بدبخت کے علاوہ کوئی زنا نہ کرتا۔"

جی ہاں! اس طرح کی روایات خلیفہ ثانی کی حمایت کے لیئے ایک طویل عرصہ بعد تخلیق کی گئیں' تاکہ ان کی ذات پر کسی کو تنقید کرنے کی جسارت نہ ہو۔ اسی طرح سے متعہ الحج کے متعلق بھی یار لوگوں نے احادیث تراشنے سے گریز نہیں کیا۔

مکتب خلفاء میں حدیث سازی کو کار خیر سمجھا جاتا ہے

مکتب خلفاء میں وضع حدیث کو ایک معمول کی کاروائی سمجھا جاتا ہے اور اس کام میں بڑے نیک سیرت قسم کے بزرگ بھی شامل ہیں۔ ایسے ہی "نیک دل" بزرگوں نے قرآنی سورتوں کے فضائل کے لیئے احادیث تراشی تھیں اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان احادیث کو تراش کر کار خیر سرانجام دے رہے ہیں جیسا کہ تقریب نواوی میں ہے۔ (۱)

---

(۱) حافظ محی الدین نواوی نے "تقریب التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر" نامی کتاب تالیف کی تھی۔ اور جلال الدین سیوطی نے اس کی شرح لکھی جس کا نام "تدریب الراوی فی شرح النواوی" رکھا تھا۔ چنانچہ اسی تدریب کی جلد اصفحہ ۲۸۱۔۲۸۳ میں یہ حوالہ موجود ہے۔

"حدیث بنانے والوں کی کئی قسمیں ہیں اور ان میں سے زیادہ ضرر رساں وہ لوگ ہیں جو عابد وزاہد سمجھے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق احادیث تراش کر کار خیر انجام دیا ہے۔ لوگوں کو ان پر اعتماد تھا اسی لیئے ان کی خود ساختہ روایات کو بھی پذیرائی ملی۔"

درج بالا جملوں کی شرح کرتے ہوئے سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا:

"کار خیر سمجھ کر حدیث تراشنے کی مثالوں میں سے ایک مثال وہ ہے جسے حاکم نے اپنی سند کے ساتھ ابو عمار مروزی سے روایت کیا۔ اس نے کہا: ابو عصمہ نوح بن ابی مریم سے پوچھا گیا کہ تو نے عکرمہ کی زبانی ابن عباس سے ہر سورہ کے علیحدہ علیحدہ فضائل کیسے نقل کر لیئے' جب کہ عکرمہ کے دوسرے شاگردوں نے تو انہیں نقل نہیں کیا؟"

اس نے جواب میں کہا: میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن چھوڑ کر ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کے مغازی میں الجھ چکے ہیں' اس لیئے میں نے کار خیر سمجھ کر یہ حدیثیں تراش لیں!!

اس خبر کو نقل کرنے کے بعد زرکشی نے کہا:

مفسرین نے یہاں سے ہی یہ عادت بنالی ہے کہ وہ ہر سورہ کی ابتدا میں ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن میں اس سورہ کو پڑھنے اور حفظ کرنے کی ترغیب موجود ہوتی ہے۔ البتہ زمخشری نے سورہ کے اختتام پر فضائل کو نقل کیا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ سورتوں کے فضائل کی احادیث بنانے والا کون تھا؟

اس شخص کا نام نوح بن ابی مریم تھا اور اس کی کنیت ابو عصمہ تھی۔ وہ شہر مرو کا قاضی تھا۔ اسے "نوح الجامع" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا' کیونکہ اس نے ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ سے فقہ اور حجاج بن ارطاۃ اور اس کے طبقہ سے حدیث اور ابن اسحاق سے مغازی اور کلبی و مقاتل سے تفسیر حاصل کی تھی۔ وہ دنیاوی معاملات کی بھی خوب سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص تھا۔ اس لیئے اسے "جامع" کہا جاتا تھا۔ وہ فرقہ جہمیہ کا شدید مخالف تھا اور ان کی تردید کیا کرتا تھا۔

(تدریب الراوی جلد ا صفحہ ۲۸۲۔ البرہان فی علوم القرآن زرکشی صفحہ ۴۳۲)

حاکم نے اس کے متعلق کہا: ابو عصمہ تمام علوم میں مقدم ہے۔ وہ جامع شخصیت کا

مالک تھا۔ اسے سچ کے علاوہ ہر چیز نصیب ہوئی تھی۔۔۔

ترمذی نے اپنی سنن اور ابن ماجہ نے تفسیر میں اس سے روایات نقل کی ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۰۔۲۸۶)

تدریب الراوی، میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں مذکور ہے اور تدریب کے الفاظ یہ ہیں:

ابن مہدی سے مروی ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے میسرہ بن عبدربہ سے کہا:

تو نے اسی طرح کی احادیث کہاں سے نقل کی ہیں کہ جو فلاں سورہ یا آیت پڑھے گا تو اسے اتنا ثواب ملے گا؟

اس نے کہا: میں نے لوگوں کو قرآن کی طرف متوجہ کرنے کے لیئے یہ حدیثیں خود تیار کی ہیں' تدریب الراوی میں ہے کہ میسرہ بن عبدربہ عظیم القدر اور زاہد انسان تھا۔ وہ دنیاوی خواہشات سے کوسوں دور تھا۔ جب وہ مرا تو اس کے سوگ میں بغداد کے بازار بند ہو گئے تھے' مگر اس کے باوجود بھی وہ حدیث سازی کیا کرتا تھا۔

اس میں بہت سی تنبیہات مضمر ہیں۔

(۱) ابن عباس کی زبانی قرآن کی ہر سورت کے لیئے علیحدہ علیحدہ جو فضائل بیان کیئے گئے ہیں یہ تمام روایات میسرہ کی ایجاد کردہ ہیں' اور ابو امامہ باہلی سے مروی روایات بھی سلام بن سلیم مدنی کی ایجاد کردہ ہیں۔

لسان المیزان میں ہے:

اس نے شہر قزوین کی فضیلت میں چالیس حدیثیں بنائی تھیں اور وہ یہ کہتا تھا کہ میں نے یہ سب کچھ کار خیر سمجھ کر کیا ہے اور مجھے خدا سے جزا کی توقع ہے۔(۱)

تقریب نواوی میں ہے:

''قرآن مجید کی ہر سورہ کے لیئے علیحدہ علیحدہ فضائل کی وہ روایات جو ابی بن کعب سے منقول ہیں وہ روایات بھی خود ساختہ ہیں۔''

---

(۱) ہم نے میسرہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ تدریب الراوی جلد ۱ صفحہ ۲۸۳، ۲۸۹ اور میزان الاعتدال اور لسان المیزان جلد ۶ صفحہ ۱۳۸۔۱۴۰ سے ماخوذ ہے۔

مذکورہ بالا جملے کی شرح کرتے ہوئے سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا:

جب ایک شیخ نے اس طرح کی روایت بیان کی تو راوی نے اس سے روایت کا سرچشمہ دریافت کیا۔ اس نے دوسرے شیخ کا نام لیا۔ مگر راوی بات کی تہ تک پہنچنا چاہتا تھا اسی لیئے اسے کبھی مدائن جانا پڑا، کبھی واسط گیا اور کبھی بصرہ گیا اور آخرکار وہ آخری راوی کے پاس پہنچ گیا اور اس نے اس سے پوچھا کہ اس نے وہ حدیث کس سے سنی تھی؟

شیخ نے کہا:

مجھ سے یہ حدیث کسی نے بیان نہیں کی تھی۔ جب ہم نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے منحرف ہو چکے ہیں تو ہم نے یہ حدیث اپنی طرف سے بنائی تا کہ ان کے دل قرآن کی طرف مائل ہو سکیں۔

اس کے بعد سیوطی رقم طراز ہیں:

مجھے اس شیخ کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ ابن جوزی نے موضوعات میں بزیع بن حسان کے طریق سے اس کی سند کے ساتھ ابی سے نقل اس طرح کی روایات نقل کی اور کہا: یہاں آفت بزیع کی لائی ہوئی ہے۔

پھر اس نے ایسی ہی روایت مخلد بن عبدالواحد کے طریق سے نقل کی اور کہا کہ یہاں آفت مخلد کی لائی ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک حدیث تیار کرتا تھا اور دوسرا اسے چوری کرتا تھا یا پھر دونوں نے اس روایت کو اس حدیث گھڑنے والے شیخ سے چوری کیا۔ اور ثعلبی، واحدی، زمخشری اور بیضاوی نے اس طرح کی روایات نقل کر کے غلطی کی ہے۔

(تدریب الراوی جلد ۱ صفحہ ۲۸۸۔۲۸۹)

تدریب الراوی میں ہے:

ابو داؤد نخعی رات کے وقت طویل قیام کرتا تھا اور دن کو اکثر روزہ رکھا کرتا تھا اور وہ حدیثیں بناتا تھا۔

ابن حبان نے کہا:

ابو بشر احمد بن محمد فقیہ مروزی اپنے دور میں سنت کا سخت پابند اور سنت کا سب سے

زیادہ دفاع کرنے والا اور سنت کے مخالفین کا سب سے زیادہ قلع قمع کرنے والا تھا اور وہ حدیثیں تیار کرتا تھا۔

ابن عدی نے کہا:

وہب بن حفص نیک لوگوں میں سے تھا۔ اس نے پورے بیس برس تک کسی سے گفتگو تک نہیں کی تھی مگر وہ سخت جھوٹا تھا۔ (تدریب الراوی جلد ۱ صفحہ ۲۸۳)

مکتب خلفاء سے وابستہ ان نام نہاد نیک اور عابد وزاہد اور تارک الدنیا افراد نے قرآن حکیم کی سورتوں اور سرحدی شہروں کے فضائل میں اپنی طرف سے احادیث بنائی تھیں اور انہوں نے اپنی وضع کردہ کچھ احادیث کا اعتراف بھی کیا تھا۔ مگر ان کے اعتراف کے باوجود ان کی ایجاد کردہ احادیث کتب تفسیر میں داخل ہو گئیں۔

اسی طرح سے مکتب خلفاء کے محدثین ورواۃ نے خلفاء کے افعال کا دفاع کرنے کے لیئے متعہ الحج اور متعہ النساء کی مخالفت میں بھی اپنی طرف سے احادیث سازی کی۔ اور ہم یہ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ متعہ النساء کے متعلق حدیث سازی ابن زبیر کے عہد کے بعد اور عہد تدوین حدیث سے قبل عمل میں لائی گئی۔ اور یہ کار خیر بھی نام نہاد صلحائے امت نے سرانجام دیا۔ مگر ایک پرانی ضرب المثل ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یا دروغ گو حافظہ ندارد اسی لیئے نام نہاد رواۃ حدیث نے حرمت متعہ کی حدیثیں تو ضرور گھڑی ہیں لیکن وہ حرمت متعہ کا زمانہ اور وقت مقرر کرنے سے قاصر رہے اور ان میں سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ ڈفلی بجائی۔ مثلاً ایک نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جنگ خیبر میں متعہ سے ممانعت کی تھی۔

دوسرے نے کہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عمرۃ القضا میں متعہ کو ممنوع قرار دیا تھا۔ تیسرے نے کہا: تمہیں تو کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے وقت متعہ پر پابندی عائد کی تھی؛ چوتھے نے کہا: بالکل غلط، متعہ کو اوطاس میں حرام قرار دیا گیا۔

پانچویں نے کہا: تم سب جھوٹے ہو۔ متعہ پر تبوک میں بندش عائد کی گئی تھی۔

چھٹے نے کہا: ہر گز نہیں، متعہ پر حجۃ الوداع میں پابندی عائد کی گئی تھی۔۔۔ (۱)

---

(۱) ابن حجر نے فتح الباری میں متعہ کی حرمت وحلت کے سلسلہ کو اس طرح سے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۱ صفحہ ۷۳)

الغرض چھ سات قسم کی روایات بنا کر "صالحین" نے امت اسلامیہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ متعہ کبھی بھی طویل عرصہ کے لیئے حلال نہیں ہوا۔ بس فلاں فلاں وقت چند دنوں کے لیئے حلال ہوا تھا پھر منسوخ کر دیا گیا۔ اسی لیئے خلیفہ ثانی نے اس کو حرام قرار دے کر اس پر پابندی عائد کردی تھی۔

"صالحین" نے تو روایت سازی کی لیکن محدثین نے جب اس واضح تضاد کو دیکھا تو انہوں نے بھی اس کی کچھ اس طرح سے توجیہ پیش کی جس سے اسلامی شریعت کی ہی توہین ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کہا: متعہ دو مرتبہ حلال ہوا اور دو مرتبہ منسوخ ہوا۔

بعض حضرات نے کہا: متعہ سات بار حلال ہوا اور سات بار حرام ہوا۔

ان محدثین نے "صالحین" کی خود ساختہ روایات کا انکار کرنے کی بجائے اپنے لیئے ایک مشکل راستہ اپنایا۔ انہوں نے شریعت اسلام کی توہین کی تو کوئی پرواہ نہ کی البتہ اپنے ممدوح کے فرمان کو تحفظ دینے کی ہر ممکن کوشش کی' اور مکتب خلفاء کے علماء نے ایسی ہی خود ساختہ اور ایجاد بندہ قسم کی احادیث کو نکاح متعہ کی حرمت کے لئے بطور دلیل پیش کیا۔ ایک ایسا ہی واقعہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں پیش آیا اور متعہ کی حلت و حرمت کے متعلق یحیٰ بن اکثم اور مامون الرشید میں کچھ گفتگو ہوئی۔ اس واقعہ کو ابن خلکان نے محمد بن منصور کی زبانی یوں نقل کیا۔(۱)

---

(۱) یحیٰ بن اکثم مروزی کا تعلق اکثم بن صیفی تمیمی اسیدی کی نسل سے تھا۔ متوکل عباسی نے اسے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز کیا تھا اور اس کے متعلق لوگوں میں یہ شہرت عام تھی کہ وہ قوم لوط کا فعل سرانجام دیتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا تھا۔

حتیٰ تصلح الدنیا ویصلح اهلها   وقاضی قضاة المسلمین بلوط

"دنیا اور اہل دنیا کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے جب کہ مسلمانوں کا قاضی القضاۃ لواطت کرتا ہے۔"

ایک اور شاعر نے کہا تھا:

قاضٍ یری الحد فی الزناء ولا   یریٰ علی بلوط من باس

"قاضی زنا پر تو حد شرعی کا قائل ہے لیکن لواطت کو کوئی عیب تصور نہیں کرتا۔"

۲۴۲ھ میں حج میں سے عراق آتے ہوئے اس نے ربذہ میں وفات پائی۔ (وفیات الاعیان جلد ۵ صفحہ ۱۹۷-۲۱۳)

ایک مرتبہ ہم مامون کے ساتھ شام جا رہے تھے اس نے متعہ کے حلال ہونے کا اعلان کرایا۔

یحییٰ بن اکثم نے مجھ سے اور ابوالعیناء سے کہا کہ کل صبح سویرے تم مامون کے پاس جانا اگر تم موقعہ اور ماحول مناسب پاؤ تو اس سے گفتگو کرنا ورنہ میرے آنے تک خاموش رہنا۔

دوسری صبح ہم اس کے پاس گئے تو اس وقت وہ مسواک کر رہا تھا اور بڑے غصہ سے حضرت عمر کے فرمان کو دہرا رہا تھا۔

"دو متعے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ابوبکر کے عہد میں رائج تھے اور ان پر پابندی عائد کرتا ہوں۔"

پھر مامون نے کہا:

اے جھگڑالو شخص! تو کون ہوتا ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابوبکر کے احکام کو منسوخ کرنے والا۔ جب ہم نے اس کی زبانی یہ جملے سنے تو ہمیں اس سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اتنے میں یحییٰ بن اکثم آیا۔ وہ آ کر دربار میں بیٹھا۔ مامون نے یحییٰ سے کہا:

کیوں خیریت سے تو ہے۔ آج تو مجھے بدلا بدلا سا دکھائی دیتا ہے؟

اس نے کہا: امیر المومنین! مجھے اسلام کا غم کھائے جا رہا ہے۔ ایک نئی چیز اسلام میں داخل ہو گئی ہے۔

مامون نے کہا: کون سی نئی چیز اسلام میں داخل ہوئی ہے؟

یحییٰ نے کہا: زنا کے حلال ہونے کا اعلان ہو چکا ہے۔

مامون نے کہا: کیا زنا کے حلال ہونے کا اعلان ہوا ہے؟

یحییٰ نے کہا: جی ہاں! متعہ بھی تو زنا ہی ہے۔

مامون نے کہا: تیرے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟

یحییٰ نے کہا: اللہ کی کتاب اور رسول مقبول کی حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ. اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ. فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ٥ (المومنون)

''مومن اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے ان کے متعلق وہ لائق ملامت نہیں ہیں۔ جو کوئی اس کے علاوہ کوئی اور راستہ چاہے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔''

امیر المومنین! ذرا یہ تو بتائیں کہ کیا متعہ والی عورت کنیزوں میں شامل ہے؟

مامون نے کہا: نہیں۔

یحییٰ نے کہا: تو کیا متعہ والی بیوی خدا کے ہاں ان بیویوں میں شامل ہے جو شوہر سے میراث پاتی ہیں اور ان کے شوہر ان سے میراث حاصل کرتے ہیں اور کیا اسے بیویوں والے تمام حقوق میسر ہیں؟

مامون نے کہا: نہیں۔

یحییٰ نے کہا: تو اس سے ثابت ہوا کہ متعہ کی بیوی نہ تو کنیزوں میں شامل ہے اور نہ ہی ازواج میں شامل ہے اور قرآن کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ کنیزوں اور ازواج کے علاوہ باقی ہر طرح کی عورت سے جنسی تعلقات حرام ہیں۔

امیر المومنین! زہری نے محمد بن حنفیہ کے دو فرزندوں عبداللہ اور حسن نے حضرت علیؑ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں متعہ کے حرام ہونے کی منادی کروں' جب کہ پہلے وہ حلال تھا۔

اس کے بعد مامون ہماری طرف متوجہ ہوا اور کہا کیا زہری کی یہ حدیث محفوظ ہے؟

ہم نے کہا: جی ہاں' امیر المومنین! ایک جماعت نے اسے روایت کیا جن میں مالک بھی شامل ہے۔

مامون نے کہا: میں خدا سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ تم متعہ کی حرمت کا اعلان کر دو۔

چنانچہ حکومت کے منادیوں نے اس کا اعلان کیا۔

ابواسحاق اسماعیل بن حماد بن زید بن درہم ازدی القاضی فقیہ مالکی بصری کے سامنے یحییٰ بن اکثم کا ذکر چھڑا تو اس نے اس کی عظمت کو بے حد سراہا اور اس نے کہا کہ اس نے اسلام کی عظیم خدمت کی تھی۔ پھر اس نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔(۱)

مکتب خلفاء کے علما مباحثہ میں مذکورہ بالا احادیث پیش کرتے ہیں اور جب ان کے سامنے حضرت عمر کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خود کہا تھا۔

"دو متعے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد میں رائج تھے اور میں ان پر پابندی عائد کر رہا ہوں اور خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دوں گا۔"

اس وقت انہیں تمام مصنوعی روایات بھول جاتی ہیں اور یہ کہنے لگ جاتے ہیں خلیفہ نے اس مسئلہ میں اجتہاد کیا تھا۔ خدا اور اس کے رسول کا فرمان اپنی جگہ پر دُرست ہے لیکن خلیفہ کا اجتہاد بھی اپنی جگہ پر مسلم ہے!!!(۲)

خلاصہ بحث

حضرت عمر سے یہ قول بہ طریق متواتر منقول ہے کہ انہوں نے کہا تھا:

" متعتان کا نتا علی عهد رسول الله وانا انهی عنهما واعاقب علیهما"

"رسول اکرم کے زمان میں دو متعے رائج تھے اور میں ان سے روک رہا ہوں اور ان پر عمل کرنے والے کو سزا دوں گا۔"

سابقہ صفحات میں متعہ الحج کی بحث گذر چکی ہے۔ مکتب خلفاء کے نزدیک متعہ النساء کی تعریف یہ ہے:

کوئی شخص ایک مخصوص عرصے کے لئے کسی عورت سے دو گواہوں کی موجودگی اور ولی کی اجازت سے نکاح کرے اور جس حق مہر پر زوجین کا اتفاق ہو وہ حق مہر عورت کے سپرد

(۱) وفیات الاعیان نشر مکتبۃ النہضۃ المصریہ طبع مطبعۃ السعادۃ ۱۹۴۹ء جلد ۵ صفحہ ۱۹۹۔۲۰۰

(۲) شرح ابن ابی الحدید معتزلی جلد ۳ صفحہ ۳۶۳ در جواب طعن ہشتم۔

کرے اور جب مقررہ میعاد ختم ہو جائے تو مرد کا عورت پر حق نہیں رہتا اس کی عدت ایک ماہواری تک ہوگی اور زوجین ایک دوسرے سے میراث حاصل نہ کریں گے۔ متعہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے والد کا جائز وارث ہوگا۔ اگر مقررہ مدت کے بعد بھی وہ مزید عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ بسر کرنا چاہیں تو شوہر عورت کو دوسرا حق مہر ادا کرے گا۔ ایسے ہی نکاح کو اسلامی شریعت میں متعۃ النساء کہا جاتا ہے۔

مکتب اہل بیت میں متعہ کی تعریف یہ ہے کہ عورت خود یا اس کا ولی یا اس کا مقرر کردہ وکیل کسی ایسے مرد سے نکاح کرے جس سے شریعت میں نکاح کرنا جائز ہو اور نکاح میں نسب، سبب، رضاعت، عدت یا احصان کی کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ اس میں حق مہر کو مقرر کیا جائے اور اس کے ساتھ مدت بھی طے کی جائے تو ایسے نکاح کو نکاح متعہ کہا جاتا ہے۔ اور جب مقرر کردہ مدت ختم ہو جائے تو دونوں میں از خود جدائی واقع ہو جائے گی۔ یا شوہر بقیہ وقت عورت کو معاف کر دے تو بھی دونوں میں جدائی واقع ہو جائے گی۔ اگر دخول ہوا ہو اور عورت سن یاس کو نہ پہنچی ہو تو جدائی کے بعد عورت دو طہر تک عدت میں رہے گی اور اگر اسے خون نہ آتا ہو اور وہ یائسہ ہو تو اس کے لیے پینتالیس دن کی عدت ہوگی۔ اور اگر شوہر نے دخول نہ کیا ہو تو وہ مطلقہ قبل الدخول کے حکم میں ہوگی اور اس پر کوئی عدت نہیں ہوگی۔ اور نکاح متعہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے کو وہ تمام حقوق میسر ہوں گے جو نکاح دائم سے پیدا ہونے والے بچے کو حاصل ہوتے ہیں۔

کتاب اللہ میں نکاح متعہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

فَمَا استمتعتم به منهن فاٰتو هن اجور هن فريضة ولا جنا ح
عليكم فيما ترا ضيتم به من بعد الفريضة. (النساء۔۲۴)

"پس جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہے ان کی مقرر کردہ اجرت ان کے سپرد کرو اور اگر فریضہ کے بعد آپس میں تمہاری رضامندی ہو جائے تو اس میں باہمی رضامندی سے کم و بیش کر سکتے ہو۔"

ابن عباس کے مصحف میں "إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى" کے الفاظ تھے اور ابی بن کعب اور ابن عباس، سعید بن جبیر اور سدی بھی اسے ایسے ہی پڑھتے تھے اور قتادہ اور مجاہد نے بھی اس کی ایسے ہی روایت کی ہے۔

حدیث رسول اور متعۃ النساء

عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے اس بات کی اجازت دی کہ کسی کپڑے کے عوض ایک خاص مدت کے لئے عورت سے نکاح کیا جائے' پھر ابن مسعود نے قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا. (المائدہ ۸۷)

"اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں' تم انہیں حرام نہ کرو اور تجاوز نہ کرو۔"

جابر اور سلمہ بن اکوع سے منقول ہے کہ رسول خدا کی طرف سے ندا دینے والا ہمارے پاس آیا اور کہا:

ان رسول الله قد اذن لكم ان تستمتعوا ، يعني متعة النساء.

"رسول خداؐ نے تمہیں متعہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ یعنی متعۃ النساء کی اجازت دی ہے۔"

سبرۃ الجہنی کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ میں اور ایک اور شخص بنی عامر کی ایک عورت کے پاس گئے۔ ہم نے اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا: تم کیا دو گے؟ میں نے کہا: میں حق مہر میں اپنی چادر دوں گا۔..........اس نے کہا کہ تو اور تیری چادر میرے لئے کافی ہے۔ میں نے اس عورت کے ساتھ تین دن بسر کئے۔ پھر رسول خداؐ نے فرمایا:

جس کے پاس متعہ کی کوئی عورت موجود ہو تو وہ اس سے علیحدہ ہو جائے' ابوسعیدی

خدری نے کہا: ہم رسول خداؐ کے عہد میں ایک کپڑے کے عوض متعہ کیا کرتے تھے۔

"اسماء بنت ابی بکر نے کہا کہ ہم نے عہد پیغمبر میں متعہ کیا تھا۔

جابر سے منقول ہے کہ ہم مٹھی برابر کھجور یا آٹے کے عوض رسول خداؐ اور ابو بکر و عمر کے عہد میں کئی دنوں کے لئے متعہ کیا کرتے تھے' حضرت عمر کی خلافت کے آخری عرصہ میں عمرو بن حریث نے ایک عورت سے متعہ کیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ حضرت عمر کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے متعہ سے منع کر دیا۔

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا کہ عمرو بن حوشب نے بنی عامر بن لوئی کی ایک کنواری لڑکی سے متعہ کیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔

حضرت عمر نے کہا: یہ لوگ متعہ کرتے وقت عادل گواہ کیوں مقرر نہیں کرتے؟ جس شخص نے آئندہ متعہ کیا اور اس کے گواہ مقرر نہ کئے تو میں اس میں اس پر حد شرعی نافذ کروں گا۔

لوگوں نے حضرت عمر کی یہ بات پلے باندھ لی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف نے ایک کنیز زادی سے دو عورتوں کی گواہی میں متعہ کیا۔ وہ حاملہ ہوگئی۔ حضرت عمر منبر پر آئے اور کہا اگر میں نے حرمت متعہ کا اعلان اس سے قبل کیا ہوتا تو میں اسے سنگسار کر دیتا۔

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمہ بن امیہ نے حکیم بن امیہ کی کنیز سے متعہ کیا جس سے بچہ پیدا ہوا۔ اور مسلمہ نے بچے کا انکار کر دیا اس لئے حضرت عمر نے متعہ پر پابندی عائد کر دی اور کہا اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص اور لایا گیا جس نے کسی عورت سے متعہ کیا ہوگا اگر متعہ کرنے والا شادی شدہ ہوا تو میں اسے سنگسار کر دوں گا اور اگر کنوارا ہوا تو میں اسے کوڑے سے ماروں گا۔

حضرت عمر کی پابندی کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں متعہ حرام قرار دیا گیا اور حضرت عمر اپنی تحریم پر پوری زندگی بضد رہے۔ ایک مرتبہ عمران بن سوادہ اپنی نصیحت کرنے گئے تو حضرت عمر نے انہیں خوش آمدید کہا۔

عمران بن سوادہ نے ان سے کہا کہ امت کو آپ پر کچھ اعتراض ہیں' ان میں سے

ایک اعتراض تو یہ ہے کہ آپ نے حج کے مہینوں میں عمرہ کو حرام قرار دے دیا' جب کہ رسول خداؐ اور حضرت ابوبکر نے اس سے کوئی ممانعت نہیں کی تھی۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے کہا: اگر میں حج کے مہینوں میں لوگوں کو عمرہ کی اجازت دے دوں تو یہ عمرہ کو ہی اپنے لئے کافی سمجھنے لگ جائیں گے' اور ایام حج میں مکہ حاجیوں سے خالی دکھائی دے گا اور میں نے یہ پابندی عائد کر کے درست کیا ہے۔

عمران بن سوادہ نے کہا: امت کو آپ پر ایک اعتراض یہ ہے کہ آپ نے متعۃ النساء کو حرام قرار دیا' جب کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک رخصت تھی۔ ہم مٹھی بھر کھجور یا آٹا دے کر متعہ کرتے تھے اور پھر تین دن کے بعد ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے تھے۔

حضرت عمر نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے احتیاج کے زمانہ میں حلال کیا تھا۔ پھر لوگوں کو وسعت مل گئی اور اب اگر کوئی چاہے تو ایک مٹھی کھجور حق مہر میں دے کر مستقل نکاح کرلے اور تین دنوں کے بعد طلاق دے کر عورت سے علیحدہ ہو جائے۔

مؤلف کہتا ہے کہ مکہ کے خالی رہنے کا بہانہ بنا کر متعۃ الحج کو حرام قرار دینا کسی لحاظ سے بھی درست نہیں ہے۔

اور جہاں تک متعۃ النساء کا تعلق ہے تو کیا سفر صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں ہی ہوا کرتا تھا۔ جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں متعہ کی اجازت عطا کی تھی' اور کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد انسانوں کو سفر کی ضرورت باقی نہیں رہی؟

اگر آج بھی انسان مہینوں بلکہ بعض سالہا سال تک سفر میں رہ رہے ہیں تو آج کا مسافر انسان کیا کرے؟

علاوہ ازیں ایسے انسان بھی موجود ہیں جو اپنے وطن میں رہ کر بھی چند مجبوریوں کے تحت عقد دائم کرنے سے قاصر ہوتے ہیں تو ایسے افراد کے لیئے اسلام کا حکم کیا ہے؟

کیا ایسے افراد معاشرہ میں رہ کر خیانت کرتے رہیں یا جدید معاشروں کی طرح سے انہیں زنا کی کھلی چھٹی دے دی جائے؟

خلیفہ صاحب نے اس کا جو حل تجویز کیا ہے وہ کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر میاں بیوی پہلے سے اس بات پر رضا مند ہوں کہ وہ تین دنوں کے بعد ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں گے تو اس معاہدہ کو تو متعہ کہا جاتا ہے اور اگر شوہر کی یہ نیت ہو کہ میں تین دن بعد اپنی بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دوں گا اور بیوی کو اس کی نیت کا علم نہ ہو تو یہ عورت کے ساتھ غداری اور خیانت ہے اور اسلام اس غداری کو تسلیم نہیں کرتا۔

خلیفہ دوم کا یہ مکالمہ اور متعہ کے متعلق ان کے دیگر احکامات اور صحابہ کے بیانات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حرمت متعہ کی روایات حضرت عمر کے بعد یار لوگوں نے تراشی تھیں اور اگر مذکورہ روایات کا کہیں نام ونشان ہوتا تو حضرت عمر ان روایات کو راویوں سمیت لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور صحابہ یہ بات کبھی نہ کہتے کہ متعہ پر پابندی عمر بن خطاب نے عائد کی تھی۔ اس لیئے حضرت علیؑ اور ابن عباس کہا کرتے تھے کہ اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتا تو کسی بدبخت کے علاوہ دنیا میں کوئی زنا نہ کرتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد درج ذیل صحابہ متعہ کو حلال سمجھتے تھے:

۱۔ حضرت علی علیہ السلام	۲۔ عبداللہ بن مسعود
۳۔ عبداللہ بن عباس	۴۔ اسماء بنت ابی بکر
۵۔ ابوسعید خدری	۶۔ جابر بن عبداللہ انصاری
۷۔ سلمہ بن امیہ	۸۔ معبد بن امیہ
۹۔ معاویہ بن ابوسفیان	۱۰۔ عمران بن حصین

تابعین میں سے طاؤس، عطاء اور سعید بن جبیر دیگر فقہائے مکہ اور جملہ فقہائے یمن متعہ کو جائز اور حلال سمجھتے تھے۔

جن لوگوں نے حضرت عمر کی پیروی کرتے ہوئے متعہ کو حرام کہا ہے ان کی دو قسمیں ہیں:

(ا) ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہ خلیفہ کی حمایت میں بنی ہوئی احادیث پر انحصار کرتے ہیں اور ان روایات کی وجہ سے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد میں ہی متعہ پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

(۲) حضرت عمر کے حامیوں کا دوسرا گروہ یہ کہہ کر خلیفہ کی حمایت کرتا ہے کہ خلیفہ نے اجتہاد کیا تھا' اور وہ خلیفہ کے اجتہاد کو دین کا درجہ دیتے ہیں۔

ہم نے اس بحث میں خلفاء کی آراء اور اسلامی احکام کے متعلق ان کے فتاویٰ کو پیش کیا۔ خلفاء کے پیروکار اپنے بزرگوں کے اس عمل کو اجتہاد کا نام دیتے ہیں۔ جب کہ ائمہ اہل بیت کے نزدیک کتاب وسنت کے مقابلہ میں اجتہاد کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ مباحث میں پیش کی جائے گی۔ ہم آئندہ مباحث میں یہ عرض کریں گے کہ عمل صحابہ اور ان کے اجتہادات کو اسلامی شریعت کے سرچشمہ کی حیثیت کیوں دی گئی؟

احادیث رسول میں واضح تضاد کیوں دکھائی دیتا ہے؟

آخر میں ہم یہ عرض کر کے متعتین کی بحث کو ختم کرتے ہیں کہ عمرہ تمتع کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دو طرح کی متضاد احادیث کتب حدیث میں دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً بعض روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے حج افراد کیا تھا اور آپؐ نے لوگوں کو حج وعمرہ کرنے سے منع کیا تھا اور اس کے علاوہ ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں بیان کیا گیا کہ آنحضرت نے حجۃ الوداع میں عمرہ تمتع کا حکم دیا تھا اور حجۃ الوداع میں شامل ان تمام افراد نے عمرہ تمتع کیا تھا جن کے ساتھ قربانیاں موجود نہیں تھیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمل پیغمبر کے متعلق روایات میں تضاد کیوں پایا جاتا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج افراد کیا تھا اور آپ نے لوگوں کو عمرہ تمتع سے منع کیا تھا، جیسی روایات خلفاء کے موقف کی تائید میں تراشی گئی ہیں کیونکہ خلفاء حج افراد کو ترجیح دیتے تھے اور وہ عمرہ تمتع کے مخالف تھے۔ اسی لیے یار لوگوں نے خلفاء کے عمل کو سند جواز فراہم کرنے کے لیئے حدیث سازی کی ہے۔

اس حقیقت کے ادراک کے بعد قاعدہ کلیہ یہ بنا کہ جب بھی ہمیں دو متضاد احادیث دکھائی دیں تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان میں سے طبقہ حکام کی تائید میں کون سی حدیث ہے اور جو حدیث طبقہ حکام کی مؤید دکھائی دے تو اس حدیث کو خود ساختہ اور ایجاد بندہ سمجھنا چاہیے۔

(۷)

قرن ثانی اور اس کے بعد کا اجتہاد

اور

عمل صحابہ سے احکام کا استنباط

- اجتہاد۔اس کی حقیقت'
- اجتہاد کے خدوخال
- اجتہاد پر عمل کے صحیح ہونے کے دلائل

حقیقت اجتہاد کے متعلق ہم سابقہ صفحات میں یہ اشارہ کر چکے ہیں کہ اجتہاد دراصل عمل بالرائے کا دوسرا نام ہے۔ اور اس کا سرچشمہ صحابہ اور خلفاء کا اپنی آراء پر عمل کرنا ہے۔ اور ان کے پیروکاروں کی اقتدا ہی اجتہاد کی دلیل ہے۔ اس کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

عصر حاضر کے مشہور قانون دان اور دانشور دوالیبی [1] رقم طراز ہیں:

صحابہ کو بہت سے ایسے مسائل پیش آتے تھے جن کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی نص موجود نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت وہ اجتہاد کا سہارا لیتے تھے اور وہ اپنے اجتہاد کو لفظ "رائے" سے تعبیر کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر ایسا کرتے تھے اور حضرت عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اس بیان کے بعد دوالیبی نے اجتہاد کے جواز کے لیئے حضرت عمر کے ان خطوط کا حوالہ دیا جو انہوں نے ابوموسیٰ اشعری اور شریح کے نام روانہ کیئے تھے۔

صحابہ کے ہاں اجتہاد کے لیئے پہلے سے مقرر کردہ اصول موجود نہیں تھے اور نہ ہی ان کے ہاں اس کے لیئے کوئی معروف قسم کا میزان تھا۔ وہ اپنے اجتہاد کے لیئے اپنے ضمیر میں موجود روح شریعت سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔۔۔۔

لیکن بعد میں آنے والے علماء کے ہاں روح شریعت کی معرفت موجود نہیں تھی۔۔۔ اسی لیئے ان کے بعد اجتہاد کے محسوس انداز میں خدوخال واضح ہوئے۔۔۔۔ اور ہر دور کا اجتہاد زیادہ تر مجتہد کے ماحول سے متاثر ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے زیادہ تنازعات کا اندیشہ لاحق ہوا' اور زمانہ تنزیل اور مجتہدین کے دور میں جتنا فاصلہ بڑھتا گیا' اتنے ہی اختلافات منظر عام پر کھل کر آنے لگے۔ انہی حالات کو دیکھ کر مجتہدین کو اجتہاد کے اصول وضوابط

(۱) محمد المعروف دوالیبی لاء کالج میں اصول فقہ اور قانون رومانی کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے پیرس یونیورسٹی سے قانون میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی اور اور رومانی قوانین میں بارایٹ لا کیا اور کلیہ شرعیہ حلب سے علوم اسلامی میں ایم۔اے کیا۔ ہم نے مذکورہ اقتباسات ان کی کتاب "المدخل الی علم اصول الفقہ" سے نقل کیئے ہیں۔ مذکورہ کتاب بیروت کے مطبع دار العلم للملایین سے ۱۳۸۵ھ۔ ۱۹۶۵ء سے شائع ہوئی۔

منضبط کرنے پڑے اور انہوں نے اس علم کو علم اصول فقہ کا نام دیا اور قرن دوم کا اجتہاد قرن اول سے ممتاز ہو کر سامنے آیا' کیونکہ قرن اول میں اجتہاد کے قواعد و قوانین موجود نہیں تھے اور قرن اول کے اجتہاد کا دارومدار اسرار شریعت کے ذوق سلیم پر تھا' جبکہ قرن دوم میں اجتہاد کے اصول و ضوابط منظر عام پر آ گئے۔ (المدخل صفحہ ۱۴۔۱۷ کی تلخیص)

دوالیبی نے اپنی کتاب میں ایک باب قائم کیا جس کا عنوان یہ رکھا

"باب ان مصادر کے بیان میں جن کا قرآن اعتراف کرتا ہے۔"

مذکورہ باب میں دوالیبی لکھتے ہیں:

(۱) احکام و حقوق کا پہلا سرچشمہ جسے قرآن تسلیم کرتا ہے وہ خود قرآن کی اپنی آیات ہیں۔

(۲) احکام و قوانین کا دوسرا سرچشمہ سنت رسول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ...) "تمہیں جو کچھ رسول دے دے وہ لے لو۔"

(۳) جس چیز کو سنت نے قانون اسلامی کے سرچشمہ کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے، قرآن بھی اسے احکام و قوانین کا سرچشمہ تسلیم کرتا ہے جیسا کہ اجماع و اجتہاد۔ (المدخل صفحہ ۳۰)

یوں اس نے اسلامی قوانین و احکام کے چار مصادر یا چار اصول مقرر کیے ہیں:

- کتاب
- سنت
- اجماع
- اجتہاد

دوالیبی لکھتے ہیں:

ہمارے بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ چوتھی اصل کو اجتہاد، رائے اور عقل جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (المدخل صفحہ ۵۳)

حقیقت اجتہاد کے لیئے ہم دوالیبی کے اسی بیان پر اکتفا کرتے ہیں اور اب ہم مکتب خلفاء کی طرف سے بیان کردہ ان دلائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے اجتہاد پر عمل کرنے کے لیئے استدلال کیا جاتا ہے۔

مکتب خلفاء کی طرف سے صحتِ اجتہاد کے اہم دلائل

(الف) حدیث معاذ

سنن دارمی اور مسند احمد میں مروی ہے:

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے معاذ کو یمن روانہ کیا، تو اس سے فرمایا:

تم فیصلہ کیسے کرو گے؟

اس نے کہا: میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو؟

اس نے کہا: پھر میں رسول اللہ کی سنت سے اس کا فیصلہ کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ مسئلہ سنت رسول میں بھی موجود نہ ہو؟

معاذ نے کہا: اجتهد رایی ولا آلو.

"میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کسی طرح کی کوتاہی نہیں کروں گا۔"

معاذ کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ جواب دیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے نمائندہ کو توفیق عطا فرمائی۔ (مقدمہ دارمی جلد ا صفحہ ۶۰۔ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۳۰، ۲۴۲)

(ب) عمرو بن العاص کی بیان کردہ حدیث

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد اور دیگر کتب حدیث میں حسب ذیل روایت

مروی ہے۔ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

"اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران

واذاحكم فاجتهد ثم أخطاء فله اجر"

"جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے اور صحیح نتیجہ پر پہنچے تو اسے دو اجر نصیب ہوں گے اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے پھر اس سے غلطی ہو جائے تو اسے ایک اجر نصیب ہوگا۔"(۱)

(ج) ابوموسیٰ اشعری کے نام حضرت عمر کا خط

حضرت عمر نے ابوموسیٰ اشعری کو خط لکھا جس میں انہوں نے لکھا:

جو چیز کتاب وسنت میں موجود نہ ہو اور تمہارے سینے میں کھٹک رہی ہو تو اس پر خوب سوچ و بچار کرنا پھر امور کا ایک دوسرے پر قیاس کرنا۔(۲)

مکتب خلفاء سے وابستہ علماء کے پاس اجتہاد کی صحت کے اثبات کے لیئے یہی اہم دلائل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے باقی دلائل سے ان کا مدعا اچھی طرح سے ثابت نہیں ہوتا، اسی لئے ہم ان کے دیگر دلائل سے صرف نظر کرتے ہیں۔

مذکورہ دلائل کا جائزہ

مذکورہ، دونوں احادیث اور حضرت عمر کے خط پر ابن حزم نے سخت تنقید کی ہے اور اس نے حدیث معاذ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار اس طرح سے کیا:

جہاں تک حدیث معاذ کا تعلق ہے تو اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث سرے سے ساقط الاعتبار ہے اور اس کے سقوط کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث حارث بن عمرو کے طریق کے علاوہ اور کسی طریق سے مروی نہیں ہے اور وہ ایک مجہول راوی تھا اور اس کے متعلق کسی کو بھی کوئی علم نہیں ہے کہ وہ کون تھا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۷۸ باب اجر الحاکم من کتاب الاحکام۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب بیان اجر الحاکم صفحہ ۱۳۴۲ حدیث ۱۵۔ ابن ماجہ باب الحاکم یجتھد فیصیب حدیث ۲۳۱۴ از کتاب الاحکام۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۸۷، جلد ۴ صفحہ ۱۹۸، ۲۰۴، ۲۰۵۔ از اصیب فلک عشر حسنات۔

(۲) الکتاب المنسوب الی عمر و شرحہ فی الاحکام ابن حزم جلد ۵ صفحہ ۱۰۰۳۔ اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۸۵۔۸۶

بخاری نے اپنی تاریخ اوسط میں لکھا ہے:

"ولا یعرف الحارث الا بھذا الحدیث ولا یصح"

"اس حدیث کے علاوہ حارث کی پہچان کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور وہ صحیح نہیں ہے۔"

حارث جہاں خود مجہول ہے وہاں اس نے اہل حمص کے ایسے لوگوں سے یہ روایت نقل کی ہے جن کے متعلق کسی کو بھی کوئی علم نہیں ہے۔ عصر صحابہ میں یہ حدیث کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی اور اس کا ذکر صحابہ میں سے کسی نے بھی نہیں کیا، اور تابعین کے دور میں بھی اس حدیث کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہاں تک کہ ابو عون نے تنہا اس روایت کو ان لوگوں سے نقل کیا جن کے متعلق علماء کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ اور جب اہل رائے کو یہ حدیث شعبہ کے پاس سے ملی تو وہ اسے ہر جگہ لے اڑے اور انہوں نے اس کی خوب نشر واشاعت کی۔ جب کہ یہ باطل ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔(۱)

حدیث معاذ کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کی آیات کی مخالفت کرتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

"وَاتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ"

"جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری جانب نازل ہوا ہے تم اس کی اتباع کرو۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ"

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ"

"اور حدود الٰہی سے جس نے بھی تجاوز کیا تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔"

(سوال یہ ہے کہ اگر اللہ کا نازل کردہ دین نامکمل تھا تو اللہ نے اس کی اتباع کا حکم کیوں دیا؟

---

(۱) الاحکام ابن حزم جلد ۵ صفحہ ۷۷۳،۷۷۵ طبع مطبعۃ العاصمۃ قاہرہ۔

اگر اللہ کا دین ناقص تھا تو اللہ نے تکمیل دین کی آیت نازل کیوں فرمائی؟ اور اگر اللہ کے مقرر کردہ حدود ناقص تھے تو اللہ نے ان سے تجاوز کو حرام قرار کیوں دیا؟)

مذکورہ آیات کی موجودگی میں یہ بات ہی باطل ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کسی شخص سے یہ فرمائیں کہ اگر تجھے مسئلہ کتاب خدا اور سنت رسول میں دکھائی نہ دے تو تم کیا کرو گے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے دین میں ذاتی رائے کو حرام قرار دیا تھا۔

اور اگر بالفرض یہ بات مان لی جائے کہ حدیث معاذ صحیح ہے تو اس میں معاذ کے جملے "اجتھد رایی ولا آلو" کا معنی یہ ہوگا کہ میں اپنی طرف سے پوری محنت کو بروئے کار لاتے ہوئے مسئلہ کا حل قرآن وسنت سے تلاش کروں گا اور میں اس جستجو میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کروں گا۔

علاوہ ازیں حدیث معاذ کو بنیاد بنا کر اجتہاد کا جواز پیش کرنے والوں سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر بالفرض یہ بات مان لی جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو پھر اس کا مفہوم دو میں سے ایک ضرور قرار پائے گا۔

(۱) یا تو یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ حکم صرف معاذ کے لیئے مخصوص تھا اور اس صورت میں معاذ کی رائے کے علاوہ باقی افراد کی رائے کی اتباع کو حرام تسلیم کرنا پڑے گا۔ جب کہ اہل الرائے اس بات سے اتفاق نہیں کرتے۔

(۲) یا پھر یہ حکم معاذ کے لیئے بھی تھا اور دوسروں کے لیئے بھی تھا اور اگر اس حکم کو عام سمجھ لیا جائے تو پھر ایک عجیب صورت حال پیدا ہو جائے گی اور ہر شخص کے اجتہاد کے متعلق یہ ماننا پڑے گا کہ اس نے اس بات پر عمل کیا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ اور تمام اجتہاد کرنے والے برسر حق قرار پائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی بہ نسبت حق کے زیادہ قریب نہیں ہوگا اور مختلف اور متضاد آراء سب کی سب حق قرار پائیں گی جب کہ اہل الرائے اس بات کو ماننے پر بھی آمادہ نہیں ہیں اور یہ بات ویسے بھی عقل دشمنی کے مترادف ہے بلکہ یہ تو ظاہری طور پر بھی محال ہے اور اس صورت میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اپنے قول کی صداقت

کے لیئے کوئی دلیل پیش کرے' کیونکہ اس کا مخالف بھی مجتہد ہے۔

حدیث معاذ اگر صحیح ہو تو اس کا زیادہ سے زیادہ مفہوم یہی ہے کہ قرآن وسنت سے مسئلہ کو تلاش کرنے کی جستجو کی جائے اس سے زیادہ اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے معاذ کو یہ اختیار کبھی بھی تفویض نہیں کیا تھا کہ وہ اپنی رائے سے جو چاہے حلال کرے اور جسے چاہے حرام کرتا پھرے اور اپنی رائے سے فرائض مقرر کرے اور اپنی رائے کو استعمال کرتے ہوئے فرائض کو ساقط کردے۔

اور اس طرح کی بات کوئی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا' اور شریعت میں حلال وحرام اور فرائض کے علاوہ اور تو کچھ بھی نہیں ہے (تمّ قولہ) (الاحکام۔جلد۵'صفحہ۷۷۵)

ابن حزم نے عمر بن العاص کی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

جہاں تک عمرو بن العاص کی حدیث کا تعلق ہے تو یہ حدیث اہل الرائے کے خلاف حجت ہے' کیونکہ اس حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ حاکم مجتہد غلطی بھی کرسکتا ہے اور صحیح فیصلہ بھی کرسکتا ہے' اور یہ بات بڑی واضح ہے غلط فیصلہ کا نافذ کرنا اسلام میں حرام ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی کہ وہ غلط فیصلے کو انسانوں پر مسلط کرتا پھرے۔

لہٰذا اہل الرائے کا اس حدیث سے استدلال کرنا بالکل لغو اور باطل ہے۔

(الاحکام ابن حزم جلد۵ صفحہ۷۷۱)

اس کے بعد ابن حزم نے حضرت عمر کا خط دو اسناد سے نقل کیا ہے اور مذکورہ خط اور اس کی دونوں اسناد نقل کرنے کے بعد ابن حزم نے کہا: یہ خط صحیح نہیں ہے کیونکہ پہلی سند کے سلسلہ رواۃ میں عبدالملک بن ولید بن معدان شامل ہے اور وہ کوفی متروک الحدیث تھا اور تمام علمائے رجال نے اسے ساقط الاعتبار لکھا ہے اور اس کا باپ مجہول تھا۔

دوسری سند میں کرجی سے لے کر سفیان تک کے تمام راوی مجہول ہیں اور ویسے بھی اس کی سند منقطع ہے' اس لیئے اس خط کو بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) الاحکام۔ابن حزم جلد۵ صفحہ۱۰۰۳۔اعلام الموقعین جلد۱ صفحہ۸۵۔۸۶ سند میں جعفر نامی شخص موجود ہے جب کہ اس نے سلسلہ سند کی وضاحت نہیں کی کہ اس نے یہ روایت کس سے لی ہے۔

مذکورہ اجتہاد کے متعلق ہمارا اختلافی موقف۔

کتب خلفاء سے وابستہ علماء کے بیان کردہ اجتہاد کے متعلق ہمیں دو نکات میں اختلاف ہے۔

- مدلول اجتہاد
- ادلہ ثلاثہ کا مفہوم

قرن اول میں لفظ اجتہاد سے اس کا لغوی معنیٰ مراد لیا جاتا تھا اور اجتہاد کا لغوی معنی ہے "کسی کام کے متعلق پوری جدوجہد کو بروئے کار لانا" لہٰذا اگر معاذ اور عمرو بن العاص کی احادیث کی سند کو بالفرض صحیح مان بھی لیا جائے تو ان میں لفظ اجتہاد اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

علاوہ ازیں دونوں احادیث کا محل نزاع سے کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ مذکورہ احادیث کا تعلق صرف فیصلہ کرنے سے ہے جب کہ اصل اختلاف یہ ہے کہ کیا مجتہدین کو اپنے رائے سے احکام مقرر کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

اور یہی حال اس خط کا ہے جو حضرت عمر کی طرف منسوب ہے اور اہل الرائے کی باقی دلائل کا بھی یہی حشر ہے۔

اہل الرائے کے تمام دلائل کے متعلق یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ان کے تمام دلائل خود ساختہ ہیں' اور اس کے باوجود بھی اگر ان دلائل کو چند منٹوں کے لیے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی ان کی دلالت صرف فیصلہ تک ہی محدود رہے گی۔ ان دلائل سے قانون سازی کا حق کسی کے سپرد کرنا پھر بھی غلط ہی رہے گا۔

اور فیصلہ کی حد تک بھی مذکورہ احادیث سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ قاضی اپنی ضرورت کے تحت اپنی طرف سے قانون سازی کرے۔ اس سلسلہ میں حدیث معاذ کو ہی لیجیے تو اس حدیث کا زیادہ سے زیادہ مفہوم یہی ہے کہ کتاب وسنت میں احکام اسلامی کی دو قسمیں ہیں ان میں سے کچھ احکام ایسے ہیں جن کی جزئیات تک کتاب وسنت یا صرف کتاب یا صرف سنت میں مذکور ہیں۔

اور کچھ احکام اسلام ایسے بھی ہیں جن کا بیان کسی قاعدہ کلیہ کے ضمن میں موجود ہے اور قاضی کا یہ فرض ہے کہ وہ پوری محنت بروئے کار لاتے ہوئے اس حکم کلی کو تلاش کرے جو کہ اس کے فیصلہ کے متعلق ہے۔ اور یہی لغوی اجتہاد ہے' جس کے معنی مطلوبہ حکم کے لیئے پوری محنت بروئے کار لانے کے ہیں۔

جب کہ مکتب خلفاء سے وابستہ افراد اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب اسلامی شریعت کی تبلیغ کی تھی وہ کئی جہات سے (نعوذ باللہ) ناقص تھی۔ اسی لیئے حکام، قاضیوں اور مفتیوں کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذاتی آراء کو بروئے کار لائیں اور ایسے معاملات کے لیئے اپنی طرف سے قانون سازی کریں جن کے متعلق اسلام کی تعلیمات موجود نہیں ہیں۔ اس نکتہ کی مزید وضاحت عمل صحابہ سے استخراج قواعد کی بحث کے بعد پیش کی جائے گی۔

عمل صحابہ سے قواعد کا استخراج

دوالیبی اجتہاد کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

اجتہاد غیر جماعی رائے کو کہا جاتا ہے اور جب کسی رائے پر اجماع ہو جائے تو اسے اجتہاد کی بجائے "اجماع" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادلہ شرعیہ میں اجماع کو زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ اس کے بعد اجتہاد کا درجہ ہے۔ (المدخل صفحہ ۵۵)

دوالیبی نے اجتہاد کو تین قسموں سے تقسیم کیا:

(۱) کتاب وسنت کی نصوص کی وضاحت اور تفسیر۔ (المدخل صفحہ ۵۵)

(۲) کتاب وسنت میں پائے جانے والی اشباہ پر قیاس کرنا

(۳) ایسی رائے جو کسی خاص نص پر مبنی ہونے کی بجائے روح شریعت کی مظہر ہو۔ اور روح شریعت کا اعلان تمام نصوص میں یہی کیا گیا ہے کہ

"شریعت کی آخری منزل مصلحت ہے اور جس چیز میں مصلحت پائی جائے وہی خدا کی شریعت ہے۔"

"اور جس چیز کو مسلمان اچھا تصور کریں وہ چیز خدا کے نزدیک بھی اچھی ہے۔"

رسول اکرم کی وفات کے بعد صحابہ کے دور میں واضح ترین اجتہادی مسائل پیدا ہوئے اوران میں سرفہرست عراق اور شام کی ان زمینوں کی ملکیت کا مسئلہ تھا جنہیں اسلامی افواج نے بزور شمشیر فتح کیا تھا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ اعلان کیا ہے:

"وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی......"

"جان لو تمہیں جو بھی غنیمت حاصل ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور رسولؐ اور رسول کے رشتہ داروں کے لیئے ہے۔۔۔۔"

اس آیت کا مزید مفہوم یہ ہے کہ مال غنیمت میں چار حصے مجاہدین کے ہیں اور پانچواں حصہ (خمس) اللہ رسول اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قرابت داروں، یتامی، مساکین اور مسافروں کے لیئے ہے۔

حضرت عمر کے عہد حکومت میں جب مجاہدین اسلام نے مصر، شام اور عراق کی زمینوں کو فتح کیا تو مجاہدین اسلام کے نمائندے حضرت عمر کے پاس آئے اوران سے مطالبہ کیا کہ وہ ان زمینوں میں سے پانچواں حصہ خمس کے مستحقین کے لیئے علیحدہ کرلیں اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم کریں جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خیبر کی زمین کو مجاہدین میں تقسیم کیا تھا۔

حضرت عمر نے کہا:

اگر میں نے ایسا کیا تو مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کے لیئے کیا بچے گا' جب وہ دیکھیں گے کہ ان ممالک کی زمینیں وہاں کے رہائشیوں سمیت تقسیم ہو چکی ہیں اوران میں میراث کا عمل جاری ہو چکا ہے؟ لہٰذا یہ کوئی اچھی رائے نہیں ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: آپ ہی بتائیں کہ اچھی رائے کیا ہے جب کہ زمین اور وہاں کے رہائشی سب مال غنیمت میں شامل ہیں؟

حضرت عمر نے کہا:

تمہاری بات درست ہے لیکن میری رائے یہ نہیں ہے۔

لوگوں نے عمر سے اصرار کیا اور کہا آپ ہماری تلوار سے ملنے والی غنیمت کو ان لوگوں کے لیئے بچا کر رکھنا چاہتے ہیں جو کہ جنگ میں موجود نہیں تھے۔۔۔۔۔۔

اس کے جواب میں حضرت عمر بس یہی کہتے تھے کہ یہ میری رائے ہے

آخر کار سب نے کہا: آپ کی رائے ہی صحیح رائے ہے۔(۱)

ابن حزم لکھتے ہیں:

الرأی ماتخیلته النفس صواباً دون برهان

"رائے یہ ہے کہ جسے نفس کسی دلیل کے بغیر صحیح خیال کرے۔"

اور قیاس کی تعریف ابن حزم نے ان الفاظ سے کی ہے:

"القیاس: ان یحکم بشئی بحکم لم یأت به نص لشبهه بشئی اخر جاء فیه ذلک الحکم"

"ایک چیز کے متعلق وہ حکم صادر کرنا جو اس کے متعلق نص میں بیان نہ ہوا ہو اور اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کی مشابہ چیز کے لیئے نص میں وہ حکم بیان کیا گیا ہو۔"(۲)

دوالیبی نے "المدخل" میں "استحسان" کی تعریف یہ بیان کی:

الاستحسان: الاخذ فی مسئلة بحکم یخالف الحکم المعروف فی القیاس امالرجحان علة فی دلیل الاستحسان و امالضرورة تو جب مصلحة وتدفع حرجاً.

"کسی مسئلہ کے متعلق ایسا فیصلہ جاری کرنا جو قیاس کے مشہور فیصلہ کے خلاف ہو، اسے استحسان کہا جاتا ہے۔ قیاس کے مشہور فیصلہ کی مخالفت استحسان کی دلیل کے راجح ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے یا پھر کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے جو کسی مصلحت کی موجب

---

(۱) المدخل الی علم اصول الفقه صفحہ ۹۱-۹۵ باب انواع الاجتہاد۔

(۲) الاحکام باصول الاحکام لابن حزم جلد ۸ صفحہ ۴۰-۴۱ طبع مطبعة العاصمة قاہرہ۔

اور کسی حرج کو دور کرنے والی ہوتی ہے۔"

حنفیہ نے استحسان کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

کسی مسئلہ کے متعلق اس فیصلے سے عدول کرنے کو استحسان کہا جاتا ہے جس کی نظیر دوسرے فیصلے میں دکھائی دیتی ہو مگر عدل کے لیئے ضروری ہے کہ اس میں کوئی قوی ترین وجہ پائی جاتی ہو۔

مالکیہ کے ہاں استحسان کی تعریف یہ ہے:

جب کبھی قیاس کسی تکلیف یا مشقت یا کسی مصلحت سے منع کرنے کا سبب بن رہا ہو تو ایسے میں فقیہ مجتہد اس قیاس کو چھوڑ دے، اس قیاس کے چھوڑنے کو "استحسان" کہا جاتا ہے۔ (المدخل صفحہ ۲۹۳)

الاستصلاح کی تعریف کرتے ہوئے دوالیبی نے لکھا:

الاستصلاح فی حقیقة نوع من الحکم بالرأی المبنی علی المصلحة.

الاستصلاح دراصل مصلحت پر مبنی رائے کی ایک قسم ہے۔ (المدخل صفحہ ۳۰۱ باب ہشتم)

مذکورہ تین اصولوں کا فرق بیان کرتے ہوئے دوالیبی لکھتے ہیں:

قیاس اور استحسان کے مسائل ہمیشہ دوسرے مسائل سے اتصال کا تقاضا کرتے ہیں قیاس میں قیاس شدہ مسائل کا الحاق ان مسائل کے ساتھ کیا جاتا ہے جن پر قیاس کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں علت ایک ہوتی ہے جب کہ استحسان میں اشباہ و نظائر کو مدنظر نہیں رکھا جاتا' کیونکہ مسائل کے چند وجوہ میں اختلاف ہوتا ہے جو یکساں حکم سے مانع ہوتا ہے۔

الاستصلاح کے مسائل میں قیاس اور استحسان کی طرح سے نظائر و اشباہ کا حکم صادر نہیں کیا جاتا بلکہ الاستصلاح کے لیئے صرف مصلحت کو ہی مدنظر رکھا جاتا ہے۔

(المدخل صفحہ ۳۰۴' ۳۰۵ باب ہشتم)

علاوہ ازیں دوالیبی نے "باب النصوص و تغییر الاحکام بتغییر الزمان فی الشرع الاسلامی میں لکھا ہے:"

جب کسی مسئلہ کے متعلق نص موجود ہو اور شارع نے اسے منسوخ نہ بھی کیا ہو تو بھی مختلف زمانوں میں مصلحت کے تبدیل ہونے کی وجہ سے قضاۃ و مجتہدین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس مسئلہ میں تبدیلی لا سکیں' کیونکہ ہر دور میں مصلحت کی تبدیلی پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ اور شریعت اسلام کی یہی خوبی اسے دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ اسلام نے اجتہاد کے لیے عقول کو آزادی دی ہے اور احکام کے لیے مصلحت کو مدنظر رکھنے کا حکم دیا ہے اور اسطرح سے شریعت اسلامی کا یہ قاعدہ آج یہ اعلان کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

''زمانہ کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی پر تنقید کرنا صحیح نہیں ہے'' (المدخل صفحہ ۳۱۷)

پھر دوالیبی نے اپنے موقف کی تائید کے لیے ابن قیم کے اعلام الموقعین کے اس قول کو پیش کیا: یہ فصل انتہائی عظیم فائدہ کی حامل ہے۔۔۔۔ (المدخل صفحہ ۲۹۳)

ابن قیم نے اس باب میں، بہت سی مثالیں بیان کیں ہیں مثلاً انہوں نے کہا ایک محفل میں اپنی بیوی کو تین بار طلاق دیتا تو وہ ایک ہی طلاق شمار کی جاتی تھی جیسا کہ صحیح میں ثابت ہے۔

پھر ابن قیم نے اس موضوع پر وارد احادیث کو نقل کیا جن میں سے ایک روایت رکانہ بن عبد کی طلاق کی بھی نقل کی۔ اس نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین بار طلاق جاری کی تھی' بعد میں اسے اس کا سخت صدمہ ہوا۔ اس نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے رجوع کیا تو آپؐ نے فرمایا:

تو نے اسے کیسے طلاق دی تھی؟

اس نے کہا: میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: کیا ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فانماتلک واحدۃ فارجعھاان شئت.

''وہ بس ایک ہی طلاق ہے اگر تو رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے۔''

چنانچہ اس نے رجوع کر لیا تھا۔

مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر سے یہ سنت پوشیدہ نہیں تھی اور وہ جانتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے بندوں کو چھوٹ دی گئی ہے کہ طلاق کئی بار دی جائے اور ایک ہی مجلس کی تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار نہیں دیا گیا۔

اس طرح سے "لعان" میں مرد کو چار قسمیں کھانا پڑتی ہیں کہ مجھے خدا کی قسم ہے کہ میں سچا ہوں۔ ہر قسم علیحدہ علیحدہ کھائی جائے گی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی چار قسمیں کھا کر کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں، تو وہ ایک ہی قسم شمار ہوگی۔

اس طرح سے قتل کی گواہی کے لیئے گواہ کو پچاس بار قسم کھانی پڑتی ہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ شخص فلاں مقتول کا قاتل ہے۔

ہر قسم علیحدہ علیحدہ کھائی جائے گی اور اگر کوئی گواہ اس طرح سے قسم کھائے کہ مجھے۔ پچاس بار اللہ کی قسم ہے یہ شخص فلاں مقتول کا قاتل ہے تو وہ ایک ہی قسم تصور کی جائے گی۔۔۔۔(۱)

ابن قیم نے اس کی اور بھی بہت سی مثالیں دیں، پھر کہا: یہ اللہ کی کتاب ہے اور یہ رسول مقبول کی سنت ہے اور یہ لغت عرب ہے اور یہ خطاب کرنے کا سلیقہ ہے اور یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا خلیفہ ہے اور اس دور میں رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابہ بھی موجود تھے اور جب حضرت عمر نے ایک ہی مجلس کے تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار دیا تو اس کے بعد حضرت عمر تین سال تک زندہ رہے۔ اس عرصہ میں دوسرے صحابہ بھی موجود تھے جن کی تعداد کم از کم ایک ہزار سے زائد تھی۔۔۔۔

مقصد گفتگو یہ ہے کہ کتاب، سنت، قیاس اور اجماع اس امر کا شاہد ہے کہ ایک ہی مجلس میں جاری کی ہوئی تین طلاقیں بائن نہیں ہوتیں۔ لیکن اس کے باوجود امیر المومنین عمر نے اپنی ایک رائے قائم کی۔۔۔اور اس رائے میں اس دور کی مصلحت مضمر تھی۔(۲)

---

(۱) اسی طرح مناسک حج میں رمی جمرات ایک عمل ہے اور ہر حاجی کو سات کنکریاں مارنی پڑتی ہیں اگر کوئی شخص سات کنکریاں اکٹھی مارے تو وہ ایک کنکری شمار ہوگی۔ سات کنکریاں شمار نہیں ہوں گی۔(من المترجم عفی عنہ)

(۲) اعلام الموقعین لابن القیم الجوزیہ جلد ۳ صفحہ ۳۰-۳۶ فصل حکم جمع الطلقات الثلاثہ بلفظ واحد

اجماع کی تعریف کرتے ہوئے دوالیبی نے اسے دوقسموں میں تقسیم کیا:

(۱) کسی موضوع کے متعلق امت اسلامیہ کے تمام علماء کا اجماع۔ اجماع کے لیئے امت اسلامیہ کے تمام افراد کا اجماع ضروری نہیں ہے۔

(۲) جس جگہ کوئی واقعہ یا مسئلہ پیش ہوا ہو وہاں کے لوگوں کا اجماع۔ مثلاً اہل مدینہ کا اجماع۔ اور اس اجماع کے لیئے تمام اسلامی شہروں کا اجماع غیر ضروری ہے۔

دوالیبی مزید لکھتے ہیں:

صحابہ کے بعد جب علماء کا دور شروع ہوا تو انہوں نے بھی اجماع کو شریعت کے ایک اصل کی حیثیت سے تسلیم کیا۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو کسی ایسے اصل کے سامنے نہیں پایا جس کے حدود واضح ہوں۔ (المدخل صفحہ ۵ جلد ۳۳۴ الباب التاسع)

ہم نے یہاں تک جو کچھ عرض کیا ہے اس کی حیثیت عمل بالرائے سے زیادہ نہیں ہے۔ مکتب خلفاء میں ہر جگہ رائے کی حکمرانی دکھائی دیتی ہے البتہ کہیں اسے تاویل کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور کہیں اس پر "اجتہاد" کا پردہ ڈالا گیا ہے' اور کہیں اسے بعض دوسرے خوبصورت ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

قیاس کا مقصد یہ ہے کہ ایک مجتہد کسی مسئلہ کے متعلق وہی فیصلہ کرے جو اس سے مشابہ مسئلہ کے لیئے مخصوص ہو۔

استحسان کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مسئلہ کے متعلق وہ حکم صادر نہ کیا جائے جو اس کے مشابہ کے لئے صادر کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہو کہ مجتہد کو اس کی مخالفت میں مصلحت دکھائی دیتی ہو۔

استصلاح یہ ہے کہ جس بات کو مجتہد صحیح سمجھ لے اس پر عمل کیا جائے اور اس کے لیئے کوئی دلیل شرعی موجود نہ ہو۔

اور اجماع علماء کی آراء کے اتفاق یا جہاں کوئی مسئلہ پیدا ہوا ہو اس شہر کے علماء نے مسئلہ کے کسی حل پر اجماع کیا ہو۔

چنانچہ قیاس، استحسان، استصلاح اور اجماع جیسے قواعد اجتہاد کا دارومدار رائے پر ہے اور یہاں ہم یہ بات بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مکتب خلفاء میں رائے کو نص شرعی پر مقدم سمجھا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمر نے مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تھا جب کہ ان کی رائے کتاب خدا اور عمل رسول کے سراسر خلاف تھی۔

اسی طرح سے ایک نشست میں جاری کردہ تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار دینا بھی کتاب وسنت کی واضح نفی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ کتاب وسنت کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کرنے پر مکتب خلفاء کے علماء شرمندگی محسوس کرنے کی بجائے اس پر ناز کرتے ہیں۔

یہی وجہ تھی اصحاب الرائے کے امام یعنی ابو حنیفہ نے کئی بار تصریح کی تھی کہ اس کی رائے کو حدیث نبوی پر فوقیت حاصل ہے۔ اور قول رسول کی بجائے اس کی رائے پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

عمل بالرائے اور ابو حنیفہ

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں یوسف بن اسباط سے نقل کیا۔ اس نے کہا کہ ابو حنیفہ نے کہا:

لوا درکنی رسول الله وادرکته لاخذ بکثیر من قولی

وهل الدین الا الرأی الحسن. (۱)

"اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرے زمانہ میں ہوتے اور میں ان کے زمانہ میں ہوتا تو وہ میرے بہت سے اقوال کو قبول کرتے اور دین اچھی رائے کے علاوہ اور تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

علی بن عاصم کا بیان ہے کہ ہم نے ابو حنیفہ کے سامنے نبی کریم کی حدیث پڑھی تو اس نے کہا: میں اسے قبول نہیں کرتا۔ میں نے کہا: کیا تو نبی کی بات بھی تسلیم نہیں کرتا؟ اس نے کہا: میں اسے قبول نہیں کرتا۔

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۰، ۳۸۷ کتاب المجروحین تالیف ابن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ھ جلد ۳ صفحہ ۶۵

ابو اسحاق الفراری کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہ کے پاس جہاد کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے گیا تو اس نے مجھے اس کا جواب دیا۔ میں نے کہا: مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تو ایسے ایسے منقول ہے؟ اس نے کہا: ہمیں اس سے معاف رکھو۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۷)

ابو اسحاق کا بیان ہے کہ ابوحنیفہ کے پاس نبی کی کوئی حدیث پیش کی جاتی تھی تو وہ اس کی مخالفت کرتا تھا۔

ابو اسحاق نے کہا: میں نے تلوار واپس کرنے کے متعلق ابوحنیفہ کے سامنے حدیث بیان کی تو اس نے کہا یہ حدیث خرافات پر مبنی ہے۔

حماد بن سلمہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

"ابوحنیفہ نے آثار وسنن کا استقبال کیا' لیکن اپنی رائے سے انہیں مسترد کر دیا۔" (۱)

وکیع نے کہا: ہم نے ابوحنیفہ کو دوسو احادیث کی مخالفت کرتے ہوئے پایا۔ (۲)

صالح الفراء کا بیان ہے کہ میں نے یوسف بن اسباط کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی چار سو یا اس سے زیادہ احادیث کو ٹھکرایا۔

میں نے اس سے کہا: ابو محمد! کیا تم ان کی نشاندہی کر سکتے ہو؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

میں نے کہا: ان میں سے چند ایک کی نشاندہی کریں۔

اس نے کہا: رسول خدا نے فرمایا تھا:

"للفرس سهمان وللرجل سهم"

"مال غنیمت میں گھوڑے کے دو اور پیدل کا ایک حصہ ہے۔"

جب کہ اس کے مقابلہ میں ابوحنیفہ نے کہا:

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۰۔۳۹۱۔ خرافات کے الفاظ کتاب المجروحین جلد ۳ صفحہ ۷۰ پر مرقوم ہیں۔

(۲) حدیث وکیع تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۰ پر موجود ہے اور "المیعان بالخیار" کی حدیث کتاب المجروحین جلد ۳ صفحہ ۷۰ پر موجود ہے۔

میں ایک جانور کا حصہ مومن کے حصے سے بڑھ نہیں سکتا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے قربانی کے جانوروں کو شعار پہنایا۔ ابوحنیفہ نے کہا۔ شعار پہنانا ایک طرح کا "مثلہ" ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

"البیعان بالخیار مالم یتفرقا."

"بیچنے والا اور خریدار جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں تو انہیں اپنا سودا منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔"

ابوحنیفہ نے کہا: جب قیمت طے ہوگئی تو سودا منسوخ کرنے کا اختیار ختم ہوگیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے صحابہ جب کہیں سفر کے لیئے جاتے تو وہ اپنی بیویوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے' جس کا قرعہ نکلتا تو وہ اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے تھے۔

ابوحنیفہ نے کہا: قرعہ ڈالنا جوا ہے۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۰)

حماد کا بیان ہے کہ میں مسجد الحرام میں ابوحنیفہ کے پاس بیٹھا تھا' اس کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ابوحنیفہ! احرام باندھنے والے کو اپنا جوتا نہ ملا تو اس نے موزے پہن لیئے۔

ابوحنیفہ نے کہا: اسے کفارہ کے طور پر جانور ذبح کرنا ہوگا۔

میں (حماد) نے کہا: سبحان اللہ! ایوب نے ہم سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے احرام والے کے متعلق فرمایا: اگر اسے جوتا میسر نہ ہو تو وہ موزے پہن لے اور ٹخنوں کے نیچے سے انہیں کاٹ دے۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۲)

بشر بن مفضل کا بیان ہے کہ میں نے ابوحنیفہ سے کہا کہ نافع نے ابن عمر سے نقل کیا۔ اس نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: "البیعان بالخیار مالم یتفرقا" خرید و فروخت کرنے والے جب تک ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں اس وقت تک انہیں سودا منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

"ابوحنیفہ نے یہ حدیث سن کر کہا یہ تو "رجز" ہے۔"

میں نے کہا: قتادہ نے انس سے روایت کی کہ ایک یہودی نے اپنی کنیز کا سر دو پتھروں میں رکھ کر توڑا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی اس کے سر کو دو پتھروں میں رکھ کر توڑ دیا تھا۔

ابوحنیفہ نے یہ حدیث سن کر کہا: یہ ہذیان ہے۔(۱)

عبدالصمد نے اپنے والد سے روایت کی کہ ابوحنیفہ کے سامنے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث پڑھی گئی:

"افطر الحاجم والمحجوم"

"روزہ کی حالت میں جو پچھنے لگوائے اور جو پچھنے لگائے دونوں کا روزہ باطل ہو جاتا ہے۔"

ابوحنیفہ نے یہ حدیث سن کر کہا: یہ "سجع" یعنی تک بندی ہے۔(۲)

عبدالوارث کا بیان ہے:

میں مکہ گیا ہوا تھا اور ابوحنیفہ بھی ان دنوں مکہ میں موجود تھا۔ میں اس کے پاس گیا' اس کے پاس کچھ افراد پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے اس سے مسئلہ پوچھا تو ابوحنیفہ نے اسے جواب دیا۔ اس شخص نے کہا تو پھر عمر بن الخطاب کی روایت کا کیا بنے گا؟

ابوحنیفہ نے کہا: وہ شیطان کا قول ہے۔

یہ سن کر میں نے سبحان اللہ' کہا۔

اتنے میں ایک اور شخص نے کہا: کیا تو تعجب کر رہا ہے؟

اس سے پہلے ایک شخص آیا تھا اس نے اس سے ایک مسئلہ پوچھا تو اس نے اس مسئلہ کا

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۲

(۲) حدیث بشر تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۸ پر موجود ہے اور حماد اور ایوب کی روایت زیادہ تفصیل کے ساتھ البستی کی مجروحین جلد ۳ صفحہ ۶۷ اور حدیث بشر صفحہ ۷۰ پر موجود ہے۔

تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۸

جواب دیا۔ اس شخص نے کہا کہ "افطر الحاجم والمحجوم" حدیث پیغمبر کا کیا مقصد ہے؟

اس کے جواب میں ابوحنیفہ نے کہا: یہ "سجع" یعنی تک بندی ہے۔

یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا: آئندہ میں اس مجلس میں کبھی شرکت نہیں کروں گا۔

(تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۸)

یحییٰ بن آدم نے کہا کہ کسی نے ابوحنیفہ سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

الوضوء نصف الایمان.

"وضو نصف ایمان ہے۔"

یہ حدیث سن کر ابوحنیفہ نے کہا:

پھر ہم دو مرتبہ وضو کرلیں گے اور ہمارا ایمان مکمل ہو جائے گا۔

یحییٰ نے کہا: یہاں ایمان نماز کے معنی میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ"

"اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔"

یہاں "ایمان" سے نماز مراد ہے۔ یعنی اللہ تمہاری نماز کو ضائع نہیں کرے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے: "لا صلاة الا بالطهور" "طہارت کے بغیر نماز نہیں ہے۔" طہارت نصف ایمان ہے یعنی طہارت آدھی نماز ہے کیونکہ طہارت کے بغیر نماز جائز نہیں ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا:

میں نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر خدا کے خلاف جرأت کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث کے متعلق ادھر ادھر کی باتیں بناتا تھا اور انہیں رد کرتا تھا اسے معلوم ہوا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے۔

"البيعان بالخيار مالم يفترقا" خرید وفروخت کرنے والے جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں تو انہیں سودا منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

ابوحنیفہ نے اس حدیث پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

اگر خرید وفروخت کرنے والے کشتی میں ہوں تو پھر کیا ہوگا؟

اگر خرید وفروخت کرنے والے زندان میں ہوں تو پھر کیا ہوگا؟

اور اگر وہ سفر میں ہوں تو پھر کیا ہوگا اور وہ ایک دوسرے سے کیسے جدا ہوں گے؟

(تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۸_۳۸۹)

ہمیں مکتب خلفاء سے وابستہ افراد پر تعجب ہے کہ ان کے امام نے ایسی بہت سی احادیث کی مخالفت کی ہے جو کہ ایسی کتابوں میں ہیں جنہیں صحیح تصور کیا جاتا ہے اور اس کے باوجود بھی ان کے ہاں مذکورہ کتابیں صحیح کا درجہ رکھتی ہیں۔

سیدھی سی بات ہے کہ اگر ابوحنیفہ کا فتویٰ صحیح ہے تو مذکورہ کتابیں اور ان میں موجود احادیث صحیح نہیں ہیں اور اگر مذکورہ احادیث اور کتب صحیح ہیں تو پھر ابوحنیفہ کا فتویٰ غلط ہے مگر مکتب خلفاء کے ہاں کتابیں بھی صحیح ہیں اور ان کی احادیث کی مخالفت میں فتویٰ دینے والا امام بھی صحیح ہے۔

اس سے قبل ہم نے احادیث بیان کیں اور ان کی مخالفت میں ابوحنیفہ کا فتویٰ بیان کیا اب ہم یہاں ان احادیث کے مصادر کا تذکرہ کرتے ہیں اور اپنے قارئین کو یہ بتاتے ہیں کہ مذکورہ احادیث کا تعلق حدیث کی کن کتابوں سے ہے۔

(۱) صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، موطا مالک اور مسند احمد میں ہے:

ان رسول الله جعل للفرس سهمين ولصاحبه سهما. (۱)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجهاد باب سهام الفرس جلد ۲ صفحہ ۹۹ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر جلد ۳ صفحہ ۶۳۔ مسلم، کتاب الجهاد، باب کیفیة قسمة الغنیمة بین الحاضرین حدیث ۵۷۔ ابوداؤد کتاب الجهاد باب ۱۴۳، ۱۴۷۔ ترمذی السیر باب ۶_۸۔ موطا، کتاب الجهاد باب صفحہ ۲۱۔ مسند احمد ۲ جلد صفحہ ۲، ۶۲، ۸۰، جلد ۴ صفحہ ۱۳۸

"حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے گھوڑے کے لیئے دو حصے اور اس کے مالک کے لیئے ایک حصہ مقرر کیا۔"

ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں لکھا کہ ابو حنیفہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس سنت کی مخالفت کی۔ (بدایۃ المجتہد: جلد ۲ صفحہ ۴۱۱)

(۲) صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، دارمی، ترمذی اور مسند احمد ہے۔

ان رسول الله اشعر الهدی فی السنام الأیمن . (۱)

"رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قربانی کے جانور کی کوہان کے دائیں حصہ کو شعار پنہایا۔"

ابن حزم نے المحلیٰ میں لکھا کہ ابو حنیفہ نے کہا:

"مجھے شعار پنہانے سے نفرت ہے کیونکہ یہ مُثلہ ہے۔"

ابو حنیفہ کے اس قول کو بیان کرنے کے بعد ابن حزم نے کہا:

ایک عالم کے لیئے یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ وہ فعل پیغمبر کو "مثلہ" قرار دیتا ہو، ایسی عقل پر افسوس جو حکم رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر تنقید کرتا ہو۔ (المحلیٰ ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۱۱۱)

(ج) البیعان بالخیار مالم یفترقا. (۲)

"خرید و فروخت کرنے والے جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں تو انہیں سودے کو منسوخ کرنے کا اختیار حاصل رہتا ہے۔"

---

(۱) صحیح بخاری باب ۵۱۔ مسلم حدیث ۲۰۵۔ ترمذی ۶۴۔ ابن ماجہ، کتاب المناسک باب اشعار البدن صفحہ ۹۶۔ دارمی باب ۶۸۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۱۶، ۲۵۴، ۲۸۰، ۳۴۴، ۳۳۹، ۳۴۷، ۳۷۲

(۲) بخاری، کتاب البیوع باب ۱۹، ۴۲، ۴۲، ۴۴، ۴۴، ۴۶، ۴۷ مسلم حدیث ۴۳، ۴۶، ۴۷، ابوداؤد باب ۵۱۔ ترمذی ۲۶۔ نسائی باب ۴۔ ۷۔ ۹۔ دارمی باب ۱۵۔ موطا باب ۷۹۔ ابن ماجہ کتاب التجارات باب ۱۷۔ مسند احمد جلد ۱/۲، ۴، ۹، ۵۲، ۵۴، ۷۳، ۱۳۵، ۳۱۱، جلد ۳ صفحہ ۴۰۲، ۴۲۵، ۴۳۴، جلد ۵ صفحہ ۱۲، ۱۷، ۲۱، ۲۲، ۲۳۔

بدایۃ المجتہد میں ہے کہ شافعی اور ابو حنیفہ نے کہا:

"سودا منسوخ کرنے کی مدت تین دن ہے۔" (بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ کتاب بیع الخیار)

ابن حزم نے اس مسئلہ کے متعلق پیغمبر اکرمؐ سے مروی روایات کو نقل کیا اور اس کے بعد انہوں نے لکھا:

ابو حنیفہ اور مالک اور ان کے مقلدین نے احادیث کی مخالفت کی اور کہا:

"خرید و فروخت کا معاملہ گفتگو کے ساتھ ہی مکمل ہو جاتا ہے' اگرچہ خرید و فروخت کرنے والے جسمانی طور پر ایک دوسرے سے جدا نہ بھی ہوں اور ان میں سے کسی کو بھی سودا منسوخ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔"

ابو حنیفہ اور مالک نے اپنے اس فتویٰ سے سنن ثابتہ کی مخالفت کی ہے۔

(المحلی جلد ۸ صفحہ ۳۵۱-۳۵۲ مسئلہ ۱۴۱۷)

(د) صحیح بخاری، صحیح مسلم، دارمی اور ابن ماجہ وغیرہ میں رسول خدا کا یہ فرمان مذکور ہے:

"المحرم ان لم یجد النعلین فلیلبس الخفین" (۱)

"احرام باندھنے والے شخص کے پاس اگر جوتا نہ ہو تو وہ موزے پہن لے۔"

ابن حزم نے اس فرمان کی تفصیل بیان کی ہے اور ابو حنیفہ کی مخالفت کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ (المحلی جلد ۷ صفحہ ۸۱)

(ہ) صحیح بخاری، کتاب صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے:

"ان رسول اللہ (ص) رضخ راس یہودی کان رضخ راس جاریۃ بین مجرین" (۲)

"رسول خدا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اس یہودی کا سر پتھروں سے کچل دیا' جس نے

(۱) صحیح بخاری، کتاب الحج باب ۲۱، صحیح مسلم حدیث ۱-۵- ترمذی ۱۹- نسائی ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۵۹ صفحہ ۶۱-۶۳- موطا ۸، ۹ کتاب المناسک من ابن ماجہ ۱۹، ۲۰، دارمی ۹- مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۱۵، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۸۹، ۳۳۷، جلد ۲ صفحہ ۳، ۴، ۸، ۲۹، ۳۲، ۳۴، ۴، ۴۷، ۵۰، ۵۴، ۶۶، ۷۳، ۸۱، ۱۱۱، ۱۱۹، جلد ۳ صفحہ ۳۲۳، ۳۹۵

(۲) بخاری کتاب الخصومات ۱، الوصایا ۵، والدیات ۴، ۱۲، ۱۳ بلفظ "رض" صحیح مسلم، کتاب القسامۃ ۱۷، کتاب الدیات من سنن ابی داؤد ۱- ابن ماجہ ۲۴- دارمی باب ۴- مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۹۳، ۲۶۳، ۲۶۹

اپنی کنیز کا سر دو پتھروں میں رکھ کر کچلا تھا۔"

ابن رشد بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

"قال ابو حنیفة و اصحابه فی القود بای وجه قتله لم یقتل الابالسیف." (بدایۃ المجتہد' جلد۲ صفحہ ۴۳۷)

"ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب نے قصاص کے متعلق کہا ہے کہ قاتل خواہ کسی بھی طریقہ سے قتل کرے تو قصاص میں اسے صرف تلوار سے ہی قتل کیا جائے گا۔"

احادیث کی تفصیل کے لیے المحلیٰ کی طرف رجوع کریں۔(۱)

(و) صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، ترمذی اور دارمی وغیرہ میں نبی اکرم سے یہ حدیث منقول ہے۔ "افطر الحاجم و المحجوم"(۲)

"پچھنے لگانے والے اور پچھنے لگوانے والے دونوں کا روزہ باطل ہے۔"

بدایۃ المجتہد میں ہے:

قال ابو حنیفة و اصحابه: انها غیر مکروهة ولا مفطرة (۳)

"یہ عمل روزہ کی حالت میں مبطل روزہ تو در کنار، مکروہ بھی نہیں ہے۔"

(ز) ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی وغیرہ نے پیغمبر اسلام سے یہ حدیث نقل کی ہے:

"الوضوء نصف الایمان" (۱)

"وضو نصف ایمان ہے۔"

(ح) صحیح بخاری، مسلم، سنن ابی داؤد اور دارمی وغیرہ میں مذکور ہے:

---

(۱) المحلیٰ ابن حزم جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۰ اور بعد والے صفحات

(۲) صحیح بخاری، کتاب الصوم باب ۳۲، سنن ابی داؤد باب ۲۸۔ ترمذی باب ۵۹۔ دارمی باب ۲۶ سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام ۱۸۔ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ جلد ۳ صفحہ ۳۶۵، ۴۷۴، ۴۸۰ جلد ۴ صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵ جلد ۵ صفحہ ۲۱۰، ۲۷۶، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۳ جلد ۶ صفحہ ۱۲، ۱۵۷، ۲۵۸

(۳) بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۳۰۰۔ المحلیٰ ابن حزم جلد ۶ صفحہ ۲۰۴۔ ۲۰۵ مسئلہ ۷۵۳

ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب ۵ دارمی کتاب الوضوء باب ۲۔ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۶۵

وضاحت۔ ہم نے اس مقام کی تمام احادیث کو المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث سے نقل کیا ہے۔

ان النبی (ص) اذا ارادسفرا اقرع بین نسائه فایتهن خرج سهمها خرج بهامعه.(۱)

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو آپ اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تھے جس نام قرعہ میں نکلتا آپ اسے سفر میں ساتھ لے جاتے تھے۔"

جب کہ امام ابوحنیفہ نے وضو نصف ایمان اور آنحضرت کی قرعہ اندازی کی روایات کو نہ صرف مسترد کیا بلکہ ان کی تضحیک تک بھی کی۔

بات صرف آٹھ دس احادیث تک موقوف نہیں ہے بلکہ اصحاب الرائے کے امام ابو حنیفہ اور ان جیسے مجتہدین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سینکڑوں اور احادیث کی مخالفت کی اور اس کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح دی۔ تاریخ بغداد میں ایسی احادیث کی تعداد دو سو سے چار سو تک بیان کی گئی ہے۔

مجتہدین کی ایسی ہی ستم رانیوں کی وضاحت کے لیئے ابن حزم کی المحلیٰ جیسی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔ اور عمل بالرائے کا دردناک پہلو یہ ہے کہ اہل الرائے نے اپنے لیئے قیاس استحسان اور مصالح مرسلہ جیسے نام نہاد قواعد بھی مقرر کر رکھے ہیں اور اپنے خود ساختہ قواعد و قوانین سے ان لوگوں نے شریعت سازی کا کام کیا ہے اور حکم اسلامی کے استنباط کے لیئے کتاب وسنت کا نام لے کر ایسے ہی خود ساختہ قواعد سے احکام کا استنباط کیا گیا ہے۔ اور بہت سے احکام میں قرآن وسنت کو بائی پاس کیا گیا ہے۔ جس کی چند مثالیں ابھی آپ نے ملاحظہ فرمائی ہیں اور یوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کتب خلفاء میں

---

(۱) سنن ترمذی کتاب الدعاء باب ۸۵۔ نسائی کتاب الزکوۃ باب ۲۔ صحیح بخاری کتاب الجهاد باب ۶۴، الهبہ ۱۵، الشھادات ۱۵، ۳۰، المغازی ۳۴، تفسیر سورہ ۲۴/۶۔ مسلم کتاب التوبہ حدیث ۵۶۔ سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی القسم بین النساء، دارمی کتاب النکاح ۲۶۔ مسند احمد ۶ صفحہ ۱۱۷، ۱۹۵، ۱۵۷، ۲۶۹ مذکورہ روایت بی بی عائشہ سے مروی ہے جب کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ صرف حج، عمرہ کے لئے بیویوں کو ساتھ لے جاتے تھے۔

اسلامی شریعت کے نام سے منسوب کر کے افرادِ امت کو ان کا مکلف قرار دیا گیا۔ کتب خلفاء سے وابستہ افراد کی انہی کارستانیوں کی وجہ سے یہودی مستشرق گولڈزیہر اور کچھ نادان قسم کے مسلمانوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ عہدِ پیغمبر میں اسلام ناقص تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد مرحلہ وار احکام اسلام کی تکمیل ہوئی۔

اہل الرائے مجتہدین کی جسارتیں اتنی بڑھیں کہ ان میں سے بعض نے ''حیل شرعیہ'' شرعی حیلوں کو دیکھ کر انسان کی جبین ندامت سے پسینہ پسینہ ہونے لگ جاتی ہے اور مسلمان کی نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں اور ''فقیہان نامدار'' نے ایسے شرعی حیلے تراشے ہیں جن کی دنیا کے کسی بھی قانون میں مثال نہیں ملتی۔(۱)

خود ساختہ مسائل وضع کرنے سے بھی زیادہ ظلم یہ کیا گیا کہ اہل الرائے مجتہدین کی مدح وثنا میں یار لوگوں نے اپنی طرف سے حدیثیں تراش کر انہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی بھی جسارت کی۔

ایسی ہی ایک حدیث ابو ہریرہ کی زبانی خطیب نے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

يكون في امتي رجل اسمه النعمان و كنيته ابو حنيفة هو سراج امتي، هو سراج امتي، هو سراج امتي.

(تاریخ بغداد خطیب جلد ۱۳ صفحہ ۳۳۵)

''میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام نعمان اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔ وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔ وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔''

مجھے معلوم نہیں کہ بادشاہ ظاہر بیبرس بندقداری سلطان مصر نے ۶۶۵ھ میں اجتہاد کا دروازہ بند کر کے صحیح اقدام کیا تھا یا غلط؟ (خطط المقریزی جلد ۴ صفحہ ۱۶۱)

اس ساری داستان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اجتہاد (عمل بالرائے) کا دروازہ بھی خلفائے راشدین کی دورِ حکومت میں کھلا تھا اور اس دروازہ کو ایک حاکم نے بند کر دیا جو کہ ابھی تک بند پڑا ہے۔

(۱) المحلیٰ ابن حزم جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۱۔۲۵۷ مسئلہ ۲۲۱۳۔ زنا کے لیئے کرایہ کی عورت۔

یہاں تک کتب خلفاء کے اجتہاد کی آپ نے دل گداز داستان ملاحظہ فرمائی جب کہ مکتب اہل بیت میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مکتب اہل بیت سے وابستہ علماء نے اپنے ائمہ کی پیروی کرتے ہوئے اس علم کا نام فقہ رکھا اور اس علم کے ماہر کو "فقیہ" کا لقب دیا۔

کشی معرفۃ الرجال میں لکھتے ہیں:

امام محمد باقر اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے مشہور فقہاء گروہ امامیہ اس بات پر متفق ہے کہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں کا ایک گروہ فقیہ تھا اور ان کی فقاہت مسلم تھی۔ اور علمائے امامیہ نے کہا کہ ابتدائی دور کے فقیہ چھ تھے۔

- زرارہ۔
- معروف بن خربوذ
- برید عجلی
- ابو بصیر الاسدی
- فضیل بن یسار
- محمد بن مسلم الطائفی۔

علمائے امامیہ کا بیان ہے کہ ان چھ فقہاء میں سب سے بڑے فقیہ زرارہ تھے۔۔۔(۱)

(رجال کشی صفحہ ۲۳۸ فی تسمیۃ الفقہاء نمبر شمار ۴۳۱)

کشی، معرفۃ الرجال میں مزید لکھتے ہیں:

علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے مخصوص شاگردوں کے بیان کردہ مسائل درست ہیں اور ان کی تصدیق ضروری ہے اور مذکورۃ الصدر چھ فقہاء کے علاوہ مزید چھ فقہا کی فقہ کو بھی تسلیم کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) جمیل بن دراج۔ (۲) عبداللہ بن مسکان۔ (۳) عبداللہ بن بکیر۔

(۴) حماد بن عیسیٰ۔ (۵) حماد بن عثمان۔ (۶) ابان بن عثمان۔

ابو اسحاق الفقیہ (ثعلبہ بن میمون) کا خیال تھا کہ ان میں سے سب سے بڑے فقیہ جمیل بن دراج تھے اور یہ سب کے سب امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔

(رجال کشی صفحہ ۳۷۵ نمبر شمار ۷۰۵)

اس کے بعد کشی مزید لکھتے ہیں: امام موسیٰ کاظم اور امام علی رضا علیہ السلام کے شاگردوں میں سے چھ کے متعلق علمائے امامیہ کا اجماع ہے کہ وہ فقیہ تھے۔۔۔(۱)

---

(۱) رجال کشی صفحہ ۵۵۶ نمبر شمار ۱۰۵۰۔ خاتمۃ الوسائل طبع امیر بہادر جلد ۳ صفحہ ۵۳۸۔ الاصول الاصیلۃ للفیض صفحہ ۵۶۔۵۷

شیخ صدوق المتوفی ۳۸۱ھ نے مکتب اہل بیت کی پہلی جامع فقہی کتاب تشکیل دی اورانہوں نے اپنے مجموعہ کا نام "فقیہ من لا یحضرہ الفقیہ" رکھا۔ان کے شاگرد رشید، شیخ مفید المتوفی ۴۱۳ھ نے اصول فقہ نامی کتاب تالیف کی۔

اوراس وقت کے تمام مسلمان اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ مکتب اہل بیت سے وابستہ فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ وہ اپنے ماہر فقہ کو مجتہد کہنے کی بجائے فقیہ کہتے تھے۔شیخ طوسی نے المبسوط کی ابتداء میں یہ الفاظ لکھے:

"میں ہمیشہ سے اپنے مخالفین سے یہ سن رہا ہوں۔۔۔وہ کہتے ہیں۔۔۔جوبھی قیاس اوراجتہاد کی نفی کرے وہ کثرت مسائل سے ہرگز عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔۔۔۔"

پھر مرور ایام کے ساتھ ساتھ اجتہاد اور مجتہد کی اصطلاحات مکتب اہل بیت میں بھی داخل ہوگئیں اوراساتذہ کی ان اسناد میں اس لفظ کا ذکر ہونے لگا جو وہ اپنے تلامذہ کو روایت حدیث کے سلسلہ میں دیتے تھے۔

ان اسناد میں استاد اپنے شاگرد کو اپنے اوراپنے شیوخ کے سلسلہ رواۃ سے معصومین کی احادیث نقل کرنے کی اجازت دیتے تھے۔(۱)

روایت حدیث کے اجازت ناموں کے بعد لفظِ اجتہاد و مجتہد کا اطلاق مطلقاً روایت کتب کے اجازت ناموں میں بھی ہونے لگا اوران اجازت کو وہی حیثیت حاصل ہوتی تھی جو کسی بھی یونیورسٹی کی اسناد کو ہوتی ہے۔

---

(۱) اس کی مزید وضاحت آپ کی کتاب ہذا کی تیسری جلد کے باب "مکتب اہل بیت میں اسناد مشائخ کا تسلسل" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے کچھ ایسے ہی اجازت ناموں میں ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ علماء کو مجتہدین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ علامہ حلی کے فرزند نے اپنے والد کے اس اجازت نامہ کو نقل کیا جو علامہ حلی نے شیخ محسن بن مظاہر کو ۷۰۱ھ میں تحریر کر کے دیا تھا۔ اس اجازت کی عبارت کو بیان کرتے ہوئے علامہ حلی کے فرزند نے یہ الفاظ تحریر کیئے:

"والدی شیخ الاسلام امام المجتهدین"

(بحار الانوار جلد ۱۰۷ صفحہ ۲۱۵_۲۱۶)

اس طرح سے علامہ حلی کے فرزند نے شیخ علی نیلی کے اس اجازت نامہ کو جو انہوں نے ابن فہد کو ۷۹۱ھ میں لکھ کر دیا تھا، کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے:

"شيخنا المولیٰ الامام العلامة خاتم المجتهدين"

(بحار الانوار جلد ۱۰۷ صفحہ ۲۳۲_۲۵۲)

اور رفتہ رفتہ یہ نوبت آئی کہ علماء اپنے فائق تلامذہ کو درجہ اجتہاد کی سند جاری کرنے لگے جیسا کہ علامہ مجلسی نے ۱۰۸۵ھ کو اپنے نواسے خاتون آبادی کو اپنی تمام مؤلفات کی روایت کرنے کی سند جاری کی تو انہوں نے اس سند میں یہ وضاحت کی کہ ان کا نواسہ درجہ اجتہاد پر پہنچ چکا ہے۔

پھر مکتب اہل بیت کے علماء عمومی طور پر اپنے شاگردوں کو درجہ اجتہاد کی سند جاری کرنے لگے۔ اور یوں آہستہ آہستہ لفظ اجتہاد و مجتہد کی اصطلاح مکتب اہل بیت میں بھی داخل ہو گئی مگر دونوں مکاتب میں جہاں یہ اصطلاح رائج ہے اس اصطلاح کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ مکتب خلفاء میں اجتہاد عمل بالرائے کی آزادی کو کہا جاتا ہے

جب کہ مکتب اہل بیت میں اجتہاد قرآن وسنت کی گہری تحقیق کو کہا جاتا ہے۔ اگرچہ لفظ ایک ہیں لیکن مفہوم میں بہت بڑا فرق ہے۔

مکتب اہل بیت سے وابستہ بہت سے اخباری علماء نے لفظ اجتہاد و مجتہد کی شدید مخالفت کی ہے اوران کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس لفظ کو جو کہ قرون اُولیٰ میں کافی بدنام تھا اور علمائے متقدین اس کو سننا پسند نہیں کرتے تھے، مکتب اہل بیت میں اس لفظ کے داخل ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں علمائے اصولیین اور اخباری علماء میں کافی مباحثے بھی ہوئے جنہیں ہم یہاں نقل کرنے سے قاصر ہیں بہرحال اتنی بات اپنے مقام پر طے ہے کہ لفظ اجتہاد مکتب خلفاء میں اور ہے اور مکتب اہل بیت میں اس لفظ کا مفہوم کچھ اور ہے۔ اور دونوں مکاتب فکر کے اجتہاد میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مکتب اہل بیت سے وابستہ فقہاء مکتب خلفاء کے خود ساختہ فقہی اصولوں کو تسلیم نہیں کرتے' اور وہ مجتہدین کی ذاتی آراء کو احکام شرعی کا ماخذ تسلیم نہیں کرتے مکتب اہل بیت میں استنباط احکام کے لیئے اجتہاد کی چکی قرآن وسنت کے گرد گردش کرتی ہے۔ ان شاء اللہ اس کی وضاحت آپ اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

فصل چہارم

مکتب اہل بیت میں قرآن وسنت کو ہی شریعت کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے

- احکام کے بیان کے لیئے اہل بیت رائے پر تکیہ نہیں کرتے تھے۔
- آئمہ اہل بیت کی احادیث کی اضافت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔
- نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے شریک ائمہ کے لیئے احکام سن کر مدون کریں۔
- آئمہ نے ہر دور میں اپنے جد نامدار رسول خدا سے بطور وراثت ملنے والی کتب سے استفادہ کیا اور ضرورت کے وقت انہیں کتابوں کی طرف رجوع کیا۔

مکتب اہل بیت میں احکام شریعت کے لیئے سب سے پہلا سرچشمہ قرآن حکیم ہے اور جب ہم مکتب اہل بیت میں مصادر شریعت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ مکتب خلفاء میں جس طرح سے رائے کو اہمیت دی گئی ہے آئمہ اہل بیت کے ہاں اس کا کہیں نام ونشان دکھائی نہیں دیتا اور وہ رائے پر مبنی اجتہاد کے مخالف تھے۔

آئمہ اہل بیت ذاتی رائے کی بجائے ان کتابوں پر انحصار کرتے تھے جو کہ بطور میراث حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ان تک پہنچی تھیں۔ جیسا کہ حسب ذیل روایات میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

بیان احکام کے لیئے آئمہ رائے پر تکیہ نہیں کرتے تھے۔

الکافی میں منقول ہے:

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ اسلام سے ایک مسئلہ پوچھا کہ آپ نے اسے جواب دیا اس شخص نے کہا۔ اگر معاملہ اس اس طرح ہوتا تو پھر اس کے متعلق کیا فتویٰ ہوتا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مه ، ما اجبتک فیه من شئی فهو عن رسول الله ، لسنا من أرأیت فی شیئی" (۱)

"خاموش رہو، میں نے جو تجھے جواب دیا ہے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بیان کردہ ہے، ہمارا (أرایت) "آپ کا کیا خیال ہے" سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

آئمہ اہل بیت کی احادیث کی اضافت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔

بصائر الدرجات میں ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مهما اجبتک فیه بشئی فهو عن رسول الله (ص) لسنا نقول برأینا من شئی" (۲)

---

(۱) اصول کافی جلد ا صفحہ ۵۸ تالیف ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی الرازی التوفی ۳۲۸ یا ۳۲۹ھ طبع تہران ۱۳۷۵ھ۔ الوافی جلد ا صفحہ ۵۹ تالیف محمد بن مرتضیٰ المعروف ملا محسن فیض کاشانی التوفی ۱۰۹۱ طبع ۱۳۲۴ھ

(۲) بصائر الدرجات صفحہ ۳۰۱ تالیف محمد بن حسن صفار التوفی ۲۹۰ھ طبع ۱۲۸۵ھ

"میں نے تجھے جو بھی جواب دیا ہے وہ رسول خداؐ کی طرف سے ہے۔ ہم اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتے۔"

علامہ مجلسی نے درج بالا حدیث کی شرح میں لکھا:

"سائل دراصل یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق آپ اپنے ظن اور اجتہاد پر مبنی رائے کے متعلق مجھے خبر دیں۔"

اس کے جواب میں امام علیہ السلام نے اسے اس گمان سے منع کیا اور بیان فرمایا کہ آپ جزم و یقین اور رسول مقبولؐ کے فرمان کے علاوہ اپنی طرف سے کچھ کہنے کے عادی نہیں ہیں۔ (مرآۃ العقول مجلسی)

بصائر الدرجات میں فضیل بن یسار کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"لو انا حدثنا برأ بنا ضللنا كما ضل من كان قبلنا ولكنا حدثنا ببنية من ربنا لنبيه فبينها لنا." (۱)

"اگر ہم اپنی رائے سے گفتگو کرنے لگ جائیں تو ہم بھی اس طرح سے گمراہ ہو جائیں گے جیسا کہ ہم سے پہلے لوگ گمراہ ہوئے ہیں، لیکن ہم وہی کچھ کہتے ہیں جو اللہ نے اپنے نبی سے بیان کیا اور نبی نے ہم سے بیان کیا۔"

بصائر الدرجات میں ہی سماعہ سے منقول ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے حضرت ابوالحسن علیہ السلام سے کہا: آپ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ سب کا سب کتاب اللہ اور سنت (نبوی) میں ہوتا ہے یا آپ اپنی رائے سے کہتے ہیں؟

اس کے جواب میں امام علیہ السلام نے کہا:

بل كل شئى نقوله فى كتاب الله وسنة نبيه.

(بصائر الدرجات صفحہ ۳۰۱ حدیث ۱)

"ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت میں موجود ہوتا ہے۔"

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۲۹۹۔ ابوالقاسم فضیل بن یسار بنی نہد کے آزاد کردہ غلام تھے اور وہ امام باقرؑ و امام صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ بعد ازاں بصرہ چلے گئے۔ (قاموس الرجال جلد ۷ صفحہ ۳۲۴۔)

آئمہ کا علم ایک دوسرے کو بطور میراث منتقل ہوا

بصائر الدرجات میں داؤد بن ابی یزید الاحول سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا:

اگر ہم اپنی ذاتی رائے اور خواہش کے تحت لوگوں کو فتوے جاری کرتے تو ہم بھی ہلاک ہو جانے والوں میں سے قرار پاتے۔ ہم تو صرف رسول اللہؐ کے آثار کے تحت فتویٰ دیتے ہیں اور ہم آنحضرت کے علم کو نسلاً بعد نسلٍ بطور میراث حاصل کرتے ہیں۔ ہم علم کو ایسے ہی ذخیرہ کرتے ہیں جیسا کہ لوگ اپنے پاس سونے چاندی کا ذخیرہ جمع رکھتے ہیں۔ (۱)

بصائر الدرجات میں تین اسناد کے ساتھ جابر سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جابر! خدا کی قسم اگر ہم لوگوں کے سامنے اپنی رائے پیش کرنے لگ گئے تو پھر ہم ہلاک ہونے والوں میں سے بن جائیں گے۔ ہمارے پاس رسول خدا کے جو آثار ہیں ہم ان کے تحت لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں اور ہم یکے بعد دیگرے اس کے وارث ہوتے رہتے ہیں اور ہم آثار رسول کا اپنے پاس ایسے ہی ذخیرہ کرتے ہیں جیسے لوگ سونے چاندی کا اپنے ہاں ذخیرہ کرتے ہیں۔ (۲)

بصائر الدرجات میں تین اسناد کے ساتھ جابر سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جابر! خدا کی قسم اگر ہم لوگوں کے سامنے اپنی رائے پیش کرنے لگ گئے تو پھر ہم ہلاک ہونے والوں میں سے بن جائیں گے۔ ہمارے پاس رسول خداؐ کے جو آثار ہیں ہم ان کے تحت لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں اور ہم یکے بعد دیگرے اس کے وارث ہوتے رہتے ہیں اور ہم آثار رسول کا اپنے پاس ایسے ہی ذخیرہ کرتے ہیں جیسے کہ لوگ سونے چاندی کا اپنے ہاں ذخیرہ کرتے ہیں۔ (۲)

بصائر الدرجات میں تین اسناد کے ساتھ محمد بن شریح سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اگر اللہ تعالیٰ نے ہماری اطاعت ولایت کو فرض نہ کیا ہوتا اور ہماری مودت کا حکم نہ دیا ہوتا تو ہم تمہیں نہ تو اپنے دروازوں پر کھڑا ہونے دیتے اور نہ ہی ہم تمہیں اپنے گھروں میں داخل کرتے۔ خدا کی قسم! ہم اپنی خواہشات اور اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتے۔ ہم تو بس وہی کہتے ہیں جو ہمارے رب نے کہا ہے۔ ہمارے پاس اصول شریعت پر مبنی کتابیں موجود

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۲۹۹۔ داؤد بن فرقد ابو یزید الاسدی۔ ابو سمان الکوفی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس نے امام صادق و کاظم سے احادیث بیان کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۴ صفحہ ۵۶۔)

(۲) بصائر الدرجات صفحہ ۲۹۹ حدیث ا۔ صفحہ ۳۰۰ حدیث ۴-۲ جابر الجعفی ابن یزید بن الحرث ۱۲۸ھ نے امام باقر و امام صادق سے احادیث نقل کی تھیں۔

ہیں اور ہم انہیں اپنے پاس اس طرح سے ذخیرہ کیئے ہوئے ہیں جیسا کہ لوگوں کے پاس سونے چاندی کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۳۰۰۔۳۰۱ حدیث ۵۔۷۔۱۰)

آئمہ ھدیٰ کی احادیث کی اضافت ان کے جد نامدار رسول اکرمؐ کی طرف ہوتی ہے۔

سابقہ احادیث میں آئمہ ھدیٰ کی زبانی اس بات کی تصریح پیش کی گئی کہ وہ اپنی رائے کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث کے تحت کہتے ہیں اور اس باب میں آئمہ ھدیٰ کی احادیث کے اسناد کا جائزہ لیا جائے گا۔

سماعہ بن مہران نے امام صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی کہ آپ نے فرمایا:

"ان اللہ علم رسولہ الحلال و الحرام و التأویل وعلم رسول اللہ علمہ کلہ علیا" (۱)

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حلال وحرام اور تاویل کی تعلیم دی اور رسول خدا نے اپنے تمام علم کی علیؑ کو تعلیم دی۔"

بعینہ یہی روایت حمران بن اعین، ابو بصیر، ابو الاعز اور حماد بن عثمان سے بھی مروی ہے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۲۹۰۔۲۹۲)

یعقوب بن شعیب نے دو اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

"ان اللہ تعالیٰ علم رسول اللہ القران وعلمہ شیئا سوی ذلک فماعلم اللہ رسولہ فقد علم رسولہ علیا" (۲)

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو قرآن مجید اور اس کے علاوہ ایک اور چیز کی تعلیم دی، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جس بھی چیز کی تعلیم دی، رسول خدا نے ان تمام چیزوں کی علیؑ کو تعلیم دی۔"

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۲۹۰۔ باب "فی امیر المومنین ان النبی علمہ العلم" الوسائل ج ۳ صفحہ ۳۹۱ حدیث ۱۹۔ مستدرک الوسائل جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ حدیث ۲۸ بحوالہ تفسیر عیاشی۔

(۲) بصائر الدرجات صفحہ ۲۹۰۔۲۹۱ حدیث ۳۔۹

محمد حلبی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

"كان علي يعلم كل مايعلم رسول الله ولم يعلم الله رسوله شيئا الا وقد علمه رسول الله عليا امير المومنين." (۱)

"حضرت علیؑ ہر اس چیز کا علم رکھتے تھے جس کا رسول خدا علم رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جس بھی چیز کی تعلیم دی تو انہوں نے اس چیز کی تعلیم علیؑ کو دی۔"

سلیم بن قیس نے امیر المومنین سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

میں جب بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سوال کرتا تھا تو آپ مجھے جواب دیتے تھے اور اگر میرے پاس سوالات ختم ہو جاتے تو آپ اپنی طرف سے ابتدا کرتے تھے۔ آپ پر رات، دن، آسمان، زمین، دنیا، آخرت، جنت، دوزخ، میدان، پہاڑ، روشنی اور تاریکی کے متعلق جو بھی آیت نازل ہوئیں تو آپ نے مجھے وہ آیت پڑھائی اور مجھ سے لکھوائی اور میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور آنحضرتؐ نے مجھے قرآن کی تاویل، تفسیر، متشابہ اور خاص و عام کی تعلیم دی اور مجھے یہ بتایا کہ آیت کیسے نازل ہوئی، کہاں نازل ہوئی اور قیامت تک کے لیئے کس کے متعلق نازل ہوئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے میرے لیئے دعا کی کہ اللہ مجھے قرآن کی سمجھ اور حافظہ عطا کرے۔ لہٰذا مجھے آج تک کوئی آیت نہیں بھولی اور نہ ہی مجھے یہ بات بھولی کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تمام آیات مجھ سے لکھوائی تھیں۔ (۲)

مذکورہ احادیث کی تائید طبقات ابن سعد کی حسب ذیل تین روایات سے بھی ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ طبقات ابن سعد کتب خلفاء کی مشہور کتاب ہے۔

(الف) محمد بن عمر بن علی بن ابی طالبؑ سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ سے کہا گیا

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۲۹۲ حدیث ۱۳۔ محمد الحلبی ابو جعفر بن علی بن ابی شعبہ نے امام صادق سے احادیث روایت کی ہیں اور امام علیہ السلام کی زندگی میں ہی ان کی وفات ہوئی۔ (قاموس الرجال جلد ۸ صفحہ ۲۷۶)

(۲) بصائر الدرجات صفحہ ۱۹۸ حدیث ۳۔ سلیم بن قیس ابو صادق الہلالی العامری کا تعلق امیر المومنین کے اصحاب میں سے تھا۔ اس نے امام سجادؑ تک چار آئمہ ہدیٰ کی زیارت کی تھی۔ اس نے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ (قاموس الرجال جلد ۴ صفحہ ۴۴۵۔)

"مالک اکثر اصحاب رسول اللہ (ص) حدیثا؟"

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ تمام اصحاب پیغمبر میں سے آپ احادیث زیادہ بیان کرتے ہیں؟

اس کے جواب میں حضرت علیؑ نے فرمایا:

"انی کنت اذا سأ لته انبانی و اذا سکت ابتدأ نی"

"(اس کی وجہ یہ ہے) جب میں رسول اکرمؐ سے سوال کرتا تو آپ مجھے اس کا جواب دیتے تھے اور جب میں خاموش ہوتا تو آپ ازخود ابتداء کرتے تھے۔"

(ب) سلیمان احمسی نے اپنے والد سے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا:

"واللہ مانزلت ایة الا وقد علمت فی مانزلت ، واین نزلت وعلی من نزلت ان ربی وھب لی قلبا عقولا و لسانا طلقا."

"خدا کی قسم! میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ کس مسئلہ کے متعلق نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور کس کے متعلق نازل ہوئی ۔ میرے پروردگار نے مجھے سمجھدار دل اور بولنے والی زبان عطا کی ہے۔"

(ج) ابوالطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے کہا:

"سلونی عن کتاب اللہ فانہ لیس من آیة الا وقد عرفت بلیل نزلت ام بنھار فی سھل نزلت ام فی جبل." (۱)

"مجھ سے کتاب اللہ کے متعلق سوال کرو کوئی ایسی آیت نہیں جس کے متعلق مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ رات کو اتری یا دن کو نازل ہوئی، میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر نازل ہوئی۔"

بصائر الدرجات میں زید بن علی سے منقول ہے کہ اس نے کہا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

میں اس وقت تک کبھی سوتا نہیں تھا جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اسدن کے متعلق یہ خبر نہ دیتے کہ آج جبریل حلال وحرام ، سنت ، امرونہی ۔ کے فلاں

(۱) طبقات ابن سعد در حالات حضرت علی ۲/۲/۱۰۱ طبع یورپ۔ پہلی حدیث کو احمد بن حنبل نے بھی قلمی کتاب فضائل علی بن ابی طالب میں نقل کیا۔

فلاں مسائل لے کر نازل ہوئے اور ہر آیت کے متعلق آنحضرتؐ مجھے یہ بتایا کرتے تھے کہ کس مسئلہ کے متعلق اور کس شخص کے متعلق نازل ہوئی۔

راوی کہتا ہے کہ زید بن علی زین العابدین کی بیان کردہ یہ روایت میں نے معتزلہ فرقہ کے لوگوں سے بیان کی تو انہوں نے مجھ سے کہا: بھلا یہ بات کیسے ممکن ہے کہ حضرت علیؑ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم بعض اوقات کئی دنوں کے لیئے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تھے تو غیبت کے دنوں میں اترنے والے مسائل حضرت علیؑ کیسے معلوم کرتے تھے؟

راوی کا بیان ہے کہ معتزلہ کا یہ اعتراض میں نے زید کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا: جن دنوں حضرت علیؑ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اتنے دنوں کے تمام مسائل کو ذہن میں رکھتے تھے اور جب ان کی باہمی ملاقات ہوتی تھی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم حضرت علیؑ کو بتلاتے تھے کہ فلاں دن فلاں حکم نازل ہوا تھا اور فلاں دن مجھ پر فلاں حکم نازل ہوا تھا۔ اور یوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمام ایام کے احکام حضرت علیؑ کے سامنے بیان کرتے تھے۔

میں نے زید بن علی کا جواب معتزلہ کے سامنے پیش کیا۔(۱)

زید شہید کی روایت کی تائید سنن نسائی، مسند احمد اور ابن ماجہ کی درج ذیل تین احادیث سے ہوتی ہے۔

(الف) نسائی لکھتے ہیں:

"عن عبداللہ بن نجیّ قال: قال علی: کانت لی منزلة من رسول اللہ لم تکن لاحد من الخلائق فکنت اتیه کل سحر فاقول: السلام علیک یا نبی اللہ، فان تنحنح انصرفت الی اهلی والا دخلت علیه"

عبداللہ بن نجی کا بیان ہے کہ حضرت علی السلام نے فرمایا:

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۹۷ حدیث ۳۔ حضرت زید نے اموی حکمران ہشام کے خلاف خروج کیا تھا اور انہوں نے آل محمد کے حقوق و رضا کی دعوت دی تھی۔ ۱۲۰ھ ماہ صفر کی دو تاریخ کو کوفہ میں شہید ہوئے۔ (قاموس الرجال جلد ۴ صفحہ ۲۵۹)

”مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہاں وہ منزلت حاصل تھی جو کسی بھی دوسرے شخص کو حاصل نہ تھی۔ میں روزانہ صبح کے وقت آنحضرت کی خدمت میں حاضری دیتا تھا اور (دروازے پر کھڑا ہو کر) ”السلام علیک یا نبی اللہ“ کہتا تھا۔ اگر آنحضرت جواب میں کھانستے تو میں اپنے گھر واپس آجاتا تھا ورنہ میں ان کے پاس چلا جاتا تھا۔“

(ب) ”قال علی: کان لی من رسول اللہ (ص) ساعۃ اتیہ فاذا اتیتہ فیھا استأذنت، ان وجدتہ یصلی تنحنح و ان وجدتہ فارغا اذن لی.“

”حضرت علی کا بیان ہے میرے لیئے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ایک گھڑی روزانہ کی طے ہوا کرتی تھی۔ جب میں آپ کے پاس جاتا تو اجازت طلب کرتا تھا اگر میں آپ کو نماز کی حالت میں پاتا تو آپ کھانستے تھے اور اگر میں آپ کو فارغ پاتا تو آپ مجھے اجازت دیتے تھے۔“

(ج) قال علی: کان لی علی رسول اللہ مدخلان مدخل باللیل و مدخل بالنھار فکنت اذا دخلت باللیل تنحنح لی. (۱)

”حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ میں روزانہ دو مرتبہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا ایک بار رات کو داخل ہوتا اور ایک بار دن کو حاضر ہوتا تھا اور جب میں رات کو آپ کے پاس حاضر ہوتا تو آپ میرے لئے کھانستے تھے۔“

مذکورۃ الصدر روایات میں ہم نے یہ جائزہ لیا کہ حضرت علیؑ کے علم حاصل کرنے کا کیا طریقہ تھا اور اب ہم یہ جائزہ لیں گے کہ آئمہ اہلِ بیت نے اپنے بزرگوں اور والد حضرت علیؑ سے یہ علم کیسے حاصل کیا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کو کیا حکم دیا تھا؟

---

(۱) سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۷۸۔ باب التنحنح فی الصلاۃ۔ سنن ابن ماجہ حدیث ۳۷۰۸ کتاب الادب باب الاستئذان۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۸۰ حدیث ۶۰۸۔ بخاری نے تاریخ بخاری جلد ۴/۲/۵۶ میں روایت کا ابتدائی حصہ حذف کیا اور روایت کا آخری حصہ نقل کیا پہلی روایت مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۸۵ حدیث ۶۴۷ میں مذکور ہے اور دوسری روایت جلد اول صفحہ ۱۰۷ حدیث ۸۴۵ میں مذکور ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔ میں روزانہ صبح کے وقت آنحضرت کے پاس جاتا تھا اگر آپ کھانستے تو میں داخل ہو جاتا تھا ورنہ میں داخل نہیں ہوتا تھا۔

نبی اکرم نے حضرت علیؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے شریک آئمہ کے لیئے احکام سن کر مدون کریں۔

امالی شیخ طوسی ، بصائر الدرجات اور ینابیع المودت میں مرقوم ہے۔ امالی کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"عن احمد بن محمد بن علی الباقر عن آبائه (ع) قال: قال رسول الله (ص) لعلی: "اكتب ماامل علیک" قال یا نبی الله! اتخاف علی النسیان؟ قال: "لست اخاف علیک النسیان وقد دعوت الله لک ان یحفظک ولا ینسیک ، ولکن اکتب لشرکائک"

قال:قلت: ومن شرکائی یانبی الله؟ قال: "الائمه من ولدک بهم تسقی امتی الغیث و بهم لیستجاب دعائوهم و بهم یصرف الله عنهم البلآء وبهم تنزل الرحمة من السماء" واوما الی الحسنؑ وقال "هذا اولهم" واوماء الیٰ الحسینؑ وقال "الائمة من ولده"

(وبحذف اسناد) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا: میں جو تمہیں لکھواؤں وہ تم لکھ لیا کرو۔

میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! کیا آپ کو مجھ سے نسیان کا اندیشہ ہے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: مجھے تیرے متعلق نسیان کا کوئی خوف نہیں

ہے۔ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ تجھے قوت حافظہ سے مالا مال کرے اور تجھے نسیان سے محفوظ رکھے لیکن تم اپنے شرکاء کے لیئے لکھو۔

میں (حضرت علی) نے عرض کیا: یا نبی اللہ! میرے شریک کون ہیں؟

آپ نے فرمایا: تمہاری اولاد کے آئمہ تمہارے شریک ہیں جن کی وجہ سے میری امت پر بارش برسائی جائے گی اور جن کی وجہ سے ان کی دعائیں قبول کی جائیں گی اور جن کی وجہ سے اللہ افراد امت کی بلائیں دور کرے گا اور جن کی وجہ سے آسمان سے رحمت نازل ہوگی۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حسنؑ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: یہ ان میں سے پہلا امام ہوگا۔ پھر آنحضرتؐ نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: آئمہ اس کی نسل سے ہوں گے۔(۱)

اور مقام مسکن میں حضرت علی علیہ السلام نے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا جیسا کہ ابوارا کہ نے روایت کی ہے۔

ہم مسکن میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے کہ کچھ لوگوں نے کہا حضرت علیؑ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے میراث میں تلوار ملی تھی اور بعض نے کہا۔ انہیں ایک خنجر ورثہ میں ملا تھا۔ اور بعض نے کہا: انہیں میراث میں ایک صحیفہ ملا جو کہ تلوار کی نیام میں رکھتے ہیں۔ اتنے میں حضرت علیؑ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا:

اگر میرے مزاج میں آجائے اور مجھے اجازت مل جائے تو میں پورے سال تک تمہیں باتیں بتاؤں گا اور اس پورے عرصہ میں ایک لفظ کو بھی نہیں دہراؤں گا۔ میرے پاس رسول خداؐ کے لکھائے ہوئے بہت سے صحائف ہیں اور ان اہل بیتؑ کی جائیداد ہے اور ان میں سے ایک صحیفہ جسے "عبیطہ" کہا جاتا ہے اور عرب کے لئے اس سے زیادہ شدید چیز اور کو

(۱) امالی شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی المتوفی ۴۶۰ھ طبع مطبعۃ النعمان ۔ النجف جلد ۲ صفحہ ۵۶۔ بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۷ عن ابی الطفیل عن ابی جعفر۔ ینابیع المودت شیخ سلیمان حنفی قندوزی المتوفی ۱۲۹۴ھ صفحہ ۲۰۔ مطبوعہ دار الخلافۃ العثمانیہ ۱۳۰۲ھ

ئی وارد نہیں ہوئی اور اس میں عرب کے ایسے ساٹھ قبائل کا ذکر موجود ہے جن کا اللہ کے دین میں کوئی حصہ نہیں ہے۔(۱)

کتابِ علی

رسول اکرمؐ کی زبان مبارک سے سن کر حضرت علیؑ نے جو رسالے مرتب کیئے تھے۔ ہر امام نے اپنے اپنے زمانہ میں ان رسالوں کو بطور میراث حاصل کیا اور انہیں کی روشنی میں احکام دین بیان فرمائے جیسا کہ حسب ذیل روایات سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

بصائر الدرجات میں جابر بن یزید کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"ان عندی لصحیفة فیها تسعة عشر صحیفة قد حبا ها رسول الله" بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۴)

"میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں انیس صحائف ہیں جو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عطا فرمائے تھے۔"

یعنی میرے پاس ایک ایسی کتاب ہے جس میں چھوٹے انیس صحائف ہیں۔

فضیل بن یسار کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"یا فضیل! عند نا کتاب علی سبعون ذراعا ما علی الارض شئی یحتاج الیه الاوهو فیه حتی ارش الخدش . ثم خطه بیده علی ابهامه."(۱)

"فضیل! ہمارے پاس حضرت علیؑ کی لکھی ہوئی کتاب ہے جو کہ ستر ہاتھ لمبی ہے اور

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۹ اور اسی سے ملتا جلتا مفہوم صفحہ ۱۵۶ حدیث ۱۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ابو ارا کہ حضرت علی کے عہد سے لے کر زیاد بن ابیہ کے عہد تک کوفہ میں قیام پذیر رہا۔ (قاموس الرجال جلد ۱۰ صفحہ ۷) "مسکن" عراق میں نہر دجیل کے کنارے ایک جگہ کا نام ہے۔

(۲) بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۷۔ حدیث کے الفاظ میں تقدم و تاخر ہے اور صحیح الفاظ یہ ہیں "ثم خط بابهامه علی یده" اور اردو ترجمہ میں بھی ہم نے انہی الفاظ کو بنیاد قرار دیا ہے۔

زمین پر جس بھی چیز کی احتیاج ہو سکتی ہے۔ وہ اس میں موجود ہے حتی کہ اس میں ایک خراش تک کی دیت کا ذکر موجود ہے۔"

پھر آپ نے اپنے انگوٹھے سے اپنے ہاتھ پر خراش لگائی۔

حمران بن اعین کا بیان ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے ایک بہت بڑے گھر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

حمران! اس گھر میں ایک ایسا صحیفہ موجود ہے جس کا طول ستر ہاتھ ہے۔ اسے حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وہ لکھایا تھا۔ اگر ہم لوگوں کے حاکم بن گئے تو ہم اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے اور اس صحیفہ سے کبھی تجاویز نہیں کریں گے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۳)

محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت علیؑ کی باقی کتابوں میں سے ہمارے پاس ان کا لکھا ہوا وہ صحیفہ بھی موجود ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ ہم تمام احکام میں اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

اور میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ علم کی میراث کہاں تک پہنچی ہے؟

اور کیا جوامع کا تعلق علم سے ہے یا اس میں طلاق و فرائض قسم کے احکام کی تفسیر ہے جن کے متعلق لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت علیؑ نے قضاء و فرائض کا تمام علم لکھ دیا تھا' اگر ہمارے امر کا ظہور ہوا تو ہم بھی اسے حرف بہ حرف نافذ کریں گے۔ (۱)

دوسری روایت میں امام محمد باقر سے یہ الفاظ مروی ہیں

"فلو ظهر امرنا لم يكن شئي الاوفيه سنة غفيها"

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۳۔ ابو جعفر اوقص محمد بن مسلم بن رباح الطحان بنی ثقیف کا آزاد کردہ تھا۔ اس نے حلال و حرام کے چار سو مسائل پر ایک کتاب لکھی تھی اور اس کی وفات ۱۵۰ھ میں واقع ہوئی۔ (قاموس الرجال جلد ۸ صفحہ ۳۲۸)

"اگر کبھی ہمارا اقتدار قائم ہوا تو ہر مسئلہ کا اس میں حل موجود ہے اور ہم اسے ہی نافذ کریں گے"

محمد بن مسلم نے امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہ السلام میں سے کسی ایک سے یہ جملے نقل کیئے:

"ان عند نا صحيفة من كتاب على اوصحف على طولها سبعون ذراعا فنحن نتبع مافيها فلا نعد وها" (بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۴)

"ہمارے پاس حضرت علیؑ کی کتاب کا صحیفہ موجود ہے (یا آپؑ نے کہا کہ) ہمارے پاس حضرت علیؑ کی کتاب موجود ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ کی ہے ہم اس کے مندرجات کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے۔"

عبداللہ بن میمون نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپؑ نے فرمایا: کتابِ علیؑ میں ہر وہ چیز موجود ہے جس کی انسانوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے یہاں تک کہ اس میں ایک ہلکی یا تیز خراش تک کا ذکر بھی موجود ہے۔ (۱)

بصائر الدرجات میں مروان کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ کہتے سنا:

"عندنا كتاب على سبعون ذراعاً"

"ہمارے پاس حضرت علیؑ کی کتاب موجود ہے، جس کا طول ستر ہاتھ ہے۔"

(بصائر الدرجات ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۵)

ایک اور روایات میں یہ الفاظ ہیں:

"ماترک علی شیئا الا کتبه حتی ارش الخدش"

(بصائر الدرجات ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۵)

"علی نے کوئی چیز لکھے بغیر نہ چھوڑی یہاں تک کہ ایک خراش تک دیت بھی لکھ دی۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"والله عندنا لصحيفة طولها سبعون ذراعا فيها جميع مايحتاج اليه الناس حتى ارش الخدش املاه رسول الله وو كتبه على بيده" (بصائر الدرجات ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۵)

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۴، ۱۴۸۔ عبداللہ بن سنان بن طریف بن ہاشم کا آزاد کردہ غلام تھا وہ منصور، مہدی، ہادی اور رشید کا خازن تھا۔ ثقہ کوفی تھا۔ اس نے امام صادق سے روایات نقل کی تھیں۔ بعض علماء نے کہا کہ اس نے امام کاظم سے احادیث نقل کی تھیں۔ اس نے چند کتابیں بھی تالیف کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۵ صفحہ ۱۳۵)

"خدا کی قسم! ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس کا طول ستر ہاتھ ہے' انسانوں کی ضرورت کی ہر بات اس میں موجود ہے' یہاں تک کہ اس میں ایک خراش کی دیت کا بھی تذکرہ موجود ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے وہ صحیفہ اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔"

عبداللہ بن سنان نے امام صادق سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

"ان عند نا جلد سبعون ذراعاً املاہ رسول اللہ و خطہ علی بیدہ وان فیہ جمیع مایحتا جون الیہ حتی ارشی الحدش"(۱)

"ہمارے پاس ایک کھال ہے جو کہ ستر ہاتھ لمبی ہے۔ رسول اکرمؐ نے اسے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اسے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔ اس میں ایسی تمام چیزیں موجود ہیں جن کی لوگوں کو احتیاج ہے یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت بھی اس میں موجود ہے۔"

منصور بن حازم نے کہا کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ انہوں نے فرمایا:

"عندنا صحیفة فیها ما یحتاج الیه حتی ان فیها ارش الخدش." (۱. بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۴)

"ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں ضرورت کی تمام چیزیں لکھی ہوئی ہیں یہاں تک کہ اس میں خراش کی دیت کا بھی تذکرہ موجود ہے۔"

عثمان بن زیاد نے کہا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس گیا: آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ آپ نے میری ہتھیلی پر اپنے ہاتھ کی انگلی مار کر فرمایا:

ہمارے پاس اس کی اور اس سے بھی کم خراش کی دیت تک موجود ہے۔(۲)

منصور بن حازم اور عبداللہ بن ابی یعفور کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۷۔ عبداللہ بن میمون القداح بن مخزوم کا آزاد کردہ غلام تھا' مکہ میں رہائش پذیر تھا۔ اس نے امام صادق سے روایات نقل کی تھیں۔ ابن ندیم نے اسے شیعہ فقہاء میں سے شمار کر دیا۔ (قاموس الرجال جلد ۶ صفحہ ۱۵۸)

(۲) بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۹۔ اور صفحہ ۱۴۸ میں بھی اس سے ملتا جلتا مفہوم مذکور ہے۔

"ان عندی صحیفة طولها سبعون ذراعا فیها ما یحتاج الیه
حتی ان فیها ارش الخدش" (بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۴)

"یقیناً میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ اس میں ایسی تمام باتوں کا ذکر موجود ہے جس کی ضرورت ہے یہاں تک کہ اس میں ایک خراش کی دیت تک بھی مذکور ہے۔"

عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ان فی البیت صحیفة طولها سبعون ذراعا ماخلق الله من
حلال و لا حرام وفیها حتی ارش الخدش"

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۵)

"ہمارے گھر میں ایک صحیفہ ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ اللہ نے جو بھی حلال و حرام پیدا کیا ہے وہ اس میں موجود ہے' یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت بھی اس میں موجود ہے۔"

محمد بن عبدالملک نے کہا کہ ہم قریباً ساٹھ افراد امام صادقؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا:

"عندنا والله صحیفة طولها سبعون ذراعا ما خلق الله من
حلال و حرام الا وهو فیها حتی ان فیها ارش الخدش"

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۴)

"خدا کی قسم! ہمارے پاس ایک ایسا صحیفہ ہے جو کہ ستر ہاتھ لمبا ہے' اللہ نے جس بھی حلال و حرام کو پیدا کیا ہے اس کا اس میں ذکر موجود ہے یہاں تک کہ اس میں ایک خراش کی دیت بھی موجود ہے۔"

سلیمان بن خالد کا بیان ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ان عندنا لصحیفة سبعین ذراعاً املاء رسول الله (ص) و خط
علی (ع) بیده مامن حلال ولا حرام الا وهو فیها حتی ارش
الخدش" (بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۴)

"ہمارے پاس ستر ہاتھ کا صحیفہ موجود ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا۔ اس میں ہر حلال وحرام کا ذکر موجود ہے یہاں تک کہ ایک خراش تک کا بھی اس میں ذکر ہے۔"

حماد کا بیان ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا:

"ماخلق الله حلالاً و لاحراماً الا وله حد كحد الدار وان حلال محمد حلال الى يوم القيامة و حرامه حرام الى يوم القيامة وان عندنا صحيفة طولها سبعون ذراعاً، ما خلق الله حلالا ولاحراما الا فيها فما كان من الطريق فمن الطريق وما كان الدور فمن الدور حتى ارش الخدش والجلدة و نصف الجلدة" (۱)

"اللہ تعالیٰ نے جس بھی حلال وحرام کو پیدا کیا تو اس کی کوئی نہ کوئی حد مقرر کی جیسا کہ کسی گھر کی حد ہوتی ہے اور محمد مصطفیٰؐ کا حلال قیامت کے دن تک حلال اور ان کا حرام قیامت کے دن تک کے لیئے حرام ہے اور ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے اللہ نے جس بھی حلال وحرام کو پیدا کیا ہے وہ اس میں موجود ہے اور جو چیز راستے کے ذریعہ سے ہے وہ راستے کے ذریعہ سے ہے اور جو گھر کی ہے سو وہ گھر کی ہے یہاں تک کہ اس میں خراش کی دیت اور ایک کوڑے اور نصف کوڑے تک کی تعزیرات بھی موجود ہیں۔"

عبداللہ بن ایوب نے اپنے والد سے روایت کی کہ اس نے کہا کہ میں نے امام صادقؑ کو یہ کہتے سنا:

"ماترک علی شیعة وهم يحتاجون الى احدفى الحلال و الحرام حتى انا وجد نا فى كتابه ارش الخدش. قال. ثم قال: امانك ان رايت كتابه لعلمت انه من كتب الاولين." (بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۶)

"حضرت علیؑ نے اپنے شیعوں کو حلال وحرام کے متعلق کسی کا محتاج نہیں رہنے دیا۔

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۸۔ اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۵۹۔ الوافی جلد ۱ صفحہ ۶۱۔ البتہ کافی اور وافی میں چند الفاظ موجود نہیں ہیں۔

یہاں تک کہ ہم نے ان کی کتاب میں خراش کی دیت تک بھی پائی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اگر تم ان کی کتاب دیکھ لو تو تم خود ہی جان لو گے کہ یہ کتب اولین میں سے ہے۔"

محمد بن حکیم نے امام ابوالحسن سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

"انماھلک من کان قبلکم بالقیاس وان اللہ تبارک و تعالیٰ لم یقبض نبیہ حتی اکملہ جمیع دینہ فی حلالہ و حرامہ فجاء کم بما تحتاجون الیہ فی حیاۃ و تستغیثون بہ و باھل بیتہ بعد موتہ وانھا صحیفۃ عنداھل بیتہ حتی ان فیھا ارش الخدش ثم قال: ان ابا حنیفۃ ممن یعقول قال علی (ع) وقلت انا" (بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۰-۱۴۶ چند الفاظ کے اضافہ کیساتھ)

"تم سے پہلی امتیں قیاس کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس وقت تک جہاں سے نہیں اٹھایا جب تک حلال و حرام کے تمام مسائل کو کامل نہیں کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمہارے پاس وہ چیز لائے ہیں جس کی تمہیں ان کی زندگی میں ضرورت تھی اور ان کی موت کے بعد تم ان کے اہل بیت سے مدد حاصل کر سکتے ہو اور وہ اہل بیت کے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں ایک خراش تک کی دیت بھی لکھی ہوئی ہے۔ پھر آپ نے کہا کہ ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے ہے جو کہتے ہیں کہ علیؑ نے یہ کہا تھا اور میں یہ کہتا ہوں۔"

بصائر الدرجات اور الکافی میں مرقوم ہے۔ بصائر میں عبارت ان الفاظ سے مروی ہے:

بکر بن کرب الصیرفی کا بیان ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

"مالھم ولکم وما یریدون وما یعیبونکم؟ یقولون: الرافضۃ ، نعم واللہ رفضتم الکذب واتبعتم الحق، اماواللہ ان عندنا مالا نحتاج الی احد والناس یحتاجون الینا، ان عندنا الکتاب باملاء رسول اللہ (ص) وخطہ علی (ع)

بيده صحيفة طولها سبعون ذراعا فيها كل حلال وحرام."(۱)

"ان لوگوں کو آخر تم سے کیا پرخاش ہے اور آخر وہ تم سے کیا چاہتے ہیں اور وہ تم پر آخر کس چیز کا عیب لگاتے ہیں۔ وہ تمہیں رافضی کہتے ہیں۔ جی ہاں' خدا کی قسم تم نے جھوٹ کو چھوڑ کر حق کی پیروی کی ہے۔ خدا کی قسم! ہمارے پاس وہ کچھ ہے جس کی وجہ سے ہم کسی کے محتاج نہیں ہیں جب کہ لوگ ہمارے محتاج ہیں۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے اسے تحریر کیا تھا۔ وہ کتاب ایک صحیفہ کی شکل میں ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے اس میں ہر حلال اور حرام کا ذکر موجود ہے۔"

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۹ حدیث ۷۔ یہی حدیث چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ بصائر کے صفحہ ۱۴۲ پر بھی مرقوم ہے۔ یہی حدیث الکافی جلد ۱ صفحہ ۲۴۱ اور الوافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۵ پر بھی مذکور ہے۔

احکام پر مبنی کتاب علیؑ کا نام

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علیؑ سے احکامِ اسلام پر جو کتاب لکھائی تھی۔ آئمہ اہل بیت اس کتاب کو "الجامعہ" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ جیسا کہ حسب ذیل روایات میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

الکافی اور بصائر الدرجات میں ہے۔ الکافی میں روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

"عن ابی بصیر قال دخلت علی ابی عبداللہ فقلت لہ: جعلت فداک انی اسئلک عن مسئلۃ ھا ھنا احد یسمع کلامی؟ فرفع ابو عبداللہ (ع) سترًا بینہ و بین بیت اخر فاطلع فیہ ثم قال یا ابا محمد سل عما بدالک. قال قلت جعلت فداک ان شیعتک یتحدثون ان رسول اللہ (ص) علّم علیًا (ع)باباً یفتح منہ الف باب. الی قولہ. قال یا ابا محمد! ان عندنا الجامعۃ ومایدریھم ما الجامعۃ؟ قال قلت جعلت فداک وما الجامعۃ؟ قال صحیفۃ طولھا سبعون ذراعابذراع رسول اللہ واملاہ من فلق فیہ وخط علی بیمینہ فیھا کل حلال و حرام کل شئی یحتاج الیہ الناس حتی الارش فی الخدش و ضرب بیدہ الی فقال: تا ذن لی یاابا محمد! قال: قلت: جعلت فداک انما انا لک فاضع ماشئت ، قال: فغمزنی بیدہ و قال حتی ارش ھذہ. کانہ مغضب قال: قلت:ھذا واللہ العلم .... الحدیث." (۱) (اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۲۳۹ حدیث ۱)

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۱۔۱۵۲۔ الوافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۵۔ واضح رہے کہ حدیث کافی طولانی ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

"ابو بصیر نے کہا کہ میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں۔ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں کیا یہاں کوئی دوسرا شخص تو موجود نہیں ہے؟

آپ نے پردہ اٹھا کر دوسرے گھر پر بھی نظر ڈالی اور فرمایا:

ابو محمد! تمہیں جو بھی پوچھنا ہو پوچھ لو۔

میں نے کہا: آپ کے شیعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا نے حضرت علیؑ کو علم کے ایک دروازہ کی تعلیم دی تھی جس سے ایک ہزار دروازے کھلتے تھے۔۔۔۔

امام نے فرمایا:

ابو محمد! ہمارے پاس "جامعہ" موجود ہے اور لوگ کیا جانیں کہ "جامعہ" کیا ہے؟

میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں آپ ہی بتائیں کہ "جامعہ" کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

وہ ایک صحیفہ ہے جو کہ رسول خداؐ کے ہاتھ کی پیمائش کے لحاظ سے ستر ہاتھ لمبا ہے، اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور اس میں ہر طرح کے حلال وحرام کا ذکر موجود ہے اور لوگوں کو جس بھی چیز کی ضرورت ہے اس میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے یہاں تک کہ اس میں ایک خراش کی دیت کا بھی ذکر موجود ہے۔

پھر آپ نے اپنا ہاتھ مجھ پر مار کر فرمایا: ابو محمد! کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو؟

میں نے کہا: میں آپ پر نثار میرا سارا وجود ہی آپ کے لیئے حاضر ہے۔

امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے تھوڑا سا دبایا اور فرمایا یہاں تک کہ اس کی دیت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے۔

معلوم ہوتا تھا کہ آپ یہ الفاظ ناراضگی میں کہہ رہے ہیں؟

میں نے کہا: خدا کی قسم! یقیناً یہ علم ہے۔"

سلیمان بن خالد نے کہا میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا:

"ان عندنا لصحیفة یقال لها الجامعة مامن حلال و مامن حرام

الا وھو فیھا حتی ارش الخدش." (بصائر الدرجات ص۱۴۲۔۱۴۳)

"ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جسے "جامعہ" کہا جاتا ہے' اس میں ہر حلال وحرام کا ذکر موجود ہے یہاں تک کہ خراش کی دیت تک بھی اس میں موجود ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے: بے شک ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جو کہ ستر ہاتھ لمبا ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا اور حضرت علیؑ نے لکھا تھا اور اس میں ہر حلال وحرام کا ذکر موجود ہے یہاں تک کہ اس میں ایک خراش کی دیت کا بھی ذکر موجود ہے۔

(بصائر الدرجات ص۱۴۳۔۱۴۳)

علی بن رئاب کا بیان ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ "جامعہ" کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

"تلک صحیفة سبعون ذراعا فی عریض الادیم مثل فخذ الفالج ، فیھا کل مایحتاج الناس الیه ولیس قضیة الاوھی فیھا حتی ارش الخدش."(۱)

"وہ ایک صحیفہ ہے جو کہ چمڑے پر لکھا گیا ہے اور وہ دو کوہانوں والے اونٹ کی ران کی طرح ضخیم ہے۔ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کی لوگوں کو ضرورت ہے۔ اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو اس میں موجود نہ ہو یہاں تک کہ اس میں ایک خراش کی دیت تک بھی موجود ہے۔"

بصائر الدرجات میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے سامنے ابن شبرمہ کے فتاویٰ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

اس کے فتاویٰ کی "جامعہ" کے سامنے حیثیت ہی کیا ہے؟ جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور اس میں حلال وحرام

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۲۔ علی بن رئاب کوفی نے امام صادق سے روایات نقل کی ہیں (قاموس الرجال جلد ۶ صفحہ ۴۸۹)

کا ذکر ہے یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت کا بھی اس میں ذکر موجود ہے۔

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۶۔۱۴۵۔۱۴۸)

الکافی اور بصائر الدرجات میں ابو شیبہ سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

"جامعہ" کے سامنے ابن شبرمہ کا علم بھٹک کر رہ گیا جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے جسے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ جامعہ نے کسی کے لیئے گفتگو کو کوئی موقع رہنے نہیں دیا اس میں حلال وحرام کا علم موجود ہے۔ قیاس والوں نے قیاس سے علم حاصل کرنا چاہا لیکن وہ حقیقت سے بہت دور چلے گئے اور اللہ کا دین قیاس کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ (۱)

آئمہ اہل بیت دین سے رائے قیاس کو حرام سمجھتے تھے۔ وہ ہمیشہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور جبریل امین اور اللہ تعالی کے حوالوں سے ہی گفتگو کرنے کے عادی تھے۔

ابن شبرمہ کا نام عبداللہ الضبی تھا وہ کوفہ کے رہنے والا شاعر تھا اور ابو جعفر منصور نے اسے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ (الکنی والالقاب جلد ا صفحہ ۳۱۳)

کتاب جفر اور مُصحفِ فاطمہ علیہا السلام

آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان کے والد گرامیقدر لکھی ہوئی دو کتابیں تھیں جن میں سے بڑی کتاب کا نام "جامعہ" تھا۔ اس میں حلال وحرام کے احکام تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس ایک اور کتاب بھی تھی جسے "جفر" کہا جاتا تھا اور اس میں آنے والے حالات کی خبریں لکھی ہوئی تھیں۔

مذکورہ دو کتابوں کے علاوہ آئمہ اہل بیت کے پاس ان کی والد ماجدہ صدیقہ کبریٰ حضرت فاطمہ زہراؑ کی بھی ایک کتاب تھی جسے "مُصحفِ فاطمہؑ" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس میں بھی آنے والے حالات کی عکاسی کی گئی تھی۔

---

(۱) اصول کافی جلد ا صفحہ ۵۷ حدیث ۱۴۔ بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۵۰ الوافی جلد ا صفحہ ۵۸۔

واضح رہے کہ مذکورہ تینوں کتابیں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ اس کی تفصیل کے لیئے حسب ذیل احادیث کا مطالعہ فرمائیں۔

بصائر الدرجات میں ابو مریم سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"عندنا الجامعة وهى سبعون ذراعاً فيها كل شئى حتى ارش الخدش املاء رسول الله (ص) وخط على (ع) وعندنا الجفر وهوا ديم عكاظى قد كتب فيه حتى ملئت اكارعه، فيه ما كان وماهو كائن الى يوم القيامة."(۱)

"ہمارے پاس "جامعہ" ہے اور اس کی لمبائی ستر ہاتھ کی ہے۔ اس میں ہر چیز کا بیان ہے یہاں تک کہ اس میں ایک خراش کی دیت بھی موجود ہے۔ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے لکھا تھا۔ اور ہمارے پاس "جفر" ہے اور وہ عکاظی چمڑے پر لکھی ہوئی ہے اور اسے اتنا لکھا گیا کہ اس کے کنارے بھی لکھے گئے اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا، اس میں ذکر موجود ہے۔"

بصائر الدرجات میں کئی اسناد سے امام صادق علیہ السلام کے متعلق منقول ہے کہ لوگ آکر آپ سے یہ پوچھتے تھے کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے لیئے کیا چھوڑا تھا اور پھر حضرت علیؑ نے امام حسن کے لیئے کیا چھوڑا؟

ان لوگوں کے جواب میں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"لقد خلف رسول الله (ص) عندنا مافيها كل مايحتاج اليه حتى ارش الخدش والظفر و خلفت فاطمة مصحفا ماهو قرآن ... الحديث"(۲)

"رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمارے پاس ایسی چیز چھوڑی جس میں ہر اس چیز کا بیان موجود ہے جس کی لوگوں کو ضرورت محسوس ہو سکتی ہے یہاں تک کہ اس میں خراش

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۰۔ ابو مریم، امام صادق کا آزاد کردہ غلام تھا۔ (قاموس الرجال جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۵)

(۲) بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۶۔ ہم نے حدیث کو بقدر ضرورت نقل کیا ہے۔

اور ناخن کی دیت بھی موجود ہے اور حضرت فاطمہؑ نے ایک مُصحف چھوڑا جو کہ قرآن نہیں ہے۔"

بصائر الدرجات میں ابان بن عثمان نے علی بن حسینؑ سے اور اس نے امام صادق سے یہ روایت نقل کی کہ آپ نے فرمایا:

"ان عبدالله بن الحسن يزعم انه ليس عنده من العلم الاما عندالناس فقال: صدق والله عبدالله بن الحسن ماعنده من العلم الاما عندالناس ولكن عندنا والله الجامعة فيها الحلال و الحرام وعندنا الجفر، أيدرى عبدالله بن الحسن ما الجفر؟ مسك معزام مسک شاة؟ وعندنا مصحف فاطمةاماوالله مافيه حرف من القرآن ولكنه املاء رسول الله و خط علی كيف يصنع عبدالله اذاجاء الناس من كل افق يسألونه."(۱)

"عبداللہ بن حسن یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے پاس بھی وہی علم ہے جو باقی لوگوں کے پاس ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: عبداللہ بن حسن نے بالکل سچ کہا' کیونکہ اس کے پاس بس وہی علم ہے جو دوسروں کے پاس ہے' لیکن ہمارے پاس خدا کی قسم "جامعہ" ہے اور اس میں حلال و حرام کا بیان ہے اور ہمارے پاس "جفر" ہے۔ عبداللہ بن حسن کیا جانے کہ "جفر" کیا ہے؟ آیا وہ بھیڑ کی کھال ہے یا بکری کی کھال ہے؟ اور ہمارے پاس "مُصحف فاطمہ" ہے خدا کی قسم اس میں قرآن مجید میں سے کوئی حرف نہیں۔ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اسے لکھا تھا۔ بھلا جب لوگ تمام اطراف سے سمٹ کر عبداللہ سے مسائل پوچھنے لگ جائیں گے تو اس وقت عبداللہ کیا کرے گا؟"

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام کی والدہ حضرت فاطمہ بنت امام حسین تھیں۔ ۱۴۲ھ میں منصور نے انہیں خاندان سمیت قید کر دیا تھا اور ۱۴۳ھ میں انہیں مدینہ ہاشمیہ منتقل کیا جہاں بے دردی سے قتل کرا دیا۔ کچھ کو زندہ دفن کیا گیا اور عبداللہ کو دیوار میں چنوایا گیا۔

اور ایک ایسی ہی روایت ابان بن عثمان نے علی بن ابی حمزہ سے نقل کی ہے۔ البتہ اس روایت کے آخر میں ان جملوں کا اضافہ ہے

"اماترضون ان تکونوا یوم القیامة اخذین بحجزتنا و نحن اخذون بحجزة نبینا ونبینا اخذ بحجزة ربه."

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۱/۵۱)

"کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ قیامت کے دن تم ہمارے دامن سے متمسک دکھائی دو اور ہم اپنے نبی کے دامن سے متمسک ہوں گے اور ہمارے نبی اللہ کے دامنِ رحمت سے متمسک ہوں گے۔"

رسول اکرمؐ کے ہتھیار اور ان کی کتابیں

بصائر الدرجات میں علی بن سعید سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی گفتگو کے دوران فرمایا:

"ان عندنا سلاح رسول الله وسیفه و درعه وعندنا والله مصحف فاطمة مافیه آیة من کتاب الله و انه لاملاء رسول الله (ص) وخطه علی بیده وعندنا والله الجفر ومایدرون ماهوا مسک شاة او مسک بعیر؟ ثم اقبل الینا وقال : ابشروا اماترضون انکم تحبئون یوم القیامة اخذین بحجزرسول الله (ص)."(۱)

"بے شک ہمارے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہتھیار اور ان کی تلوار اور ان کی زرہ موجود ہے۔ خدا کی قسم! ہمارے پاس مصحف فاطمہؑ موجود ہے۔ اس میں کتاب اللہ کی کوئی آیت نہیں ہے۔ رسول خداؐ نے اسے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ خدا کی قسم! ہمارے پاس "جفر" ہے۔ لوگوں کو اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ بکری کی کھال ہے یا اونٹ کی کھال ہے؟"

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۳۔ علی بن سعید بصری نے امام صادق سے روایات نقل کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۷ صفحہ ۲)

پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

تمہیں خوش خبری ہو قیامت کے دن تم لوگ حضرت علی علیہ السلام کے دامن کو پکڑ کر آؤ گے اور حضرت علیؑ ، رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دامن سے متمسک ہوں گے۔

بصائرالدرجات میں محمد بن عبدالملک سے منقول ہے کہ ہم قریباً ساٹھ افراد امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور امام علیہ السلام ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ اسی دوران عبدالخالق بن عبدربہ وہاں آیا اور اس نے امام علیہ السلام سے کہا کہ میں ابراہیم بن محمد کے پاس بیٹھا تھا کہ وہاں لوگوں نے آپ کے متعلق کہا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس حضرت علیؑ کی لکھی ہوئی کتاب موجود ہے۔ اور ابراہیم نے یہ کہا کہ خدا کی قسم علیؑ نے کوئی کتاب چھوڑی اگر بالفرض علیؑ نے کتاب چھوڑی بھی ہو تو وہ بھی ایک کھال کی شکل میں ہوگی اور اگر وہ کھال میرے اس غلام کے پاس بھی چلی جائے تو بھی مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔

(یہ جسارت آمیز گفتگو سن کر) امام جعفر صادق اٹھ بیٹھے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: نہیں جیسا وہ کہہ رہے ہیں کہ بھیڑ کی دو کھالوں پر لکھا گیا ہے ایسا نہیں ہے۔ نہیں خدا کی قسم! وہ تو دو ایسی کھالیں ہیں جن کے بیرونی حصوں پر ان کے بال تک موجود نہیں' ایک کھال اندر سے لکھی ہوئی ہے اور دوسری میں رسول خدا کے ہتھیار ہیں اور خدا کی قسم! ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ اللہ نے جس بھی حلال و حرام کو پیدا کیا ہے اس کا ذکر اس میں موجود ہے یہاں تک کہ اس میں ایک خراش تک کی دیت کا بیان بھی موجود ہے۔

پھر آپ نے ناخن سے اپنے بازو پر خراش کی۔ پھر فرمایا: ہمارے پاس "مصحف" ہے خدا کی قسم وہ قرآن نہیں ہے۔ (بصائرالدرجات صفحہ ۱۵۱)

عبداللہ بن سنان نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس اولاد حسن اور "جعفر" کا ذکر چھڑا تو آ نے فرمایا:

خدا کی قسم! ہمارے پاس ایک مینڈھے کی کھال ہے اور ایک بکری کی کھال ہے۔ جن پر رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ کی ہے۔ جسے رسول خدا نے لکھوایا اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جس کی لوگوں کو احتیاج ہے یہاں تک کہ اس میں ایک خراش کی دیت بھی لکھی ہوئی ہے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۵ ۔ ۱۵۹)

ابو القاسم الکوفی نے کہا کہ اولادِ حسن نے "جفر" کے متعلق کہا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ان کی گفتگو نقل کی گئی تو آپ نے فرمایا:

"نعم هما اهابان اهاب ماعز واهاب ضان مملوء ان علما........الحدیث"

"جی وہ دو کھالیں ہیں۔ ایک بھیڑ کی کھال ہے اور ایک بکری کی کھال ہے جو کہ علم سے بھری ہوئی ہیں۔۔۔۔" (بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۵)

عبداللہ بن سنان کی حدیث میں ان الفاظ کا اضافہ ہے

"خط علی و املاء رسول الله (ص) من فلق فیه."

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۵)

"حضرت علیؑ نے اسے لکھا تھا اور رسول خداؐ نے اپنی زبان مبارک سے لکھایا تھا"

سلیمان بن خالد سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ان فی الجفر الذی یذکرونه لما یسوؤهم لا نهم لایقولون الحق والحق فیه فلیخر جو قضایا علی (ع) وفرائضه ان کانوا صادقین وسلم هم عن الخالات والعمات ولیخر جوا مصحف فاطمة فان فیه وصیة فاطمة ومعه سلاح رسول الله." (بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۷)

"جعفر" انہیں اس لیئے اچھا نہیں لگتا' کیونکہ اس میں حق ہے جب کہ یہ لوگ حق نہیں کہتے' اگر یہ لوگ سچے ہیں تو حضرت علیؑ کے فیصلے اور ان کے بیان کردہ فرائض کو پیش کریں۔

تم ان لوگوں سے خالاؤں اور پھوپھیوں کی میراث کے متعلق سوال کرو اور اگر یہ سچے ہیں تو مصحف فاطمہ پیش کریں کیونکہ اس میں حضرت فاطمہ کی وصیت ہے اور اس کے ساتھ رسول خدا کے ہتھیار بھی ہیں۔"

معلیٰ بن خنیس راوی ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے چچا زادوں کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ تمہیں اپنی تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دیں اور تمہارا ان سے سوال جواب ہو تو تم ان سے اگر اس طرح کی گفتگو کرو گے تو مجھے یہ زیادہ پسند ہو گی (تم ان سے یہ کہو) جیسا تمہیں ہمارے متعلق بتایا گیا ہے ہم ایسے نہیں ہیں۔ ہم تو اس علم کے متلاشی افراد ہیں اور ہم ڈھونڈ رہے ہیں کہ یہ علم کس کے پاس ہے اور اس علم کا وارث کون ہے؟ اگر وہ علم تمہارے پاس ہے تو ہم تمہاری دعوت کو قبول کر لیں گے اور تمہاری اتباع کریں گے' اور اگر وہ علم تمہارے پاس نہیں تو پھر ہم اس علم کے وارثوں کو تلاش کریں گے کہ اس کا وارث کون ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: کتابیں حضرت علی بن ابی طالبؑ کے پاس تھیں۔ جب وہ عراق روانہ ہوئے تو انہوں نے وہ کتابیں حضرت ام سلمہ کے پاس بطور امانت رکھی تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد وہ کتابیں امام حسن مجتبیٰ کے پاس رہیں اور امام حسنؑ کی شہادت کے بعد وہ کتابیں امام حسین علیہ السلام کے پاس آئیں۔ پھر وہ کتابیں میرے والد ماجد کے پاس آئیں۔۔ الحدیث (۱)

علی بن سعد (یا سعید) سے روایت ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت آپ کے دوسرے شاگرد بھی آپ کے پاس جمع تھے۔ اس دوران معلیٰ بن خنیس نے کہا: مولا! آپ کو حسن بن حسن سے کتنی مصیبتیں جھیلنی پڑھیں!! پھر طیار نے امام سے کہا: مولا! میں آپ پر قربان جاؤں۔ میں ایک گلی میں چلا جا رہا تھا کہ محمد بن عبداللہ بن حسن گدھے پر سوار ہو کر وہاں سے گذرا اور اس کے ساتھ تو زیدیہ فرقہ کے کچھ افراد بھی تھے۔ پھر طیار نے اپنی اور محمد بن عبداللہ کی باہمی گفتگو کا تذکرہ کیا۔ امام علیہ السلام نے "جفر" کے متعلق جواب دیتے ہوئے کہا:

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۷۔ معلیٰ بن خنیس امام صادق کے آزاد کردہ غلام تھے اور انہوں نے آپ سے روایت نقل کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۹ صفحہ ۵۶)

وہ ایک بیل کی دباغت شدہ کھال ہے اور وہ ایک تھیلے کی طرح سے ہے۔ اس میں کتابیں ہیں اور اس میں ان تمام حلال و احرام کا ذکر موجود ہے جس کے لیئے قیامت تک کے لیئے لوگ احتیاج محسوس کریں گے۔ اسے رسول خدا صلی للہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا اور اس میں مصحف فاطمہؑ ہے اور اس میں قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں ہے اور میرے پاس رسول خدا صلی للہ علیہ والہ وسلم کی مہر مبارک اور ان کی زرہ اور تلوار اور ان کا پرچم ہے اور میرے پاس جفر بھی ہے خواہ اسے کوئی ناپسند کرتا ہے تو کرتا رہے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۴)

عنبسہ بن مصعب کا بیان ہے کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے .... حدیث کے آخر میں دو جعفروں کے متعلق امام نے فرمایا۔ ان میں سے ایک دوسرے کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس میں رسول خدا کے ہتھیار' کتابیں اور مصحف فاطمہ ہے۔ خدا کی قسم میں یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ قرآن ہے۔ (۱)

مصحف فاطمہ کے متعلق بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی للہ علیہ والہ وسلم کی وفات کی وجہ سے حضرت فاطمہ زہراؑ کو شدید غم لاحق ہوا اسی لیئے اللہ نے ان کی تسلی کے لیئے ایک فرشتہ کو بھیجا تھا جو کہ آکر سیدہ کو تسلی دیتا تھا اور آپ سے گفتگو کرتا تھا اور حضرت علیؑ نے اس گفتگو کو ایک کھال پر نقل کیا تھا اور اسی گفتگو کو مصحف فاطمہؑ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

چنانچہ الکافی میں حماد بن زید کی زبانی امام صادق سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ نے اپنے نبی کو وفات دی تو انہیں اتنا صدمہ پہنچا کہ جس کی گہرائی کو بس اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ تعالی نے ان کی تسلی کے لیئے ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا جو کہ ان سے گفتگو کرتا تھا۔ حضرت سیدہؑ نے اپنے شوہر کو فرشتے کے متعلق بتایا تو حضرت علیؑ اس کی گفتگو

(۱) بصائر الدرجات ۱۵۴۔ بقیہ حدیث ہمارے موضوع سے خارج تھی اور اس کے لیئے لمبی وضاحت کی ضرورت تھی اسی لیئے ہم نے اسے نقل کرنے سے گریز کیا البتہ حدیث کی اہمیت کے پیش نظر ہم محققین کو اس کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔

کو نقل کرتے تھے اور اس سے ایک مصحف تیار ہو گیا۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہا:

اس مصحف میں حلال وحرام کے احکام نہیں ہیں اس میں مستقبل کا علم ہے۔(۱)

ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ ہمارے ایک ساتھی نے امام صادق علیہ السلام سے جفر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

وہ بیل کی کھال ہے جو کہ علم سے بھری ہوئی ہے۔

ہمارے ساتھی نے پوچھا کہ "جامعہ" کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ ایک ایسا صحیفہ ہے کہ جس کی لمبائی ستر ہاتھ کی ہے اور وہ دو کوہان والے اونٹ کی ران کی طرح سے ضخیم ہے اور اس میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جس کی لوگوں کو ضرورت ہے اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اس میں موجود نہ ہو یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت کا ذکر تک بھی اس میں موجود ہے۔

ہمارے ساتھی نے کہا کہ "مصحف فاطمہ" کیا ہے؟

یہ سن کر آپ نے کچھ دیر تک خاموشی اختیار کی پھر فرمایا:

تم ایسی چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہو جو تم سے متعلق ہوتی ہیں اور بعض اوقات تم ایسی چیزیں پوچھنے لگ جاتے ہو جن کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حضرت فاطمہؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد پچھتر دن تک زندہ رہیں۔۔۔۔۔ ایک فرشتہ آ کر انہیں تسلی دیتا تھا اور ان سے ان کے والد کی تعزیت کرتا تھا اور ان سے ان کی اولاد سے مستقبل میں پیش آنے والے حالات بیان کرتا تھا۔ حضرت علیؑ وہ تمام باتیں لکھتے تھے۔۔۔۔۔(الحدیث)(۲)

روایات متواترہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ائمہ ہدیٰ کے پاس حضرت علیؑ کی لکھی ہوئی کتابیں، جامعہ، جفر اور مصحف فاطمہ موجود تھیں۔ جن میں سے جامعہ میں حلال وحرام کے احکام تھے اور جفر و مصحف فاطمہ میں آنے والے حالات درج تھے اور کچھ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ کتابیں بیل کی کھال کے ایک برتن میں تھیں۔

---

(۱) اصول کافی جلد ا صفحہ ۲۴۰۔ حماد بن زید بن عقیل کوفی نے امام صادق سے احادیث نقل کی تھیں (قاموس الرجال جلد ۳ صفحہ ۳۹۴)

ا۔ اصول کافی جلد ا صفحہ ۲۴۱ حدیث ۵۔ بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۳۔ الوافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۵

اور اسے "جفرابیض" کہا جاتا ہے اور پیغمبر اسلام کے ہتھیار بھی آئمہ ہدیٰ کے پاس موجود تھے ان ہتھیاروں کو بیل کی ایک کھال میں رکھا گیا تھا اور اس کھال کو "جفر احمر" کہا جاتا تھا۔ اس کی مزید تفصیل کچھ یوں ہے۔

وہ ظرف جن میں میراث امامت کو رکھا گیا تھا

الکافی اور بصائر الدرجات میں حسین بن ابی العلاء سے روایت ہے اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے پایا:

میرے پاس جفر ابیض (سفید کھال) ہے۔

میں (راوی) نے کہا: اس میں کیا چیز ہے؟

آپ نے فرمایا:

اس میں زبور داؤد، توراۃ موسیٰ، انجیل عیسیٰ، صحف ابراہیم، حلال و حرام اور مصحف فاطمہ ہے۔ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ اس میں قرآن ہو۔ اس میں وہ تمام چیزیں ہیں جن کی وجہ سے لوگ ہمارے محتاج ہوتے ہیں اور ہم کسی کے محتاج نہیں ہوتے یہاں تک کہ اس میں ایک کوڑا، نصف کوڑا، چوتھائی کوڑا اور خراش کی دیت تک کے احکام بھی موجود ہیں۔ میرے پاس "جفرِ احمر" (سرخ کھال) ہے۔

میں (راوی) نے کہا: اس میں کیا چیز ہے؟

آپ نے فرمایا:

ہتھیار۔۔۔۔۔۔ الحدیث۔(۱)

آپ کا یہ کہنا "اس میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جن کی وجہ سے لوگ ہمارے محتاج ہوتے ہیں" اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ "جفر" (کھال) میں کتاب علیؑ رکھی ہوئی ہے اور وہ حلال و حرام کے احکام پر مشتمل ہے اور لوگ ان احکام کے محتاج ہیں۔

ابو حمزہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

"مصحف فاطمة مافيه شئى من كتاب الله و انما هوشئى القى عليها بعد موت ابيها" (بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۹)

"مصحفِ فاطمہ میں کتاب اللہ کی کوئی آیت نہیں ہے وہ تو ایسی چیز ہے جو ان کے

---

(۱) اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۲۴۰ حدیث ۳۔ بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ارشاد مفید صفحہ ۲۵۷ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ

والد کی موت کے بعد ان پر القا کی گئی تھی۔"

ایک اور روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے مصحف فاطمہ کے لیے یہ الفاظ کہے

"عندی مصحف فاطمة لیس فیه شئی من القرآن"

"میرے پاس مصحف فاطمہ ہے اس میں قرآن مجید سے کچھ بھی نہیں ہے۔"

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام کی دوررس نگاہیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ لوگ لفظ "مصحف" کو بنیاد بنا کر آل محمدؐ پر یہ الزام لگائیں گے کہ یہ حضرت فاطمہؑ کے علیحدہ قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں، اسی لیئے آپ نے مسلسل یہ بات زور دے کر کہی کہ مصحف فاطمہ میں قرآن نہیں ہے بلکہ اس میں آنے والے حالات درج ہیں۔

امام علیہ السلام کی اس مسلسل وضاحت کے باوجود بھی مخالفین تشیع آج بھی شیعوں پر یہ الزام عائد کرتے ہوئے نہیں شرماتے کہ شیعوں کے پاس مصحف فاطمہ نامی ایک جداگانہ قرآن ہے۔

بصائر الدرجات میں علی بن سعید سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس وقت ہمارے دیگر ساتھی بھی آپ کی خدمت میں موجود تھے کہ معلی بن خنیس نے کہا:

میں آپ پر قربان جاؤں آپ کو حسن بن حسن کے ہاتھوں بہت سی تکالیف اٹھانی پڑی ہیں پھر طیار نے کہا:

مولا! میں آپ پر قربان جاؤں، میں ایک گلی میں جارہا تھا کہ میری ملاقات محمد بن عبداللہ بن حسن سے ہوئی وہ اپنے گدھے پر سوار تھا اور اس کے ساتھ فرقہ زیدیہ کے کچھ افراد۔۔۔۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جفر کے متعلق اس کے قول کو رہنے دو۔

جفر ایک بیل کی دباغت شدہ کھال ہے اور وہ ایک طرح سے ایک تھیلے کی مانند ہے جس میں کتابیں ہیں اور اس میں حلال وحرام کا تفصیلی علم ہے جس کے لوگ قیامت تک محتاج

ہوتے رہیں گے۔ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور اس میں مصحفِ فاطمہ ہے اور اس میں قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں ہے اور میرے پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مہر ہے اور ان کی زرہ اور تلوار اور ان کا پرچم بھی میرے پاس ہے اور میرے پاس جفر ہے چاہے اس سے کسی کی ناک رگڑتی ہے تو رگڑتی رہے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۶)

واضح رہے کہ یہ حدیث دو اسناد سے مروی ہے۔ ہم نے ان میں سے زیادہ مکمل روایت کو نقل کیا ہے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۰ جبکہ صفحہ ۱۶۱ پر مختصر روایت لکھی ہوئی ہے۔)

کتب اہل بیت میں آئمہ ہدیٰ کے لیئے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے پاس جامعہ، جفر اور مصحف فاطمہ موجود ہے اور وہ مذکورہ تینوں ذرائع علم سے استفادہ کرتے ہیں، مگر اس کا یہ مقصد ہر گز نہیں ہے کہ ان کا مبلغ علم فقط اور فقط ان تین چیزوں تک ہی محدود ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ "ایک چیز کا اثبات دوسری چیز کی نفی کا موجب نہیں ہوتا" اس طرح سے مذکورہ تین ذرائع علم سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مذکورہ ذرائع کے علاوہ ان کے پاس علم حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں؛ جب کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مبلغ علمنا علی ثلاثة وجوه: ماضی و غابر و حادث. فاما الماضی فمفسر واما الغابر فمزبور الحادث فقذف فی القلوب ونقر فی الاسماع وهو افضل علمنا ولا نبی بعد نبینا. (۱)"

"ہمارے مبلغ علم کی تین بنیادیں ہیں:

(۱) وہ علم جس کا تعلق ماضی سے ہے۔

(۲) وہ علم جس کا تعلق مستقبل سے ہے۔

(۳) پیش آنے والے حالات و معارف جس کا تعلق گزشتہ زمانے سے ہے تو وہ تو بیان کیا جا چکا ہے اور جس کا تعلق مستقبل سے ہے وہ ہمارے لیئے لکھا جا چکا ہے اور فوراً پیش آنے والے حالات و معارف کے متعلق دلوں میں القاء کر دیا جاتا ہے اور ملائکہ کی آواز کانوں میں پہنچ جاتی ہے اور یہ ہمارا سب سے افضل علم ہے اور ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

(۱) اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ باب جہات علم الائمۃ۔ (شرح حدیث در مراۃ العقول جلد ۳ صفحہ ۱۳۶)

تشریح حدیث

علامہ مجلسی نے مذکورۃ الصدر حدیث کی مراۃ العقول میں شرح لکھی ہے کہ جس کا ماحصل یہ ہے:

"مبلغ علمنا" یعنی ہمارے علم کی انتہا، کمال یا ہمارے علم کا سرچشمہ "ماض" یعنی وہ امور جن کا تعلق گذرے ہوئے زمانے سے ہے۔ "غابر" وہ امور جن کا تعلق مستقبل سے ہے۔ لفظ "غابر" کا تعلق "اضداد" سے ہے اسی لیئے اس کا معنی گذرا ہوا اور آنے والا دونوں طرح سے کیا جاتا ہے۔

"فاما الماضی فمفسر" جہاں تک ماضی کا تعلق ہے تو وہ تو بیان کیا جا چکا ہے۔ یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سابقہ واقعات کو بیان کر گئے ہیں۔

"اما الغابر" یعنی وہ علم جس کا تعلق آنے والے ایام سے ہے۔

"فمز بور" وہ لکھ دیئے گئے ہیں مقصد یہ ہے کہ آنے والے امور کو جامعہ اور مصحف فاطمہ وغیرہ میں لکھ دیا گیا ہے اور شرائع و احکام اس میں داخل ہیں یا ان میں سے کسی ایک سے کسی ایک میں مذکور ہیں۔

"واما الحادث" اور وہ علم جس کا تعلق جدید امور یا ربانی علوم و معارف یا تفصیل مجملات کے ساتھ ہے۔

"فقذف فی القلوب" تو ایسے معاملات کے لیئے خدا کی طرف سے براہِ راست کسی فرشتہ کے توسط کے بغیر خدا کی طرف سے بطور الہام دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

"اونقر فی الاسماع" یا کسی فرشتہ کی کانوں میں صدا سنائی دیتی ہے۔

اس کے لیئے معصوم نے یہ وضاحت کی کہ یہ ان کا افضل ترین علم ہے کیونکہ یہ ان سے مخصوص ہے اور کسی انسان کی وساطت کے بغیر ان کو حاصل ہوتا ہے۔ یا پھر اس علم کے افضل ترین ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلے علماء میں سے کوئی بھی اس سے واقف نہیں ہوتا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سلمان وابوذر جیسے مخلص صحابہ کو بہت سے اسرار و رموز و دیعت فرمائے تھے اور آئمہ ہدیٰ کے کچھ اصحاب نے جامعہ اور جفر و مصحف فاطمہ کے کچھ مقامات کا مطالعہ بھی کیا ہوا تھا۔

الہام اور صدائے ملکوتی سے یہ اشتباہ ہو سکتا تھا کہ یہ دونوں چیزیں نبوت کے ساتھ مخصوص ہیں اور بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے نبوت کا دعویٰ مقصود ہے۔ اسی لیئے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس وہم کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

"ولا نبی بعد نبینا" ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ کیونکہ نبی اور "محدث" میں یہ فرق ہے کہ نبی فرشتہ کی آواز بھی سنتا ہے اور فرشتے کو دیکھتا بھی ہے جب کہ "محدث" فرشتے کی آواز سنتا ہے لیکن اسے دیکھ نہیں سکتا۔ انتہیٰ' الکافی میں امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"ان اوصیاء محمد علیه و علیهم السلام محدثون"

"اوصیائے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم محدث ہیں۔"

امام ابوالحسن موسیٰ کاظم نے فرمایا:

"الائمة علماء صادقون مفهمون محدثون"

"آئمہ علماء صادق، افہام شدہ اور محدث ہیں۔"

محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے "محدث" کا ذکر چھڑا تو آپ نے فرمایا۔

"انه یسمع الصوت ولایری الشخص"

"محدث آواز سنتا ہے لیکن اسے وجود دکھائی نہیں دیتا۔"

میں (راوی) نے کہا: پھر اسے یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتے کی کلام سن رہا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"انه یُعطیٰ السکینة والوقار حتی یعلم انه کلام ملک"(۱)

"امام کو رب کی طرف سے سکینہ و وقار دیا جاتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ وہ فرشتے کا کلام ہے۔"

---

(۱) تینوں احادیث اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۲۷۰۔۲۷۱ پر مذکورہ ہیں

"محدث" کا نظریہ یہ صرف کتب اہل بیت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ کتب خلفاء میں بھی یہ نظریہ یکساں طور پر دکھائی دیتا ہے اور کتب خلفاء میں بعض خلفاء کو "محدث" کی صفت کے ساتھ متصف قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ام المومنین عائشہ نے حضرت عمر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

"قد کان فی الامم قبلکم محدثون فان یکن فی امتی منهم احدفان عمر بن الخطاب منهم"(۱)

"تم میں سے پہلی امتوں میں "محدث" ہوا کرتے تھے اور اگر اس امت میں بھی محدث ہیں تو عمر بن الخطاب ان میں سے ہے۔"

اس روایت کو ام المومنین عائشہ کے علاوہ ابو ہریرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ کتب خلفاء کی روایات میں جہاں بعض خلفا کو "محدث" کہا گیا وہاں یہ دعویٰ کسی نے نہیں کیا کہ انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے کوئی کتاب میراث میں ملی ہے جب کہ آئمہ اہل بیت نے بڑی وضاحت سے یہ اعلان کیا ہے کہ انہیں رسول خدا کی طرف سے کچھ کتابیں بھی بطور میراث ملی ہیں۔ اور آئمہ اہل بیت نے بطور میراث ملنے والی کتابوں کو یکے بعد دیگرے کسی طرح سے حاصل کیا اس کی تفصیل حسب ذیل روایات میں بیان کی گئی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم باب فضائل الصحابہ حدیث ۲ بروایت ام المومنین عائشہ۔ مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۵۵ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۷۳، ۱۹۶ بروایت ابو ہریرہ۔ مسند طیالسی حدیث ۲۳۴۸

آئمہ نے علمی کتابیں کس طرح سے وصول پائیں؟

(حضرت علی، حسنین کریمین، امام سجاد، امام باقر علیہم السلام)

بصائرالدرجات میں معلّٰی بن خنیس سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ان الکتب کانت عند علی (ع) معار الی العراق استودع الکتب ام سلمة فلما مفسی علی کانت عندالحسن فلما مفسی الحسن کانت عند الحسین فلما مفی الحسین کانت عند علی بن الحسین ثم کانت عندابی. الامام الباقر."

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۲)

"(رسول خدا سے ملنے والی) کتابیں حضرت علیؑ کے پاس تھیں اور جب آپ عراق کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے وہ کتابیں حضرت ام سلمہ کے پاس بطور امانت رکھیں۔ آپ کی شہادت کے بعد وہ کتابیں امام حسنؑ کے پاس آئیں اور امام حسنؑ کے بعد وہ کتابیں امام حسینؑ کے پاس آئیں۔ امام حسینؑ کے بعد وہ کتابیں علی زین العابدینؑ کے پاس آئیں اور پھر وہ کتابیں میرے والد امام باقر علیہ السلام کے پاس آئیں۔"

بصائرالدرجات میں اس مفہوم کی تین اور روایات بھی ہیں جن سے دو روایات ام المومنین ام سلمہ کی زبانی منقول ہیں کہ انہوں نے کہا:

"ان رسول الله (ص) استو دعها کتابا فسلمة الا مام علیا

بعد رسول اللہ"

"رسول خداؐ نے وہ کتابیں ان کے پاس بطور امانت رکھی تھیں پھر انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد وہ کتابیں حضرت علیؑ کے سپرد کر دی تھیں۔"

تیسری روایت ابن عباس سے مروی ہے اس میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔(۱)

الکافی میں سلیم بن قیس سے مروی ہے کہ اس نے کہا: جب امیر المومنینؑ نے امام حسنؑ کو وصیت کی تھی تو میں اس وقت وہاں موجود تھا اور امیر المومنینؑ نے اس وصیت کا گواہ امام حسینؑ، محمد حنفیہ، اپنی تمام اولاد اور اپنے اہل بیت کو قرار دیا تھا۔ پھر امیر المومنینؑ نے کتاب اور ہتھیار حسن مجتبیٰؑ کے حوالے کیئے اور ان سے فرمایا:

پیارے فرزند! مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ میں تجھے اپنا وصی بناؤں اور اپنی کتابیں اور ہتھیار اسی طرح سے تیرے سپرد کروں جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے اپنا وصی مقرر کیا تھا اور اپنی کتابیں اور ہتھیار میرے سپرد کیئے تھے۔ اور آنحضرتؐ نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ میں تجھے یہ حکم پہنچا دوں کہ جب تجھ پر موت آنے لگے تو تم ان امانتوں کو اپنے بھائی حسینؑ کے سپرد کرو گے۔ پھر امیر المومنینؑ امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تجھے بھی یہ حکم دیا تھا کہ تم ان امانتوں کو اپنے اس فرزند کے سپرد کرو گے۔ پھر حضرت علیؑ نے علی بن الحسین کا بازو پکڑا۔ اور ان سے کہا: تجھے بھی رسول خدا نے حکم دیا تھا کہ یہ امانتیں اپنے فرزند محمد بن علیؑ کے حوالے کرو گے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور میری طرف سے انہیں سلام کہو گے۔

(الکافی، الوافی جلد۲ صفحہ۹۷)

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۳ حدیث ۳ صفحہ ۱۶۶ حدیث ۱۶ صفحہ ۱۶۸ حدیث ۲۳

مؤلف کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی شہادت کے وقت باقی کتابیں امام حسنؑ کے حوالے کی تھیں، لیکن ایک کتاب حضرت ام سلمہ کے پاس مدینہ میں بطور امانت رکھی ہوئی تھی۔ اس کتاب کو امام حسن مجتبیٰ نے والد گرامی کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد ان سے وصول کیا تھا۔

امام زین العابدین نے میراثِ امامت کیسے حاصل کی؟

شیخ طوسی نے کتاب غیبت، ابن شہر آشوب نے مناقب اور علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں فضیل کی یہ روایت نقل کی ہے:

فضیل کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ جب امام حسینؑ عراق کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے وصیت، کتابیں اور دوسری میراث امامت کو ام المومنین ام سلمہ کے حوالے کیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ جب میرا بڑا بیٹا تمہارے پاس آئے تو یہ چیزیں اس کے سپرد کرنا۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد علی بن الحسینؑ ام سلمہؓ کے پاس گئے تو انہوں نے امام حسینؑ کی رکھی ہوئی تمام امانتیں ان کے سپرد کر دی تھیں۔(۱)

الکافی، اعلام الوریٰ، مناقب ابن شہر آشوب اور بحار الانوار میں مرقوم ہے۔ اور الکافی میں یہ روایت ان الفاظ سے مذکور ہے:

ابو بکر حضرمی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

"ان الحسین لما سار الی العراق استودع ام سلمة (رضی) الکتب والوصیة فلما رجع علی بن الحسین (ع) دفعتها الیه." (۲)

---

(۱) غیبۃ شیخ طوسی طبع تبریز ۱۳۲۳ھ، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۔ بحار الانوار جلد ۴۶ صفحہ ۱۸ حدیث ۳۔ ہم نے اس روایت کو بحار سے نقل کیا ہے۔

(۲) اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۰۴۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۲۔ بحار جلد ۶ صفحہ ۱۶۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۔ ابو بکر حضرمی عبداللہ بن محمد نے امام صادق سے روایات نقل کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۱۶ ص ۱۵)

"امام حسین علیہ السلام جب عراق کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے کتابوں اور وصیت کو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنھا کے پاس بطور امانت رکھا اور جب علی زین العابدینؑ واپس آئے تو ام سلمہ نے وہ امانت ان کے سپرد کر دی۔"

واضح رہے کہ مذکورہ وصیت کے علاوہ امام حسینؑ نے کربلا میں بھی ایک وصیت لکھی تھی اور باقی مواریث امامت کے ساتھ وہ وصیت اپنی دختر فاطمہ کے حوالے کی تھی۔ بی بی نے بعد میں وہ وصیت اور مواریث امامت امام زین العابدینؑ کے حوالے کی تھیں۔ کربلا میں امام سجادؑ سخت بیمار تھے اور ان کے زندہ رہنے کی امید بہت کم تھی۔ (۱)

امام محمد باقرؑ اور میراث امامت

الکافی، اعلام الوریٰ، بصائر الدرجات اور بحار الانوار میں مرقوم ہے۔ اور یہ روایت الکافی میں ان الفاظ سے مروی ہے:

عیسیٰ بن عبداللہ نے اپنے والد سے اس نے اپنے دادا سے روایت کی کہ اس نے کہا:

"التفت علی بن الحسین الی ولده وهو فی الموت وهم مجتمعون عنده، ثم التفت الی محمد بن علی ابنه فقال: یا محمد! هذا الصندوق فاذهب به الی بیتک، ثم قال: اما انه لیس فیه دینار ولا درهم ولکنه کان مملوٴ اعلما." (۲)

"حضرت زین العابدینؑ اپنی موت کے وقت اپنی اولاد کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ اس وقت آپ کے گرد جمع تھے۔ پھر آپ اپنے فرزند محمد باقرؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے فرمایا: محمدؑ! یہ صندوق اٹھا کر اپنے گھر لے جاؤ۔ پھر آپ نے فرمایا: اس میں دینار و درہم نہیں ہیں یہ صندوق علم سے بھرا ہوا ہے۔"

---

(۱) اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۰۳ حدیث ۳۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۲۔ بحار جلد ۴۶ صفحہ ۱۸ حدیث ۵ بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸

(۲) اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۰۵ حدیث ۲۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۰۔ بصائر الدرجات باب ۱ صفحہ ۴۴ بحار الانوار جلد ۴۶ صفحہ ۲۲۹ حدیث ۱۔ الوافی جلد ۲ صفحہ ۸۳۔ عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب کو ہاشمی بھی کہا جاتا تھا۔ انہوں نے امام صادقؑ سے احادیث نقل کیں۔ (قاموس الرجال جلد ۷ صفحہ ۲۷۵)

بصائرالدرجات اور بحار میں عیسیٰ بن عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ اس نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

امام زین العابدین نے اپنی موت کے وقت ایک صندوق اپنے پاس طلب کیا اور فرمایا: محمدؑ! تم اس صندوق کو اٹھا کر لے جاؤ۔ چار افراد نے اس صندوق کو اٹھایا۔ امام زین العابدینؑ کی وفات کے بعد امام محمد باقرؑ کے بھائی ان کے پاس آئے اور انہوں نے اس صندوق سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ امام باقر نے فرمایا: تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر اس میں تمہارا حصہ ہوتا تو ہمارے والد یہ صندوق میرے حوالے نہ کرتے۔ صندوق میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہتھیار اور ان کی کتابیں تھیں۔ (۱)

امام جعفر صادقؑ اور میراثِ امامت

بصائرالدرجات میں زرارہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مامضیٰ ابو جعفر حتی صارت الکتب الی." (۲)

"امام محمد باقر نے دنیا سے رحلت نہیں فرمائی تھی کہ کتابیں میرے پاس آ گئی تھیں۔"

بصائرالدرجات میں ابوبصیر سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا:

"مات ابو جعفر حتی قبض. ای ابوعبدالله. مصحف فاطمة." (بصائرالدرجات صفحہ ۱۵۸)

"ابھی امام محمد باقرؑ کی وفات نہیں ہوئی تھی کہ مصحفِ فاطمہ لے لیا تھا۔"

یعنی اپنے والد کی وفات سے چند لمحات پہلے میں نے مصحف فاطمہ لے لیا تھا۔

بصائرالدرجات میں عنبۃ العابد کا بیان ہے کہ ہم امام جعفر صادقؑ کے ابن عم حسین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ محمد بن عمران نے آ کر ان سے کہا کہ آپ مجھے زمین کی کتاب دیں۔

حسین نے کہا: ذرا صبر کرو، میں وہ کتاب امام صادق سے لے آؤں۔

---

(۱) اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۰۵ حدیث ۱۔ الوافی جلد ۲ صفحہ ۸۲۔ بصائرالدرجات جلد ۴ باب ۴ صفحہ ۱۶۵۔ اعلام الوریٰ صفحہ ۲۶۰۔ بحارالانوار جلد ۴۶ صفحہ ۲۲۹

(۲) بصائرالدرجات صفحہ ۱۵۸۔ زرارہ ابوالحسن کا نام عبدربہ بن اعین موالی بنی شیبان تھا۔ کوفہ کے رہائشی تھے اور امام صادق سے احادیث نقل کیں۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ (قاموس الرجال جلد ۴ صفحہ ۱۵۴)

میں (راوی) نے ان سے کہا: وہ کتاب امام صادقؑ کے پاس کیوں ہے؟

انہوں نے کہا: وہ حسن مجتبیٰؑ کے پاس تھی پھر وہ امام حسینؑ کے پاس رہی پھر وہ علی بن الحسینؑ کے پاس چلی گئی پھر وہ محمد باقرؑ کے پاس گئی پھر وہ امام جعفر صادقؑ کے پاس چلی گئی اور ہم نے اسے وہاں سے نقل کیا۔(۱)

الکافی اور بصائر الدرجات میں حمران کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک مہر شدہ صحیفہ حضرت ام سلمہؓ کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

رسول خداؐ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ ان کے علم اور ان کے ہتھیاروں اور جو کچھ وہاں تھا، اس کے وارث بنے اور آپ نے وہ تمام چیزیں اپنے قبضہ میں کی تھیں۔ حضرت علیؑ کے بعد وہ تمام چیزیں امام حسنؑ کو منتقل ہوئیں۔ پھر وہ تمام چیزیں امام حسینؑ کو منتقل ہوئیں اور جب ہمیں ان کے چھن جانے کا خطرہ محسوس ہوا تو ہم نے وہ چیزیں حضرت ام سلمہ کے پاس بطور امانت رکھوادیں۔ اس کے بعد امام علی بن الحسینؑ نے وہ چیزیں حاصل کر لی تھیں۔

میں (راوی) نے کہا: جی ہاں۔ پھر وہ چیزیں آپ کے والد کو منتقل ہوئیں اور آپ کے والد کے بعد وہ چیزیں آپ کو منتقل ہوئیں؟

امام صادقؑ نے فرمایا: جی ہاں۔(۲)

عمر بن ابان سے بھی یہ روایت انہیں الفاظ سے منقول ہے۔(۳)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور میراثِ امامت

غیبت نعمانی اور بحار میں حماد صائغ سے مروی ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے مفضل بن عمرو سے سنا کہ اس نے امام جعفر صادقؑ سے پوچھا۔۔۔۔۔ اتنے میں ابوالحسن موسیٰ کاظمؑ نمودار ہوئے تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۵۔۱۶۶۔ عنبہ بن بجاد العابدین اسد کا آزاد کردہ غلام تھا اور قاضی تھا۔ اس نے امام صادق سے احادیث نقل کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۷ صفحہ ۲۴۲)

(۲) الکافی کتاب الحجہ جلد ۳ صفحہ ۴۸۔ الوافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۔ بصائر الدرجات صفحہ ۱۷۷۔۱۸۶۔۱۸۸

کیا تمہیں کتاب علیؑ کا وارث دیکھ کر خوشی محسوس ہوگی؟

مفضل نے کہا: بھلا اس سے بڑھ کر اور کس چیز سے خوشی محسوس کروں گا؟

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: یہ کتاب علیؑ کا وارث ہے۔(۱)

امام علی رضا علیہ السلام اور میراثِ امامت

علی بن یقطین کا بیان ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

"یا علی ! هذا افقه ولدی وقد نحلته کتبی و اشار بیده الی ابنه علی."

"علی! یہ میری تمام اولاد میں سے بڑا فقیہ ہے اور میں نے اسے اپنی کتابیں ہبہ کی ہیں۔ یہ کہہ کر امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے فرزند علیؑ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

"ان ابنی علیا سید ولدی وقد نحلته کتبی"(۲)

"میرا بیٹا علی میری اولاد کا سردار ہے اور میں نے اپنی کتابیں اسے ہبہ کی ہیں۔"

الکافی، ارشاد مفید، غیبت طوسی اور بحار الانوار میں نعیم القابوسی کی زبانی مروی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

"ابنی علی اکبر ولدی وابرهم عندی واحبهم الی، هو ینظر

گزشتہ سے پیوستہ: الکافی جلد ۳ صفحہ ۴۸۔ بصائر الدرجات صفحہ ۱۷۷۔ ۱۸۳۔ الوافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۳

(۱) غیبت نعمانی صفحہ ۱۷۷۔ بحار جلد ۴۸ صفحہ ۲۲ حدیث ۳۳۔ مفضل بن عمر الجعفی الکوفی نے امام صادق اور امام کاظم علیہما السلام سے روایات کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۹ صفحہ ۹۳)

(۲) علی بن یقطین کی روایت بصائر الدرجات کے صفحہ ۱۶۴۔ پر تین اسناد یعنی ۷، ۸، ۹ کے تحت مروی ہے۔ الارشاد میں "کتبی" کی بجائے "نحلته کنیتی" لکھا ہوا ہے یعنی میں نے اسے اپنی کنیت ہبہ کی ہے۔ الوافی جلد ۲ صفحہ ۸۶۔ علی بن یقطین بنی اسد کا آزاد کردہ غلام تھا اور اس نے کئی کتابیں تالیف کیں تھیں۔ ۱۸۲ھ میں اس نے وفات پائی تھی۔ اس نے امام صادقؑ سے روایات بیان کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۷ صفحہ ۸۳)

معی فی الجفر ولم ینظر فیہ الانبی او وصی. "(۱)

"میرا بیٹا علیؑ میرا سب سے بڑا بیٹا ہے اور میرے نزدیک وہ سب سے زیادہ نیکوکار ہے اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ میرے ساتھ کتاب جفر کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کا مطالعہ نبی یا وصی کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

رجال کشی اور بحار میں نصر بن قابوس سے مروی ہے کہ وہ امام کاظمؑ کے گھر میں موجود تھا۔ آپؑ نے اسے اپنے فرزند امام رضاؑ کی زیارت کرائی' اس وقت امام رضاؑ جفر کا مطالعہ کر رہے تھے۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: "یہ میرا بیٹا علیؑ ہے اور یہ جس چیز کا مطالعہ کر رہا ہے وہ جفر ہے۔"(۲)

اور یوں آئمہ اہل بیت یکے بعد دیگرے میراث امامت حاصل کرتے رہے اور وہ ان کتابوں سے علوم و احکام کا استخراج کیا کرتے تھے جیسا کہ حسب ذیل روایات میں بیان ہوا ہے۔

آئمہ اہلِ بیت کا مذکورہ کتب کی طرف رجوع کرنا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جفر اور مصحف فاطمہ کا حوالہ دے کر یہ پیشن گوئی کی تھی کہ اولاد حسن کی حکومت حاصل کرنے کی تحریک ناکامی کا شکار ہو جائے گی۔

چنانچہ الکافی اور بصائر الدرجات میں فضیل بن سکرہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا:

فضیل! جانتے ہو تھوڑی دیر پہلے میں کس چیز کا مطالعہ کر رہا تھا؟

میں نے کہا: نہیں

(۱) اصول کافی جلد ا صفحہ ۳۱۱_۳۱۲ حدیث ۲_ ارشاد مفید صفحہ ۲۸۵_۲۸۶_ غیبت شیخ طوسی صفحہ ۲۸_ الوافی جلد ۲ صفحہ ۸۳_ نعیم القابوسی سے غالباً نعیم بن قابوس جو کہ نصر بن قابوس کا بھائی تھا، مراد ہے وہ ثقہ راوی تھا اور اس نے امام موسیٰ کاظم سے روایات نقل کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۹ صفحہ ۲۲۵)

(۲) رجال کشی صفحہ ۳۸۲_ بحار الانوار جلد ۴۳ صفحہ ۲۷ حدیث ۳۶ نصر بن قابوس لخمی الکوفی نے امام صادق، امام کاظم اور امام علی رضا سے احادیث نقل کی تھیں (قاموس الرجال جلد ۹ صفحہ ۱۹۵_)

آپ نے فرمایا: میں کتاب فاطمہؑ کا مطالعہ کر رہا تھا اور زمین پر جتنے بھی بادشاہ ہوں گے اس کتاب میں ان تمام بادشاہوں کا ان کی ولدیت سمیت نام لکھا ہوا ہے۔ اس کتاب میں مجھے اولادِ حسن کا کہیں نام دکھائی نہیں دیا۔(۱)

ولید بن صبیح کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

"ان نظرت فی مصحف فاطمة فلم اجد لبنی فلان الاکغبار النعل"(۲)

"میں نے مصحفِ فاطمہ کا مطالعہ کیا تو فلاں شخص کی نسل کا اقتدار جوتے کے غبار کی طرح سے انتہائی کم پایا۔"

سلیمان بن خالد نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرے پاس ایک صحیفہ ہے، جس میں بادشاہوں کے نام درج ہیں۔ اس میں اولادِ حسن کا کہیں نام نہیں ہے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۹ حدیث ۵)

عمر بن اذنیہ نے ایک ایسی جماعت سے روایت کی جنہوں نے کہا کہ ہم نے امام صادق علیہ السلام سے سنا جب ان سے محمد کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"ان عندی لکتابین فیهما اسم کل نبی و کل ملک یملک والله ما محمد بن عبدالله فی احدهما."

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۹ حدیث ۲)

"میرے پاس دو کتابیں ہیں جن میں تمام انبیاء اور بادشاہوں کے نام لکھے ہوئے ہیں، خدا کی قسم! محمد بن عبداللہ کا نام ان دونوں میں کہیں بھی نہیں ہے۔"

واضح رہے کہ دو کتابوں سے حضرت صادق کا مفہوم جفر اور مصحف فاطمہ تھا۔ اور ہر نبی

---

(۱) اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ حدیث ۸۔ بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۹ حدیث ۳۔ الوافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ فضیل بن سکرہ ابو محمد الاسدی نے امام صادق سے احادیث نقل کیں تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)

(۲) بصائر الدرجات صفحہ ۱۷۰۔ صفحہ ۱۶۱ کی حدیث ۳۲ میں بھی قریباً یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ ولید بن صبیح کوفی الاسدی نے امام صادق سے روایات نقل کیں تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۹ صفحہ ۳۵۴)

کے نام سے مراد یہ ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء سے پہلے دنیا میں جتنے بھی نبی آئے ان سب کا نام اس کتاب میں موجود ہے۔ یہی مفہوم حسب ذیل حدیث سے مترشح ہوتا ہے۔

بصائر الدرجات میں معلی بن خنیس سے روایت ہے اس نے کہا کہ امام جعفر صادق نے فرمایا:

"مامن بنی ولا وصی ولاملک الافی کتاب عندی لاوالله ما لمحمد بن عبدالله بن الحسن فیه اسم."

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۹ حدیث ۴)

"میرے پاس ایک کتاب ہے جس میں ہر نبی، وصی اور بادشاہ کا نام لکھا ہوا ہے مگر خدا کی قسم اس میں محمد بن عبداللہ بن حسن کا کہیں نام تک نہیں ہے۔"

ایک ایسی ہی روایت عیص بن قاسم سے بھی منقول ہے۔(۱)

معلی بن خنیس سے روایت ہے کہ میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں محمد بن عبداللہ بن حسن آئے۔ انہوں نے امام کو سلام کیا پھر چلے گئے۔ اسے دیکھ کر امام سخت غمگین ہوئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ میں نے عرض کیا:

ان کو دیکھ کر آپ کی حالت غیر کیوں ہو گئی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

کیونکہ وہ اس امر کا دعویٰ کرے گا جس کے وہ اہل نہیں ہوگا اور کتاب علی میں میں نے اس کا نام اس امت کے خلفاء وسلاطین میں کہیں نہیں دیکھا۔ (الکافی صفحہ ۱۶۸۔۱۶۹ حدیث ۱)

عنبہ بن بجاد العابد کا بیان ہے کہ امام صادق علیہ السلام جب بھی محمد بن عبداللہ بن حسن کو دیکھتے تو آپ کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتی تھیں۔ پھر کہتے تھے: میری اس پر جان قربان' لوگ اس کے متعلق کہیں گے کہ یہ مہدی ہے اور یہ قتل کر دیا جائے گا۔ اس کے باپ علی کی کتاب میں اس کا نام خلفائے امت میں شامل نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۹ حدیث ۶۔ ابو القاسم عیص بن قاسم البجلی سلیمان بن خالد کا بھانجا تھا' اس نے امام صادق اور کاظم علیہم السلام سے احادیث نقل کی تھیں۔ (قاموس الرجال ۷ صفحہ ۲۷ الکافی، الوافی جلد ۱ صفحہ ۵۷ وبصائر الدرجات)

(۲) مقاتل الطالبین صفحہ ۲۰۸۔ ارشاد مفید صفحہ ۲۶۰

امام کی کتاب علی سے مراد وہ کتاب جفر تھی جو آپ کو میراث میں ملی تھی۔

الکافی میں فضیل بن یسار اور برید بن معاویہ اور زرارہ سے روایت ہے کہ عبدالملک بن اعین نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ فرقہ زیدیہ کے افراد نے محمد بن عبداللہ کا گھیرا کیا ہوا ہے تو کیا اسے حکومت مل جائے گی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

خدا کی قسم! میرے پاس دو کتابیں ہیں جن میں تمام انبیاء وسلاطین کے نام موجود ہیں۔ خدا کی قسم محمد بن عبداللہ کا نام کسی بھی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ (۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اولادِ حسن کی تحریک کی ناکامی کا اعلان جفر ابیض اور مصحف فاطمہ کے مطالعہ کے بعد کیا تھا اور آپ نے اپنے چچازاد بھائیوں کو ان کی تحریک کے نتیجہ سے بھی باخبر کر دیا تھا لیکن انہوں نے آپ کی نصیحت پر کان نہ دھرے جس کی وجہ سے انہیں ناکامی اور قتل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

بنی ہاشم کا اجتماع اور امام صادق کی پیشین گوئی

ابوالفرج نے مقاتل الطالبین میں لکھا:

بنی ہاشم کی ایک جماعت کا مقام ''ابواء'' پر اجتماع ہوا اور ان میں ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس، ابوجعفر منصور دوانیقی، صالح بن علی، عبداللہ بن حسن بن امام حسن مجتبیٰ اور ان کے دونوں فرزند محمد اور ابراہیم اور محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان شامل تھے۔

---

(۱) اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ حدیث ۸۔ الوافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶۔ ابوالقاسم برید بن معاویہ العجلی نے امام باقر اور صادق علیہم السلام سے احادیث نقل کی تھیں ۱۵۰ھ میں اس نے وفات پائی (قاموس الرجال جلد ۲ صفحہ ۱۶۴)

(۲) بنی عباس کی دعوت کا بانی ابراہیم تھا جسے بنی عباس ''امام'' کہا کرتے تھے۔ آخری اموی حکمران مروان حمار نے اسے مقام حران میں قید کیا تھا اور پھر ۱۳۲ھ میں اسے قتل کر دیا تھا۔ پھر بنی عباس میں سے سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح بنا۔ اس کے بعد ابوجعفر منصور (دوانیقی) خلیفہ بنا۔ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان المعروف دیباج کو ۱۴۳ھ میں منصور نے حران کے مقام پر قتل کر دیا اور اس کا سر خراسان بھیجا گیا۔

اس اجلاس میں صالح بن علی نے کہا کہ آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ تمام لوگوں کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھتی ہیں اور اللہ تعالٰی نے تمہیں یہاں مل بیٹھنے کا موقع فراہم کیا ہے لہٰذا آپ حضرات اپنے میں سے کسی ایک شخص کی بیعت کر لیں اور اس کے ساتھ عہد میثاق کر لیں اور آپ تحریک چلائیں یہاں تک کہ اللہ آپ کو کامیابی دے اور وہ بہترین کامیابی دینے والا ہے۔

اس کے بعد عبداللہ بن حسن نے اللہ کی حمد وثنا کی اور کہا: آپ حضرات جانتے ہیں کہ میرا یہ بیٹا مہدی ہے لہٰذا آؤ سب مل کر اس کی بیعت کریں۔

ابوجعفر منصور (دوانیقی) نے کہا: تم لوگ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو اس نوجوان یعنی محمد بن عبداللہ کی طرف ہی لوگوں کی گردنیں زیادہ اٹھتی ہیں اور لوگ اس کی بات کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔

اس پر حاضرین نے کہا: خدا کی قسم! تو نے سچ کہا: ہم صرف اسی جوان کو ہی امر خلافت کے لیئے جانتے پہچانتے ہیں۔ پھر سب نے محمد کی بیعت کی اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ اور جعفر صادقؑ کو بلانے کے لیئے پیغام بھیجا گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عبداللہ بن حسن نے کہا کہ آپ جعفر صادقؑ کو مت بلاؤ۔ وہ ہمارا بنا ہوا کام بگاڑ دیں گے۔ مگر عبداللہ بن حسن کے روکنے کے باوجود بنی ہاشم کے معززین نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے اجلاس میں بلایا۔ جب آپ اس اجلاس میں تشریف لائے تو عبداللہ بن حسن نے آپ کو خوش آمدید کہا اور اپنے پہلو میں آپ کو جگہ دی۔ اور پھر اس نے اپنی سابقہ گفتگو دہرائی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

آپ لوگ ایسا نہ کریں۔ ابھی اس بات کا وقت ہی نہیں آیا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا یہ بیٹا مہدی ہے تو ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی یہ مہدی کے ظہور کا وقت ہے اور اگر آپ حدود الٰہی کی پامالی کی وجہ سے بنی امیہ پر ناراض ہیں اور اسی لیئے آپ اپنے بیٹے کے متعلق یہ خواہش رکھتے ہیں کہ وہ خروج کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر

انجام دے تو خدا کی قسم ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ آپ ہمارے بزرگ ہیں اور ہم آپ کے بیٹے کی حکومت کو تسلیم کر لیں گے۔

امام جعفر علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر عبداللہ ناراض ہو گیا اور کہا: مجھے معلوم ہے کہ آپ ہماری مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنے غیب کی اطلاع نہیں دی ہے۔ آپ یہ سب کچھ میرے بیٹے سے حسد کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے اس سے کوئی حسد نہیں ہے لیکن یہ اور اس کے بھائی اور ان کی اولاد ہی اقتدار حاصل کرے گی اور تمہیں اقتدار میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوگا۔

پھر آپ نے ابو العباس کی پشت پر ہاتھ مارا اور دوسرا ہاتھ عبداللہ بن حسن کی پشت پر مار کر عبداللہ سے فرمایا: حکومت نہ تو تجھے ملے گی اور نہ ہی تیرے ان دو بیٹوں کو نصیب ہوگی۔ حکومت ان لوگوں (بنی عباس) کو ملے گی۔ آپ کے دونوں بیٹے قتل کر دیئے جائیں گے۔

یہ کہہ کر آپ اس اجلاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور عبدالعزیز بن عمران الزہری کے بازو کا سہارا لے کر اٹھے اور عبدالعزیز سے فرمایا: تم نے زرد چادر والے (ابو جعفر منصور) کو دیکھا ہے؟ خدا کی قسم ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ انہیں قتل کرے گا۔

عبدالعزیز نے کہا: کیا منصور، محمد کو قتل کرے گا؟!

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں۔

عبدالعزیز کا بیان ہے کہ امام کی یہ بات سن کر میں نے دل میں کہا تھا:

رب کعبہ کی قسم! جعفر صادق ان سے حسد کر رہا ہے! لیکن خدا کی قسم اللہ نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی جب تک میں نے اپنی آنکھوں سے امام جعفر صادقؑ کی پیشن گوئی کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ نہ لیا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب امام جعفر صادقؑ نے اجلاس میں یہ باتیں کیں تو ان کا اجلاس منتشر ہو گیا اور اس کے بعد کبھی ان کا دوبارہ اجلاس نہ ہو سکا۔ عبدالصمد اور ابو جعفر (منصور) امام کے پیچھے آئے اور آپ سے کہا: ابو عبداللہ! کیا آپ یہ کہتے ہیں؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! میں یہ بات کہہ رہا ہوں اور اسے اچھی طرح سے جانتا بھی ہوں۔ (مقاتل الطالبین صفحہ ۲۰۶۔۲۰۸۔ ارشاد مفید صفحہ ۲۵۰۔۲۶۰)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

امام صادق علیہ السلام نے عبداللہ بن حسن سے فرمایا:

یہ حکومت نہ تو آپ کو ملے گی اور نہ ہی آپ کے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو ملے گی' حکومت اسے (سفاح) ملے گی۔ اس کے بعد اسے (منصور) ملے گی۔ پھر ان کی اولاد کو حکومت ملے گی اور حکومت کا سلسلہ اس کی اولاد میں چلتا رہے گا یہاں تک کہ وہ لڑکوں کو حاکم مقرر کریں گے اور عورتوں سے مشورے کریں گے۔ (اور جب انہوں نے ایسا کیا تو ان کی حکومت ختم ہو جائے گی۔)

اس پر عبداللہ نے آپ سے کہا: جعفر! خدا کی قسم! اللہ نے تجھے اپنے غیب سے مطلع نہیں کیا ہے۔۔۔۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: نہیں خدا کی قسم! میں نے تیرے بیٹے سے کوئی حسد نہیں کیا۔ اور یقیناً یہ شخص (ابو جعفر منصور) تیرے بیٹے کو 'اجاز الزیت'' کے مقام پر قتل کرے گا۔ پھر اس کے بھائی کو ''طفوف'' میں قتل کرے گا۔ اس وقت اس کے گھوڑے کے پاؤں پانی میں ہوں گے۔۔۔ (مقاتل الطالبین ۳۵۳۔۳۵۶)

طبری اور ابولفرج لکھتے ہیں:

اُم حسین بنت عبداللہ بن محمد بن علی بن امام حسین نے کہا کہ میں نے اپنے چچا امام جعفر صادق سے کہا:

میں آپ پر قربان جاؤں! محمد بن عبداللہ کی تحریک کا انجام کیا ہوگا؟

امام جعفر صادق نے مجھ سے کہا:

یہ ایک آزمائش ہے۔ بیت رومی کے پاس محمد مارا جائے گا اور اس کا سگا بھائی عراق میں قتل کیا جائے گا۔ اس وقت اس کے گھوڑے کے سُم پانی میں ہوں گے۔

(مقاتل الطالبین ۳۵۳۔۳۵۶)

بیان کیا جاتا ہے جب منصور کا سپہ سالار مدینہ میں داخل ہوا تو اس وقت امام جعفر صادق نے یہ کہا کیا یہ وہی ہے؟

پوچھا گیا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

یہ وہی ہے جو ہمارے خون سے ہولی کھیلے گا' یہ محمد و ابراہیم کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

(مقاتل الطالبین صفحہ ۲۷۲)

جب محمد نے خروج کیا تو حمزہ بن عبداللہ بن محمد بن علی نے بھی اس کی حمایت میں خروج کیا۔ ان کے چچا جعفر صادق انہیں منع کرتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ مارا جائے گا۔

(طبری جلد ۹ صفحہ ۲۳۰ (بطور اختصار)

امام جعفر صادق کی پیشن گوئی کی شہرت

اولاد حسنؑ کے انجام کے متعلق امام جعفر صادقؑ نے جو پیشن گوئی کی تھی اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور نزدیک و دور کے رہنے والے آپ کی اس پیشن گوئی سے واقف تھے یہی وجہ تھی کہ جب ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ کے ایک ساتھی فضیل بن یسار سے کہا کہ عبداللہ بن حسن کے دو بیٹوں محمد اور ابراہیم نے حکومت کے خلاف خروج کیا ہے، تو فضیل بن یسار نے فوراً کہہ دیا: وہ دونوں ناکام ہوں گے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں کئی روز تک فضیل سے یہی بات کہتا رہا مگر ہر بار فضیل یہی کہتے تھے کہ یہ دونوں بھائی ناکام ہوں گے۔

آخر کار میں نے ان سے کہا: خدا آپ پر رحم کرے۔ میں نے کئی بار آپ سے حسنی سادات کے خروج کی اطلاع دی ہے لیکن آپ ہر بار یہی کہتے ہیں کہ یہ ناکام ہوں گے۔ آخر آپ کو ان کی ناکامی کا اتنا یقین کیوں ہے اور کیا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے؟

فضیل نے کہا: ہرگز نہیں۔ میں نے امام صادقؑ سے سنا تھا کہ اگر انہوں نے خروج کیا تو مارے جائیں گے۔(۱)

(۱) اختیار معرفۃ الرجال کشی طبع جامعہ مشہد صفحہ ۲۱۴ در حالات فضیل بن یسار

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور جو کہ امام عالی مقام کی یہ پیشن گوئی اجلاس میں سن چکا تھا۔ اسے بھی آپ کی پیشن گوئی پر کامل اعتماد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب محمد بن عبداللہ کے مقابلہ میں اس کے سالار کو وقتی طور پر شکست ہوئی تو اس وقت اس نے چیخ کر کہا تھا:

ابھی ہمارے لڑکے منبروں پر تو نہیں کھیلے اور ابھی تک ہم نے عورتوں سے مشورے بھی نہیں لیئے۔ اسی لیئے ناکام نہ ہوں گے۔

ابراہیم نے بصرہ میں خروج کیا اور اس کے مقابلہ پر منصور کے لشکر کو شکست ہوئی اور اس کے لشکر کا ابتدائی حصہ کوفہ میں پہنچ گیا تو اس وقت منصور نے اپنی ظاہری شکست کو دیکھ کر حکم دے دیا تھا کہ کوفہ کے ہر دروازے پر اونٹ تیار کر کے کھڑے کر دیئے جائیں تا کہ اگر انہیں فرار کرنا پڑے تو انہیں کوئی دقت نہ ہو۔ (طبری جلد ۹ ص ۲۲۸ مقاتل الطالبین ص ۲۷۴)

اس وقت منصور نے اپنے دربان ربیع سے کہا:

ربیع! ہماری حکومت اتنی جلدی کیسے ختم ہوگی جب کہ ہمارے بیٹے بھی حکمران نہیں بنے تو لڑکوں کی حکومت کی بات تو بہت دور کا معاملہ ہے۔

(مقاتل الطالبین ص ۳۴۷ تاریخ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۳۰)

واضح رہے کہ منصور نے بزکورہ جملے اس لیئے کہے تھے کہ اسے امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیشین گوئی نہ صرف یاد تھی بلکہ اسے اس پر مکمل یقین بھی تھا کیونکہ امام علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ بنی عباس کی حکومت اس وقت ختم ہوگی جب وہ لڑکوں کو حاکم بنائیں گے اور عورتوں سے مشاورت کریں گے۔

حسنی بھائیوں کا انجام

طبری اور ابو الفرج نے لکھا: محمد، مدینہ میں احجار الزیت کے مقام پر قتل ہوئے۔

(طبری جلد ۹ ص ۲۲۷ مقاتل الطالبین ص ۲۳۶)

آغانی میں ہے:

ابراہیم ایک گھاٹی کے قریب منصور کی شکست خوردہ فوج کے تعاقب میں مصروف تھا کہ اچانک اسے ایک تیر لگا جس کی وجہ سے وہ قتل ہو گیا۔ (مقاتل الطالبین ص ۳۳۶)

الغرض دونوں حسنی بھائیوں کا وہی انجام ہوا جس کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک عرصہ پہلے خبر دے دی تھی۔

سابقہ روایت میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ امام جعفر صادقؑ نے کتاب جفر اور مصحفِ فاطمہ کے حوالے سے حسنی سادات کی تحریک کی ناکامی کی خبر دی تھی جو کہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس طرح سے امام سجاد علیہ السلام کی بھی پیشن گوئی ملاحظہ فرمائی۔ آپ نے یہ پیشن گوئی عبدالعزیز اموی کے بیٹے کے اقتدار کے لیئے کی تھی۔

عبداللہ بن عطاء تمیمی نے کہا میں مسجد نبوی میں علی بن الحسین زین العابدینؑ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں سے عمر بن عبدالعزیز کا گذر ہوا' اس نے چاندی کے تسمے جوتے میں لگائے ہوئے تھے اور وہ انتہائی خوبصورت نوجوان تھا۔

امام زین العابدین نے اسے دیکھا اور مجھے مخاطب کر کے کہا:

عبداللہ بن عطاء! کیا تو اس ناز پروردہ شخص کو دیکھ رہا ہے؟ یہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک یہ لوگوں کا حاکم نہ بن جائے۔

میں نے کہا: کیا یہی فاسق !؟

آپ نے فرمایا: جی ہاں۔ یہ انتہائی تھوڑا وقت ہی بسر کر سکے گا۔۔۔۔(۱)

امام علی رضا علیہ السلام اور جفر

کشف الغمہ میں اربلی المتوفی ۶۹۳ھ نے لکھا:

بارگاہِ خداوندی کا بھکاری علی بن عیسیٰ کہتا ہے کہ ۶۷۰ھ میں مشہد امام رضا علیہ السلام سے ایک فوجی سردار آیا اور اس کے پاس وہ عہد نامہ تھا جو مامون کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور اس کے بین السطور اور پشت پر خود امام رضا علیہ السلام کے ہاتھ کی تحریر تھی۔ جہاں امام عالی مقام کا قلم چلا تھا' میں نے ان مقامات کو بوسہ دیا اور آپ کے گلزار تحریر سے لطف اندوز ہوا اور اس حسن اتفاق کو میں نے اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم و احسان تصور کیا اور میں نے اس تاریخی دستاویز کو حرف بہ حرف نقل کیا۔ مامون کی تحریر یہ تھی:

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۷۰ باب یادر۔ ہم نے اپنی ضرورت کے مطابق ہی حدیث کا ایک اقتباس نقل کیا ہے مکمل حدیث انگیز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جو امیر المومنین عبداللہ بن ہارون الرشید نے اپنے ولی عہد علی بن موسیٰ الرضا کے لیے تحریر کیا ہے:

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے تمام ادیان میں سے دین اسلام کو منتخب کیا اور اس دین کی رہنمائی کے لیئے اس نے اپنے بندوں میں سے کچھ رسولوں کا انتخاب کیا' جنہوں نے لوگوں کو اس دین کی رہنمائی کی' اور پہلے آنے والے نے بعد میں آنے والے کی بشارت دی اور جو بعد میں آیا اس نے پہلے آنے والے کی تصدیق کی' یہاں تک کہ نبوت و رسالت کا سلسلہ محمد مصطفیٰ تک پہنچا۔ جب آپ سے پہلے زمانہ فترت تھا جس میں کوئی رسول نہیں آیا تھا' اور علم الٰہی کا درس دینے کوئی معلم نہیں تھا۔ وحی کا سلسلہ منقطع تھا۔ چونکہ قیامت قریب تھی اس لیئے اللہ نے آپ پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا اور آپ کو تمام انبیاء پر شاہد و نگران بنایا اور آپ پر اپنی وہ زبردست کتاب نازل فرمائی جس میں باطل نہ تو سامنے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے' کیونکہ وہ لائق حمد اور صاحب حکمت کی نازل کردہ ہے۔

اور اس میں یہ بتایا گیا کہ کن چیزوں کو اللہ نے حلال کیا اور کن چیزوں کو حرام' کن چیزوں پر ثواب کا وعدہ ہے اور کن چیزوں پر عذاب کی دھمکی دے کر ڈرایا ہے اور کئی کاموں کے نہ کرنے کا حکم ہے' تاکہ تمام مخلوقات پر اللہ کی حجت کامل اور تمام ہو جائے تاکہ اس کے بعد جو ہلاک ہونا چاہے تو دلیل و برہان سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہنا چاہے تو دلیل و برہان سے زندہ رہے۔ اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

پس رسول مقبول نے اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کو پیغام پہنچایا اور اللہ کے حکم کے مطابق حکمت، موعظہ حسنہ اور احسن جدال سے اس کے بتائے ہوئے راستے کی طرف دعوت دی اور آپ نے جہاد کیا اور کچھ سختی سے بھی کام لیا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کی روح قبض فرمائی اور اپنے پاس مہیا نعمتوں کے لیے آنحضرت کو اپنے پاس بلایا۔

اب جب کہ نبوت ختم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ؐ پر وحی و رسالت کو تمام کر دیا تو اللہ نے دین کے قیام اور امور مسلمین کے انتظام کو ایسی خلافت کے اتمام، اس کی قوت اور اطاعت الٰہی کے ساتھ قیام حق کی کوشش میں قرار دیا کہ جو اللہ کے فرائض وحدود اور اسلامی

شریعت کے دستور کو قائم کرے۔ اس کے لیے دشمنان اسلام سے جہاد کرے۔ لہذا خلیفہ کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے اور اپنے بندوں کا انہیں محافظ و نگران بنایا ہے تو اس سلسلہ میں اس کی اطاعت کریں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے خلفاء کی اطاعت اور عدل وحق کے قائم کرنے کے لیے ان کی مدد کریں، راستہ پر امن بنائیں، خون ریزی نہ کریں۔ آپس میں صلح و آشتی سے رہیں۔ اگر مخالفت کریں گے تو مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا' اور ملت میں اختلاف و انتشار پیدا ہوگا۔ ان کا دین مغلوب ہو جائے گا۔ دشمن غالب آجائیں گے اور اتحاد کلمہ باقی نہ رہ سکے گا اور یوں مسلمانوں میں دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھانا پڑے گا۔

اور جس کو اللہ نے اپنی زمین پر خلیفہ بنایا ہے اپنی مخلوق بطور امانت اس کے سپرد کی ہے، اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرے اور جن باتوں میں اللہ کی اطاعت اور خوشنودی نظر آئے ان میں ایثار و قربانی سے کام لے اور احکام الٰہی کے مطابق کاموں کے لیے ہر وقت تیار رہے' کیونکہ اللہ اس سے اس کی حکومت و امارت کی باز پرس کرے گا۔ خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ حق کے مطابق فیصلے کرے اور اللہ نے اس پر خود ذمہ داریاں عائد کی ہیں، ان میں عدل سے کام لے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

"اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرو اور اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی نہ کرو' ورنہ یہ بات تم کو اللہ کے راستے سے ہٹا دے گی اور جو لوگ راہ خدا سے ہٹ گئے ان کے لیے شدید عذاب ہے' اس لیے کہ وہ یوم حساب کو بھول بیٹھے ہیں"

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تمہارے رب کی قسم! یقیناً ہم ان تمام لوگوں سے ہر اس کام کی باز پرس کریں گے جو وہ کرتے تھے۔"

نیز ہم تک یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: اگر دریائے فرات

کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی ضائع ہو جائے تو مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے متعلق بھی باز پرس کرے گا اور خدا کی قسم غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک وہ شخص جو صرف اپنی ذات کا جواب دہ ہے وہ بھی اپنے ان اعمال کی بنا پر کہ جن کا تعلق خود اس کی ذات اور خدا سے ہے اس کو بھی آخرت میں باز پرس کا بڑا احساس ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو پوری امت کا ذمہ دار اور اس کا جوابدہ ہے۔ اس کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا ہے، اسی سے دعا کرنی ہے، اسی سے امید رکھنی ہے کہ وہ نیکی کی توفیق دے اور گناہوں سے بچائے، وہی قوت دے وہی رہنمائی کرے اور کامیابی تو صرف اللہ کی رضا اور اس کی رحمت پر منحصر ہے۔

درحقیقت امت مسلمہ میں سب سے زیادہ اپنی ذات پر نظر رکھنے والا اور روئے زمین پر اللہ اور اس کے دین کی طرف بندگان خدا کی سب سے بہتر رہنمائی کرنے والا وہی شخص ہوگا جو اپنے اور اپنے بعد کے ادوار کے لیے حکم خدا، قرآن اور سنت رسول پر عمل کرتے ہوئے پوری کوشش کرے اور بہت سوچ سمجھ کر رائے قائم کرے کہ اپنے بعد کے لیے وہ جانشین اور ولی عہد کس کو مقرر کرے کہ آئندہ مسلمانوں کے لیئے کس کو خلیفہ مقرر کرے، اس کے بعد مسلمانوں کا سردار کون ہو۔ وہ اس کے لیئے کس کو مقرر کرے، لوگ اپنی فریاد کس کے پاس لے کر جائیں گے، ان میں باہم الفت کون پیدا کرے گا، ان کی پریشانی اور انتشار کو کون دور کرے گا، انہیں آپس کی خون ریزی سے کون بچائے گا، حکم خدا کے مطابق ان کے گروہوں میں امن کون قائم کرے گا اور ان کے اختلافات کون دور کرے گا اور شیاطین کے مکروفریب سے کون ان کو بچائے گا؟

اسی لیئے تو اللہ تعالیٰ نے خلافت کے بعد ولی عہد اور جانشین کو بھی امور اسلام کی تکمیل و اتمام، اس کے وقار و عزت اور اہل اسلام کو فلاح کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اپنے خلفاء کو بذریعہ الہام یہ تاکید کردی ہے کہ وہ اپنے بعد فلاں شخص کو ولی عہد اور جانشین منتخب کریں۔ بھلا اب اس سے بڑھ کر نعمت اور عافیت کیا ہوگی کہ اللہ نے اس طرح اہل شقاق و نفاق کے مکر اور ان کی تفرقہ پردازی اور فتنہ انگیزی کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔

چنانچہ جب سے پولغ امیر المومنین کو خلافت تفویض ہوئی وہ مسلسل اسی فکر میں رہے اور

انہوں نے اس خلافت کے کڑوے گھونٹ کو خود پی کر دیکھا اور اس کا بار خود اٹھا کر محسوس کیا اور یہ کہ جو شخص قلادۂ خلافت گلے میں ڈالتا ہے اس کو اطاعت الٰہی سے کس قدر مربوط ہونا واجب اور لازم ہے اور جس بار کا اس کو متحمل بنایا گیا ہے اس کو اس کی کتنی دیکھ بھال کرنی ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے پوری تندہی اور توجہ سے کام لیا، راتوں کو جاگے، دیر تک غور و فکر کیا کہ وہ کون سے اقدامات ہیں جن سے دین میں قوت آئے، مشرکین کا قلع قمع ہو، امت کی اصلاح ہو، عدل پھیلے، کتاب و سنت کا نظام قائم ہو، مسلمان پستی میں نہ رہیں بلکہ خوش حالی سے زندگی بسر کریں، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ اس کے متعلق ان سے جواب طلب کرے گا اور اس امر کی تمنا کرتے ہوئے کہ جب وہ خدا کے حضور پیش ہوں تو اس کے دین اور اس کے بندوں کے بھی خیر خواہ بن کر اور اپنی ولی عہدی اور اپنے بعد امت کی پاسبانی کے لیئے کسی ایسے شخص کو منتخب کر کے ملاقات کریں جو دین و تقویٰ اور علم کے اعتبار سے سب سے افضل ہو اور احکام خدا اور حقوق الٰہی کے قیام کی سعی بہتر طریقے پر کر سکے۔

اس کے لیئے انہوں نے اللہ سے مناجات کی طلب خیر کیا، دن رات دعائیں مانگیں کہ پروردگار! جس کا بھی انتخاب ہو وہ تیری مرضی کے مطابق ہو۔

پھر آپ نے اپنے خاندان یعنی ابن عباس کی اولاد اور علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے ایسے فرد کی تلاش میں ایک ایک کے متعلق غور کیا اور جس کے حالات معلوم نہ تھے پوری کوشش اور جدوجہد کے ساتھ حتی الامکان جاننے والوں سے اس کے حالات معلوم کرتے رہے یہاں تک کہ سب ہی کے حالات سے انہیں آگاہی حاصل ہو گئی اور پھر انہوں نے ان کے سنے ہوئے حالات ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور گفتگو اور سوالات کر کے اندازہ لگایا کہ کس میں کتنی صلاحیت ہے۔ بالآخر قوم و ملک کے حقوق کی ادائیگی کے لیئے اپنی ذاتی جدوجہد اور اللہ سے طلب خیر کے بعد دونوں خاندانوں میں سے آپ کی نظر انتخاب حضرت علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب پر ٹھہری۔ اس لیئے کہ آپ نے ان میں فضل و کمال نفع بخش، علم نافع، واضح تقویٰ، پر خلوص زہد، دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سب ہی کچھ پایا۔

پھر حضرت علیؑ رضا کے متعلق جو متفقہ خبریں ملی تھیں، ان کی تصدیق بھی کر لی۔ ان کے متعلق سب لوگ یک زبان تھے اور سب کی زبانی سے ایک ہی بات سنی اور ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ نیز عنفوان شباب سے لے کر سن رسیدگی تک ان کے فضل و شرف سے خود بھی واقف تھے۔ اسی لیئے اللہ پر بھروسہ کر کے اپنے بعد کے لیئے ان کو اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا اور یہ جانتے ہوئے کہ ان کی طرف سے دین حق میں ایثار و قربانی ہے۔ مگر آپ کی نظر اسلام اور مسلمانوں کی فلاح پر تھی۔ اس میں ان کی سلامتی تھی اور اس میں قیامت کے دن ان کی نجات تھی۔

پھر امیر المومنین نے اپنی اولاد، اپنے گھر والوں، اپنے مخصوص اصحاب، اپنے سردارانِ فوج اور اپنے ملازمین سب کو بلایا' ان سب نے یہ جانتے ہوئے کہ امیر المومنین نے اپنی اولاد اور قریبی اعزاء پر اطاعت الٰہی کو ترجیح دی ہے۔ سب نے بخوشی جلدی جلدی بیعت کر لی۔ پھر امیر المومنین نے ابوالحسن کو "رضا" کا لقب دیا۔ اس لیئے کہ خود امیر المومنین ان کی ولی عہدی سے راضی اور خوش تھے۔ لہذا اے امیر المومنین کے خاندان والو! اور اے دارالسلطنت میں تعینات فوجیو! اور اے سردارانِ فوج! اور اے مسلمانو! تم بھی اللہ کا نام لے کر اللہ کے دین اور اللہ کے بندوں کے متعلق اس بہترین فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے امیر المومنین کی خلافت اور ان کے بعد حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ کی ولی عہدی پر کھلے ہاتھوں اور صاف دل سے بیعت کریو اور یہ سمجھو کہ امیر المومنین کے مقاصد کیا ہیں' انہوں نے کس طرح سے حکم خدا کی تعمیل کی اور اپنی ذمہ داری محسوس کی اور انہوں نے بحیثیت امیر اور خلیفہ تمہاری حق ادائیگی کا ثبوت دیا۔ اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام ان کو جو ہدایت فرمائی اس، کا تمہیں شکر گذار ہونا چاہیئے۔ سو چونکہ امیر المومنین کو تمہاری فلاح و بہبود کا کتنا خیال ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم میں محبت و الفت قائم رہے، خون ریزی نہ ہو۔ تم میں انتشار پیدا نہ ہونے پائے، تمہاری سرحدیں محفوظ رہیں۔ تمہارے دین میں قوت آئے، تمہارے دشمنوں کا قلع قمع ہو تمہارے تمام امور مستحکم اور درست رہیں پس تم لوگ اللہ اور امیر المومنین کے حکم کی فوری تعمیل کرو۔ اس کے لیئے اگر تم نے فوری تعمیل کی اور یہ محسوس کیا کہ اس تعمیل

میں کیا لطف ہے اور تم نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا تو پھر ان شاء اللہ تمہارے لیئے امن ہی امن ہے۔

یہ عہد نامہ امیر المومنین نے ۷ رماہ رمضان ۲۰۱ھ کو اپنے قلم سے تحریر کیا۔ اس کی پشت پر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ہاتھ سے لکھی ہوئی مندرجہ ذیل تحریر ہے:

عہد نامہ کی پشت پر حضرت امام رضاؑ کی تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس خدا کی حمد ہے جو فاعل مطلق ہے وہ جو چاہے کرے' اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کے فیصلے کو رد کرنیوالا ہے۔ وہ لوگوں کی دز دیدہ نگاہوں کو بھی دیکھتا ہے اور دلوں کے پوشیدہ اسرار سے بھی خوب اچھی طرح واقف ہے اور درود ہو اللہ کے نبی محمد خاتم النبیینؐ اور ان کی طیب وطاہر آل پر۔

میں علی ابن موسیٰ بن جعفر کہتا ہوں کہ امیر المومنین مامون اور ان کے بازوؤں کو توانائی بخشے اور ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ انہوں نے ہمارے حق کو پہچانا جب کہ اس سے قبل ہمارے حق سے تجاہل برتا جاتا رہا۔ نیز عزیز داری اور رشتوں کے وہ رابطے جو ایک عرصہ سے منقطع تھے آج انہوں نے اسے پھر جوڑ دیا۔ اور اب تک جو لوگ ایک دوسرے سے خوف زدہ تھے انہیں امن وسکون ملا انہوں نے ٹوٹے ہوئے تعلقات کو پھر سے قائم کیا اور جو لوگ فقر و افلاس میں زندگی بسر کر رہے تھے ان کی غربت و افلاس کو دور کیا۔ یہ سب کچھ انہوں نے رضائے الہیٰ حاصل کرنے کے لئے کیا ہے اور وہ اس کام میں کسی سے اجر نہیں چاہتے اور یچ ہے کہ اللہ شکر کرنے والوں کو اس کی جزا دیتا ہے اور نیکی کرنے والوں کی نیکیوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

انہوں نے مجھے اپنی خلافت اور امارت کبریٰ کا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا ہے بشرطیکہ میں ان کے بعد زندہ بھی رہوں۔ لہٰذا اب جس گروہ کو اللہ نے باندھنے کا حکم دیا ہے اس کو کوئی شخص کھولے گا اور جس رسی کو اور مضبوط رکھنا چاہتا ہے اس کو کوئی توڑنے کا ارادہ کرے گا

تو وہ سمجھ لے کہ اس نے حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کیا۔ اور وہ اس طرح کہ اپنے امام سے روگردانی کر کے حرمت اسلام کو برباد کرنے کا موجب ہوگا جیسا کہ پچھلے لوگوں نے کیا' مگر ان کے ہنگامی اور اچانک کئے جانے والے اقدامات پر محض اس لئے صبر کیا گیا اور ان کے کسی عمل سے اس لئے تعرض نہیں کیا گیا کہ کہیں اس سے دین ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر نہ ہو جائے' کیونکہ جاہلیت کا زمانہ ابھی ابھی گذرا تھا۔ لوگوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مصیبتیں رونما ہو گئیں۔

مگر میں نے اپنی ذات کی حد تک یہ طے کر لیا ہے کہ اگر مجھے عنان حکومت سنبھالنی پڑ جائے اور خلافت کا قلادہ اپنی گردن میں مجھے ڈالنا ہی پڑا تو میرے عہد میں تمام مسلمان بالعموم اور بنی عباس بن عبدالمطلب بالخصوص حکم خدا اور حکم رسول پر عمل کریں گے' میں نہ کسی کا خون بہاؤں گا نہ کسی کی زن و دولت پر قبضہ کرنے کی کسی کو اجازت دوں گا جب تک شریعت اس کو جائز اور مباح نہ قرار دے دے۔ میں اس سلسلہ میں اپنی کوشش اور طاقت سے کام لوں گا۔ میں نے اپنی ذات کے لئے اللہ سے اس کا عہد کیا ہے وہ مجھ سے اس کی باز پرس کرے گا۔ اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "اپنے عہد کو پورا کرو' کیونکہ عہد کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔

اور یہ بھی عہد ہے کہ اگر میں دین میں احداث کروں یا اس کے احکام میں کوئی تغیر و تبدل کروں تو اس منصب سے ہٹا دیئے جانے اور سخت سزا کا مستوجب قرار پاؤں گا اور میں اللہ کے غضب سے پناہ چاہتا ہوں' میری دعا ہے کہ اللہ مجھے اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی معصیت اور نافرمانی سے دور رکھے۔ اسی میں میری اور تمام مسلمانوں کی بھلائی اور عافیت ہے۔ یہ عہد نامہ تو مکمل ہو گیا مگر ہمارا علم جامعہ اور علم جفر اس کے خلاف نشاندہی کرتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تم لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا اور حاکمیت اللہ کے علاوہ اور کسی کی نہیں۔ وہی حق کا فیصلہ کرے گا اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

میں نے امیر المومنین مامون کے حکم کی تعمیل کی ہے اور انکی خوشنودی بجا لایا ہوں۔ اللہ مجھے اور انہیں دونوں کو اپنی حفاظت میں رکھے' اپنی ذات پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور وہ بہترین

گواہ ہے۔

یہ تحریر میں نے خود اپنے قلم سے امیر المومنین (اللہ ان کی زندگی کو طویل کرے) فضل بن سہل، سہل بن فضل، یحییٰ بن اکثم، عبداللہ بن طاہر، ثمامہ بن اشرس، بشر بن معتمر اور حماد نعمان کے روبرو ماہ رمضان ۲۰۱ھ میں لکھی ہے۔''

دائیں جانب کے گواہ

اس عہد نامے کے داہنے جانب کے گواہوں میں مندرجہ زیل اشخاص ہیں، جنہوں نے مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ اپنی گواہیاں ثبت لکھیں۔

گواہ شد

(۱) اس عہد نامے کے اندر اور پشت پر جو کچھ تحریر ہے اس کا گواہ یحییٰ بن اکثم ہے اور اللہ سے دعا کرتا ہے کہ وہ اس عہد نامے کی برکات سے امیر المومنین اور تمام مسلمانوں کو فیضیاب کرے۔ یحییٰ بن اکثم نے اپنے ہاتھ سے اسی تاریخ کو لکھا جو اس عہد نامے میں مرقوم ہے۔

(۲) عبداللہ بن طاہر نے بحیثیت گواہ اسی تاریخ میں دستخط کئے۔

(۳) حماد بن عثمان اس عہد نامے کے اندر اور پشت پر جو کچھ تحریر ہے سارے مضمون کی گواہی دیتا ہے اور اسی تاریخ میں اپنے ہاتھ سے دستخط کئے۔

(۴) بشر بن معتمر بھی انہی لوگوں کے ساتھ اسی مضمون واحد کی گواہی دیتا ہے۔

بائیں جانب کے گواہ

گواہ شد

بائیں جانب کی گواہی میں خود امیر المومنین نے تحریر کیا کہ اس تحریر کو جو کہ عہد و میثاق کی تحریر ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس عہد نامے کے بعد میرے لئے پل صراط سے گذرنا آسان ہو جائے گا۔ میں نے اس معاہدے کی پوری تحریر کو مسجد رسول کے اندر روضہ او رمنبر کے درمیان تمام مجمع کے سامنے جن میں بنی ہاشم کے صاحب و جاہت بزرگ سارے اولیاء و احفاد موجود تھے۔ بیعت ولی عہدی کی تمام شرائط پوری کرنے کے بعد سنایا کہ تمام لوگ اس

سے واقف ہو جائیں اور امیر المومنین کی طرف سے حجت تمام ہوجائے ور جاہلوں کے سارے شبہات ختم ہو جائیں۔

ترجمہ "اللہ ہرگز یہ نہیں کرے گا کہ مومنین کو یونہی چھوڑ دے اور جس حال میں بھی ہیں اسی میں پڑے رہیں"

فضل بن سہل نے امیر المومنین کے حکم سے مندرجہ بالا تاریخ میں تحریر کیا یہاں تک کشف الغمہ میں اربلی کا بیان تمام ہوا۔ اور ہم نے اپنی عمومی عادت سے ہٹ کر یہ طویل دستاویز اس لئے نقل کی کہ اگر ہم اسے ملخص کرتے تو پھر مطلب واضح نہیں ہو سکتا تھا۔

ابن الطقطقی المتوفی ۷۰۹ھ نے دونوں دستاویزوں کا خلاصہ اپنی کتاب (الفخری) فی الاداب السلطانیہ میں نقل کیا اور لکھا کہ مامون اپنے بعد خلافت کے متعلق نہایت فکر مند رہتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ وہ خلافت کا بوجھ کسی با صلاحیت شخص پر لاد کر خود بری الذمہ ہوجائے اور اس نے خاندان عباس اور خاندان علیؑ کے افرد کا بغور مطالبہ مطالعہ کیا تر اسے علی بن موسیٰ رضا سے زیادہ با صلاحیت، افضل، متقی اور دیندار کوئی اور دکھائی نہ دیا۔ اسی لئے اس نے علی رضا کو ولی عہد بنانے کی پیش کش کی اور اس سلسلہ میں انہیں لکھا مگر علی رضا نے خلافت و ولی عہدی قبول کرنے سے انکار کر دیا بالآخر مامون کے مسلسل اصرار پر انہیں ولی عہدی قبول کرنی پڑی اور انہوں نے مامون کی دستاویز کے پہلے حصہ پر ایک تحریر لکھی جس کا مفہوم یہ تھا:

میں مامون کا حکم سمجھ کر ولی عہدی قبول کرتا ہوں اگر چہ جفر د جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرارداد پوری نہ ہو سکے گی۔

پھر اسی تحریر پر گواہوں نے اپنی گواہی ثبت کی۔(۱)

مامون اور امام علی رضا علیہ السلام دونوں کی لکھی ہوئی تاریخی دستاویزات کو علامہ مجلسی نے کشف الغمہ کے حوالہ سے مکمل نقل کیا۔

---

(۱) الفخری صفحہ ۱۷۸ تالیف ابن الطقطقی پہلی طا کے نیچے زیر اور دوسری طا پر زبر ہے۔ اس کا پورا نام ابو جعفر محمد بن تاج الدین ابی الحسن علی الطبا طبائی تھا۔ وہ عراق میں علویوں کے نقیب تھے۔ انہوں نے ۷۰۱ھ کو ایک کتاب لکھ کر والی موصل فخر الدین عیسٰی کو اہداء کی تھی۔ ملاحظہ فرمائی ہیوار کا دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ الکنی والالقاب قمی جلد ۱ صفحہ ۳۳۱۔ ماثر الانافہ فی معالم الخلافۃ قلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ صبح الاعشی

(۲) بحار الانوار طبع کمپانی جلد ۱۲ صفحہ ۳۴

جفر کے متعلق مکتب خلفاء کی گواہی

قاضی عضد الیجی التوفی ۷۵۶ھ کی کتاب مواقف کی شرح میں پیر سید علی بن محمد بن علی حنفی استر آبادی التوفی ۸۱۶ھ نے جفر و جامعہ کے متعلق لکھا۔

جفر اور جامعہ دونوں حضرت علی علیہ السلام کی کتابیں ہیں اور علم الحروف کے طریقہ پر ان سے قیامت تک کے حالات کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ حضرت علیؑ کی اولاد کے امام جفر و جامعہ سے بخوبی آگاہ تھے اور ان کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام علی رضا نے مامون کی طرف سے انکے لئے لکھی گئی ولایت عہد کی دستاویز میں یہ جملے لکھے تھے۔

تو نے ہمارے ان حقوق کا اعتراف کیا ہے جن کا تیرے آباء و اجداد نے انکار کیا تھا میں تیری طرف سے ولی عہدی کو قبول کر رہا ہوں مگر جفر و جامعہ کے مطابق یہ قرار دود پوری نہ ہو سکے گی۔.......... (۱)

طاش کبری زادہ مولی احمد بن مصطفی التوفی ۹۶۲ھ نے اپنی کتاب مفتاح السعادہ و مصباح السیادۃ،، میں لکھا:

.... خلیفہ مامون نے علی رضاؑ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا اور اس سلسلہ میں اس نے ایک دستاویز بھی تحریر کی تھی۔ امام علی رضا نے اس دستاویز کے دوسری طرف یہ الفاظ لکھے تھے۔

---

(۱) مفتاح السعادہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰۔۲۲۱۔ اس سے کشف الظنون میں بھی یہی الفاظ نقل کیئے گئے:

(۲) المقصد الثانی من النوع الثانی من الفصل الثانی من المرصد الثالث من الموقف الثالث صفحہ ۲۷۶ طبع بولاق ۱۲۶۶ھ

"جامعہ و جفر یہ بتاتے ہیں کہ یہ معاہدہ تکمیل پذیر نہیں ہوگا۔
اور بعد میں وہی کچھ ثابت ہوا جو کہ امام علی رضاؑ نے لکھا تھا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مامون نے یہ محسوس کیا کہ امام علی رضاؑ کی ولی عہدی کی وجہ سے بنی ہاشم (بنی عباس) کی طرف سے فتنہ کھڑا ہونے والا ہے اسی وجہ سے اس نے امام علی رضاؑ کو انگوروں میں زہر دے کر شہید کر دیا جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے۔(۱)

کتب خلفاء میں سے اور بھی بہت سے علماء نے جامعہ و جفر کے وجود کو تسلیم کیا جیسا کہ شیخ کمال الدین ابو سالم ابن طلحہ محمد بن طلحہ نصیبینی الشافعی التوفی ۶۵۲ھ نے اپنی کتاب "الجفر الجامع و النور الامع" میں لکھا ہے۔ اور کشف الظنون کے مطابق یہ ایک مختصر کتاب ہے جس کا آغاز "الحمد للہ الذی اطلع من اجتباہ ...... الخ" سے کیا گیا ہے اور مؤلف نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی اولاد کے امام علم جفر کو جانتے تھے۔ (کشف الظنون' جلد ۲' صفحہ ۵۹۲)

اسی کتاب کے باب "علم الجفر والجامعہ" میں یہ الفاظ تحریر ہیں۔
جفر اور جامعہ دونوں عظیم کتابیں ہیں' حضرت علیؑ نے منبر کوفہ پر ان میں سے ایک کتاب کا ذکر کیا تھا' اور دوسری کتاب میں وہ راز و رموز ہیں جو رسول اکرم نے حضرت علیؑ سے کہے تھے اور رسول خداؐ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ انہیں مدوّن کریں۔ چنانچہ حکم رسولؐ کے تحت حضرت علی نے اسے باب وار ایک چمڑے پر تحریر کیا اور چمڑے کو عربی زبان میں جفر،، بھی کہا جاتا ہے' چونکہ رسول اکرمؐ کے اسرار و رموز ایک چمڑے پر منتقل کیے گئے تھے' اس لئے اس علم کا نام ہی جفر رکھ دیا گیا۔ اور اس میں اولین و آخرین کے واقعات و حالات موجود ہیں۔ (کشف الظنون جلد صفحہ ۵۹۱)

ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں لکھا:
اہل بیتؑ میں سے امام جعفرؑ صادق اور اس جیسے لوگوں سے اس طرح کے بہت سے واقعات مشہور ہیں اور ان کی غیب دانی کا دار و مدار ان کشفِ ولایت پر تھا کیونکہ اس عظیم خاندان سے ہٹ کر آخر دوسرے اولیاء سے بھی کشف و کرامات صادر ہوتی رہتی تھیں' اگر اس طرح کی کرامات اہل بیتؑ نبی سے صادر ہوں تو اس میں آخر تعجب کی کیا بات ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے اہل بیت سے فرمایا تھا: "تمہارے اندر محدث ہوں گے" اسی لیئے یہ خاندان تمام لوگوں سے ان عظیم مراتب اور کرامات کا زیادہ مستحق ہے۔(۱)

(۱) مقدمہ ابن خلدون جلد ا صفحہ ۵۹۵_۵۹۶
) مفتاح العادہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰-۲۲۱ اسی سے کشف الظنون میں بھی یہی الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔

اس کے چند صفحات بعد ابن خلدون نے اسی موضوع کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

زیدیہ کے سربراہ ہارون بن سعید العجلی کے پاس ایک کتاب تھی جس کی وہ امام صادق کی طرف نسبت دیتا تھا اور اس کتاب میں اہل بیت کے افراد کے متعلق بالعموم اور ان میں سے مشہور شخصیات کے متعلق خصوصی طور پر پیشن گوئیاں موجود تھیں۔ امام جعفر اور ان جیسے افراد کو یہ چیزیں کشف و کرامت سے حاصل ہوئی تھیں جیسا کہ دوسرے اولیاء کو حاصل ہوتی رہتی ہیں، اور یہ علم امام جعفر صادقؑ کے پاس ایک بچھڑے کی کھال پر لکھا ہوا تھا۔۔۔اس میں قرآن کریم کی تفسیر تھی اور قرآن کے لطائف و غرائب امام صادقؑ کی زبانی مروی تھے۔۔۔۔۔۔

اگر علم جفر کی نسبت امام صادقؑ کی طرف صحیح ہے تو پھر یہ بہترین نسبت ہے کیونکہ خاندان مصطفیٰ اہل کرامات ہے اور امام صادقؑ کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ آپ اپنے کچھ رشتہ داروں کو ان کے انجام سے باخبر کرتے تھے اور بعد ازاں حالات و واقعات سے ان کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ آپ نے یحیٰی بن زید کو خبردار کیا تھا کہ وہ حکومت کے خلاف خروج نہ کرے ورنہ وہ قتل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے خروج کیا اور جوزجان میں قتل ہوا۔

جب کرامت دوسرے افراد سے صادر ہو سکتی ہے تو جس خاندان کا نبوت سے گہرا رشتہ ہے اور جو علم اور دین میں باقی لوگوں سے ممتاز ہیں اگر ان سے اس طرح کی کرامت ظاہر ہو تو یہ چنداں قابل تعجب نہیں ہے۔ اہل بیت سے اس طرح کے واقعات بہت زیادہ منقول ہیں جب کہ دوسرے اولیائے امت کی طرف اتنے واقعات منسوب نہیں ہیں۔(۱)

مشہور عرب شاعر ابو العلاء المعری المتوفی ۴۴۹ھ نے کیا ہی خوب کہا تھا:

لقد عجبوا لاهل البیت لما — اتاهم علمهم فی مسک جفر

ومرأة المنجم وهی صغری — ارته کل عامرة وقفر(۲)

(۱) مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۶۰۰۔۶۰۱ مطبوعہ دار الکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ء

(۲) ابو العلاء معری کا پورا نام احمد بن عبداللہ بن سلیمان تھا۔ اس نے معرۃ النعمان میں وفات پائی تھی۔ (الکنی والالقاب جلد ۳ صفحہ ۱۶۱۔۱۶۲۔ وفیات الاعیان لابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۴۰۵)

"لوگ تعجب کرتے ہیں کہ اہل بیت کا علم ایک کھال میں بند ہو کر ان تک کیسے پہنچا، منجم کا آئینہ تو چھوٹا ہوتا ہے مگر وہ اسے ہر آبادی اور ویرانہ دکھا دیتا ہے۔"

سابقہ روایات میں ہم نے یہ ملاحظہ کیا کہ آئمہ اہل بیت آنے والے واقعات کی پیشین گوئی کے لیئے علیؑ کی کتاب جفر اور مصحف فاطمہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کتب خلفاء کی کتابوں میں بھی جفر کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے اور بعض علماء نے لکھا کہ آئمہ اہل بیت اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اب ہم اپنے محترم قارئین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آئمہ اہل بیت شریعت اسلامی کے احکام کے لیئے حضرت علی کی تدوین کردہ کتاب الجامعہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس سے بھرپور استفادہ کرتے تھے۔ ہم یہاں پر اس موضوع کی چند مثالیں بیان کریں گے۔

آئمہ اہل بیت کا حضرت علیؑ کی کتاب "الجامعہ" سے استفادہ کرنا

جب ہم کتب اہل بیتؑ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام سجاد علیہ السلام وہ پہلے امام ہیں جنہوں نے براہ راست کتاب علی کا حوالہ دے کر مسائل بیان کیئے تھے جیسا کہ الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب، معانی الاخبار اور الوسائل میں مرقوم ہے۔

اور یہ روایت الکافی میں ان الفاظ سے مرقوم ہے:

"عن ابان ان علی بن الحسین سئل عن رجل اوصٰی بشئی من ماله، فقال: الشئی فی کتاب علی (ع) واحد من ستة" (۱)

"ابان کا بیان ہے کہ زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے مرتے

---

(۱) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۴۰ حدیث ۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۴ صفحہ ۱۵۱۔ معانی الاخبار صفحہ ۲۱۷ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۱۱ حدیث ۸۳۵۔ الوسائل جلد ۱۳ صفحہ ۴۵۰ حدیث ۱۔ ابان بن تغلب نے امام سجادؑ، باقرؑ اور امام صادق علیہ السلام سے احادیث نقل کی تھیں۔ جب لوگوں نے اسے امام صادقؑ سے احادیث نقل کرنے پر ملامت کی تو اس نے کہا: تم مجھے ان سے روایت حدیث پر ملامت کیوں کرتے ہو۔ میں نے جب بھی ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو جواب میں انہوں نے قول رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پیش کیا۔ انہوں نے ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ (قاموس الرجال جلد ۱ صفحہ ۷۳)

وقت ایک وصیت کرتے ہوئے کہا تھا کہ میرے مال میں سے کچھ حصہ خدا کے نام پر خرچ کیا جائے' کچھ حصہ سے کیا مراد لیا جائے؟''

امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

کتاب علیؑ میں مذکور ہے کہ ''شئے'' (کچھ حصہ) سے مراد چھٹا حصہ 1/6 ہے۔

امام زین العابدینؑ کے بعد امام محمد باقرؑ نے کتاب علی کی احادیث بیان فرمائیں جیسا کہ الخصال، عقاب الاعمال اور الوسائل میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

کتاب علی میں مذکور ہے کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کا مرتکب ان کا خمیازہ دیکھ کر ہی مرے گا۔ (۱) بغاوت، (۲) جھوٹی قسم، (۳) قطع رحمی، ان کا انتقام خود اللہ تعالیٰ ہی لیتا ہے۔ (۱)

اس طرح سے امام باقرؑ نے بیٹے کے مال پر باپ کے تصرف اور بیٹے کی کنیز سے جنسی تعلقات قائم کرنے کے احکام کے متعلق کتاب علی کا حوالہ دیا۔ (۲)

اور شادی کے وقت دلہن کے فطری عیوب چھپانے کے متعلق بھی آپ نے کتاب علی کا حوالہ دیا۔(۳) اور جھوٹی قسم (۴) اور حالت احرام میں شکار کرنے کے متعلق آپ نے حکم شرعی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ امیرالمومنین کی کتاب میں ایسا ہی ہے۔ (۵)

اللہ پر حسن ظن اور خوش خلقی کی فضیلت (۶)، گونگے کی زبان کاٹنے کا حکم (۷)

---

(۱) الخصال صفحہ ۱۲۴۔ عقاب الاعمال صفحہ ۲۶۱۔ الوسائل جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۹

(۲) فروغ کافی جلد ۴ صفحہ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ استبصار جلد ۳ صفحہ ۴۸۔ الوسائل جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ جلد ۱۴ صفحہ ۵۴۴

(۳) تہذیب الاحکام جلد ۷ صفحہ ۴۳۲۔ الوسائل جلد ۱۴ صفحہ ۵۹۷۔

(۴) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۴۳۶۔ عقاب الاعمال شیخ صدوق صفحہ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ الخصال صفحہ ۱۲۴۔ الوسائل جلد ۱۶ صفحہ ۱۲۲

(۵) فروع کافی باب حکم صید الحرم جلد ۴ صفحہ ۳۹۰ حدیث ۹

(۶) اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۷۱۔ ۷۲۔ الوسائل جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۱ حدیث ۲۰۳۵۳

(۷) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۳۱۸۔ الفقیہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۱۔ تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۰

اور جو زمین آباد کر کے پھر اسے ویران کر دے، کا شرعی حکم (۱) اور زکوٰۃ نہ دینے کے اثرات (۲) اور دانتوں کی دیت (۳) کے متعلق امام محمد باقرؑ نے کتاب علی کے حوالے دیئے تھے۔

علی بن الحسین علیہ السلام کے غلام اور میثم تمار کے فرزند یعقوب امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کی کتاب میں پڑھا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا:

میثم! آل محمدؑ کے محب سے محبت کرو۔۔۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔۔۔۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"ہمارے پاس کتاب علی میں بھی یہی کچھ لکھا ہوا ہے۔" (۴)

امام صادقؑ کا بیان ہے کہ میرے والد علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے کتاب علی میں پڑھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مہاجرین و انصار اور ان کے ساتھ شامل ہونے والے اہل یثرب کے متعلق ایک معاہدہ تحریر کیا۔۔۔۔ (۵)

امام جعفر صادقؑ نے جن مسائل کے لیئے کتابِ علیؑ کا حوالہ دیا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے بہت سے احکام کے متعلق کتاب علیؑ کا حوالہ دیا جن میں سے حسب ذیل مسائل کے لیئے امام صادقؑ نے فرمایا کہ کتابِ علیؑ میں ان کے متعلق ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔

---

(۱) فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۲۷۹۔ تہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۵۳۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۳۲۹ حدیث ۳۲۲۳

(۲) فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۵۰۵ حدیث ۱۷۔ الوسائل صفحہ ۱۳۔ ۱۲۔

(۳) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۳۲۹۔ الفقیہ جلد ۴ صفحہ ۱۰۲۔ تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۴۔ استبصار جلد ۴ صفحہ ۲۸۸۔ الوسائل جلد ۱۹ صفحہ ۲۶۲۔ حدیث ۳۵۷۱۵

(۴) مجالس شیخ طوسی طبع نجف اشرف صفحہ ۲۵۸۔ الوسائل جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۳ حدیث ۲۱۲۹۹

(۵) اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۶۶۶ فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۳۳۶ جلد ۴ صفحہ ۳۰۔ ۱۳۔ از کتاب الجہاد۔ الوسائل جلد ۸ صفحہ ۴۸۷ حدیث ۱۵۸۴۲۔ جلد ۱۱ صفحہ ۵۰

(۱)۔ رویئت ہلال کیسے ثابت ہوتی ہے۔ (۲)۔ نماز ظہر کی فضیلت کا وقت ۔(۳)۔ مخالفین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کا بیان۔ (۴)۔ بلی کے جھوٹے کا حکم ۔ (۵)۔ جب کوئی شخص حالت احرام میں مر جائے تو اس کا حکم۔ (۶)۔ زربفت کے کپڑے کے متعلق دو احادیث(۶)۔(۷)۔ حالت احرام میں "قطا" پرندے کے شکار کے کفارہ کے متعلق دو احادیث (۷)۔(۸)۔ "قطا" کے انڈے توڑنے کے کفارہ کے متعلق تین احادیث (۸)۔ (۹)۔ طواف کا ایک چکر بڑھ جائے، اس کے متعلق ایک حدیث (۹)۔ (۱۰)۔عمرہ مفردہ(۱۰) (۱۱)۔ گناہانِ کبیرہ کے متعلق دو احادیث (۱۱)۔ (۱۲)۔ مالِ یتیم کھانے کے متعلق ایک حدیث (۷)۔ (۱۳)۔ جب دادا کے ساتھ میت کے مادری بھائی موجود ہوں تو میراث کا حکم کیا ہوگا؟ اس کے متعلق دو احادیث (۸)۔

---

(۱) الاستبصار جلد ۳ صفحہ ۶۴۔ الوسائل جلد ۷ صفحہ ۱۸۲۔ حدیث ۱۳۳۵۲

(۲) الاستبصار جلد ۱ صفحہ ۲۵۱۔ تہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۳۔ الوسائل جلد ۳ صفحہ ۱۰۵ حدیث ۴۷۵۲ صفحہ ۱۰۷ حدیث ۴۷۶۳

(۳) تہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۸۔ الوسائل جلد ۵ صفحہ ۴۴ حدیث ۹۵۵۰

(۴) فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۹ حدیث ۴۔ تہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۲۷۔ الوسائل جلد ۱ صفحہ ۱۶۴ حدیث ۵۸۰

۵) فروع کافی میں اس موضوع کی تین احادیث میں امام صادق علیہ السلام کا حوالہ دیا ملاحظہ فرمائیں: فروع کافی جلد ۴ صفحہ ۳۶۸ حدیث ۳۔ الوسائل جلد ۲ صفحہ ۲۹۶۔ ۲۹۷ حدیث ۲۷۵۹۔ ۲۷۶۱۔ ۲۷۶۶

(۶) فروع کافی جلد ۴ صفحہ ۳۰۴ حدیث ۷۔ ۸۔ الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۷۔ علل الشرائع جلد ۲ صفحہ ۹۴۔ الوسائل جلد ۹ صفحہ ۱۱۶ حدیث ۱۶۸۲۲۔ ۱۶۸۲۳

(۷) فروع کافی جلد ۴ صفحہ ۳۹۰۔ تہذیب جلد ۵ صفحہ ۴۴ حدیث ۱۱۹۰۔

(۸) فروع کافی جلد ۴ صفحہ ۳۹۰۱۔ الاستبصار جلد ۲ صفحہ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ تہذیب جلد ۵ صفحہ ۳۵۵، ۳۵۷، الوسائل جلد ۹ صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹ حدیث ۱۷۲۲۳، ۱۷۲۲۵، ۱۷۲۲۹

(۹) الاستبصار جلد ۲ صفحہ ۲۲۸۔ العرائز صفحہ ۲۳۶۔ الوسائل جلد ۹ صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹

۱۰) فروع کافی جلد ۴ صفحہ ۵۳۴ حدیث ۲۔ الوسائل ۲۴۴ حدیث ۱۹۲۷۵

(۱۱) اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ الوسائل جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۴ حدیث ۲۰۶۳۱ الخصال جلد ۱ صفحہ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ علل الشرائع جلد ۲ صفحہ ۱۶۰

(۱۲) عقاب الاعمال صفحہ ۲۷۸ حدیث ۲۔ الوسائل جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۲ حدیث ۲۲۴۳۱

(۱۳) الفقیہ جلد ۴ صفحہ ۲۰۶۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۰۸۔ الاستبصار جلد ۴ صفحہ ۱۶۰ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۵، ۳۹۷ حدیث ۳۲۷۳۶۔ ۳۲۷۳۸

(۱۴)۔ ثبوت اور قسم کے متعلق دو احادیث (۱)۔ (۱۵)۔ دنیا کی مثال کے متعلق ایک حدیث (۲)۔ (۱۶)۔ عمر اور سن و سال کے مطابق حدود شرعیہ کے لیئے کوڑے کا استعمال (۳)۔ (۱۷)۔ جب لواطت کے ساتھ دخول شامل ہو اس کی حد شرعی کا بیان (۴)۔ (۱۸)۔ شراب اور نبیذ پینے والے پر حد شرعی کا اثبات (۵)۔ (۱۹)۔ شراب اور نشیات استعمال کرنے والے پر حد شرعی کا بیان (۶)۔ (۲۰)۔ شکاری کتے کی دیت (۷)

(۲۱)۔ عورت کی شرم گاہ کاٹنے کی حد شرعی۔ (۸)

(۲۲)۔ ذبیحہ کے پاک ہونے کی حد کی دو احادیث۔ (۹)

(۲۳)۔ ذوی الفرائض کے علاوہ دوسروں کی میراث کا بیان۔ (۱۰)

(۲۴)۔ گھریلو گدھوں کے مکروہ ہونے کا بیان۔ (۱۱)

(۲۵)۔ وہ مچھلیاں جن کا کھانا حرام ہے اس کے متعلق چھ احادیث۔ (۱۲)

---

(۱) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۴۱۲۔ تہذیب جلد ۶ صفحہ ۲۲۸۔ الوسائل جلد ۱۸ صفحہ ۱۶۸۔ حدیث ۳۳۶۴۴، ۳۳۷۴۸۔

(۲) اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ حدیث ۲۲۔ الوسائل جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۲ حدیث ۲۰۸۴۵

(۳) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۱۸۶۔ تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۵۵۔ الاستبصار جلد ۴ صفحہ ۲۲۱۔ الوسائل جلد ۱۸ صفحہ ۳۲۱ حدیث ۳۴۰۶۷۔ المحاسن صفحہ ۲۷۳

(۴) فروع کافی جلد صفحہ ۲۰۰۔ تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۵۵۔ الاستبصار جلد ۴ صفحہ ۲۲۱۔ الوسائل جلد ۱۸ صفحہ ۴۶۸ حدیث ۳۴۵۸۶

(۵) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۲۱۴۔ تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۹۰۔ الوسائل ۱۸ صفحہ ۴۶۸ حدیث ۳۴۵۸۶

(۶) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۲۱۴۔ تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۹۰ الوسائل جلد ۱۸ صفحہ ۴۷۲

(۷) الخصال جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۔ الوسائل جلد ۱۹ صفحہ ۱۶۸ حدیث ۳۵۴۸۹

(۸) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۳۱۲۔ الفقیہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۲۔ تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۱۔ الوسائل جلد ۱۹ صفحہ ۲۵۹ حدیث ۳۵۷۰۰

(۹) الکافی جلد ۷ صفحہ ۳۱۲۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۵۷۔ الوسائل جلد ۱۶ صفحہ ۳۶۰

(۱۰) الکافی جلد ۷ صفحہ ۷۷۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۶۹۔ الوسائل ۱۷ صفحہ ۴۱۸

(۱۱) الکافی جلد ۶ صفحہ ۲۴۶۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۰۔ الاستبصار جلد ۴ صفحہ ۷۴ الوسائل جلد ۱۶ صفحہ ۳۲۱

(۱۲) الکافی جلد ۶ صفحہ ۲۲۰۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲، ۳، ۵، ۶۔ الاستبصار جلد ۴ صفحہ ۵۹۔ الوسائل جلد ۱۶ صفحہ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ بحار جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۴

(۲۶)۔ جب کسی کی میراث میں چچے اور ماموں جمع ہو جائیں۔ (۱)

(۲۷)۔ بغیر رجوع کیئے عدت میں طلاق کا حکم۔ (۲)

(۲۸)۔ جو پانی میں ڈوب جائے یا جس پر دیوار گر جائے، اس کی میراث کا حکم۔ (۳)

(۲۹)۔ اس شخص کا حکم جو ایسے شخص کو قتل کرے جس کا پہلے سے ہاتھ کٹا ہوا ہو۔ (۴)

الغرض مذکورہ تمام مسائل کے لیئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے شرعی حکم بیان کر کے ارشاد فرمایا:

"ھکذا وجدناہ فی کتاب علی"

"ہم نے کتاب علی میں اسے ایسا ہی پایا ہے۔"

اس باب کے آخر میں ہم امام جعفر صادق کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"ان فی کتاب علی الذی املاہ رسول اللہ (ص) ان اللہ لایعذب علی کثرۃ الصلاۃ والصیام ولکن یزیدہ خیرا"

(بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۵)

"کتاب علی میں لکھا ہوا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھایا تھا کہ اللہ نماز اور روزے کی کثرت پر عذاب نہیں دے گا بلکہ اس کی اچھائی میں اضافہ کرے گا۔"

یہاں تک ہم نے بطور اختصار چند ایسی احادیث کا تذکرہ کیا جسے آئمہ اہل بیت نے کتاب علی کے حوالہ سے بیان کیا تھا۔ واضح رہے کہ ہم نے صرف چند مثالوں پر ہی قناعت کی ہے اور تفصیل کے لیئے ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

اب ہم آئمہ اہل بیت کے ان اصحاب کی روایات کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے کتاب علی کی زیارت کی تھی اور اس میں سے چند احادیث کا مطالعہ بھی کیا تھا۔

---

(۱) تہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۲۴، ۳۲۵۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۵۰۵۔

(۲) الاستبصار جلد ۳ صفحہ ۲۸۳۔ تہذیب جلد ۸ صفحہ ۸۱۔ ۸۲۔ الوسائل جلد ۱۵ صفحہ ۳۷۵

(۳) الکافی جلد ۷ صفحہ ۱۳۶۔ الفقیہ جلد ۴ صفحہ ۲۲۵۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۵۸۹

(۴) الکافی جلد ۷ صفحہ ۳۱۶۔ تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۷۔ الوسائل جلد ۹ صفحہ ۸۲

آئمہ اہل بیت کے وہ اصحاب جنہوں نے کتاب علی کی زیارت کی تھی

(۱) ابوبصیر کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے میرے سامنے ایک صحیفہ پیش کیا جس میں حلال وحرام اور فرائض کا بیان تھا۔

میں نے کہا: یہ کیا ہے؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی لکھوائی ہوئی اور حضرت علیؑ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔"

میں (راوی) نے کہا: کیا یہ پرانی نہیں ہوتی؟

امام نے کہا: اسے کیا چیز پرانا کرے گی؟

پھر آپ نے فرمایا: "هی الجامعة" یہ جامعہ ہے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں "من الجامعة" یعنی یہ جامعہ کا ایک حصہ ہے۔

(۲) دو اسناد کے ساتھ محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ امام محمد باقر نے مجھے کتاب علی کے کچھ حصے کا مطالعہ کرایا اس میں ایک عبارت یہ تھی:

"انهاكم عن الجرى والزمير والمار ماهى و الطافى و الطحال" (بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۴)

"میں تمہیں ملی مچھلی، زمیر مچھلی، سانپ مچھلی اور مرکر تیرنے والی مچھلی اور تلی سے منع کرتا ہوں۔"

میں نے کہا: فرزند رسول! ہمارے پاس ایسی بھی مچھلی لائی جاتی ہے جس پر چھلکے نہیں ہوتے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جس مچھلی پر چھلکا ہو اسے کھاؤ اور جس پر چھلکا نہ ہو اسے مت کھاؤ۔ (۱)

(۳) ابوبصیر کا بیان ہے کہ امام محمد باقر نے الجامعہ طلب کی اور اسے دیکھا اس میں لکھا تھا:

---

(۱) فروع کافی جلد ۶ صفحہ ۲۱۹، ۲۲۰۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۔ الوسائل جلد ۱۶ صفحہ ۳۲۲، ۴۰۰ حدیث ۳۰۱۵۷

اگر کوئی عورت مر جائے اور شوہر کے علاوہ اس کا کوئی شرعی وارث نہ ہو تو اس کا سارا ترکہ شوہر کا ہے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۵)

(۴) عبدالملک بن اعین کا بیان ہے کہ امام محمد باقرؑ نے مجھے حضرت علیؑ کی کچھ کتابیں دکھلائیں۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۲)

(۵) بصائر الدرجات میں عبدالملک کا بیان ہے کہ امام محمد باقرؑ نے کتاب علی منگوائی حضرت امام جعفر صادقؑ اس کتاب کو اٹھا کر لائے۔ وہ کسی شخص کی ران کی طرح سے ضخیم تھی۔ اس میں لکھا تھا۔۔۔۔۔الحدیث (۱)

(۶) الکافی اور تہذیب میں مرقوم ہے کہ محمد بن مسلم نے کہا: امام محمد باقرؑ ایک صحیفہ کا مطالعہ کر رہے تھے تو میں نے بھی اسے پڑھا اس میں لکھا تھا:

بھتیجا اور دادا میں میراث برابر تقسیم کی جائے گی۔

میں نے امام محمد باقرؑ سے کہا:

مولا! ہمارے پاس تو لوگ اس طرح کا فیصلہ نہیں کرتے اور دادا کی موجودگی میں بھتیجے کو محروم رکھتے ہیں۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جنہیں حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا تھا۔

(۷) ایک اور روایت میں ہے کہ محمد بن مسلم نے کہا:

امام جعفر صادقؑ نے فرائض کا صحیفہ پھیلایا۔ میں نے اس میں سب سے پہلے یہ عبارت پڑھی کہ دادا اور بھتیجا میں میراث برابر تقسیم ہو گی۔ (۲)

روایات کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سوال جواب کے بعد محمد بن مسلم نے اس صحیفہ فرائض کے بہت سے صفحات عاریتاً حاصل کیئے تھے۔ چنانچہ الکافی، الفقیہ اور تہذیب کی حسب ذیل روایات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

(۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۶۵ حدیث ۱۳۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۵۲۲ حدیث۔ ۳۲۸۳۶

(۲) الکافی ۷ صفحہ ۱۱۳۔ تہذیب ۹ صفحہ ۳۰۸۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۸۷۔ دوسری روایت الکافی جلد ۷ صفحہ ۱۱۲۔ اور الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۷۵ پر مرقوم ہے۔

(۸) محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھے کتاب الفرائض کے صحیفہ کا مطالعہ کرایا' جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا اور حضرت علیؑ نے لکھا تھا۔ میں نے اس میں یہ الفاظ دیکھے:

"اگر کوئی شخص مر جائے اور اپنے پیچھے بیٹی اور ماں کو چھوڑ جائے تو بیٹی کو نصف حصہ ملے گا۔۔۔۔۔" (یہ حدیث کافی طویل ہے۔)(۱)

(۹) تہذیب میں محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھے کتاب الفرائض کا وہ صحیفہ پڑھوایا جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور حضرت علیؑ نے اسے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔ اس صحیفہ میں یہ عبارت موجود تھی۔

"ان السھام لاتعول"

"حصہ داروں کے حصوں میں "عول" جائز نہیں ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ جب زرارہ نے کتاب علی میں میراث کے حصوں کی تقسیم پڑھی تھی تو اسے سخت تعجب ہوا تھا' کیونکہ وہ اس سے قبل کتب خلفاء کے مطابق علم میراث یاد کیئے ہوئے تھا۔ جیسا کہ حسب ذیل روایت میں ہے۔

(۱۰) عمر بن اذنیہ کا بیان ہے کہ زرارہ نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے دادا کی میراث کے متعلق سوال کیا (یعنی پوتے کے مرنے پر دادا کو میراث کا کتنا حصہ ملنا چاہیے؟) تو امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

امیر المومنین علیہ السلام کے علاوہ جس نے بھی دادا کی میراث کے متعلق کچھ کہا وہ اپنی رائے سے کہا:

میں (زرارہ) نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو مزید صلاحیتوں سے نوازے، امیر المومنینؑ نے اس کے متعلق کیا کہا تھا؟

آپ نے فرمایا: کل آ کر مجھ سے ملنا میں تمہیں ان کی کتاب کا مطالعہ کراؤں گا۔

---

(۱) الکافی جلد ۷ صفحہ ۹۳۔ الفقیہ جلد ۴ صفحہ ۱۹۲۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۷۰۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۶۳ حدیث ۳۲۷۰۲

میں (زرارہ) نے عرض کیا: کتاب پڑھانے کی بہ نسبت مجھے یہ پسند ہے کہ آپ اپنی زبان سے ہی بیان کر دیں۔

آپ نے مجھ سے دوبارہ فرمایا: میں جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں اسے سنو۔ کل آ کر مجھ سے ملاقات کرنا میں تمہیں کتاب کا مطالعہ کراؤں گا۔

پھر میں دوسرے دن ظہر کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا' اور میرا یہ دستور تھا کہ میں نماز ظہر اور عصر کے درمیان ان سے تنہائی میں بیٹھ کر باتیں کیا کرتا تھا کیونکہ اس وقت کسی بیرونی شخص کی آمد متوقع نہیں ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے امام کو تقیہ کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اپنے فرزند جعفر صادقؑ سے فرمایا: آپ زرارہ کو صحیفہ، فرائض کا مطالعہ کرائیں۔

اور یہ کہہ کر امام محمد باقرؑ سونے کی غرض سے اٹھ کر چلے گئے۔ اور گھر میں صرف میں اور امام جعفر صادقؑ رہ گئے۔ امام صادقؑ اٹھے اور وہ میرے پاس ایک صحیفہ لے کر آئے جو کہ کسی اونٹ کی ران کے برابر ضخیم تھا۔

پھر امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا:

میں تجھے اس کتاب کا مطالعہ اس وقت تک نہیں کراؤں گا جب تک تم خدا کی قسم کھا کر یہ اقرار نہ کرو کہ تم جو کچھ اس میں پڑھو گے اس کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کرو گے یہاں تک کہ میں تمہیں اس کی اجازت دے دوں۔

امام جعفر صادقؑ نے یہ نہ کہا کہ جب تک میرا والد تمہیں اس کی اجازت نہ دے۔

میں (زرارہ) نے کہا: اللہ آپ کو مزید صلاحیتوں سے نوازے۔ آپ مجھ پر اتنی سختی کیوں کر رہے ہیں جب کہ آپ کے والد نے آپ کو اس کا حکم نہیں دیا تھا؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم نے اس صحیفہ کا مطالعہ کرنا ہے تو تمہیں میری بات پر عمل کرنا ہوگا۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں میں میراث و وصیت کے احکام کو

پہلے سے ہی بخوبی جانتا تھا اور میں علم المیراث کا مکمل عالم تھا۔

جب امام صادقؑ نے وہ صحیفہ میرے سامنے رکھا تو وہ ایک موٹی کتاب تھی جسے دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا تھا کہ یہ پرانے وقت کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے ایک ہے۔ جب میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو صلہ رحمی اور امر بالمعروف جیسے مسائل جن میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، کے متعلق بھی جداگانہ احکام لکھے ہوئے تھے۔ میں اس صحیفہ کو پڑھتا رہا یہاں تک کہ میں نے اسے آخر تک پڑھ لیا اور اس سے میرا دل تنگ ہو گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ سب کچھ باطل ہے۔ پھر میں نے کتاب ختم کر کے امام صادقؑ کے حوالے کر دی۔

دوسرے دن امام محمد باقرؑ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

تم نے صحیفہ فرائض پڑھا تھا؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

فرمایا: تم نے اسے کیسے پایا؟

میں نے کہا: باطل ہے اور اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے اور جس پر لوگ عمل پیرا ہیں یہ اس کے خلاف ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: زرارہ! جو کچھ تو نے دیکھا وہ حق ہے۔ یہ عبارت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوائی تھی اور حضرت علیؑ نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ (الکافی جلد ۷ صفحہ ۹۴-۹۵ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۷۱)

میرے (زرارہ) دل میں ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور میں نے دل ہی دل میں کہا بھلا انہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس صحیفہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا اور حضرت علیؑ نے لکھا تھا؟

میرے بولنے سے پہلے ہی امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

زرارہ! شک نہ کرنا۔ اس وقت شیطان چاہتا ہے کہ تجھے شک میں مبتلا کرے۔ بھلا مجھے یہ علم کیونکر نہ ہوگا کہ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا اور حضرت علیؑ نے لکھا تھا جبکہ میرے والد نے اپنے دادا امیر المومنین سے خود سنا تھا کہ وہ صحیفہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

مجھے (زرارہ) اپنے مذکورہ تخیلات پر انتہائی شرمندگی محسوس ہوئی اور مجھے اس بات کا دکھ ہوا کہ میں نے اس صحیفہ سے کامل استفادہ کیوں نہ کیا۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے دور میں لوگ میراث کے مسائل میں مکتب خلفاء کی فقہ پر عمل پیرا تھے جب کہ آئمہ اہل بیت نے لوگوں کو بتایا کہ مکتب خلفاء کے تدوین کردہ مسائل میراث میں کچھ غلطیاں پائی جاتی ہیں لہذا انہیں چاہیے کہ وہ میراث کے ان احکام پر عمل کریں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علیؑ کو خود لکھوائے تھے۔ اسی لیئے زرارہ نے جب میراث کے حقیقی احکام کو دیکھا تو اسے سخت تعجب ہوا اور کم وبیش محمد بن مسلم کی بھی یہی حالت ہوئی تھی بعد ازاں ان دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے توبہ کی تھی اور انہوں نے جو کچھ صحیفہ فرائض میں پڑھا تھا اس کی طرف رجوع کیا تھا چنانچہ زرارہ خود بیان کرتا ہے۔

(۱۱) امام محمد باقرؑ نے امام جعفر صادقؑ کو حکم دیا انہوں نے مجھے صحیفہ فرائض کا مطالعہ کرایا تو میں نے دیکھا۔۔۔۔الحدیث (۱)

اور یہی زرارہ اپنی دو مختلف احادیث میں میراث کے دو حصوں کے متعلق یہ کہتا ہے۔

(۱۲) ارانی ابو عبدالله صحیفة الفرائض. (۲)

"امام صادق علیہ السلام نے مجھے صحیفہ فرائض دکھایا۔"

(۱۳) وجدت فی صحیفة الفرائض. (۳)

"میں نے صحیفہ فرائض میں پڑھا۔"

(۱۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے جن لوگوں کو صحیفہ فرائض کی زیارت کرائی تھی' ان میں ابوبصیر بھی شامل تھے۔ چنانچہ الکافی اور تہذیب میں ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے علم الفرائض کے چند مسائل دریافت کیئے۔

---

(۱) فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۸۱ حدیث ۳۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۲ حدیث ۳۲۳۹۶

(۲) تہذیب ۹ صفحہ ۲۷۲ جلد ۹ صفحہ ۳۰۶۔ استبصار جلد ۴ صفحہ ۱۵۸۔ وسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۳

(۳) تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۷۲ الکافی جلد ۷ صفحہ ۹۳۔ الوسائل جلد ۱۸ صفحہ ۴۶۳

آپ نے کہا: کیا میں تیرے لیئے کتاب علیؑ نہ لے آؤں؟

میں (ابوبصیر) نے کہا: کیا ابھی تک کتاب علی باقی ہے اور کیا وہ بوسیدہ نہیں ہوئی؟

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اے محمد! کتاب علی بوسیدہ نہیں ہوتی۔ (دوسری روایت کے الفاظ میں یہ کہا گیا کہ وہ بوسیدہ نہیں ہوگی)

اس کے بعد آپ ایک باعظمت کتاب لے آئے اور اس میں لکھا تھا:

اگر ایک شخص مر جائے اور اپنے پیچھے چچا اور ماموں کو چھوڑ جائے تو چچا کو دو تہائی اور ماموں کو میراث کی ایک تہائی دی جائے گی۔ (۱)

اس حدیث میں ہم نے یہ دیکھا کہ ابوبصیر کو تعجب ہوا تھا کہ ایک سو سال تک کے عرصہ تک ایک کتاب کیسے باقی رہ گئی۔ جب کہ دوسری حسب ذیل روایات میں ہمیں ابوبصیر کے تعجب کے متعلق کوئی جملہ دکھائی نہیں دیتا۔

(۱۵) عن ابی بصیر قال: قرآ علی ابو عبدالله کتاب فرائض علی (ع) فکان اکثرهن من خمسة او اربعة او اکثره من ستة اسهم. (الکافی جلد ۷ صفحہ ۸۱۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۳۲)

"ابوبصیر کہتے ہیں کہ جعفر صادق علیہ السلام نے میرے سامنے حضرت علیؑ کی لکھی ہوئی کتاب فرائض پڑھی تو اس میں زیادہ تر چار، پانچ یا چھ سہام کا ذکر تھا۔"

مجلسی مرأۃ العقول میں لکھتے ہیں:

جب والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ بیٹی جمع ہو جائے تو اس وقت شیعہ فقہ کے مطابق میراث کے چار سہام کیئے جائیں گے۔

(۱۶) الکافی اور تہذیب میں ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھی آپ نے جامعہ طلب کیا اور اس پر نگاہ ڈالی اس میں یہ لکھا تھا۔

---

(۱) الکافی جلد ۷ صفحہ ۱۱۹ باب میراث ذوی الارحام۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۲۳

اگر کوئی عورت مر جائے اور اس کے شوہر کے علاوہ کوئی وارث نہ ہو تو اس کی تمام میراث کا وارث شوہر ہوگا۔(۱)

(۱۷) معتب کا بیان ہے کہ امام جعفر صادقؑ ہمارے پاس حضرت علیؑ علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک پرانا صحیفہ لائے اس میں ہماری نماز کا تشہد لکھا تھا۔(۲)

(۱۸) ابن بکیر کا بیان ہے کہ زرارہ نے امام صادق علیہ السلام سے لومڑی اور سنجاب کی پوستیں اور ان کا اون سے بنے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا حکم دریافت کیا۔

امام جعفر صادقؑ یہ سن کر اپنے گھر سے ایک کتاب طلب کی جس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ اس کی کتاب کے مندرجات کو رسول خدا نے لکھوایا تھا۔ اس کتاب میں لکھا تھا:

ہر وہ جانور جس کا گوشت کھانا حرام ہے اس کی اون' پوستین اور اس کے پیشاب اور مینگنی اور اس کے کسی بھی حصہ کے ساتھ نماز فاسد ہے۔

اور جب تک اسے چھوڑ کر ایسی چیز کو استعمال میں نہ لائے جس کا گوشت کھانا حلال ہے تو اس وقت اس کی وہ نماز قبول نہیں کی جائے گی۔

پھر امام صادقؑ نے فرمایا:

زرارہ! یہ رسول خدا کا فیصلہ ہے اسے یاد رکھو۔۔۔ الحدیث (۳)

آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی روش یہ تھی کہ وہ آنے والے حالات کے لیئے جفر اور مصحف فاطمہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسلامی احکام کے بیان کرنے لیئے ''الجامعہ'' کی طرف رجوع کرتے تھے اور کبھی کبھی آئمہ اپنے فرامین میں وضاحت کر دیتے تھے کہ یہ مسئلہ

(۱) الکافی جلد ۷ صفحہ ۱۲۵۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۹۳ حدیث ۱۳۔ استبصار جلد ۴ صفحہ ۱۴۹ الوسائل جلد ۷ اصفحہ ۵۱۲ حدیث ۳۲۷۹۵۔

(۲) بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۵ حدیث ۲۲ امام صادقؑ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ منصور عباسی نے اسے ایک ہزار کوڑے مروائے تھے جس سے وہ شہید ہوئے تھے۔ (قاموس جلد ۹ صفحہ ۴۸)

(۳) الکافی جلد ۳ صفحہ ۳۹۷۔ تہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۰۹۔ الاستبصار جلد ۱ صفحہ ۳۸۳۔ الوسائل جلد ۳ صفحہ ۲۵۰۔ ابن بکیر ابو علی عبداللہ بن بکیر بن اعین الشیبانی فطحی العقیدہ مگر ثقہ تھا۔ اس نے امام صادق علیہ السلام سے احادیث نقل کی تھیں۔ (قاموس الرجال جلد ۵ صفحہ ۳۹۹)

"الجامعہ" میں ایسے ہی مرقوم ہے اور کبھی وہ شرعی حکم بیان کر دیتے تھے لیکن وہ حوالہ کے لیئے "الجامعہ" کا نام ہی نہیں لیتے تھے جیسا کہ حسب ذیل دو مثالوں میں ہمیں یہ چیز دکھائی دیتی ہے۔

(الف) جب صرف بھتیجا اور دادا ہی وارث ہو

محمد بن مسلم نے اپنی سابقہ روایت میں بیان کیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے میرے سامنے صحیفہ فرائض پھیلایا تو سب سے پہلے میری نظر اس مسئلہ پر پڑی کہ جب کوئی شخص مر جائے اور اس کے وارثوں میں صرف بھتیجا اور دادا ہو تو مرنے والے کی دولت ان دونوں میں برابر تقسیم کی جائے گی۔

یہ مسئلہ پڑھ کر میں (محمد بن مسلم) نے کہا: مولا! میں آپ پر قربان جاؤں' لوگ تو ایسا فیصلہ نہیں کرتے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ حضرت علیؑ کی لکھی ہوئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی لکھائی ہوئی ہے۔

الکافی میں دو روایات اسی مفہوم کی مروی ہیں مگر ان میں کتاب علی کا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے۔

پہلی روایت: ابان بن تغلب نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جب صرف بھتیجا اور دادا ہی وارثوں میں سے موجود ہوں تو جائیداد کیسے تقسیم کی جائے گی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"المال بینھما نصفان"

"ان میں جائیداد کو نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔"

دوسری روایت: ابوبصیر نے کہا: میں نے ایک شخص کو امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی ایک سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا اور میں اس وقت ان کے پاس موجود تھا۔ سائل نے بھتیجے اور دادا کے متعلق پوچھا:

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان میں سے ہر ایک کو جائیداد کا آدھا حصہ دیا جائے گا۔

اسی مفہوم کی تیسری روایت قاسم بن سلیمان کی زبانی امام جعفر صادق علیہ السلام سے

مروی ہے، آپ نے فرمایا:

ان علیا کان یورث ابن الاخ مع الجد میراث ابیه. (۱)

"حضرت علیؑ دادا کی موجودگی میں بھتیجے کو اس کے باپ کی میراث دیا کرتے تھے۔"

عول کے ابطال کے لیئے مکتب اہل بیت کا نظریہ

فقہ کی اصطلاح میں "عول" وارثوں کے مقرر کردہ حصوں میں اضافہ کو کہا جاتا ہے اور اس کی نوبت اس وقت آتی ہے جب باقی وارثوں کے ساتھ زوجین بھی موجود ہوں۔ مثلاً ایک شخص مر جائے اور اپنے وارثوں میں دو بیٹیاں اور بیوی کو چھوڑ کر جائے۔ دو بیٹیوں کو دو ثلث (2/3) حصہ دیا جائے گا اور والدین کو دو سدس (2/6) اور زوجہ کو آٹھواں حصہ 1/8 دیا جائے گا۔ جب سہام چھ ہوں گے تو سہم بڑھ جائے گا جو کہ آٹھواں حصہ ہے۔ اور جب عول کا قاعدہ استعمال کیا جائے گا تو تمام حقداروں کے مقرر کردہ حصوں میں نقص آ جائے گا' اور مکتب خلفاء کی فقہ میں ایسا ہی ہوتا ہے جب کہ مکتب اہل بیت میں اس کا حکم یہ ہوگا اس صورت میں ایک مقرر کردہ حصہ والے کو اس کے حصے سے ہٹا کر اس کے کم از کم حصہ کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔ مثلاً جب شوہر کے لیئے نصف 1/2 نہ ہو تو پھر اسے ربع یعنی 1/4 کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔ اسے چوتھائی سے کوئی چیز ہٹا نہیں سکے گی۔ اور اس طرح سے زوجہ کا مقرر شدہ حصہ چوتھائی 1/4 ہے اور جب اسے چوتھائی سے ہٹایا تو پھر اسے آٹھویں حصہ 1/8 کی طرف منتقل کر دیا جائے گا اور اسے آٹھویں حصہ سے کوئی چیز ہٹا نہیں سکے گی۔ اور والدین میں سے ہر ایک کے لیئے ثلث 1/3 ہے اور جب ان کے لیئے 1/3 ممکن نہ ہو تو اسے چھٹے حصہ 1/6 کی طرف منتقل کر دیا جائے گا اور اسے اس حصہ سے کوئی چیز ہٹا نہیں سکے گی۔ اس کے بعد ان کے حصوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ کمی صرف بیٹی اور بہن کے حصہ میں کی جائے گی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لیئے نصف اور جب زیادہ ہوں تو دو تہائیاں انہیں میراث میں دی جاتی ہیں۔ اور جب فرائض انہیں اس

---

(۱) مذکورہ چاروں احادیث الکافی جلد ۷ صفحہ ۱۱۲-۱۱۳ پر مذکور ہیں اور ان کا نمبر بالترتیب ۱-۳-۶-۴ ہے تہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۰۹-الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۸۵-

سے ہٹا دیں تو ان کے لیئے باقی بچی ہوئی میراث ہی ہوگی۔ اس لیئے ذکر کردہ مثال میں والدین کے لیئے دو سدس 2/6 اور زوجہ کے لیئے آٹھواں 1/8 اور باقی ترکہ دو بیٹیوں کے لیئے ہوگا۔ (شرح اللمعۃ الدمشقیۃ جلد ۸ صفحہ ۸۶۔۹۱)

عول کے متعلق آئمہ اہل بیت کے فرامین

(۱) محمد بن مسلم، فضیل بن یسار، برید عجلی اور زرارہ بن اعین نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

"السھام لا تعول ولا یکون اکثر من ستۃ"

"میراث کے حصوں میں عول واقع نہیں ہوتا اور وہ چھ سے زیادہ نہیں ہوتے۔"(۱)

(۲) ابو مریم انصاری نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

"ان الذی یعلم رمل عالج لیعلم ان الفرائض لاتعول علی اکثر من ستۃ"(۱)

"ریت کے ٹیلوں کے ذرات کو جاننے والا خدا جانتا ہے کہ فرائض کو چھ سے زیادہ سہام میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔"

(۳) بکیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

"اصل الفرائض من ستۃ اسھم لا تزید علی ذلک ولاتعول علیھا ثم المال بعد ذلک لاھل السھام اللین ذکر وافی الکتاب."

(الکافی جلد ۷ صفحہ ۸۰ حدیث ۱۔ الوسائل جلد ۷ا صفحہ ۴۲۱ حدیث ۳۲۳۹۴)

"فرائض کی بنیاد چھ حصوں پر ہے اس پر اضافہ نہیں ہوگا اور نہ ہی ان میں عول کے ذریعہ سے کمی کی جائے گی اور باقی مال ان حصہ داروں کا ہوگا جن کا کتاب خدا میں ذکر کیا گیا ہے۔"

---

(۱) الکافی جلد ۷ صفحہ ۸۰ حدیث ۱۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۱ حدیث ۳۲۳۹۴

(۴) ابن ابی عمیر نے بہت سے راویوں کی وساطت سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

"سھام المواریث من ستة اسھم لاتزید علیھا.... الحدیث"(۱)

"میراث کے چھ مقرر شدہ حصے ہیں ان سے زیادہ نہیں ہوتے۔"

(۵) علی بن سعید راوی ہیں کہ میں نے زرارہ سے کہا کہ بکیر بن اعین نے مجھ سے امام باقر علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا:

"ان السھام لاتعول ولا تکون اکثر من ستة"

"میراث کے حصوں میں "عول" صحیح نہیں اور وہ چھ سے زیادہ نہیں ہوتے۔"

یہ سن کر زرارہ نے کہا:

امام باقرؑ و امام صادقؑ کے اصحاب میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔(۱)

الکافی جلد ۷ حدیث ۲۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۴۸ حدیث ۴ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۱

مذکورہ روایات میں آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ آئمہ ہدیٰ نے اس امر کو لوگوں تک پہنچایا اور انہوں نے ان احادیث میں اس حکم کی نسبت کتاب علی یا حضرت علی کی طرف نہیں دی جب کہ حضرت علی نے ایسا فرمایا تھا یا پھر انہوں نے کہا کہ جس صحیفہ فرائض کو رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علی سے لکھوایا تھا اس صحیفہ میں یہ مسئلہ اسی طرح سے موجود ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

(۶) ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا کہ بعض اوقات حصوں میں "عول" سے کام لیا جاتا ہے یہاں تک کہ حصے ایک سو یا کبھی اس سے کچھ کم یا کبھی اس سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ مقرر شدہ حصے چھ سے تجاوز نہیں کرتے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

---

(۱) من لایحضرہ الفقیہ جلد ۴ صفحہ ۸۹ حدیث ۵ مرسلا۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۳

(۲) ابن ابی عمیر ابو احمد محمد بن زیاد ازد کے آزاد کردہ تھے اور انہوں نے امام ہشتم و نہم سے روایت کی اور وہ چورانوے کتابوں کے مؤلف تھے۔ ان کی وفات ۲۱۷ھ میں ہوئی۔ (قاموس الرجال جلد ۸ صفحہ ۳۔۹)

"ان الذی احصیٰ رمل عالج لیعلم ان السهام لاتعول علی ستة لو یبصرون وجو هها لم تجز ستة." (۱)

وہ ذات جس نے ریت کے ذرات کا احصا کیا ہوا ہے وہ جانتا ہے کہ مقرر کردہ حصے چھ سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اگر وہ حصوں کو اچھی طرح سے دیکھ سکیں تو چھ سے آگے نہیں بڑھتے۔

(۷) محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ امام محمد باقرؑ نے مجھے صحیفہ فرائض کی اس کتاب کا مطالعہ کرایا جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لکھوایا تھا اور جسے حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا تھا اس صحیفہ میں لکھا تھا:

"ان السهام لاتعول" (۲)

"میراث کے حصوں میں "عول" واقع نہیں ہوتا۔"

(۸) ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق روایت کی کہ انہوں نے حضرت علیؑ کی صحیفہ فرائض نامی کتاب مجھے پڑھ کر سنائی تو اس میں حصوں کی تعداد پانچ، چار اور زیادہ سے زیادہ چھ تھی۔ (۳)

دوسری مثال میں آپ نے دیکھا کہ امام باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام نے یہ بیان کیا کہ میراث کے حصوں میں "عول" کا وارد کرنا صحیح نہیں ہے اور میراث کے حصوں کی تعداد چھ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ان روایات میں آئمہ اہل بیت نے ایک اسلامی حکم بیان کیا' لیکن انہوں نے اس حکم کو کہاں سے حاصل کیا تو آئمہ نے اس حکم کے سرچشمہ کو بیان نہیں کیا۔ جب کہ چھٹی روایت میں ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ امیر المومنین کا حکم ہے۔

---

(۱) الکافی جلد ۷ صفحہ ۹۷ حدیث ۱۔ ستبصار جلد ۴ صفحہ ۷۱ حدیث ۱۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۴۷ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۳۔

(۲) تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۴۷ حدیث ۳ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۳۔

(۳) الکافی جلد ۷ صفحہ ۸۱ حدیث ۶ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۲

آٹھویں روایت میں ہے کہ امام نے راوی کے سامنے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی لکھائی ہوئی اور امیر المومنین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب کے اقتباسات پڑھ کر سنائے۔ بہر نوع یہ روایات خواہ آئمہ سے ہوں یا انہوں نے صحیفہ علی سے پڑھ کر سنائی ہوں نوعیت و حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں اور دونوں طرح کی روایات میں ایک ہی حکم کی نشان دہی کی گئی ہے۔

طرح سے امام علی رضا علیہ السلام نے مامون الرشید کو ایک خط لکھا تھا جس میں آپ نے ایک جملہ یہ بھی تحریر کیا تھا:

"والفرائض علی ما انزل اللہ فی کتابه ولا عول فیها" (۱)

"فرائض میراث اسی طرح سے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیئے ہیں ان میں "عول" کی گنجائش نہیں ہے۔"

انہی دو مثالوں کو دیکھنے کے بعد ہم ائمہ اہل بیت کی باقی احادیث کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ ائمہ جس بھی شرعی حکم کو بیان کیا وہ اپنی طرف سے بیان نہیں کیا بلکہ اپنے اس جد طاہر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبانی بیان کیا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ گواہی دی "وما ینطق عن الھویٰ. ان ھوالا وحی یوحیٰ." (النجم ۳۔۴)

انہی دو مثالوں کو دیکھنے کے بعد ہم آئمہ اہل بیت کی باقی احادیث کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ آئمہ نے جس بھی شرعی حکم کو بیان کیا وہ اپنی طرف سے بیان نہیں کیا' بلکہ اپنے اس جسد طاہر کی زبان سے بیان کیا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے گواہی دی:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوْحٰى " (النجم ۳۔۴)

---

(۱) عیون اخبار الرضا جلد ۲ صفحہ ۱۲۵۔ تحف العقول للحسن بن علی بن شعبۃ الحرانی مطبوعہ مکتبہ بصیرتی قم صفحہ ۳۱۴۔ الوسائل جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۳

"وہ اپنی خواہش سے گفتگو نہیں کرتا' وہ تو ایک وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔" یہی وجہ ہے کہ آئمہ اہل بیت کی احادیث کی سند ایک ہوتی ہے اور ان کی حدیث ایک ہے اور ان کا قول ایک ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابن سنان نے اپنی روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

"لیس علیکم جناح فی ماسمعتم عن ابی ترووہ عن ابی
ولیس علیکم جناح فی ما سمعتم عن ابی ان ترووہ عنی
لیس علیکم فی ھذا جناح."

(الوسائل طبع قدیم جلد۳ صفحہ ۳۸۰ حدیث ۸۵)

"تم جو کچھ مجھ سے سنو تو تمہیں اس کی اجازت ہے کہ تم اس کی روایت میرے والد سے کرو اور اسی طرح تم میرے والد سے سنی ہوئی روایات کی نسبت میری طرف کر سکتے ہو۔ اس میں تمہارے لیئے کوئی حرج نہیں ہے۔"

ایک مرتبہ ابوبصیر نے آپ سے پوچھا:

"کیا میں آپ سے حدیث سن کر اسے آپ کے والد سے منسوب کر سکتا ہوں یا آپ کے والد سے حدیث سن کر آپ کی طرف منسوب کر سکتا ہوں؟"

اس کے جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا:

"سواء الاانک ترویہ عن ابی احب الی" (الکافی جلد ا صفحہ ۵۱)

"دونوں باتیں برابر ہیں مگر یہ کہ تم میرے والد سے روایت کرو تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔"

امام علیہ السلام نے جمیل سے فرمایا:

"ماسمعت منی فاروہ عن ابی" (الکافی جلد ا صفحہ ۵۱)

"تم میری روایات کو میرے والد سے روایت کرو۔"

حفص بن بختری نے امام صادق علیہ السلام سے کہا تھا:

"مولا! ہم آپ سے حدیث سنتے ہیں پھر یہ علم نہیں رہتا کہ ہم نے آپ سے حدیث سنی تھی یا آپ کے والد سے سنی تھی؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"ما سمعته منی فاروه عن ابی وما سمعته منی فاروه عن رسول الله."(۱)

"تم جو مجھ سے مجھے سنو اسے میرے والد سے روایت کرو اور جو مجھ سے سنو تم اس کی روایت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کرو۔"

ہشام بن سالم اور حماد بن عثمان اور دیگر رواۃ نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

"حدیثی حدیث ابی و حدیث ابی حدیث جدی و حدیث جدی حدیث الحسین و حدیث الحسین ، حدیث الحسن و حدیث الحسن حدیث امیرالمومنین و حدیث امیرالمومنین حدیث رسول الله (ص)و حدیث رسول الله قول الله عزوجل." (الکافی جلد ا صفحہ ۵۳۔ ارشاد مفید صفحہ ۲۵۷)

"میری حدیث میرے والد کی حدیث ہے اور میرے والد کی حدیث میرے دادا کی حدیث ہے اور میرے دادا کی حدیث امام حسینؑ کی حدیث ہے اور امام حسینؑ کی حدیث امام

---

(۱) الوسائل جلد ۳ صفحہ ۳۸۰ حدیث ۸۶۔ حفص بن بختری کوفی الاصل بغدادی تھا۔ اس نے امام صادق سے احادیث نقل کی تھیں اور وہ ایک مؤلف بھی تھا۔ (قاموس الرجال جلد ۳ صفحہ ۳۵۵)

حسنؑ کی حدیث ہے اور امام حسنؑ کی حدیث امیر المومنینؑ کی حدیث ہے اور امیر المومنینؑ کی حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔"

ایک مرتبہ جب جابر نے امام باقر علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ مولا! آپ جب مجھے کوئی حدیث بیان کریں تو اس کی سند بھی بیان کیا کریں:

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"حد ثنی ابی عن جدی رسول اللہ (ص) عن جبرائیل ، عن اللہ عزوجل و کلما احدثک بھذا الاسناد.... الحدیث"

(امالی شیخ مفید صفحہ ۶۲)

"میرے والد نے میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت کی انہوں نے جبرائیل سے روایت کی، جبرئیل نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔ میں جب بھی تجھ سے کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو اس کی سند یہی ہوا کرتی ہے۔"

ایک مرتبہ زید بن علی بن الحسین اور سورہ بن کلیب کے درمیان کچھ اس طرح کا مکالمہ ہوا تھا۔ اس مکالمہ کو کشی نے سورہ کی زبانی یوں روایت کیا۔

سورہ کا بیان ہے کہ زید بن علی نے مجھ سے کہا: سورہ! تمہیں اپنے صاحب کے متعلق کیسے معلوم ہوا کہ اس میں وہی صفات ہیں جو تم بیان کرتے ہو؟

جواب میں سورہ نے کہا: تم نے ایک باخبر شخص سے سوال کیا ہے۔

زید بن علی نے کہا تو پھر بیان کرو۔؟

میں نے کہا:

ہم آپ کے بھائی محمد بن علی الباقرؑ کے پاس جاتے تھے اور ان سے سوال کرتے تھے

اور وہ ہر سوال کے جواب میں قول رسول اور قول خدا پیش کرتے تھے' جب آپ کے بھائی امام محمد باقرؑ اس جہان سے رخصت ہوئے تو ہم لوگ آپؑ کے آل محمدؐ کے پاس آئے اور باقی افراد اہل بیت کی طرح سے آپ کے پاس بھی آئے تو تم لوگوں نے ہمیں کچھ سوالات کے جواب دیئے لیکن ہمارے تمام سوالات کے جواب تم سے نہ بن آئے۔ اور پھر ہم آپ کے بھتیجے جعفر صادق علیہ السلام کے پاس گئے تو انہوں نے اپنے والد کی طرح سے ہمارے سوال کے جواب میں قول خدا اور قول رسول پیش کیا۔

یہ جواب سن کر زید بن علی ہنس دیئے اور کہا:

خدا کی قسم جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ اس لیئے ہے کہ حضرت علیؑ کی کتابیں ان کے پاس ہیں۔ (اختیار معرفۃ رجال الکشی صفحہ ۳۷۶ در حالات سورہ بن کلیب)

اس لیئے ابن شبرمہ نے یہ کہا تھا کہ میں جب بھی امام جعفر صادقؑ سے سنی ہوئی حدیث کا تصور کرتا ہوں تو میرا دل پھٹنے کے قریب آ جاتا ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

میرے والد نے مجھ سے بیان کیا، انہوں نے اپنے دادا سے سنا اور ان کے دادا امام حسینؑ نے رسول خداؐ سے روایت کی۔

ابن شبرمہ نے کہا: ان کے والد نے ان کے دادا پر جھوٹ نہیں باندھا تھا اور ان کے دادا نے رسول خدا پر جھوٹ نہیں تراشا تھا۔

رسول خدا نے فرمایا:

"من عمل بالمقایسیس فقد هلک واهلک ومن افتی الناس بغیر علم وهولا یعلم الناسخ من المنسوخ ، المحکم من المتشابه فقد هلک واهلک."

(الکافی جلد ۱ صفحہ ۴۳)

"جس نے قیاس پر عمل کیا تو وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا اور جس نے علم کے بغیر لوگوں کو فتویٰ دیا اور اسے ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کا علم نہ ہو تو وہ خود ہلاک ہوا اور دوسروں کو ہلاک کیا۔"

آئمہ اہل بیت بیان احکام کے لیئے صرف قول خدا اور قول رسول پر انحصار کرتے تھے جب کہ مکتب خلفاء کے علماء رائے اور قیاس پر انحصار کرتے تھے اسی لیئے دونوں مکاتب فکر میں اختلاف کا پیدا ہونا لازمی تھا جیسا کہ ہمیں درج ذیل حدیث میں اس کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔

عذافر الصیرفی کا بیان ہے کہ میں حکم بن عتیبہ کے ساتھ امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس گیا اور امام باقرؑ اس کا احترام کرتے تھے۔ کچھ دیر بعد کسی مسئلہ میں دونوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو آواز دے کر فرمایا:

بیٹا! اٹھو اور لکھی ہوئی ضخیم کتاب اٹھا کر یہاں لے آؤ۔ (کتاب لائی گئی) آپ نے اسے کھول کر دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ مطلوبہ مسئلہ آپ نے تلاش کر لیا اور آپ نے فرمایا:

یہ حضرت علیؑ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے لکھوایا تھا۔

پھر آپ "حکم" کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

ابو محمد! تو، سلمہ اور ابو المقدام دائیں بائیں جہاں جانا چاہو جاؤ لیکن خدا کی قسم تمہیں پختہ علم صرف اسی گھرانے میں ہی ملے گا جہاں جبریل اترا کرتے تھے۔ (رجال نجاشی ۲۷۹)

حالات و واقعات کی خرابی اور اہل حکومت کی مسلسل مخالفت کی وجہ سے آئمہ اہل بیت مکتب خلفاء کے خلاف ہر وقت فتویٰ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھے اور وہ بہت سے احکام

اسلام کو مکمل کر بیان کرنے سے قاصر تھے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

میرے والد ماجد تقیہ کے تحت فتویٰ دیتے تھے اور ہم باز شاہین کے شکار کے متعلق حکم اسلامی بیان کرنے سے خوفزدہ رہتے تھے لیکن اب ہمیں کسی کا خوف نہیں ہے اور ہم ان کے شکار کو جائز قرار نہیں دیتے البتہ اگر اسے شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے تو پھر اور بات ہے۔

یہ مسئلہ کتاب علی میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وما علمتم من الجوارح مكلبين"

"اور تم نے جن کتوں کو شکار پکڑنے کے لیے تعلیم دی ہے۔"

اس آیت کا تعلق کتوں سے ہے۔

(الکافی جلد ۶ صفحہ ۲۰۷۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۳۔ الوسائل جلد ۱۶ صفحہ ۲۰۷)

سنت نبویؐ کی تبدیلی پر حضرت علیؑ کا شکوہ

قارئین کرام! آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فرمان پڑھا کہ ہم اب مسئلہ بیان کرنے سے خوف زدہ نہیں ہیں اور اب ہمارا خوف دور ہو چکا ہے اس لیئے ہم امیر المومنین کی لکھی ہوئی کتاب کے احکام بلا خوف وخطر بیان کر سکتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے مذکورہ جملے دور اموی کے آخری ایام اور سلطنت عباسیہ کے قیام کے ابتدائی سالوں میں ارشاد فرمائے تھے جب کہ اس سے قبل آئمہ اہل بیت کو ہر وقت اپنی اور اپنے شیعوں کی جان و مال کے لالے پڑے رہتے تھے اور وہ کھل کر مکتب خلفاء کے مسلمات کے خلاف فتوئی جاری نہیں کر سکتے تھے۔

اس سے قبل حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے دور حکومت میں کچھ اسلامی احکام بیان کیے تھے جن کی وجہ سے ان کے ماننے والوں اور مکتب خلفاء کے پیروکاروں میں اختلافات کی خلیج پھیل گئی تھی۔

اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لیئے الکافی، الاحتجاج، وسائل، مستدرک کی حسب ذیل حدیث پڑھیں۔ اس حدیث کا جامع خلاصہ نہج البلاغہ میں بھی موجود ہے۔

الکافی میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

سلیم بن قیس ہلالی کا بیان ہے کہ میں نے امیر المومنین علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں

سلمان، مقداد اور ابوذر سے قرآن کی تفسیر اور پیغمبر اکرم کی ایسی احادیث سنتا ہوں جو کہ لوگوں کی روایات سے مختلف ہوتی ہیں۔ پھر میں ان سے سنی ہوئی باتوں کی آپ سے بھی تصدیق سنتا ہوں۔ مجھے لوگوں کے پاس اس وقت قرآن حکیم کی ایسی تفسیر اور ایسی احادیثِ نبویہ دکھائی دیتی ہیں جن کی آپ مخالفت کرتے ہیں اور آپ اسے باطل تصور کرتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ سب لوگ جان بوجھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ تراش رہے ہیں اور یہ لوگ قرآن کی تفسیر بالرائے کر رہے ہیں؟

میرا سوال سن کر آپؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

اگر تو نے سوال کیا ہے تو اس کے جواب کو بھی خوب سمجھ لے۔

لوگوں کے ہاتھوں میں حق و باطل، صدق و کذب، ناسخ و منسوخ، عام و خاص، محکم و متشابہ، حفظ و وہم ہر طرح کی چیزیں موجود ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی میں بھی آپ پر جھوٹ تراشے گئے تھے یہاں تک کہ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

لوگو! جھوٹ بولنے والوں کے جھوٹ مجھ پر بڑھ چکے ہیں۔ جس نے بھی مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ تراشا تو اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں سمجھ لینا چاہیے۔

آنحضرتؐ کے بعد بھی آپ پر جھوٹ تراشے گئے اور تمہارے پاس حدیث نبوی چار قسم کے افراد کے ذریعہ سے پہنچی ہے اس میں پانچویں قسم شامل نہیں ہے۔

(ا) ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطع بنا لیتا ہے۔ وہ نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد

میں پڑنے سے جھجکتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے اور اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے تو وہ اس سے کوئی حدیث قبول نہ کرتے' لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا صحابی ہے اور اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت کی ہے اور آپ سے احادیث سنی ہیں اسی لیئے لوگوں نے اس کی باتوں کو قبول کیا جب کہ لوگوں کو اس کی اصلی حالت کا علم نہیں تھا۔ جب کہ اللہ تعالی نے منافقوں کے متعلق خبر دے رکھی ہے اور ان کے رنگ ڈھنگ سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا:

"وَاِذَا رَاَیْتَھُم تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ بِقَوْلِھِمْ"

''جب آپ ان کو دیکھیں گے تو ان کے اجسام آپ کو بھلے لگیں گے اور جب وہ گفتگو کریں گے تو تم ان کی باتوں کو سنتے ہی رہ جاؤ گے۔''

پھر وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد بھی باقی رہے اور کذب و بہتان کے ذریعہ گمراہی کے پیشواؤں اور دوزخ کا بلاوا دینے والوں کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو اچھے اچھے عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر انہیں لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا اور ان کے ذریعہ سے انہوں نے دنیا کو اچھی طرح حلق سے اتارا اور لوگوں کا تو وطیرہ یہی ہے کہ وہ ہمیشہ بادشاہوں اور دنیاداروں کا ساتھ دیا کرتے ہیں۔ مگر جنہیں اللہ محفوظ رکھے۔ چار میں سے ایک تو یہ ہوا۔

(۲) دوسرا شخص وہ ہے جس نے (تھوڑا بہت) رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا لیکن اس نے اسے اس کے حقیقی مفہوم پر محمول نہ کیا اور اس میں اس سے سہو ہو گیا۔ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا۔ جو کچھ اس کی دسترس میں ہے اسے ہی دوسروں سے بیان کرتا ہے اور خود بھی اسی پر عمل پیرا ہوتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم

سے خود سنا ہے اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کی یادداشت میں بھول چوک ہو گئی ہے تو وہ اس کی بات کو نہ مانتے اور اگر اسے خود بھی اس کا علم ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتا۔

(۳) تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے رسول خدا کی زبان سے سنا کہ آپ نے ایک چیز بجا لانے کا حکم دیا ہے۔ پھر پیغمبر نے تو اس سے روک دیا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہ ہو سکا یا ایسا ہوا کہ اس نے پیغمبر کو ایک چیز سے منع کرتے ہوئے پھر آپ نے اس کی اجازت دے دی لیکن اس کے علم میں یہ چیز نہ آ سکی۔ اس نے قول منسوخ کو تو یاد رکھا اور حدیثِ ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اگر اسے خود یہ علم ہو جاتا کہ یہ حکم منسوخ ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا اور مسلمانوں کو بھی اگر اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہوتی تو وہ بھی اسے نظر انداز کر دیتے۔

(۴) چوتھا شخص وہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ نہیں باندھتا اور وہ خوفِ خدا اور عظمت رسول کے پیش نظر جھوٹ سے نفرت کرتا ہے اور اس کی یادداشت میں بھی بھول چوک واقع نہیں ہوئی بلکہ جس طرح سنا اسی طرح سے یاد رکھا نہ اس میں کچھ بڑھایا' نہ اس میں سے کچھ گھٹایا۔ اس نے ناسخ کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا اور حدیث منسوخ کو بھی اپنی نظر میں رکھا اور منسوخ سے اجتناب برتا۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان بھی قرآن مجید کی طرح سے ناسخ و منسوخ موجود ہے اور اس میں بھی عام و خاص اور محکم و متشابہ موجود ہے اور کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کلام دو رخ لیئے ہوتا تھا۔ کچھ وہ کلام ہوتا تھا اور کچھ قرآن کی طرح سے خاص ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا:

"............ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (الحشر ۷)

"جو کچھ رسول تمہیں دے دیں تم وہ لے لو اور جس سے تمہیں روک دیں اس سے رک جاؤ۔"

جن لوگوں کو کلام رسول کے ان اسالیب کا علم نہیں ہوتا تھا تو انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ خدا و رسول کا منشاء و مقصد کیا ہے اور اصحاب پیغمبر میں سے سب ایسے نہیں تھے جنہیں

آپ سے سوال کرنے کی ہمت ہو اور سمجھنے کی خواہش کا اظہار کر سکتا ہو بلکہ وہ تو یہ چاہا کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آ جائے تو آنحضرتؐ سے کچھ پوچھے تو یہ بھی سن لیں۔ اور میں رسول خدا کے پاس ایک مرتبہ دن میں جاتا تھا اور ایک مرتبہ رات کو جاتا تھا آپ مجھ سے تنہائی میں باتیں کرتے تھے اور جدھر آپ جاتے میں آپ کے ساتھ جاتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تمام صحابہ کو اس بات کا علم ہے کہ آپ جو سلوک مجھ سے کرتے تھے وہ کسی سے روا نہیں رکھتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ میں اپنے گھر میں ہوتا تو آپ میرے گھر میں تشریف لاتے تھے اور جب میں آپ کے پاس کسی حجرہ میں جاتا اور آپ کے پاس آپ کی کوئی بیوی بیٹھی ہوتی تو آپ اسے وہاں سے اٹھا دیتے تھے اور میرے علاوہ آپ کے پاس کوئی دوسرا موجود نہ ہوتا تھا۔ اور جب آپ خلوت کی غرض سے میرے گھر تشریف لاتے تو میرے گھر میں فاطمہؑ اور میری اولاد موجود رہتی تھی اور جب میں آپ سے سوال کرتا تو آپ مجھے جواب دیتے اور جب میرے سوال ختم ہو جاتے تو آپ از خود ابتداء کرتے تھے۔

رسول خداؐ پر قرآن مجید کی جو بھی آیت نازل ہوتی تو آپ مجھے پڑھ کر سناتے تھے اور مجھے لکھنے کا حکم دیتے تھے جسے میں اپنے قلم سے لکھ لیتا تھا۔ آپؐ نے مجھے قرآن کی تاویل، تفسیر، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، خاص و عام کی تعلیم دی اور آپؐ نے اللہ سے میرے لیے دعا مانگی کہ اللہ مجھے ان کے سمجھنے اور انہیں یاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جب سے آپ نے میرے حق میں یہ دعا مانگی تب سے میں کتاب اللہ کی کسی آیت کو نہیں بھولا اور آپ نے جو علم مجھ سے لکھوایا تھا اور جسے میں نے لکھا تھا اسے میں نے کبھی فراموش نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس بھی حلال و حرام، امر و نہی اور ماضی یا مستقبل کا جو بھی علم دیا اور آپ سے پہلے اللہ نے جتنی بھی کتابیں نازل کی تھیں اور ان میں جس بھی اطاعت و معصیت کا تذکرہ تھا، آپ نے مجھے ان سب چیزوں کی تعلیم دی اور میں نے ان سب کو حفظ کیا اور میں ایک حرف بھی نہیں بھولا۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور اللہ سے میرے لیئے دعا کی کہ وہ میرے دل کو علم و فہم، حکمت و نور سے بھر دے۔

میں نے کہا: یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جب سے آپؐ نے میرے

لیئے دعا کی ہے تب سے میں ایک چیز بھی نہیں بھولا اور جو چیز میں نے نہیں لکھی وہ بھی مجھے فراموش نہیں ہوئی تو کیا اس کے بعد بھی آپ کو میرے متعلق نسیان کا اندیشہ ہے؟

آپ نے فرمایا: نہیں۔ مجھے تیرے متعلق نسیان اور نادانی کا کوئی خوف نہیں ہے۔(۱)

اس حدیث اور امیرالمومنین اور ان کی اولاد کے آئمہ ہدیٰ کی احادیث سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آئمہ اہل بیت قرآن کریم کی ایک مخصوص تفسیر اور مخصوص احادیث کے علمبردار تھے اور ان کی تفسیر اور احادیثِ احکام مدرسہ خلفاء کے متضاد تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے ثلاثہ نے اپنے مخصوص اہداف کے حصول کے لیئے صحابہ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث بیان کرنے سے روک دیا تھا اور احادیث نبوی کی بجائے تمیم الداری راہب نصاریٰ اور یہودیوں کے کعب الاحبار جیسے قصہ گو افراد کو یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ منبر پر آئیں اور لوگوں کو اسرائیلی خرافات سنائیں' حکومت کے اس اقدام کی وجہ سے اسرائیلی بے سروپا روایات اسلامی معاشرے میں پھیل گئیں اور کچھ صحابہ نے بھی مذکورہ قصہ یہود و نصاریٰ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان سے ان کی خرافات کی تعلیم حاصل کی اور پھر ان صحابہ نے اسرائیلی تعلیمات کو اسلامی معاشرہ میں خوب پھیلایا۔ جب کہ حکومتی اقدامات کے برعکس حضرت علیؑ اور آپ کے مخصوص شیعہ صحابہ مثلاً سلمان، ابوذر، عمار اور مقداد نے مقدور بھر پیغمبر اکرم کی احادیث اور سیرت کی نشر و اشاعت کی۔ اسی لیئے دونوں مکاتب فکر کے عقائد میں اختلاف پیدا ہوا اور سیرت پیغمبر کی نشر و اشاعت کے جرم میں بعض صحابہ کو جلا وطن ہونا پڑا اور بعض کو سخت ایذائیں دی گئیں۔

علاوہ ازیں خلفائے ثلاثہ نے سنت رسول کے بہت سے ایسے احکام کو جوان کی سیاست کے لیئے رکاوٹ ثابت ہو سکتے تھے، اپنی طرف سے ان میں تغیر و تبدل کیا اور ان کے اسی تغیر و تبدل کو ان کے ماننے والوں نے ''اجتہاد خلفاء'' کا نام دیا جس کے چند نمونوں

---

(۱) الکافی جلد ا صفحہ ۶۲۔۶۳۔ الوسائل طبع قدیم ۳۹۴ حدیث ا۔ مستدرک الوسائل جلد ا صفحہ ۳۹۳۔ احتجاج طبری صفحہ ۱۳۳۔ تحف العقول ۱۳۱۔۱۳۲

اسی خطبہ کا جامع خلاصہ نہج البلاغہ کے خطبہ ۲۰۸ اور الوافی جلد ا صفحہ ۶۳ اور مرآۃ العقول جلد ا صفحہ ۲۱۵ میں بھی موجود ہے۔

پر ہم سابقہ صفحات میں بحث کر چکے ہیں۔ اور پھر جب ایک طویل عرصہ کے بعد اقتدار خلافت حضرت علیؑ کو منتقل ہوا تو آپ نے کوشش کی کہ امت اسلامیہ کو سنت رسول کی طرف پلٹا دیا جائے اور خلفائے ثلاثہ کے خود ساختہ احکام کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ آپ اس مقصد کے حصول میں کامیاب نہ ہو سکے اور حضرت نے ایک مرتبہ اپنے خواص میں اس بات کا دل کھول کر شکوہ کیا تھا۔ جیسا کہ حسب ذیل خطبہ میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

فتنوں کا آغاز ان خواہشات سے ہوتا ہے جن کی پیروی کی جاتی ہے اور ان احکام سے ہوتا ہے جو ازراہ بدعت بنائے جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے اللہ کے حکم کی مخالفت کی جاتی ہے اور لوگ لوگوں پر حکومت کرنے لگ جاتے ہیں۔ آگاہ رہو اگر حق اپنی خالص شکل میں ہو تو اس میں اختلاف ہی نہیں ہوتا اور اگر باطل بھی اپنی خالص شکل وصورت میں ہو تو اس کا باطل ہونا کسی عقل مند پر پوشیدہ نہیں ہوتا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ کچھ حصہ حق سے لے لیا جاتا ہے اور کچھ حصہ باطل سے لے لیا جاتا ہے اور انہیں آپس میں مخلوط کر دیا جاتا ہے۔ اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ابلیس اپنے دوستوں پر تسلط قائم کرتا ہے اور صرف وہی لوگ اس کے تسلط سے محفوظ رہتے ہیں جن کے لیئے خدا کی طرف سے پہلے بھلائی مقرر کر دی جاتی ہے۔

میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا تھا۔ آپ فرما رہے تھے:

اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب تمہیں ایک ایسا فتنہ اپنی لپیٹ میں لے لے گا جس میں بچے جوان ہو جائیں گے اور جوان بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ اس پر چلتے رہیں گے یہاں تک کہ اسے سنت کا درجہ دے دیں گے۔ اور جب اسے بدلنے کی کوشش کی جائے گی تو اس وقت کہا جائے گا کہ سنت کو بدل دیا گیا اور لوگوں کو سنت کی بجائے غلط کام کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

پھر آزمائش مزید سخت ہو جائے گی اور نسلیں قیدی بنالی جائیں گی اور فتنہ انہیں ایسے ہی کھا لے گا جیسا کہ آگ لکڑی کو کھاتی ہے اور جس طرح سے چکی دانوں کو پیس دیتی ہے اسی طرح سے فتنہ کی چکی لوگوں کو اپنے پاٹ میں پیس دے گی۔ لوگ غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں گے اور عمل کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے تعلیم حاصل

کریں گے' اور اعمال آخرت کی بجا آوری کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بنا لیا جائے گا۔

پھر آپ نے لوگوں کی طرف رخ کیا۔ اس وقت آپ کے ارد گرد آپ کے اہل خاندان اور آپ کے خواص اور آپ کے شیعہ بیٹھے ہوئے تھے' اور آپ نے فرمایا:

مجھ سے پہلے حکمرانوں نے جان بوجھ کر ایسے اقدامات کیئے جن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کی گئی اور آپ کے عہد کو توڑا گیا اور آپ کی سنت کو بدلا گیا۔ اور اگر اب میں انہی لوگوں کو بدعات چھوڑنے پر مجبور کروں اور احکام کو ان کے اصلی مقامات تک لوٹا دوں اور انہیں وہاں لے جاؤں جہاں وہ رسول خدا کے عہد میں تھے، تو میرا لشکر مجھے چھوڑ کر مجھ سے الگ ہو جائے گا اور میں تن تنہا رہ جاؤں گا یا پھر میرے ساتھ میرے ان شیعوں کی قلیل جماعت باقی رہ جائے گی جو میری فضیلت سے آگاہ ہیں اور جو میری امامت کو اللہ اور سنت پیغمبر کی طرف سے فرض سمجھتے ہیں۔

تم کیا سمجھتے ہو اگر مقام ابراہیم کے متعلق حکم دے کر اسے اس کے اس مقام پر نصب کروں جہاں رسول خدا نے اسے نصب کیا تھا اور اگر میں فاطمہ زہراؑ کے وارثوں کو فدک واپس لوٹا دوں اور صاع رسول کو اسی حالت میں لے آؤں جیسا کہ وہ رسول خدا کے عہد میں تھا اور اگر میں ان لوگوں کو جاگیریں دے دوں جنہیں رسول اللہ نے جاگیریں دینے کا اعلان کیا تھا لیکن اس پر ابھی تک عمل نہیں ہوا تھا اور اگر میں جعفر کے گھر کو مسجد کے حدود سے نکال کر اس کے وارثوں کے حوالے کر دوں اور میں ظلم پر مبنی فیصلوں کو کالعدم قرار دے دوں اور اگر میں عورتوں کو ان مردوں کے نیچے سے نکال دوں جن پر کچھ لوگوں نے ناحق تصرف کر رکھا ہے اور انہیں ان کے شوہروں کے حوالے کر دوں اور اگر میں بنی تغلب کے خاندان والوں کو قید کر لوں اور اگر میں خیبر کی تقسیم شدہ زمینیں واپس کر لوں اور اگر میں عطیات و وظائف کے رجسٹرات ختم کر دوں اور رسول خدا کی طرح سے لوگوں میں مساوی تقسیم رائج کر دوں اور میں دولت مند طبقہ میں اسے محدود نہ رہنے دوں اور اگر میں قبائل و نسب کا فرق

ختم کر کے ایک دوسرے سے لوگوں کو نکاح کی اجازت دے دوں اور اگر میں خمس رسول کو اسی طرح سے جاری کروں جیسا کہ رسول خدا نے جاری کیا تھا اور میں مسجد نبوی کو انہیں حدود میں لے جاؤں جہاں وہ عہد پیغمبر میں تھی اور اگر میں ان دروازوں کو بند کردوں جو بعد میں کھولے گئے اور اگر میں ان دروازوں کو کھول دوں جنہیں بعد میں بند کیا گیا اور اگر میں موزوں پر مسح کرنے کی حرمت کا اعلان کردوں اور اگر میں نبیذ پر حد شرعی نافذ کردوں اور اگر میں متعہ الحج اور متعہ النساء کو جاری کردوں اور اگر میں لوگوں کو نماز جنازہ میں پانچ تکبیروں کا حکم دے دوں اور اگر میں لوگوں کو پابند کردوں کہ وہ نماز میں بسملہ بلند آواز سے پڑھیں اور اگر میں ان لوگوں کو مسجد نبوی سے باہر نکال دوں جنہیں رسول خدا کے بعد داخل کیا گیا اور اگر میں ان لوگوں کو مسجد میں داخل کردوں جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے داخل کیا تھا اور اگر میں لوگوں کو قرآن کے فرمان کے مطابق طلاق سنت پر مجبور کردوں اور اگر میں صدقات کو اجناس کی اصناف اور ان کے حدود کے مطابق وصول کرنے لگ جاؤں اور اگر میں وضو، غسل اور نماز کو اس کے صحیح مقامات اور شرائط اور صحیح اوقات پر لوٹا دوں اور اگر اہل نجران کو ان کے اصلی مقامات کی جانب لوٹا دوں اور فارس کے قیدیوں اور دوسری امتوں کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق سلوک کروں تو لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

خدا کی قسم! میں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ماہ رمضان میں فرض نمازوں کے علاوہ جماعت نہ کریں اور میں نے انہیں یہ بتایا کہ ماہ رمضان میں ان کی نوافل کی جماعت تراویح بدعت ہے، تو میرے ہی لشکر اور میرے ہی پرچم تلے لڑنے والوں میں سے کچھ چیخ چیخ کر کہنے لگیں:

''اے اہل اسلام! سنت عمر کو تبدیل کر دیا گیا۔ ہمیں ماہ رمضان میں نوافل کی جماعت سے روکا جا رہا ہے۔''

یہ دیکھ کر مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ میرے لشکر میں ہی انتشار اور کھلبلی اور بغاوت ہی پیدا نہ کردیں۔

آہ! مجھے اس امت کے افتراق اور آئمہ جور کی اطاعت سے کتنے دکھ جھیلنے پڑے ہیں۔ (روضہ کافی صفحہ ۵۸-۶۳)

اس خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام نے اس بات کا شکوہ کیا کہ وہ امت کو سنت رسول پر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور آپ ہمیشہ اسی وجہ سے غمگین رہا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ موت کی تمنا کرتے تھے اور امت کی نافرمانی دیکھ کر فرمایا کرتے تھے:

تمہارے بد بخت ترین شخص کو کس چیز نے روک رکھا ہے وہ آ کر مجھے شہید کیوں نہیں کرتا، پروردگارا! میں ان سے اکتا چکا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا چکے ہیں تو انہیں مجھ سے خلاصی عطا کر اور مجھے ان سے چھٹکارا نصیب فرما۔ (بحار الانوار جلد ۴۲ صفحہ ۱۹۶)

حضرت امیر المومنینؑ کے مذکورہ جملے زندگی کی کٹھنائیوں سے فرار کی کوشش پر مبنی نہیں تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا:

علی! تم جانتے ہو اولین و آخرین میں سے سب سے بڑا بد بخت کون ہے؟

حضرت علی نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔

رسول خدا نے فرمایا: کائنات کا سب سے بڑا بد بخت وہ ہے جو اس کو اس سے خضاب کرے گا۔ یعنی جو تمہاری داڑھی کو سر کے خون سے خضاب کرے گا۔

جب ابن ملجم نے حضرت امیر المومنینؑ کو شہید کر کے دنیا کے دکھوں سے نجات دلائی تو پورے بلاد اسلامیہ پر معاویہ کا قبضہ ہو گیا اور جن بدعات کو حضرت ختم کرنا چاہتے تھے اس نے ان بدعات کو از سر نو جاری کیا اور اس نے عربوں میں دور جاہلیت کی عصبیت کو دوبارہ رواج دیا اور معاویہ کی آشیر باد پا کر دنیا طلب افراد نے پیغمبر اکرمؐ سے منسوب دھڑا دھڑ جھوٹی احادیث بنائیں جن سے خلفاء کی سیاست کی تائید مطلوب تھی اور اموی اقتدار استحکام دنیا مقصود تھا اور معاویہ کا اسلام اور رسول اسلام سے کس قدر عداوت تھی اس کی ہلکی سی جھلک حسب ذیل روایت میں دکھائی دیتی ہے۔ (بحار الانوار جلد ۴۲ صفحہ ۱۹۵)

اس روایت کو زبیر بن بکار نے اپنی کتاب ''الموفقیات'' میں معاویہ کے دست راست مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے مُطرف کی زبانی نقل کیا کہ اس نے کہا:

میں اپنے والد کے ساتھ معاویہ کے پاس گیا۔ اور پھر ہم نے کئی دن تک شام میں قیام کیا۔ میرا والد روزانہ اس کے پاس جاتا تھا اور اس سے گفتگو کیا کرتا تھا۔ پھر جب وہ میرے پاس آیا تو معاویہ کی باتوں اور اس کی عقل مندی کا میرے سامنے تذکرہ کیا کرتا تھا اور معاویہ کی دانائی پر تعجب کا اظہار کیا کرتا تھا۔

ایک رات میرا والد گھر آیا تو عشاء کے وقت تک بالکل خاموش رہا اور وہ مغموم دکھائی دیتا تھا۔ میں کچھ وقت تک والد کے بولنے کا انتظار کرتا رہا مگر میرے والد نے کوئی بات نہ کی۔ جس کی وجہ سے میں نے یہ گمان کیا ہو نہ ہو ہم پر شاہی عتاب نازل ہوا ہو گا۔

آخر کار میں نے والد سے کہا: ابا جان! آپ اتنے غمگین کیوں ہیں؟

میرے والد نے کہا: بیٹا! میں دنیا کے سب سے بڑے کافر اور بدترین خبیث کے پاس سے آیا ہوں۔

میں نے کہا: کیوں کیا ہوا؟

میرے والد نے کہا: میں نے تنہائی میں معاویہ سے کہا کہ امیر المومنین! آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اگر اس بڑھاپے میں آپ عدل کا مظاہرہ کریں اور لوگوں سے بھلائی کریں تو یہ آپ کے لیے بہتر ہو گا اور اگر آپ اپنے بنی ہاشم بھائیوں پر شفقت کریں اور ان کے حقوق قرابت کو بحال کریں تو یہ آپ کے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ اس وقت بنی ہاشم کی قوت ختم ہو چکی ہے اور آپ کو ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کا ذکر لوگوں کی زبانوں پر جاری رہے گا اور آپ کو اس کا ثواب بھی ملے گا۔

اس کے جواب میں معاویہ نے کہا:

ایسا ہونا ناممکن ہے میں کس ذکر خیر کی بقاء کی امید کر سکتا ہوں؟ بنی تیم کے ایک شخص (ابوبکر) نے حکومت کی اور اس نے عدل و انصاف سے کام کیا اور جب وہ مرا تو اس کی موت کے ساتھ ہی اس کا ذکر بھی مر گیا۔ ہاں البتہ کبھی کوئی شخص اس کا نام لے لیتا ہے۔

پھر بنی عدی کا فرد حکمران بنا اس نے دس سال تک مسلسل عدل و انصاف سے کام لیا آخر کار اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ جب وہ مرا تو اس کے ساتھ اس کا ذکر بھی مر گیا' ہاں کبھی کبھار کوئی شخص اس کا نام لے لیتا ہے۔ جب کہ ابن ابی کبشہ (نعوذ باللہ) (محمدؐ مصطفیٰ) کے نام کی روزانہ پانچ مرتبہ آذان بلند ہو رہی ہے۔ اب بتاؤ کون سا عمل باقی رہے گا۔ اور اس کے بعد کون سا ذکر ہمیشہ قائم رہے گا۔ نہیں' خدا کی قسم میں اسے دفن کر کے رہوں گا۔ میں اسے دفن کر کے ہی رہوں گا۔ (نعوذ باللہ) (۱)

معاویہ کے خصوصی احکام کے تحت جھوٹی احادیث کا طوفان کھڑا کیا گیا۔ (۲)

چنانچہ حکومت کی سرپرستی میں بننے والی احادیث نے عوام الناس کو ملوکیت نواز بننے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے اپنے تئیں یہ سمجھ لیا کہ ہر مقتدر کی اطاعت فرض ہے اور ہر صاحب اقتدار "اولی الامر" ہے اور اس کی اطاعت کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے اور سرکاری قاضیوں اور مفتیوں نے لوگوں کو یہ باور کرایا کہ خلفاء نے قرآن و سنت کے جتنے بھی منافی احکام جاری کیے ہیں وہ سب کے سب نیک نیتی پر مبنی ہیں اور وہ خلفاء کا اجتہاد ہے اور جوں جوں دن گذرتے رہے مسلمانوں میں ملوکیت نوازی پختہ تر ہوتی گئی۔ اور ان کے اذہان میں خوئے غلامی مزید راسخ ہوتی گئی اور حکومت و اقتدار جسے پہلے خلافت رسول سمجھا جاتا تھا وہ خلافت الٰہی میں بدل گئی۔

یہی وجہ ہے کہ جب دنیا کا فاسق ترین شخص ولید بن یزید بن عبدالملک برسر اقتدار آیا تو اس وقت ارمینیہ کے والی مروان بن محمد نے اسے خلافت کی تہنیت دیتے ہوئے اپنے خط میں یہ الفاظ لکھے:

"يبارک له خلافة الله على عباده"

اسے بندوں پر اللہ کی خلافت مبارک ہو۔

(تاریخ ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۳)

ہم اپنے محترم قارئین کو یہ بتاتے چلیں۔ یہ وہی ولید تھے جس کے بھائی سلیمان

---

(۱) الموفقیات للزبیر بن بکار صفحہ ۵۷۵-۵۷۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۱۷۶

(۲) کتاب ہذا کی جلد اول کی فصل "حدیث پیغمبر کی نشر و اشاعت" کی طرف رجوع فرمائیں۔

نے اس کے قتل کے منصوبہ میں شرکت کی تھی اور سلیمان نے اپنے بھائی کے کردار کے متعلق یہ الفاظ کہے تھے۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ میرا بھائی ولید شراب کا رسیا اور فاسق ترین انسان تھا' اس نے خود میرے ساتھ لواطت کرنے کا ارادہ کیا تھا۔''

جی ہاں جس بدبخت کو خلیفۃ اللہ کہہ کر مبارک باد دی گئی اس نے ایک دفعہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پینے کا ارادہ کیا تھا۔

ایسے ہی بدکار افراد کو مکتب خلفاء میں ''خلیفۃ اللہ'' کا لقب دیا گیا۔ ایک دفعہ مہدی عباسی کی محفل میں ولید کی بدکاریوں کا ذکر چھڑا اور کسی دل جلے نے کہہ دیا کہ وہ ''زندیق'' تھا تو مہدی عباسی اپنے جیسے سلطان کی توہین گوارا نہ کر سکا اور اس نے کہا۔

خلافة الله عنده اجل من ان يجعلها فى زنديق

''''خلافت الٰہیہ کا مقام اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ اللہ کسی زندیق کو اس عہدہ پر سرفراز کر دے۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۱۰ صفحہ ۷۔۸)

ابوداؤد نے اپنی سنن میں سلیمان الاعمش سے روایت کی' اس نے کہا کہ میں نے حجاج بن یوسف کے ساتھ حج کیا۔ اس نے خطبہ حج میں کہا:

...... فاسمعوا واطيعوا لخليفة الله وصفيه عبدالملك بن مروان۔

(سنن ابی داؤد جلد ۴ صفحہ ۲۱۰ حدیث ۴۶۵ ۔ باب فی الخلفاء)

لوگو! تم خلیفۃ اللہ اور صفی اللہ عبدالملک بن مروان کے حکم کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

ابوداؤد' مسعودی اور ابن عبدربہ لکھتے ہیں۔ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں:

ربیع بن خالد الضبی نے کہا کہ میں نے حجاج کو خطبہ میں یہ کہتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا۔

"رسول احدکم فی حاجتہ اکرم علیہ ام خلیفتہ اھلہ" (۱)

"لوگو! ذرا سوچ سمجھ کر بتاؤ۔ ایک شخص اپنی کسی حاجت کے لیے کسی کو اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے آیا وہ قاصد افضل ہوتا ہے یا جسے وہ اپنے خاندان میں اپنا جانشین مقرر کرے وہ افضل ہوتا ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ خلیفہ رسول سے افضل ہوتا ہے۔

حجاج نے عبدالملک کو خط لکھا تھا۔ جس میں اس نے امر خلافت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور یہ لکھا کہ آسمان اور زمین مقام خلافت کی وجہ سے قائم ہیں اور یہ کہ خلیفہ کا مقام خدا کے نزدیک ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین سے بھی زیادہ ہے اور اس کی دلیل یہ لکھی کہ آدم خلیفہ تھے۔ اللہ نے انہیں اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا اور ملائکہ سے آدم کا سجدہ کرایا تھا اور جب اس نے اپنے خلیفہ کو زمین پر اتارا تو ملائکہ کو اس کے پاس قاصد بنا کر روانہ کیا۔

عبدالملک کو حجاج کے یہ دلائل بہت اچھے لگے اور اس نے کہا: میری خواہش ہے کہ کاش اس وقت کوئی خارجی یہاں موجود ہوتا تو میں اس کے سامنے یہ دلائل پیش کر کے اسے لاجواب کرتا۔ (العقد الفرید جلد ۵ صفحہ ۵۱)

مکتب خلفاء میں کبھی تو مقام خلافت کو مقام رسالت و نبوت سے بلند و بالا قرار دیا گیا اور کبھی مقام خلافت کو مقام رسالت و نبوت کے مساوی قرار دیا گیا۔ چنانچہ ابوداؤد اور العقد الفرید میں ایک "طرفہ" خطبہ یہ دکھائی دیتا ہے:

ان مثل عثمان عند اللّٰہ کمثل عیسیٰ ابن مریم. ثم قراء "اذ قال اللّٰہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۴ صفحہ ۲۰۹ حدیث ۴۶۴۲۔ مسعودی جلد ۳ صفحہ ۱۴۷۔ فی ذکر طرف من اخبار الحجاج۔ العقد الفرید جلد ۵ صفحہ ۵۲۔

"بے شک اللہ کی نظر میں عثمان کا مقام عیسیٰ بن مریمؑ جیسا ہے۔
پھر اس نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔
"جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ! میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں' اور تیرے پیرو کاروں کو قیامت کے دن تک تیرے منکرین پر غلبہ دینے والا ہوں۔"
اس کے بعد العقد الفرید میں لکھا ہے کہ اس نے یہ آیت پڑھ کر اہل شام کی طرف اشارہ کیا۔ (سنن ابی داؤد جلد ۴ صفحہ ۲۰۹۔ العقد الفرید جلد ۵ صفحہ ۵۱)

یعنی اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل شام نے چونکہ خلیفہ عثمان کی پیروی کی ہے' اسی لیے اللہ نے انہیں اہل عراق پر غلبہ دیا ہے۔

ولید بن عبدالملک نے والی مکہ خالد بن عبداللہ القسری کو حکم دیا کہ وہ مکہ میں لوگوں کے لیے ایک کنواں کھدوائے۔ اس نے کنواں کھدوایا۔ اتفاق سے کنوئیں سے میٹھا پانی برآمد ہوا۔ لوگ اس پانی کو پینے لگے۔ پھر خالد بن عبداللہ القسری نے منبر مکہ پر خطبہ دیتے کہا:

لوگو! یہ بتاؤ کہ ایک شخص کسی کو اپنے خاندان میں اپنا جانشین مقرر کرتا ہے بھلا وہ افضل ہے یا وہ افضل ہے جسے وہ اپنا قاصد بنا کر روانہ کرے؟

امید ہے اب تمہیں اپنے خلیفہ کی فضیلت کا پتہ چل گیا ہوگا۔ ابراہیم خلیل اللہ تھے' انہوں نے خدا سے پانی طلب کیا تو اللہ نے ان کے لیے زمزم کا چشمہ جاری کیا جس کا پانی کڑوا اور نمکین ہے اور تمہارے خلیفہ نے کنواں کھدوایا تو اس کے لیے میٹھا اور شیرین پانی برآمد ہوا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ والئ مکہ نے حکم دیا تھا کہ اس کنوئیں کا پانی بھر کر چاہ زمزم کے قریب رکھا جائے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ زمزم کا پانی کھارا اور خلیفہ کے کنوئیں کا پانی شیرین ہے۔

جب اس نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کے کھدوائے ہوئے کنوئیں کے پانی کو تہ نشین کر دیا اور اس کا پانی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ آج اس کے کنوئیں کا کہیں نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا۔(۱)

سرکاری محدثین اور قاضیوں اور مفتیوں کی مسلسل کاوشوں کی وجہ سے امت اسلامیہ کو خوئے غلامی میں پختہ تر کر دیا گیا اور ان کی نظر میں مقام خلافت کو عظیم القدر منصب کی حیثیت سے پیش کیا گیا اور لوگوں کے اذہان میں ابتدائی دو خلفاء کے مقام کو راسخ کیا گیا اور اسی پختگی کا یہ نتیجہ ہی تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عمر کی وفات کے بعد حضرت علیؑ سے یہ کہا تھا کہ میں آپ کی اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سیرت شیخین پر عمل کریں گے۔

حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کروں گا۔ میں کسی کی سیرت کو اپنے لیے نمونہ عمل قرار نہیں دے سکتا۔ جب یہی شرط حضرت عثمان کے سامنے رکھی گئی تھیں تو انہوں نے کسی چوں چرا کے بغیر انہیں تسلیم کیا تھا۔

(عبداللہ بن سبا جلد ا باب الشوریٰ و بیعۃ عثمان)

جب کہ حقیقت یہ تھی کہ شیخین نے بہت سے احکام میں اپنی رائے پر عمل کیا تھا۔ انہوں نے خمس میں سے ''ذی القربیٰ'' کے حصہ کو ختم کر دیا تھا جب کہ قرآن مجید کی آیت خمس میں ''ذی القربیٰ'' کا حصہ موجود ہے۔

حضرت ابو بکر نے خالد بن ولید پر حد شرعی جاری نہیں کی تھی اور حضرت عمر نے اپنی رائے کو استعمال کرتے ہوئے متعۃ الحج اور متعۃ النساء پر پابندی عائد کر دی تھی اور انہوں نے بیت المال کی تقسیم کے لیے طبقاتی نظام تشکیل دیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی شیخین نے بہت سے احکام میں من پسند تبدیلیاں کی تھیں اور حضرت عثمان نے بھی ان کی تبدیلیوں کو جوں کا توں رہنے دیا تھا اور ایک طویل عرصہ سے امت اسلامیہ ان تبدیلیوں

---

(۱) تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۶۷۔ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۵۔ ابن کثیر جلد ۹ صفحہ ۷۶۔

کی عادی ہو گئی اور وہ انہیں اپنے دین کا ایک حصہ سمجھنے لگ گئی تھی۔ اور جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے خلفاء کی من پسند تبدیلیوں کو ختم کر کے سنت رسول نافذ کرنے کی کوشش کی تو لوگوں نے مزاحمت کی اور ان کے خلاف جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے آپ اپنی اصلاحات جاری نہ کر سکے۔ آپ کی شہادت کے بعد جب معاویہ سیاہ وسفید کا مالک بنا تو اس نے رہی سہی کسر بھی نکال دی اور خلفاء کے احکام کے یہ نتائج برآمد ہوئے کہ اصلی احکام اسلام نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور ان کی جگہ خلفاء کے اجتہادی احکام نے لے لی۔

اور خلفاء نے اپنے زرخرید محدثین کے ذریعہ سے لوگوں کو یہ باور کرایا کہ خلفاء پر کس طرح کی انگلی اُٹھانا فعل حرام ہے اور خلفاء کو مقدس ملائکہ کا درجہ دے دیا گیا۔

ان حالات میں رہ کر ائمہ اہل بیت نے اسلام کا دفاع کیسے کیا اور انہوں نے از سر نو معاشرہ کو اسلامی احکام کس طرح سے واپس کیے؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہماری کتاب

"احیائے دین میں ائمہ اہل بیت کا کردار" کا مطالعہ فرمائیں۔

ہم نے اس کتاب میں اس سوال کا تفصیلی جواب دیا ہے۔

فصل پنجم

شریعت اسلامیہ کے مصادر کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آراء کا خلاصہ

- کتاب وسنت کے مقابلہ میں خلفاء کے اجتہادی کی چند مثالیں
- خلفاء کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے حدیث سازی
- عالم اسلام کے اتحاد کا راستہ

قرآن، سنت، فقہ اور اجتہاد کے الفاظ اسلام اور مسلمانوں کے اصطلاحات میں سے ہیں۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جسے اس نے عربی زبان میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا اور عربی زبان میں قرآن کے مقابلہ میں شعرو نثر ہے۔ لہٰذا ہر عربی کلام یا تو قرآن ہو گی اور یا پھر شعرو نثر ہو گی۔

پورے قرآن کو قرآن کہا جاتا ہے اور سورہ کو بھی قرآن کہا جاتا ہے اور آیت کو بھی قرآن کہا جاتا ہے اور بعض اوقات آیت کے کچھ حصہ کو بھی قرآن کہا جاتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے پورے دیوان کو شعر کہا جاتا ہے اور اس کے ایک قصیدہ کو بھی شعر کہا جاتا ہے اور ایک بیت کو بھی شعر کہا جاتا ہے اور اس کے ایک مصرع کہ بھی شعر کہا جاتا ہے۔

لفظ ''قرآن'' مخصوص اسلامی اصطلاح ہے کیونکہ یہ اصطلاح کلام اللہ اور حدیث رسول میں وارد ہے۔ علماء نے بعض قرآن کے اوصافی ناموں کو بھی اسمائے قرآن میں شامل کیا ہے مثلاً لفظ الکتاب اور ذکر کو لفظ ''قرآن'' کا مترادف قرار دیا۔

حضرت ابو بکر نے قرآن حکیم کا نام ''مصحف'' رکھا تھا۔ مگر یہ لفظ خود قرآن اور حدیث نبوی میں وارد نہیں ہوا ہے۔ اسی لیے اس کو اصطلاح مسلمین تو کہا جا سکتا ہے مگر لفظ مصحف کو اصطلاح اسلام نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جتنی بھی قرآنی آیات نازل ہوئی تھیں تو آپ وہاں پر موجود مسلمانوں کو ان کی تعلیم دیتے تھے اور آپ لوگوں کو قرآن لکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی لیے مسلمان قرآنی آیات اور سورتوں کو چمڑے، لکڑی اور ہڈیوں پر لکھا کرتے تھے۔ رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ گھر بیٹھ گئے اور انہوں نے قرآن مجید کو کتابی شکل میں مدون کیا۔

حضرت علیؑ کے علاوہ ابن مسعود جیسے بزرگ صحابہ کے پاس بھی قرآن حکیم

کے کامل نسخے موجود تھے۔

حضرت ابو بکر نے چند مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قرآن کی تدوین عمل میں لائیں۔ چنانچہ ان کے حکم پر قرآن کا ایک نسخہ مدون کیا گیا اور حضرت ابو بکر نے اس نسخہ کو حضرت حفصہ کے پاس رکھ دیا تھا۔ جب حضرت عثمان برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اسی نسخہ کی بہت سی نقول تیار کرائیں اور مختلف شہروں میں اس کے نسخے روانہ کیے۔ پھر مسلمانوں نے ان سے ہزاروں نسخے نقل کیے اور پھر ہزاروں سے لاکھوں نقول تیار کی گئیں اور قرآن کا نسخہ گھر گھر پہنچ گیا۔ قرآن کی تدوین سے لے کر آج تک اس میں کسی طرح کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

جس طرح سے الفیہ ابن مالک ہر زمانہ میں حوزہ ہائے علمیہ میں پڑھائی جا رہی ہے اور اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ اس طرح سے قرآن حکیم بھی ہر دور میں مسلسل پڑھا جا رہا ہے اسی لیے اس میں کسی طرح کی تبدیلی کا امکان تک نہیں ہے۔ اور آج تک یہ بات کسی نے نہیں سنی کہ فلاں آدمی کے پاس قرآن کا ایسا نسخہ ہے جو باقی نسخوں سے علیحدہ ہے۔

البتہ تحریف قرآن کی چند ضعیف روایات کتب خلفاء اور کتب اہل بیت کی کتابوں میں موجود ہیں مگر آج تک کسی مسلمان نے انہیں درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ اس طرح کی روایات صرف کتابوں تک ہی محدود ہیں۔

جہاں تک "مصحف فاطمہ" کا تعلق ہے تو اس کے متعلق ائمہ اہل بیت نے خود ہی وضاحت کر دی تھی کہ وہ احکام پر مبنی کتاب نہیں ہے اس میں صرف مستقبل کے واقعات کے متعلق پیشین گوئی کی گئی ہے اور مستقبل کے حکمرانوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اس میں قرآن مجید کی کوئی آیت شامل نہیں ہے۔ اور اس کتاب کو "مصحف" کہنے سے قرآن کی شراکت لازم نہیں آتی جیسا کہ سیبویہ کی علم نحو پر لکھی ہوئی کتاب کو آج تک "الکتاب" کہا جاتا ہے مگر آج تک کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ "الکتاب" تو صرف قرآن ہے اور اس کتاب کو "الکتاب" کہہ کر قرآن کی عظمت کے خلاف سازش کی گئی

ہے۔ لہٰذا اگر سیبویہ کتاب کو "الکتاب" کہنے سے قرآن کی شراکت لازم نہیں آئے گی۔

لفظ "سنت" کے لغوی معنی طریقہ کے ہیں اور عرف مسلمین میں لفظ سنت کا اطلاق رسول خدا کی سیرت' ان کی حدیث اور ان کی تقریر پر کیا جاتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی حدیث میں سنت کو اپنانے کی دعوت دی گئی ہے لفظ "سنت" کا تعلق اسلامی اصطلاحات سے ہے۔ اس لفظ کی حدیث و تقریر پر دلالت تضمنی ہے۔

سنت نبوی یعنی حدیث' سیرت اور تقریر کے حصول کا دارومدار پیغمبر اکرم سے مروی روایات پر ہے۔

"فقہ" کے لغوی معنی "سمجھ بوجھ" کے ہیں۔ قرآن و حدیث میں یہ لفظ علوم اسلامی کی سمجھ بوجھ کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ علمائے اسلام کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو علم الاحکام کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ لفظ فقہ قرآن و سنت میں "مفہم علم دین" کے معانی میں استعمال ہوا ہے اور علماء نے اس لفظ کو مخصوص کر کے صرف علم الاحکام تک محدود کر دیا ہے مگر اس کے باوجود یہ لفظ اسلامی اصطلاح ہی رہے گا۔

مکتب خلفاء سے وابستہ علماء کے عرف میں اجتہاد کی تعریف یہ ہے کہ کتاب' سنت اور قیاس کے ذریعہ سے احکام کا استنباط کرنا۔

جب کہ مکتب اہل بیت میں لفظ اجتہاد لفظ فقہ کا مترادف ہے اور لفظ مجتہد لفظ فقیہ کا ہم معنیٰ ہے۔

دونوں مکاتب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ کتاب اللہ کے احکام اور سنت رسول جو کہ صحیح طریقہ سے ثابت ہو' پر عمل کرنا واجب ہے۔

البتہ دونوں مکاتب فکر کا اس بات میں اختلاف ہے کہ سنت رسول کس سے حاصل کی جائے؟

مکتب خلفاء سے وابستہ افراد ہر اس شخص سے احکام حاصل کرنا درست سمجھتے ہیں جسے وہ صحابی کہتے ہیں۔ البتہ مکتب اہل بیت سے وابستہ علماء حضرت علیؑ کے کسی بھی

دشمن سے روایت حاصل کرنا جائز نہیں سمجھتے خواہ وہ دشمن عمران بن حطان خارجی ہو خواہ وہ کوئی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی ہی کیوں نہ ہو۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔

یا علی! لایحبک الامومن ولا یبغضک الامنافق.

علی! مومن کے علاوہ تجھ سے کوئی محبت نہیں رکھے گا اور منافق کے علاوہ کوئی تجھ سے بغض نہیں رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لاتعلمهم نحن نعلمهم"

"اہل مدینہ میں سے کچھ نفاق پر کمریں باندھ چکے ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں خوب جانتے ہیں۔"

وفات پیغمبر کے بعد دونوں مکاتب فکر کا نشر حدیث میں بھی اختلاف ہوا تھا ابتدائی خلفاء نے حدیث کی نشر و اشاعت پر پابندی عائد کر دی تھی اور اس کے لکھنے کو ممنوع قرار دیا تھا اور یہ ممانعت عمر بن عبدالعزیز کے دور تک جاری رہی۔ جب کہ مکتب اہل بیت نے ہر دور میں اشاعت حدیث پر خصوصی توجہ دی۔

علاوہ ازیں اسلامی احکام کے متعلق عمل بالرائے اور اجتہاد کے متعلق بھی دونوں مکاتب فکر کے نظریات میں بھی بڑا فرق پایا جاتا ہے۔

مکتب اہل بیت میں احکام اسلامی کے متعلق رائے اور اجتہاد پر عمل کرنے کو درست نہیں سمجھا جاتا۔ جب کہ مکتب خلفاء میں احکام اسلامی کے متعلق رائے اور اجتہاد پر عمل کرنا درست ہے۔

اس کی چند مثالیں ہم آئندہ باب میں بیان کریں گے۔

کتاب وسنت کے مقابلہ میں خلفاء کا اجتہاد

(الف) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا."

(الحشر)

"رسول جو کچھ تمہیں دے دے وہ لے لو اور جس سے تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ۔"

"وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی." (النجم ۳-۴)

"وہ اپنی خواہش سے گفتگو نہیں کرتا وہ تو بس وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔"

"وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ."

(النحل ۴۴)

"اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کی وضاحت کریں جو ان کی طرف بھیجی گئی ہے۔"

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اپنی حدیث کی نشر و اشاعت کی ترغیب دی اور آپ نے اس کے لیے خصوصی تاکید فرمائی لیکن آپ کی وفات کے بعد خلفاء نے اپنے خصوصی اہداف کے حصول کے لیے لوگوں کو اشاعت حدیث سے روک دیا اور انہوں نے کتابت حدیث پر سخت پابندیاں عائد کریں اور عجیب بات یہ ہے کہ خلفاء کے اس حکم کو اجتہاد کا نام دے کر اسلامی حکم قرار دیا گیا۔ بعد ازاں خلفاء کے اجتہاد کو سند جواز دینے کے لیے سرکاری محدثین نے اس طرح کی روایات وضع کیں کہ رسول خدا نے خود ہی کتابت حدیث سے لوگوں کو منع کیا تھا۔

حدیث نبوی پر یہ پابندی نوے برس تک جاری رہی۔ یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز نے حدیث نبوی کی کتابت کا سرکاری فرمان جاری کیا۔ اس حکم کے بعد کتب خلفاء سے وابستہ علماء نے احادیث رسول کی تدوین کی اور یوں مسانید' صحاح اور دوسری بہت سی حدیث کی کتابیں منظر عام پر آئیں۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى......" (الانفال ۴۱)

"اور جان لو تمہیں جس طرح کی بھی غنیمت حاصل ہو تو اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور رسول کے رشتہ داروں کا ہے......"

حضرت رسول خداؐ نے اس آیت کے الفاظ پر مکمل عمل کیا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد خلفاء نے خمس میں سے رسول خدا اور ان کے قرابت داروں کے حصہ کو ختم کر دیا اور مذکورہ دونوں حصوں کو جہاد کی تیاری اور ہتھیاروں کی خریداری کے لیے مخصوص کر دیا۔ اور بعد ازاں کتاب وسنت سے یہ متضاد حکم بھی اسلامی حکم بن گیا۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ . (البقرہ ۱۹۶)

جس نے عمرہ سے حج تمتع کا ارادہ کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ تمتع کو متعارف کرایا اور لاکھوں مسلمانوں نے اس پر عمل کیا مگر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد خلفاء نے قرآن وسنت کے مقابلہ میں اجتہاد کرتے ہوئے عمرہ تمتع کو ممنوع قرار دیا اور لوگوں کو "حج افراد" کا حکم دیا۔ ان کے اس اجتہاد کو بھی امت اسلامیہ میں اسلامی حکم کا درجہ حاصل ہوا۔

پھر حکام کے ہی خواہوں نے حکام کی پردہ پوشی کے لیے کچھ اس طرح کی احادیث وضع کیں کہ رسول خدا نے حج افراد کا حکم دیا تھا اور عمرہ تمتع سے منع کیا تھا۔

امت اسلامیہ کے ایک گروہ نے طویل عرصہ تک خلفاء کے حکم پر عمل کیا اور آج
بھی بہت سے لوگ سنت نبوی کی بجائے خلفاءؑ کے اجتہاد کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں۔

(د) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا۔

"فما استمعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة" (النساء ۲۴)

"پس تم نے جن عورتوں سے تمتع کیا ہے ان کی مقرر کردہ اجرت ان کے سپرد کرو۔"

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعۃ النساء کا حکم جاری کیا اور صحابہ نے آپ کے فرمان پر عمل کیا۔ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد خلفاء نے قرآن وسنت کے مقابلہ میں اجتہاد کیا اور متعۃ النساء پر پابندی عائد کر دی۔ اور ان کے اجتہاد کو امت اسلامیہ میں اسلامی حکم کا درجہ دیا گیا اور کتب خلفاء سے وابستہ افراد آج تک اسے حرام قرار دیتے ہیں۔

(ہ) اللہ تعالیٰ۔ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

"جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ"

"اللہ نے کعبہ کو حرمت والا گھر بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ اور اس کے اطراف کو مقام امن قرار دیا ہے۔"

رسول خداؐ نے حرم کی حدود مقرر کی تھی اور ان میں ہر طرح کی خون ریزی اور فتنہ وفساد سے منع فرمایا تھا۔

لیکن آنحضرتؐ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد خلفاء نے اجتہاد کیا اور حرمت کعبہ کو پامال کیا اور منجنیق سے وہاں سنگباری کی۔

(و) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى شورىٰ"

"آپ کہہ دیں کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ میرے قرابت داروں سے مودت رکھو۔"

حضرت رسول اکرمؐ نے امت کو اپنی اہل بیت سے حسن سلوک کی بار بار نصیحت کی؛ مگر آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد خلفاء نے اجتہاد کیا اور سبط پیغمبر اور ان کے ساتھ

ان کے افراد کو شہید کیا اور ان پردہ نشین بیبیوں کو قید کر کے مختلف شہروں میں پھرایا۔

الغرض خلفاء نے قرآن وسنت کے مقابلہ میں بہت سے اجتہاد کیے جن کے چند نمونے ہم نے یہاں نقل کیے اور اگر ہم خلفاء کے تمام اجتہادات کو نقل کرنا چاہیں تو اس کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔

خلفاء کے اجتہاد کو امت اسلامیہ میں اس قدر پذیرائی ملی کہ بعض اجتہاد اسلامی حکم کہلائے اور مکتب خلفاء سے وابستہ مسلمانوں نے ان پر عمل کرنے کو اپنے دین کا تقاضا قرار دیا۔

خلفاء کے کچھ اجتہادات ایسے بھی ہیں جنہیں مورخین نے ان کی ''اولیات عمر'' کو بڑی شہرت حاصل ہے۔

سیوطی نے اولیات عمر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔

- آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ماہ رمضان میں نماز تراویح کو رواج دیا۔(۱)
- آپ متعہ کو حرام قرار دینے والے پہلے انسان ہیں۔
- آپ پہلے انسان ہیں جنہوں نے لوگوں کو نماز جنازہ کی چار تکبیرات پر جمع کیا۔(۲)
- آپ پہلے انسان ہیں جنہوں نے میراث کے حصوں میں ''عول'' کو متعارف کرایا۔ (مستدرک حاکم در تفصیل قول ابن عباس جلد ۴ صفحہ ۳۳۹)

سیوطی نے اولیات عثمان بیان کرتے لکھا:

- وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جائیدادیں عطا کیں۔
(مثلاً انہوں نے مروان کو جائیداد فدک سپرد کی تھی)
- وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے چراگاہیں مخصوص افراد کے سپرد کی تھیں
(مثلاً انہوں نے ربذہ کی چراگاہ اپنے لیے مخصوص کر لی تھی)

''اولیات معاویہ'' بیان کرتے ہوئے سیوطی نے لکھا:

---

(۱) صحیح بخاری باب فضل من قام رمضان من کتاب الصیام۔ صحیح مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان، طبقات ابن سعد طبع لیدن جلد ۳ صفحہ ۲۰۲۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۔ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۲۲۔ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۳

(۲) مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۳۷۰ جلد ۵ صفحہ ۴۰۶۔ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۔ طبع یورپ جلد ۳ صفحہ ۴۵

- معاویہ پہلا شخص ہے جس نے بیٹھ کر خطبہ دیا۔
- معاویہ پہلا شخص ہے جس نے نماز عید سے قبل اذان شروع کرائی۔
- معاویہ پہلا شخص ہے جس نے نماز تکبیریں کم کیں۔
- معاویہ پہلا شخص ہے جس نے مسجد میں چھوٹا کمرہ بنوایا تھا۔
- معاویہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کیا۔

خلیفہ ثانی نے طلاق کے متعلق بھی اجتہاد کیا تھا اور ایک ہی مجلس میں جاری کی ہوئی تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار دیا جب کہ سنت رسول میں اس کی گنجائش نہیں تھی۔ (۱) علاوہ ازیں انہوں نے اذاں میں بھی اجتہاد کیا اور ''حی علی خیر العمل'' کی جگہ اذان فجر میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کے جملے جاری کیے تھے۔ (۲)

علاوہ ازیں حضرت عمر مردہ پر رونے کو ناجائز سمجھتے تھے اور انہوں نے رسول خدا کے روکنے کے باوجود بھی رونے والوں کو زود کوب کیا۔ (۳) جب کہ رسول خدا نے انصار سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ حمزہ پر گریہ کریں۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۰۔ الاستیعاب در شہادت حمزہ)

علاوہ ازیں خلیفہ ثانی نے نماز عصر کے بعد دو رکعت نوافل سے منع کیا تھا جب کہ رسول خدا نے انہیں کبھی ترک نہیں کیا تھا۔ (۴)

---

(۱) صحیح مسلم' باب طلاق الثلاث' من کتاب الطلاق' مسند احمد' جلد ۲ صفحہ ۳۱۴۔ سنن ابی داؤد فی کتاب الطلاق' باب نسخ المراجعۃ بعد الثلاث تطلیقات۔ سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۶۔ مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۱۹۶۔

سنن نسائی کتاب الجنائز باب عدد التکبیرات علی الجنازۃ

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ۔ موطا مالک' باب الاذان والتثویب۔ شرح تجرید بحث امامت۔

(۳) ملاحظہ فرمائیں صحیح بخاری ابواب الجنائز' باب البکاء عند المریض' وباب ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ' وباب الرجل ینعی الی اھل المیت بنفسہ' وباب قول النبی (ص) انا بک لمحزونون۔ صحیح مسلم کتاب الجنائز' باب البکاء علی المیت' باب رحمۃ من الصبیان والعیال من کتاب الفضائل۔ تاریخ طبری وابن اثیر فی ذکر موت ابی بکر در حوادث ۱۳ ھ۔ نسائی فی کتاب الجنائز۔ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۳۵ جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۱۱۱

(۴) صحیح مسلم باب معرفۃ الرکعتین اللتین کان یصلیھما بعد العصر۔ فی موارد النھی عن الصلاۃ بعد الصبح والعصر۔ شرح زرقانی۔

حضرت عثمان نے بھی نماز کے متعلق اجتہاد کیا تھا اور جہاں نماز قصر فرض بنتی تھی انہوں نے وہاں چار رکعات نماز تکمیل ادا کی (۱)

معاویہ نے بھی اجتہاد کیا تھا اور اس نے ایک شاہی فرمان جاری کیا تھا کہ جمعہ اور عیدین کے خطبات میں حضرت علیؑ پر سب وشتم کیا جائے اور عمر بن عبدالعزیز کے عہد حکومت تک اس پر عمل ہوتا رہا۔

معاویہ کا فرزند یزید بھی ''مجتہد'' تھا' اس نے بھی بہت سے اجتہاد کیے تھے!!!

الغرض خلفاء نے کتاب وسنت کے مقابلہ میں بہت سے اجتہاد کیے تھے اور انہوں نے اپنے اجتہادات سے اسلامی احکام کی شکل وصورت مسخ کر دی تھی۔ خلفاء کے اجتہاد کو کبھی تاویل کا نام دیا گیا اور کبھی اسے ''اولیات'' کے دل کش نام سے یاد کیا گیا۔ مگر افعال خلفاء کے لیے لفظ ''اجتہاد'' ہی زیادہ متداول رہا۔

اور رہی سہی کسر سرکاری محدثین کی ان خود ساختہ احادیث نے پوری کر دی جن کے ذریعہ سے خلفاء کے اعمال واقوال کو مسند جواز فراہم کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس کی تفصیل آپ آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا۔ صحیح بخاری فی باب ماجاء فی التقصیر من ابواب التقصیر۔ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۹۴ و تاریخ طبری وابن اثیر فی ذکر ماتم علی عثمان۔

خلفاء کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے حدیث سازی

سابقہ باب میں ہم نے چند مثالیں دے کر یہ واضح کیا ہے کہ خلفاء نے کتاب وسنت کے مقابلہ میں اجتہاد کیا تھا اور انہوں نے اسلام میں خود ساختہ احکام شامل کیے تھے۔

تاریخ اسلام میں اس سے بڑھ کر یہ غضب بھی ڈھایا گیا کہ مکتب خلفاء کے زرخرید محدثین ورواۃ نے رسول خداؐ کی طرف ایسی روایات منسوب کیں جن میں یہ کہا گیا کہ رسول خداؐ نے ہی اس طرح کے اجتہاد کا حکم دیا تھا۔ معاویہ نے اپنے دور حکومت میں حدیث سازی کو باقاعدہ ایک "صنعت" کا درجہ دے دیا تھا۔ اور دور معاویہ میں بننے والی احادیث میں خلفاء کے افعال کی تائید وحمایت کی گئی تھی اور ہم نے کتاب ہذا اور اپنی دوسری کتابوں میں اس کی وضاحت کی ہے۔

خلفاء کی تائید کے لیے حسب ذیل خود ساختہ احادیث کو ملاحظہ فرمائیں۔

محدثین نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے مسلمانوں کو خلفاء کے خلاف خروج کرنے سے ممانعت فرمائی اور آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہر حال میں خلفاء کے اطاعت گزار رہیں۔

چنانچہ مسلم اور ابن کثیر کے علاوہ بہت سے محدثین نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی۔ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں:

جب لوگوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو عبداللہ بن عمر نے اپنی اولاد اور خاندان والوں کو جمع کیا، پھر شہادت توحید ونبوت کے بعد کہا:

ہم نے اس شخص کی بیعت اللہ اور رسول کی بیعت سمجھ کر کی ہے اور میں نے

رسول خدا سے سنا کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"جو کوئی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے گا تو وہ قیامت کے دن خدا کے حضور اس حالت میں پیش ہوگا کہ اس کے پاس اپنے فعل کے جواز کی کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اور جو اس حال میں مرجائے کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

لہٰذا تم میں سے کسی کو بھی یزید کی اطاعت سے جدا نہیں ہونا چاہیے اور اس امر خلافت میں تم میں سے کوئی بھی زیادتی کا ارتکاب نہ کرے۔ اور جس نے بھی ایسا کیا تو اس کے اور میرے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی۔(۱)

مسلم نے حذیفہ سے روایت کی۔ اس کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا میرے بعد ایسے پیشوا ہوں گے جو میری ہدایت پر عمل پیرا نہیں ہوں گے اور میری سنت کی پرواہ نہیں کریں گے اور ان میں ایسے افراد بھی ہوں گے جن کے دل شیاطین کے سے ہوں گے مگر وہ انسانی بدن میں ہوں گے۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو میں کیا کروں؟

آپ نے فرمایا:

تجھے امیر کا فرمان سننا چاہیے اور اطاعت کرنی چاہیے اگرچہ وہ تیری پشت پر کوڑے مارے اور تیرا مال لوٹ لے(۲)۔

حسب ذیل چاروں احادیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

- زید بن وہب نے عبداللہ سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: میرے بعد تم لوٹ مار دیکھو گے اور ایسے امور کا مشاہدہ کرو گے جو تمہیں برے لگیں گے۔

---

(۱) تاریخ ابن کثیر جلد ۷ صفحہ ۲۳۲۔ وصحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۳۔ وصحیح مسلم

(۲) کتاب ہٰذا کی بحث امامت میں ہم اس روایت کے مصادر بیان کر چکے ہیں اور ویسے بھی اس روایت کے متعلق ہمارا نظریہ یہ ہے کہ حضرت حذیفہ کی وفات کے بعد یار لوگوں نے ان کی طرف یہ روایت منسوب کی ہے۔

لوگوں نے کہا:

یا رسول اللہؐ! اگر ہم سے کوئی اس زمانہ کو پالے تو اس کے لیے آپ کیا حکم دیتے ہیں؟

رسول خدا نے فرمایا:

تم ان کا حق ادا کرو جو تم پر واجب ہے اور اپنا حق طلب کرو۔

◙ وائل حضرمی کا بیان ہے کہ سلمہ بن یزید نے رسول خداؐ سے پوچھا یا رسول اللہؐ! آپ یہ بتائیں اگر ہم پر ایسے افراد حاکم بن جائیں جو ہم سے تو اپنا حق طلب کریں لیکن ہمارا حق ہمیں نہ دیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

...................آپؐ نے فرمایا:

تمہیں سمع وطاعت سے کام لینا چاہیے۔ ان سے ان کی ذمہ داریوں کے متعلق پوچھا جائے گا اور تم سے تمہاری ذمہ داریوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

(۳) ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

جو اطاعت سے جدا ہوا اور جماعت سے نکل گیا اور مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ ابن عباس سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے۔

◙ عوف بن مالک اشجعی نے کہا کہ میں نے رسول خداؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

تمہارے اچھے پیشوا وہ ہیں جن سے تم محبت کرو گے اور وہ تم سے محبت کریں گے اور تم ان کے لیے دعا مانگو گے اور وہ تمہارے لیے دعا مانگیں گے اور تمہارے بدترین پیشوا وہ ہوں گے جن سے تم بغض رکھو گے اور وہ تم سے بغض رکھیں گے اور تم ان پر لعنت کرو گے اور وہ تم پر لعنت کریں گے۔ اس وقت ہم نے کہا:

یا رسُول اللہؐ! کیا اس حالت میں ہم ان سے جنگ کریں؟

رسول خداؐ نے فرمایا:

نہیں! جب تک وہ تم میں نماز قائم کریں۔ نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کریں۔

آگاہ رہو جس پر کوئی شخص حاکم بن جائے اور وہ دیکھے کہ حاکم خدا کی نافرمانی کر رہا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی سے نفرت کرے لیکن اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ حدیث ۴۵، ۴۹، ۵۳، ۵۴، ۶۶)

ہم نے سابقہ صفحات میں صحابہ و تابعین کے اجتہاد کا بالعموم اور خلفاء کے چند اجتہادات کا بالخصوص جائزہ لیا اور ہم نے یہ دیکھا کہ انہوں نے کتاب وسنت کے مقابلہ میں احکام اسلامی کے متعلق اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ اور انہوں نے ایسا اس لیے کیا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کی سیاست کے تقاضوں کے لیے یہی بہتر ہے۔

اور ہم نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ مکتب خلفاء سے وابستہ افراد نے کتاب وسنت کے مقابلہ میں مذکور اجتہادات کو قانون اسلامی کا مصدر اور سرچشمہ قرار دیا ہے۔

اس لیے قیاس واستحسان کو اجتہاد کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ اور مکتب خلفاء میں اجتہاد کو بھی وہی مقام حاصل ہے جو کتاب وسنت کو حاصل ہے۔

جب کہ اس کے برعکس مکتب اہل بیت کے پیروکاروں نے کسی بھی دور میں رائے اور اجتہاد کو تسلیم نہیں کیا اور وہ اسلامی احکام کے لیے صرف کتاب وسنت کو ہی مصدر و منبع تسلیم کرتے ہیں۔

ائمہ اہل بیت ہمیشہ قرآن پر عمل کرتے تھے اور قرآن مجید کے ساتھ ساتھ وہ اس سنت نبویہ پر عمل کرتے تھے جو کہ ان کے پاس محفوظ اور مدون تھی۔ اور ائمہ اہل بیت نے اپنے پیروکاروں کو کتاب وسنت کی تعلیم دی اور انہوں نے ہر دور میں عمل بالرائے اور قیاس واجتہاد کی مخالفت کی۔

خدا نے چاہا تو آئندہ مباحث میں اس کی مزید وضاحت کی جائے گی۔ اور اسی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف نے جنم لیا۔ کیونکہ ایک فریق نے خلفا کے اجتہاد کو اسلامی حکم کے طور پر قبول کیا اور دوسرے فریق نے کتاب وسنت کے علاوہ کسی کے بھی اجتہاد کو اسلامی حکم کے عنوان سے تسلیم نہیں کیا۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جب خلیفہ ثانی نے کتاب وسنت کے مقابلہ پر اجتہاد کرتے ہوئے عمرہ تمتع کو ممنوع قرار دیا تو ان کے بعد مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ ہمارے دو حاضر کے مقابلہ اور سلفیہ کی طرح سے بعض مسلمانوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول کو اہمیت دی اور وہ عمرہ تمتع بجا لاتے رہے اور بعض مسلمانوں نے خلیفہ کے اجتہاد کو اہمیت دی اور انہوں نے کتاب وسنت پر عمل نہ کیا۔

آخر ان حالات میں اختلاف ختم ہو تو کیسے اور مسلمان متحد ہوں گے کیسے ہوں؟

عالم اسلام کے اتحاد کا راستہ

عالم اسلام کی وحدت و اتفاق کے لیے حسب ذیل دو نکات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(۱) عالم اسلام میں حقیقی اتحاد اس وقت قائم ہو سکتا ہے جب کتاب اللہ اور سنت رسول کو ہی احکام اسلامی کا واحد سرچشمہ تسلیم کیا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے افراد کو صحابہ و تابعین کے اجتہاد کا مکلف نہ قرار دیا جائے۔

جس طرح سے ابتدائی خلفاء نے اجتہاد کرتے ہوئے کتابت حدیث پر پابندی عائد کی تھی مگر نوے برس بعد عمر بن عبدالعزیز نے اس پابندی کو ختم کیا تھا تو پوری امت اسلامیہ نے پابندی ختم کرنے کا خیر مقدم کیا اور ابتدائی خلفاء کے اجتہاد کو مسترد کر دیا تھا۔ اسی طرح سے آج بھی ضرورت ہے کہ صرف کتاب و سنت کو ہی احکام اسلامی کا سرچشمہ تسلیم کیا جائے اور بزرگوں کے اجتہادات سے افراد امت کو آزاد کیا جائے۔

(۲) احادیث کے راوی اور کتب حدیث کے مولفین ہرگز معصوم نہیں تھے۔

جس کا ثبوت یہ ہے ایک دوسرے کی متضاد روایات مروی ہیں۔ اسی لیے ہمیں چاہیے کہ کسی بھی محدث کو رسول خدا کی طرح سے غلطی و خطا سے معصوم نہ مانیں۔ اور کسی بھی حدیث کی کتاب کو کتاب اللہ کی طرح سے غلطیوں سے مبرا نہ مانیں۔ کیونکہ روئے زمین پر صرف قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جس میں باطل کا گزرنا ناممکن ہے

اور وہ اول سے آخر تک صحیح ہے اور اس میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔ اسی لیے ہمیں حدیث کی سند اور متن دونوں کی علمی تحقیق کرنی چاہیے۔ خواہ حدیث کسی بھی کتاب میں کیوں نہ ہو۔

ہماری نظر میں مسلمانوں کے اتحاد کا راز انہی دو نکات میں مضمر ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

الذکری. لقد فرغت من ترجمة هذا الكتاب لثلاث خلون من شهر رجب المرجب سنية ۱۴۲۴ من الهجرة وعلى مهاجرها الاف التحية واسئل الله ان يوفقني لمرضاته وان يغفر خطيئتي يوم الدين. انه رحيم و دود. وصلى الله على محمد واله وسلم تسليما كثيرا.

محمد حسن الجعفری

ادارے کی دیگر کتب



ادارہ منہاج الصالحین لاہور